UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226590

UNIVERSAL
LIBRARY

UnEven Page Numbers within the book only

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۱۲۸ Accession No. 4.5073

Author ن ر ابن نسیم

Title روح و روحانیت

This book should be returned on or before the date last marked below.

رُوح ورُوحانیات

تصنیف :- اِمام ابنِ قیم

ترجمہ :- عبدالصمد صارم الازہری

نذر

بگرامی خدمت

قبلہ والد صاحب قاضی ظہور الحسن نظم سیوہاروی مرحوم

پیش لفظ

چونکہ قرآن حدیث اور آثار سلف کی روشنی میں روح پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ ابن قیم کی اس سعی مشکور کو اردو زبان میں منتقل کر دوں تاکہ عام مسلمان اس سے مستفید ہو سکیں۔

آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے اس کتاب میں نہ صرف مُردوں کی روحوں سے بلکہ زندوں کی روحوں سے بھی بحث کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں عجیب و غریب فلسفیانہ مباحث، دینی نکات اور مذہبی مسائل لائے ہیں۔

مصنف نے کتاب کو بغیر کسی دیباچے اور حمد و نعت کے شروع کر دیا ہے۔ لہٰذا معلوم نہیں ہو سکا کہ آیا یہ کتاب انہوں نے کسی شخص کے مختصر سوال کے جواب میں لکھی تھی، اور طول بیانی سے خود انہوں نے کام لیا یا ان تمام مسائل کے بارے میں ان سے کسی نے دریافت کیا تھا جو اس قدر تفصیل کے ساتھ انہوں نے جوابات دیئے۔

میں نے اسناد کو حذف کر دیا ہے۔ ورنہ ترجمہ بے لطف ہو جاتا ہے، اور کتاب کی ضخامت بھی بہت بڑھ جاتی۔ اسانید کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ضرورت ہو وہ اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ اشعار بھی اڑا دیئے ہیں۔

اس کتاب کے ترجمے کے سلسلہ میں مولوی محمد یعقوب ڈیروی نے میری بڑی مدد کی ہے۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔

سنہ ۱۹۶۰ء

عبد الصمد صارم الازہری

اورینٹل کالج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل ۱

پہلا مسئلہ

اس بیان میں ہے کہ مُردوں کو زندوں کے ان کی قبر پر جانے اور سلام کرنے کے متعلق خبر ہوتی ہے یا نہیں؟

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی قبر سے گذرتا ہے اور صاحب قبر کو سلام کرتا ہے، اور وہ اُسے جانتا بھی تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو قبر سے بھیجتے ہیں اور وہ روح اس کے سلام کا جواب دیتی ہے،

یہ حدیث اس بات کی نص ہے کہ مردہ کو زندہ کے اس کی قبر پر جانے اور سلام کرنے کی خبر ہوتی ہے اور وہ زندہ کے سلام کا جواب بھی دیتی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کئی جگہ آیا ہے کہ نبی کریم نے بدر کے مشرکین مقتولوں کو ایک گڑھے میں ڈلوا دیا۔ آپ وہاں تشریف لائے اور ایک ایک کا نام لے کر آواز دی کہ اے فلاں ابن فلاں تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ فرمایا تھا تم نے اُسے سچا پایا یا نہیں؟ میں نے تو بلاشک وشبہ اس کے وعدے کو سچا پایا جو میرے رب نے مجھ سے کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ آپ ایسے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں جو مر گئے ہیں اور سڑ گئے ہیں، آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات مقدس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، یہ تم سے زیادہ میری بات کو سننے والے ہیں لیکن

ان میں جواب دینے کی قدرت نہیں ہے۔

حضورؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ مردہ ساتھ جانے والوں کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے جبکہ وہ اسے دفنا کر واپس لوٹتے ہیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ سکھایا ہے کہ وہ مُردوں کو ان الفاظ میں سلام کیا کریں۔ السلام علیکم دار قوم مومنین ط یہ خطاب تو اس شخص سے کیا جا سکتا ہے جو سنتا بھی ہو اور سمجھتا بھی ہو۔ کیونکہ اگر وہ سُنتا اور سمجھتا نہیں تو اس سے خطاب کرنا ایسا ہے جیسے کسی غائب شخص یا جامد چیزوں سے خطاب کرنا۔

سلف صالحین کا اس پر اتفاق ہے اور تواتر سے ان سے منقول ہے کہ مردہ کو زندہ کے اس کے پاس جانے کی خبر لگ جاتی ہے اور وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید بن ابی الدنیا کتاب القبور، باب معرفۃ الموتی بزیارۃ الاحیاء میں صحیح سند سے لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی کسی مسلمان کی قبر پر جاتا ہے اور اس کے قریب جا کر بیٹھتا ہے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے پاس کھڑا ہو جائے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی اپنے کسی جاننے والے کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے اور سلام کرتا ہے تو وہ مردہ بھی اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، اور اگر وہ کسی ایسے آدمی کی قبر پر گزرتا ہے۔ جسے وہ نہیں جانتا تھا اور سلام کرتا ہے تو وہ مردہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

عاصم حمو ری کی اولاد میں سے ایک صاحب نے کہلایا ہے کہ میں نے عاصم حمو ری کی خواب میں زیارت کی، اس وقت ان کے انتقال کو دو برس ہو چکے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا۔ یا حضرت کیا آپ کا انتقال نہیں ہو گیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں، پھر میں نے عرض کیا، اب آپ کہاں رہتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا۔ میں جنت کے ایک باغ میں رہتا ہوں اور

میرے چند ایک دوست بھی وہاں رہتے ہیں۔ ہم لوگ جمعہ کی رات اور دن میں ایک جگہ پر اکٹھے ہوتے ہیں اور بکر بن عبداللہ مزنی سے ملاقات کے ذریعے سے تمہارے حالات معلوم کرتے ہیں تو یہ صاحب کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا کہ آپ وہاں اپنے جسموں کے ساتھ ہیں یا صرف روحیں ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ اجسام کہاں رہے، وہ تو سڑ کر خاک ہو گئے۔ ہماری روحیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ پھر میں نے پوچھا۔ کیا آپ لوگوں کو ہمارے آنے جانے کی خبر بھی لگتی ہے، جب ہم مزارات پر آتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا۔ ہاں، ہم کو جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن اور ہفتہ کی رات میں سورج کے نکلنے تک خبر ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں، میں نے پھر عرض کیا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کو دوسرے دنوں میں معلوم نہیں ہوتا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کو اور دنوں پر فضیلت ہے۔

حسن قصاب بیان کرتے ہیں کہ میں محمد بن واسع کی معیت میں ہر ہفتہ کی صبح کو قبرستان جا کر اہل قبور کو سلام اور ان کے لئے استغفار کیا کرتا تھا۔ حسن کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن محمد بن واسع سے کہا کہ اگر آپ ہفتہ کی بجائے پیر کا دن قبور کی زیارت کے لئے مقرر فرمالیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ مردوں کو جمعہ، جمعہ سے پہلے دن، اور جمعہ کے بعد کے دن، اپنے پاس آنے والوں کی خبر ہوتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری ضحاک سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جو آدمی ہفتہ کے دن سورج نکلنے سے قبل مردہ کی زیارت کو گیا، تو مردہ کو اس کی زیارت کی خبر ہوتی ہے۔ کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یہ کس طرح؟ انہوں نے جواب دیا کہ جمعہ کے قریب ہونے کی وجہ سے۔

حضرت مطرف، جو ایک بزرگ گذرے ہیں، وہ ہر جمعہ کی رات کو قبرستان میں جاتے تھے اور ان کے تازیانے میں چراغ کی مانند روشنی ہو جاتی تھی ایک رات جو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر گئے کیا دیکھتے ہیں کہ سب مردے اپنی قبروں سے نکل کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں دیکھ کر بولے کہ یہ مطرف ہر جمعہ کی رات

کو ہمارے پاس آتے ہیں۔ معروف نے پوچھا کیا تمہیں میرے آنے کی خبر ہوتی ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ ہاں، ہمیں آپ لوگوں کے آنے کا علم ہوتا ہے اور ہم اس رات پرندوں کی گفتگو بھی سمجھتے ہیں، جو اس دن وہ کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا پرندے کیا کہتے ہیں تو وہ کہنے لگے وہ کہتے ہیں۔ سلام سلام۔

فضل بن موفق سفیان بن عیینہ کے ماموں زاد برادر فرماتے ہیں جب میرے والدین کا انتقال ہوا تو مجھے بہت قلق ہوا میں اپنے والدین کی قبر پر ہر روز جاتا، پھر کچھ عرصہ کے لئے میں نے جانا چھوڑ دیا، پھر ایک دن میں گیا اور قبر کے قریب جا کر بیٹھ گیا، مجھے خود بخود نیند آگئی، کیا دیکھتا ہوں کہ میرے باپ کی قبر میں شگاف پڑ گیا ہے اور وہ کفن پہنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں انہیں اس حالت میں دیکھ کر رونے لگا۔ انہوں نے کہا۔ اے بیٹے! تم بہت دنوں سے ہمارے پاس نہیں آئے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کیا آپ کو میرے آنے کا علم ہوتا ہے، انہوں نے جواب دیا۔ تم جتنی مرتبہ میرے پاس آئے مجھے معلوم ہے، اور جب تم میرے پاس آتے تھے تو میں بہت خوش ہوتا تھا، اور تمہاری دعا سے میرے تمام پڑوسی بھی خوش ہوتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پھر میں کثرت کے ساتھ والدین کی قبر پر جانے لگا۔

عثمان بن سودہ طفاوی بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ بڑی نیک تھی لوگ اسے راہبہ کہتے تھے، جب ان کی موت کا وقت آیا۔ تو انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا۔ اے وہ مقدس ذات جس کے ہاں میرا ذخیرہ ہے جس پر زندگی اور موت کے بعد بھروسہ ہے۔ مرتے وقت میری دستگیری سے دور نہ ہونا اور نہ ہی قبر میں وحشت دلانا، عثمان کہتے ہیں۔ جب ان کی وفات ہو گئی تو میں ہر جمعہ کو ان کی قبر پر جاتا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا اور تمام قبرستان والوں کے لئے بھی دعائے مغفرت کرتا، ایک دن میں نے

انہیں خواب میں دیکھا اور کہا، اے اماں جان! آپ کس طرح ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا، بیٹے! موت کا ذائقہ بہت سخت ہوتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی شفقت سے بہت اچھی جگہ پر ہوں۔ جہاں پھولوں کا بستر ہے اور سندس و استبرق کے گاؤ تکیے ہیں۔ قیامت تک میں وہیں رہوں گی۔ وہ کہتے ہیں میں نے کہا۔ ہاں! میں نے عرض کیا فرمائیے۔ انہوں نے کہا تم ہر جمعہ کو ہمارے پاس آتے رہنا۔ ناغہ کبھی نہ کرنا۔ تمہارے آنے سے ہمیں خوشی ہوتی ہے اور جس وقت تم گھر سے میرے پاس آتے ہو تو لوگ مجھے کہتے ہیں کہ راہبہ! لو یہ تمہارا بیٹا آگیا۔ تو میں خوش ہوتی ہوں اور میرے ہمسائے بھی خوش ہوتے ہیں۔ بشر بن منصور بیان کرتے ہیں کہ طاعون کے زمانے میں ایک شخص اکثر نماز جنازہ میں شریک ہوتا تھا، اور ہر شام قبرستان میں جاکر دروازے پر کھڑے ہو کر کہتا، خدا تمہاری وحشت کو دور کرے۔ تمہیں اُنس دے تمہاری غربت و بیکسی پر رحم فرمائے، اور تمہاری خطاؤں کو بخش کر تمہاری نیکیوں کو قبول فرمائے وہ ان کلمات سے زیادہ کچھ نہ کہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر چلا آیا، اور قبرستان نہ گیا، جب رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ بہت سے آدمی اس کے پاس آئے ہیں۔ پوچھا۔ تم کون لوگ ہو؟ اور کس لئے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم قبرستان والے ہیں۔ تم ہر روز ہمیں اپنا ایک تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ تمہارا وہ تحفہ آج ہمارے پاس نہیں آیا۔ پوچھا۔ وہ کیا تحفہ ہے؟ انہوں نے کہا۔ آپ کا تحفہ وہ دعا ہے جو آپ کیا کرتے ہیں، بشر نے کہا، کہ اس دن سے پھر میں نے کبھی وہاں کا جانا نہ چھوڑا۔

مروی ہے کہ سلیم بن عمیر ایک دفعہ اپنی سواری پر سوار ایک قبرستان کے قریب سے گذر رہے تھے۔ انہیں پیشاب کرنے کی سخت حاجت ہوئی تو ان کے ایک ساتھی نے کہا۔ آپ اتر کر قبرستان کے کسی گڑھے میں پیشاب کیوں نہیں کر لیتے، تو انہوں نے جواب دیا قسم بخدا میں مردوں سے بھی اسی طرح شرم کرتا ہوں جس طرح زندوں سے۔

اگر مردوں کو زندوں کے آنے کا علم نہ ہوتا تو سلیم جیسا عالم فاضل شخص

ان سے کس لئے شرماتا، اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ مردوں کو اپنے عزیزوں اور خویش و اقارب کے اعمال کی بھی خبر ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مبارک سند کے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ زندوں کے اعمال مردوں کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ اگر وہ اچھے ہوتے ہیں تو مردے انہیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور اگر برے ہوتے ہیں تو مردے ان سے غمگین ہوتے ہیں۔

ابن ابی الدنیا سے مروی ہے کہ عباد بن عباد، ابراہیم بن صالح کے پاس فلسطین گئے، صالح نے ان سے کہا مجھے کچھ نصیحت کیجئے، عباد بن عباد نے فرمایا، میں تجھے کیا نصیحت کروں، خدا تجھے صلاحیت سے قائم و دائم رکھے، ہاں اتنی بات یاد رکھنا کہ زندوں کے اعمال ان کے مردوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں تو تم یہ خیال رکھنا کہ تمہارے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، ابراہیم بن صالح، یہ بات سنتے ہی اس قدر روئے کہ ان کی ساری داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

ابن ابی الدنیا بیان کرتے ہیں اور مجھے بھی ایک روایت پہنچی ہے کہ صدقہ بن سلیمان نے کہا کہ میں ایک گنہگار آدمی تھا جب میرے والد ماجد فوت ہو گئے تو میں اپنے گناہوں سے بہت شرمندہ ہوا اور میں نے توبہ کر لی لیکن مجھ سے پھر غلطی ہو گئی، پھر میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا، وہ مجھ سے فرمانے لگے، اے بیٹے! ہم تمہارے اعمال دیکھ کر بڑے خوش ہوتے ہیں۔ تمہارے اعمال صالحین کے اعمال سے بالکل مشابہ ہیں۔ تم کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس سے مجھے اپنے پڑوسیوں (یعنی مردوں) میں شرمندگی اٹھانی پڑے صدقہ کہتے ہیں کہ اس خواب سے مجھے بڑی شرمندگی ہوئی۔

جس شخص نے صدقہ سے یہ روایت نقل کی۔ اس نے کہا کہ صدقہ بن سلیمان یہ دعا کیا کرتے تھے۔ اے خدا میں تجھ سے ایسی انابت چاہتا ہوں، جس سے میں گناہ کی طرف رجوع نہ کر سکوں۔ اے نیکوں کی حالت کو صحیح کرنے والے اور گمراہوں کو ہدایت سے نوازنے والے اور اے سب سے

اوہ مہربان!

اس بارے میں صحابہ کرام سے بہت ساری روایات مذکور ہیں چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری کے ایک عزیز اس طرح دعا مانگتے تھے کہ یا اللہ ایسے عمل سے محفوظ رکھ جس سے مجھے عبداللہ بن رواحہ کے سامنے شرمندگی ہو۔ یہ واقعہ حضرت بن رواحہ کی شہادت کے بعد کا ہے۔

مردوں کا زندوں کے حال سے واقف ہونے کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ جو آدمی ان کے قریب جا کر سلام کرتا ہے وہ اس کے نام سے بھی واقف ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نام سے واقف نہ ہو جاتے تو پھر یہ کیسے کہتے کہ فلاں بن فلاں ہماری زیارت کو آیا تھا۔ اور اس نے سلام کیا۔ ایسے شخص یا کسی ایسی چیز کو سلام کرنا جسے سلام نہ پہنچتا ہو۔ بیہودگی ہے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو اس طرح سلام کیا کریں۔ سلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون یرحم اللہ المتقدمین منا ومنکم والمتاخرین نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ

یہ سلام تو ایسے لوگوں سے کیا جا سکتا ہے جو اسے سمجھتے اور سنتے ہوں، اور جواب بھی دیتے ہوں

اگرچہ سلام کرنے والا ان کے جواب کو نہ سن سکے۔

جب کوئی آدمی قبرستان میں نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز کو دیکھ کر مردے رشک کرتے ہیں۔

ابن سماس سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان گیا اور وہاں دوگانہ پڑھ کر ایک قبر سے تکیہ لگا کر بیٹھ گیا مجھ پر کچھ غنودگی سی طاری ہو گئی لیکن میرا دل بیدار تھا یکایک مجھے اس قبر سے آواز سنائی دی جس پر میں تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا تھا کہ اے شخص مجھ سے دور ہو جا، مجھے نہ ستا

تم تو ایسے آدمی ہو کہ عمل کرتے ہو مگر جانتے نہیں، لیکن ہم ایسے لوگ ہیں کہ جانتے ہیں اور عمل نہیں کر سکتے تیری یہ دو رکعتیں اگر میرے پاس ہوتیں تو مجھے تمام دنیا سے عزیز ہوتیں۔

اس مردہ کو قبر سے تکیہ لگا کر بیٹھنے اور دو رکعت نماز کا بھی علم ہو گیا۔

ابن ابی الدنیا، ابو قلابہ سے سنداً روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں، کہ میں ملک شام سے واپسی پر بصرہ آ کر ایک مکان میں رہا اور رات کے وقت دو رکعت نماز پڑھ کر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ قبر والا مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم نے مجھے تمام رات سخت تکلیف پہنچائی، پھر اس نے کہا کہ تم لوگ عمل تو کرتے ہو لیکن اس کی قدر نہیں کرتے اور ہم لوگ جو قدر سے واقف ہیں عمل کی طاقت نہیں رکھتے۔ پھر اس نے کہا، اے شخص تم نے جو دو رکعتیں پڑھیں، یہ دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے اس سے بہتر ہیں، اور کہا دنیا والوں کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے سلام کرنے کا نور پہاڑوں کی طرح ہمارے پاس پہنچتا ہے۔ تم بھی انہیں ہماری طرف سے سلام پہنچا دینا۔

زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں قبرستان گیا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی آیا۔ اس نے ایک قبر کو زمین سے برابر کر دیا، پھر وہ میرے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ میں نے اس سے کہا یہ کس کی قبر تھی جسے تم نے برابر کر دیا ہے، اس نے جواب دیا کہ یہ میرا دینی بھائی ہے۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا ہے۔ میں نے کہا، الحمد للہ تم ہو، اس نے جواب دیا، یہ کلمہ جو تم نے (الحمد للہ) کہا ہے، اگر میں اسے کہہ سکتا تو یہ مجھے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے زیادہ عزیز ہوتا، پھر اس نے کہا کہ جب لوگ مجھے دفنا رہے تھے تو اس وقت ایک آدمی نے دو رکعت نماز ادا کی تھی۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا کہ میں ان دو رکعتوں کو پڑھ سکوں تو وہ مجھے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے زیادہ پیاری ہوتیں۔

مطرف بن عبداللہ حرشی بیان کرتے ہیں کہ میں جمعہ کے دن ایک قبرستان

کی طرف سے گذرا، وہاں میں نے ایک مردے کو دفن ہوتے دیکھا میرے جی میں آئی کہ شرکت کو غنیمت سمجھوں، وہاں میں نے ایک گوشہ میں دو رکعت نماز پڑھی جن کی صحت کے بارے میں بھی مجھے پورا یقین نہ تھا۔ پھر مجھے اونگھ سی آگئی۔ میں نے صاحب قبر کو خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ یہ جو دو رکعتیں تم نے پڑھی ہیں جن کی صحت کے بارے میں بھی تم شک کرتے ہو۔ اگر میں انہیں ادا کرنے پر قادر ہوتا تو یہ مجھے دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے۔ اس سے زیادہ پیاری ہوتیں، تم لوگ عمل تو کرتے ہو لیکن اس کی قدر و منزلت سے ناواقف ہوتے ہو، اور ہم لوگ جو ان کی قدر و منزلت سے واقف ہوتے ہیں، ان کے کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ مطرف کا بیان ہے کہ میں نے قبر والے سے پوچھا کہ اس قبرستان میں کون لوگ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ تمام مسلمان ہیں، اور نیک ہیں، تو پھر میں نے کہا کہ ان سب میں سب سے اچھا کون ہے؟ اس نے ایک قبر کی جانب اشارہ کیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ اس آدمی سے میری ملاقات ہو جائے تاکہ میں اس سے کچھ باتیں کروں، فرماتے ہیں کہ اس قبر سے ایک خوب صورت جوان نکلا۔ میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کے تمام آدمیوں سے افضل ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ لوگ ایسا ہی کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا۔ آپ کو یہ شرف کس طرح حاصل ہوا، شاید آپ کی عمر سے تو یہ بات معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ چھوٹی عمر معلوم ہوتی ہے، اگر آپ کی بڑی عمر ہوتی تو میں سمجھ جاتا کہ آپ نے بہت سارے حج اور عمرے کئے ہوں گے اور فی سبیل اللہ جہاد کیا ہوگا، اور کئی قسم کے نیک اعمال کئے ہوں گے" اس جوان نے جواب دیا کہ میری فضیلت اور برتری کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں مجھ پر بڑی مصیبتیں آئیں میں نے ان پر صبر کیا۔

خواب کی روایت اگرچہ معتبر معلوم نہیں ہوتی، مگر جب ایک چیز پر بہت سے خواب شہادت دیں تو اس وقت وہ ضرور معتبر سمجھے جاتے ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میں تمہارے خوابوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اکثر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شب قدر رمضان شریف

کے آخری عشرہ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے خواب جب کسی بات پر متفق ہوں تو وہ ان کی روایت کے اتفاق کی طرح ہے کہ کسی چیز کو اچھائی یا برائی سے منسوب کریں جس چیز کو مسلمان اچھا دیکھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے، اور جس کو برا دیکھیں وہ خدا کے نزدیک بھی بری ہوتی ہے۔ ہم نے صرف ان خوابوں کے بیان پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان پر حجتیں بھی کی ہیں۔

صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مردہ کے ساتھ جو لوگ جاتے ہیں۔ وہ اپنے دفن کے بعد ان سے انس حاصل کرتا ہے۔

مسلم شریف میں حضرت عبدالرحمان بن شماسہ مہری سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو بن عاص کی وفات کے وقت ہم ان کے پاس گئے، وہ بہت روئے اور اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا، ان کے بیٹے نے عرض کی، ابا جان آپ روتے کیوں ہیں، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایسی ایسی بشارتیں نہیں دی تھیں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے، حضرت عمرو بن عاص نے فرمایا۔ تمام کاموں سے افضل کام جسے ہم سمجھتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا ہے پھر فرمایا مجھ پر تین حالتیں گذری ہیں، پہلی حالت تو وہ تھی جس میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے سوا کسی سے عداوت نہ تھی اور میں اس فکر میں لگا رہتا تھا کہ موقعہ ہاتھ آئے تو حضور کو شہید کر ڈالوں، اگر اس حالت میں میری موت واقع ہو جاتی تو میں ضرور جہنمی ہو جاتا۔ دوسری حالت وہ تھی کہ جب خدا نے مجھے اسلام کی طرف مائل کیا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور عرض کیا یا حضرت اپنا دست مبارک دراز فرمائیے میں بیعت کروں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ روک لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عمر! کیا بات ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میری ایک شرط ہے حضور نے فرمایا۔ وہ کیا؟ میں نے عرض کیا۔ یا حضرت میرے گناہ بخشے جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تجھے

معلوم نہیں کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور ہجرت بھی اپنے سے قبل تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور حج بیت اللہ بھی اپنے سے پہلے سب گناہ مٹا دیتا ہے۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ حضورؐ سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہ تھی، تو اگر اس حالت میں میری موت واقع ہو جاتی تو ضرور جنتی ہوتا، اس کے بعد پھر میں ایسی حالت میں مبتلا ہوا جس کے متعلق میں نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کیسا ہوگا۔ جب میں مر جاؤں تو میرے ساتھ کوئی نوحہ گر عورت نہ جائے، اور نہ آگ ساتھ ہو، جب تم لوگ مجھے دفنا چکو اور مٹی وغیرہ ڈال چکو تو پھر وہاں پر اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کیا جاتا ہے، اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاکہ میں تم سے مانوس ہو جاؤں اور دیکھوں کہ منکر نکیر سے کیا سوال و جواب کرتا ہوں۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ مُردہ ان زندوں سے اُنس حاصل کرتا ہے جو اس کی قبر کے قریب ہوتے ہیں اور ان سے خوش ہوتا ہے۔

بہت سے سلف صالحین بزرگوں سے مروی ہے کہ مردوں نے کہا ہماری وفات کے بعد یہ چیزیں پڑھنا۔

عبدالحق کا بیان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی کہ میری قبر پر سورۂ بقر پڑھنا، اور علی بن عبدالرحمٰن بھی اسے بہتر سمجھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل پہلے اس کے منکر تھے، لیکن جب انہیں یہ روایت پہنچی تب انہوں نے اپنے انکار سے رجوع فرما لیا۔

خلال نے کتاب جامع کتاب القرأۃ عند القبور میں لکھا ہے کہ علاء بن حلاج کہتے تھے کہ جس وقت میرے والد کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ جب تم مجھے قبر میں رکھنے لگو، تو بسم اللہ وعلیٰ سنۃ رسول اللہ پڑھنا، اس کے بعد میرے اوپر مٹی ڈالنا اور میرے سرہانے کی جانب سے سورۂ بقر کی آخری اور شروع کی آیتیں پڑھنا، کیونکہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے اسی طرح سنا ہے۔

عباس دوری بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے دریافت

کیا کہ کیا قبر پر پڑھنے کے متعلق آپ کو کوئی روایت یاد ہے۔ انہوں نے جواب دیا نہیں، پھر میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا تو انہوں نے یہ حدیث مجھ سے بیان کی۔

خلال علی بن موسیٰ مدار سے جو ایک بڑے سچے آدمی تھے صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل اور محمد بن قدامہ جوہری کی معیت میں ایک جنازہ میں شرکت کی جب میت دفن ہو چکی تو ایک نابینا قبر کے قریب بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ اے شخص قبر کے قریب پڑھنا بدعت ہے۔

پھر ہم جب قبرستان سے باہر آگئے، تو محمد بن قدامہ نے احمد بن حنبل سے پوچھا، اے ابو عبداللہ تمہارا مبشر حلبی کے متعلق کیا خیال ہے۔ احمد نے کہا، ثقہ شخص ہے۔ یعنی ایسا ہے جس کی روایت قبول کرنی لازم ہے۔ محمد نے کہا میں نے ان سے ایک روایت نقل کی ہے۔ احمد بن حنبل نے کہا کہ وہ روایت مجھ سے بھی بیان کرو۔

محمد بن قدامہ نے بیان کیا کہ مجھ سے مبشر نے بیان کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن علاء بن حلاج نے اپنے باپ سے نقل کی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو میرے سرہانے سورۃ بقر کی آخری اور شروع کی آیتیں پڑھنا کیونکہ میں نے ابن عمرؓ سے سنا ہے کہ وہ بھی یہی وصیت کرتے تھے۔ تو امام احمد بن حنبل نے کہا۔ تم واپس لوٹ جاؤ، اور اس نابینا سے کہو کہ وہ اپنا پڑھنا بند نہ کرے۔

حسن بن صباغ زعفرانی کہتے ہیں۔ میں نے امام شافعی سے قبر کے پاس پڑھنے کی نسبت سوال کیا تو انہوں نے کہا کچھ حرج نہیں ہے۔ خلال سبی سے بیان کرتے ہیں کہ انصار میں جب کوئی مرجاتا تھا، تو وہ اس کی قبر پر قرآن پڑھا کرتے تھے۔ خلال کہتے ہیں کہ میں نے ابو بکر ماذنی سے اور اس نے حسن بن جردی سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میرا گذر میری بہن کی قبر پر ہوا میں نے وہاں سورۃ تبارک الذی پڑھی۔ پھر ایک دن ایک آدمی میرے پاس آیا۔ اس نے کہا

میں نے آپ کی بہن کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ فرماتی تھیں ابو علی کو خدائے تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، ان کے پڑھنے سے مجھے بہت فائدہ حاصل ہوا۔

حسین بن ہیثم سند کے ساتھ کہتے ہیں کہ ایک آدمی جمعہ کے دن اپنی ماں کی قبر پر جاتا تھا۔ اور سورۂ یٰسین پڑھتا تھا۔ ایک دفعہ جب اس آدمی نے سورۂ یٰسین پڑھی تو اس کا ثواب تمام قبرستان والوں کو بخشا۔ پھر دوسرے جمعہ ایک عورت ان کے ہاں آئی، اور کہا کیا تم فلاں بن فلاں ہو۔ اس آدمی نے جواب دیا۔ ہاں، اس عورت نے کہا میری ایک لڑکی گذر گئی تھی میں نے اس کو قبر کے کنارے بیٹھے ہوئے دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا، تو یہاں کیوں بیٹھی ہے، تو اس نے کہا کہ فلاں بن فلاں یہاں آیا تھا۔ اس نے اپنی والدہ کی قبر پر سورۂ یٰسین پڑھی پھر اس کا ثواب تمام قبرستان والوں کو بخشا، تو وہ ثواب ہمیں ملا اور ہمارے گناہ بخش دیئے گئے۔

نسائی وغیرہ میں معقل بن یسار سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے مردوں پر سورہ یٰسین پڑھا کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ مردوں سے مراد یہاں پر وہ لوگ ہیں جو جان کنی کی حالت میں ہوں، جس طرح کہ حضور پاک نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قبر کے قریب پڑھنا ہو۔ لیکن پہلے معنی چند وجوہات کی بنا پر زیادہ ظاہر ہیں۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اس حدیث کے مشابہ ہے جس میں آتا ہے کہ اپنے مُردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو آدمی جان کنی کی حالت میں ہو وہ اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر اللہ کی توحید، معاد، جنت کی بشارت ہے اور اس آدمی کی حسرت کا ذکر ہے جو مسلمان ہو کر نہیں مرا اور جو مسلمان ہو کر مرا ہے اس کا اپنی کافر قوم پر افسوس کرنے کا ذکر ہے۔ یا لیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین ۔ مومن اس سورۃ کو سن کر خدا کے دیدار کا مشتاق ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے۔ نیز یہ سورۃ قرآن حکیم کا دل ہے۔ جان کنی والے شخص کے قریب پڑھنے کے بارے میں اس کی عجیب و غریب خاصیت ہے

ابو الفرج ابن الجوزی بیان کرتے ہیں کہ ہم اپنے استاد شیخ ابو الوقت عبدالاول کی وفات کے وقت ان کے پاس تھے۔ ہم نے دیکھا کہ انہوں نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں۔ اور کہا۔ بلیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین۔ اس کے بعد انتقال فرما گئے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ابتدا ہی سے یہ عادت لوگوں میں ہے کہ وہ وفات کے وقت سورۃ یٰسین پڑھتے ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام اگر لفظ موتاکم سے مردوں کو سمجھتے تو ضرور یہ رواج ان میں پڑ جاتا کہ قبر کے پاس سورۂ یٰسین پڑھتے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ قریب المرگ شخص کا خلوص قلب کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس سورۃ کو سننا مقصود ہے۔ کیونکہ ثواب تو پڑھنے سے ہے اور یا سننے سے۔ اور مردہ سے مرنے کے بعد اعمال کا انقطاع ہو جاتا ہے یعنی وہ ثواب یا عذاب کا کوئی کام نہیں کر سکتا۔

فصل (۲)

اس بارے میں ہے کہ مُردے زندوں کے حالات معلوم کرتے ہیں اور انہیں زندوں کے اقوال و افعال کا علم ہوتا ہے۔

ابن عبدالبر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی کسی مسلمان کی قبر سے گذرتا ہے۔ وہ اسے پہچانتا ہے، اور اسے سلام کرتا ہے، تو وہ مردہ بھی اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر وہ شخص اسے جانتا نہیں تھا تب بھی وہ مردہ اُسے جواب دیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی کسی قبر کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب قبر کو اس آدمی سے انسیت

ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ شخص اٹھ کر چلا جاتا ہے۔

حافظ ابو محمد نے اس بارے میں وہ حدیث محبت کے طور پر لی ہے، جو ابو داؤد نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے، یہ کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی میرے وصال کے بعد میری قبر پر سلام کریگا۔ اللہ تعالیٰ میری روح کو قبر پر بھیجے گا، اور میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔

سلیمان بن نعیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میں نے عرض کی، یا رسول اللہ وہ لوگ جو آپ کی قبر شریف پر حاضر ہوتے ہیں اور سلام کرتے ہیں کیا آپ کو ان کی خبر ہوتی ہے، تو آپ نے فرمایا۔ ہاں میں انہیں جواب دیتا ہوں۔

فضل بن موفق کا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں۔ میں اپنے باپ کی قبر اکثر جاتا تھا۔ ایک دن ایک جنازہ کے ساتھ میں اس قبرستان میں گیا۔ کسی ضرورت کی بنا پر فوراً چلا آیا۔ والد صاحب کی قبر پر نہ جا سکا۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے والد نے مجھ سے کہا۔ اے بیٹے! تم میرے پاس کیوں نہیں آئے۔ میں نے پوچھا کیا آپ کو میرے آنے کی خبر ہوتی ہے انہوں نے جواب دیا۔ اے بیٹے! جس وقت تم راستہ میں پل پر سے گذرتے ہو، تو میں تمہیں اسی وقت دیکھ لیتا ہوں جبکہ تم میرے قریب آکر بیٹھ جاتے ہو اور جس وقت تم واپس جاتے ہو، اس وقت بھی میں تم کو پل عبور کرنے تک دیکھتا رہتا ہوں۔

عمرو بن دینار سے ایک صحیح روایت منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا جو شخص مرتا ہے۔ اس کی وفات کے بعد اس کے گھر میں جو باتیں ہوتی ہیں۔ ان تمام کا اُسے علم ہوتا ہے اور جب لوگ مردے کو غسل دیتے ہیں کفن پہناتے ہیں تو مردہ اسے دیکھتا رہتا ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ جس وقت آدمی مرجاتا ہے تو قبر کے اندر اس کے فرزند کے لائق ہونے کی اس کو خوش خبری پہنچتی ہے۔

فصل (۳)

مُردے کو تلقین

لوگوں کا عام رواج بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مردے کو قبر میں تلقین کرتے ہیں۔ اگر وہ ان کی باتوں کو نہ سنتا تو یہ کام بالکل عبث اور بے فائدہ ہوتا۔

اس بارے میں امام احمد سے کسی نے پوچھا۔ تو انہوں نے اسے اچھا بتایا اور اس پر عام عمل ہونے کی وجہ سے دلیل پکڑی، ایک ضعیف حدیث طبرانی نے ابو امامہ سے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص تم میں سے مر جائے، اور تم اس کی قبر پر مٹی ڈالو۔ تو چاہئے کہ ایک آدمی اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہے۔ یا فلاں بن فلاں تو مردہ اس کی بات کو سنے گا لیکن جواب نہ دے گا، پھر وہ شخص کہے۔ اے فلاں بن فلانہ تو مردہ کہے گا۔ خدا تم پر رحمت کرے تم ہماری بات کو نہیں سن سکتے۔ پھر کہے گا۔ لا الہ الا اللہ کی شہادت جس وقت میں دنیا سے رخصت ہوا ہوں مجھے یاد ہے، اور میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے۔ محمدؐ کے رسول ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی ہوں۔ تو منکر نکیر یہ بات سنتے ہی واپس چلے جائیں گے۔ اور یہ کہیں گے۔ ہم ایسے آدمی کے پاس بیٹھ کر کیا کریں۔ اس نے تو اپنی حجت خود ہی بیان کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی کی جانب سے منکر نکیر کو جواب دے دیتا ہے۔

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ یا حضرتؐ اگر اس آدمی کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو کیا کرے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اُس کی ماں حوّا کی طرف منسوب کرے۔

یہ حدیث اگرچہ صحیح طور پر ثابت نہیں مگر تمام دیار اور شہروں میں اس پر ہمیشہ عمل کا ہونا اس پر عمل کے ثبوت کے لئے کافی دلیل ہے۔ کوئی بھی اس

سکار نہیں کر سکتا۔

نیز اللہ تعالیٰ ایک ایسی امت کے اندر جو مشرق سے لے کر مغرب تک ارض الٰہی کی مالک ہوئی اور تمام امتوں سے عقل و معرفت میں کامل ہو۔ ایسی عادت نہیں ڈالتے کہ وہ ایسے لوگوں سے خطاب کرے جس میں عقل و فہم کا مادہ نہ ہو، اور پھر اس خطاب کو اچھا جانے اور اس امت میں سے کوئی بھی اس بات کا انکار نہ کرے، بلکہ بعد میں آنے والے اگلے لوگوں کی سنت پکڑیں اور ان کی پیروی کریں۔ اگر مخاطب (مردہ) اس کلام کو نہ سنتا جو زندے اس سے کرتے ہیں تو یہ خطاب ایسا ہوتا جیسے کوئی پتھر، لکڑی، اور دوسرے جمادات سے خطاب کرتا ہے، اور اگر چند ایک عالم اسے اچھا سمجھتے، تو دوسرے علماء تو اسے برا جانتے۔

ابو داؤد نے اپنی سنن میں ایک روایت بیان کی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ایک جنازہ میں تشریف لائے جب اسے دفن کر دیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اپنے بھائی کے ثابت رہنے کے لئے دعا کرو، کیونکہ اب اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔

آپ نے بتایا، کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔ اور جس وقت مردہ سے سوال کیا جاتا ہے، وہ تلقین کو سنتا ہے۔

چنانچہ حضور پاک سے صحیح طور پر یہ بات ثابت ہے کہ مردہ زندوں کی جوتیوں کی آواز کو سنتا ہے جب وہ اسے دفن کر کے واپس لوٹتے ہیں۔

شیخ عبدالحق نے ایک بزرگ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا میرے ایک بھائی کا انتقال ہو گیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا، اور اس سے اس کا حال دریافت کیا، تو اس نے جواب دیا۔ میرے پاس آگ کا ایک شعلہ ایک آدمی لایا، اگر ایک دعا کرنے والا میرے لئے دعا نہ کرتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔

شبیب بن شبیب کہتے ہیں۔ میری والدہ نے اپنے آخری لمحات میں مجھے وصیت کی کہ اے میرے بیٹے! جس وقت مجھے دفن کر چکو تو میری قبر کے قریب کھڑے ہو کر کہنا۔ اے شبیب کی ماں کہہ، لا الٰہ الا اللہ، شبیب کہتے ہیں میں

نے اسی طرح کیا جب میں یہ کہہ کر اپنے گھر واپس آیا۔ تو میں نے رات کو اپنی ماں کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے کہا بیٹا! اگر تو لا الٰہ الا اللہ کہنا مجھے یاد نہ دلاتا تو قریب تھا کہ میں ہلاک ہو جاتی، تو نے میری وصیت کو خوب یاد رکھا۔

ابن ابی الدنیا نے تماضر بنت مہل سے، جو ایوب بن عیینہ کی گھر والی تھیں۔ ایک روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتی ہیں۔ میں نے سفیان بن عیینہ کو خواب میں دیکھا، وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی ایوب عیینہ کو جزائے خیر دے، وہ میری زیارت کرنے کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ اور آج بھی میری زیارت کو آیا تھا، یہ عورت کہتی ہے کہ یہ خواب میں نے ایوب سے بیان کیا، انہوں نے کہا۔ ہاں آج میں مقبرے گیا تھا۔

یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ صعب بن جثامہ اور عوف بن مالک دینی بھائی تھے۔ ایک دن صعب نے عوف سے کہا۔ اے برادر جو کوئی ہم میں سے پہلے مرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جگہ کا حال جو اس پر گذرے اپنے بھائی کو بتلائے۔ عوف نے کہا بہت اچھا، بڑی اچھی بات ہے، پھر صعب کا پہلے انتقال ہو گیا۔ عوف نے انہیں خواب میں دیکھا، اور پوچھا، اے بھائی! بتائیے تم پر کیا بیتی؟ صعب نے کہا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ عوف کہتے ہیں کہ ان کی گردن میں میں نے ایک سیاہ دھبہ دیکھا۔ میں نے پوچھا بھائی، یہ دھبہ کیسا ہے۔ انہوں نے کہا دس دینار فلاں جگہ پر میرے گھر میں رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے یہ سیاہی ہے۔ تم انہیں لے لو۔ میری طرف سے دے دو، اے بھائی میرے گھر والوں میں جو معاملات وغیرہ ہوتے ہیں۔ مجھے ان تمام کی خبر ہوتی ہے چند دن ہوئے ہمارے گھر میں ایک بلی رہتی تھی وہ مر گئی۔ اس کی بھی مجھے خبر ہے، اور میری لڑکی چھ دن کے اندر مر جائے گی۔ تم اس سے بھلائی کو نے کو کہہ دینا۔

عوف کہتے ہیں صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو میں صعب کے گھر گیا۔ وہ لوگ مجھے دیکھ کر بڑے خوش ہوئے، اور میرے نہ آنے کی شکایت کرنے لگے، کہ

جس وقت سے صعب کا انتقال ہو گیا ہے۔ تم نے بھی آنا موقوف کر دیا ہے
میں نے دستور کے مطابق عذر خواہی کی۔ پھر میں نے وہ جگہ دیکھی جہاں کا صعب
نے مجھے پتہ بتایا تھا۔ اس جگہ سے وہ دس اشرفیاں نکالیں جو کہ ایک تھیلی کے اندر
بند تھیں انہیں یہودی کے پاس بھیجوا دیا۔ اور یہ کہلا بھیجا کیا صعب پر تیرا کچھ قرضہ تھا۔
اُس نے کہا ہاں۔ خدا ان پر رحم فرمائے۔ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے
اچھے صحابی تھے۔ میں نے انہیں بطور قرضہ دس دینار دیئے تھے۔ میں نے اس
سے کہا۔ کہ تیرے یہ دینار بعینہٖ وہی ہیں۔ اُس نے لے لئے۔ میں نے اپنے دل
میں خیال کیا کہ ایک بات تو ثابت ہو گئی، پھر میں نے صعب کے گھر والوں سے
پوچھا کہ صعب کے انتقال کے بعد تمہیں کوئی نیا واقعہ بھی پیش آیا ہے۔ انہوں نے
جواب دیا۔ ہاں، یہ ہوا اور وہ ہوا۔ میں نے کہا کوئی اور بات یاد کرو حتیٰ کہ انہوں
نے مجھے بتایا کہ ایک بلی ہمارے پاس رہتی وہ بھی مر گئی، میں نے دل میں خیال
کیا، یہ دوسری بات بھی صحیح ثابت ہو گئی، پھر میں نے اپنے بھائی صعب کی لڑکی
کا حال پوچھا کہ کہاں ہے؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ کھیل رہی ہے۔ چنانچہ میں اس
کے پاس گیا، اور اسے پیار کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اُسے بخار ہے۔ پھر چھٹے روز
وہ لڑکی وفات پا گئی۔

یہ واقعہ محمد بن مالک کا تھا۔ آپ صحابہ کرام میں سے تھے۔ انہوں نے صعب
کی وصیت کو قرائن سے صحیح سمجھا، اور اس پر عمل پیرا ہوئے یعنی یہودی کو دینار
دے دیئے اور پہلے اس سے دریافت بھی کر لیا جب اس آدمی کے قول کی
صحت کا یقین ہو گیا تب اسے دینار دیئے۔

بعض متاخرین کا یہ کہنا ہے کہ حرف کے لئے یہ بات جائز نہ تھی کہ وہ صرف
ایک خواب پر یقین کر کے دس دینار یتیم بچوں کی وراثت سے جو کہ صعب کی
جائیداد سے تھے۔ ایک یہودی کے ہاتھ میں دے دیتے مگر بعینہٖ اسی طرح کا
واقعہ ثابت بن قیس بن شماس صحابی کا ہے جسے ابن عبدالبر نے صحیح سند سے
روایت کیا ہے۔ وہ یہ کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا۔ اسے ثابت کیا اس بات

سے تم راضی نہیں ہو کہ اچھی زندگی بسر کرو اور شہادت پاکر جنت میں داخل ہو جاؤ۔ مالک بن انس فرماتے ہیں کہ ثابت رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔

ثابت بن قیس کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ یاایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبیؐ تو حضرت ثابت اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ گئے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہ پایا تو لوگوں سے ان کے متعلق دریافت فرمایا، اور ایک شخص ان کے بلانے کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ میری آواز چونکہ بہت بلند ہے مجھے ڈر ہے، کہ میرے اعمال کہیں حبط نہ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم ان لوگوں سے نہیں ہو، بلکہ تم تو خیر کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ مرو گے اور جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ان اللہ لایحب کل مختال فخور۔ ط اس وقت بھی یہ اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ کر رونے لگے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بلانے کو آدمی بھیجا۔ انہوں نے عرض کی۔ یا حضرت میں زینت اور جمال کو پسند کرتا ہوں، اور یہ چاہتا ہوں، کہ اپنی قوم کا سردار ہو جاؤں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی ان سے یہی فرمایا، کہ تم ان لوگوں سے نہیں ہو جن کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ بلکہ تم تو اچھی خاصی زندگی گذارو گے اور بعد میں شہید ہو گے۔

ان کی صاحبزادی فرماتی ہیں کہ جب جنگ یمامہ ہوئی تو ثابت بن قیس خالد بن ولید کی معیت میں مسیلمہ کذاب کی مہم پر گئے۔ جس وقت دشمن سے مقابلہ ہوا تو ثابت بن قیس اور سالم ابو حذیفہ، کے ایک آزاد کردہ غلام نے اپنے لئے دو قبریں کھودیں۔ پھر وہ اتنے لڑے کہ آخر کار شہید ہو گئے۔ ثابت بن قیس اس وقت بہت اعلیٰ قسم کی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ ایک مسلمان لشکری جو ان کی لاش کے قریب سے گذرا تو اس نے وہ زرہ اتار لی قریب ہی ایک مسلمان سو رہا تھا۔ اس نے ثابت بن قیس کو خواب میں دیکھا، ثابت نے ان سے

کہا میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں۔ تم اُسے شیطانی وسوسہ سمجھنا، جب کل میں قتل ہوا تو ایک مسلمان میرے قریب آیا، اور اُس نے میری زرہ اتار لی، اس وقت اس کا خیمہ لشکر میں سب سے پیچھے ہے۔ اُس نے میری زرہ کو ایک دیگچی میں چھپایا ہے۔ اس کے اوپر اونٹ کا کجاوہ رکھا ہوا ہے۔ تم خالد بن ولید سپہ سالار کے پاس جاؤ، ان سے کہو کہ میری زرہ اس آدمی سے لے لیں اور جس وقت تم مدینہ منورہ میں خلیفۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچو، تو ان سے یہ عرض کرنا میرے اوپر اتنے روپے کا قرضہ ہے، اور میرا فلاں فلاں غلام آزاد ہے۔ وہ آدمی یہ خواب دیکھ کر حضرت خالد بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے یہ خواب بیان کیا، حضرت خالد نے وہ زرہ اس آدمی سے واپس لے لی۔ اور پھر مدینہ پہنچ کر حضرت صدیق اکبر سے واقعہ بیان کیا، تو حضرت صدیق اکبر نے اس کی وصیت جاری فرما دی۔ راوی نے کہا ہے کہ سوائے ثابت بن قیس کے ہمیں اور کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ہے جس کی وصیت اس کی موت کے بعد جائز رکھی گئی ہو۔ تو اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر اور خالد بن ولید اور ان صحابہ نے جنہوں نے ساتھ اس خواب پر عمل کیا، اور اس وصیت کو جاری کیا اور زرہ اس آدمی سے نکلوائی محض ان حضرات کا تفقہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا تھا۔

جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالکؒ اور احمدؒ، میاں بیوی

کے اقوال میں سے مدعی کے قول کو بغیر دوسرے قرینے کے ترجیح دیتے ہیں، اور سچا سمجھتے ہیں تو مرد کی وصیت کو قرینہ سے سچا سمجھنا زیادہ بہتر ہے، اور معاملات میں تو بہت سے مقدمات کا فیصلہ قرینہ سے کیا جاتا ہے۔ جیسے قسامہ کے مقدمہ میں کیا گیا۔ اسی طرح سفر میں کوئی مر جائے اور وصیت کرے جس کا مفصل ذکر سورۂ مائدہ میں ہے تو اس کی وصیت مانی جائے گی، اور چوری کے مقدمات میں حاکم قرینہ سے ہی معلوم کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کے قصہ کو بیان کیا ہے، اور آپ کی سچائی اور زلیخا کے کذب پر قرینہ سے ہی حکم

لگایا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ اسے حکایتاً بیان فرمایا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان دو عورتوں کے مقدمہ کا جو ایک بچے کے بارے میں جھگڑا کر رہی تھیں قرینہ ہی سے فیصلہ فرمایا تھا۔ یعنی یہ کہ ایک چھری میرے پاس لاؤ۔ میں اس بچہ کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا دونوں کو دیئے دیتا ہوں۔ بڑی عمر والی عورت نے کہا۔ ہاں میں اس بات پر راضی ہوں، اور چھوٹی نے کہا۔ مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں۔ آپ یہ بچہ اسی کو دے دیجئے۔ میں اس سے دستبردار ہوئی جاتی ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ بچہ اس چھوٹی عورت کی شفقت کو دیکھ کر اسے دے دیا تھا۔

اس طرح کے حکم عدل و انصاف پر مبنی ہیں، اور شریعت نے انہیں برقرار رکھا ہے۔ قرینے سے کسی قیافہ شناس کے کسی کو پہچاننے اور نسب میں شریک کرنے کا حکم بھی ہے۔ حالانکہ ایسی باتیں تو عام طور پر مخفی ہوتی ہیں ان واقعات سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو قرینے عرف بن مالک کے خواب اور ثابت بن قیس کے واقعے میں قائم ہوئے۔ وہ بہت ساری چیزوں سے قوی ہیں۔ دیکھو لوگوں کی عقلیں اور فطرتیں خود معاملے کے قرینے کو سمجھ کر اس کی صحت کو دیکھ لیتی ہیں۔

تو جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ مردہ کو باتوں کی جزئیات کی خبر ہوتی ہے تو پھر زندہ کے قبر پر جانے اور وہاں سلام کرنے دعا مانگنے کی تو بطریق اولیٰ خبر ہونی لازم ہے۔

فصل ۴

"دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا روحیں آپس میں ملتی جلتی ہیں اور ملاقاتیں بھی کرتی ہیں یا نہیں؟"

یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روحیں دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو عذاب میں مبتلا ہیں، اور دوسری وہ ہیں جو عیش و عشرت میں ہیں۔ جو روحیں عذاب میں گرفتار ہیں انہیں ملاقات اور ملنے جلنے کی فرصت کہاں اور جو روحیں عیش میں ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ وہ جہاں چاہتی ہیں پھرتی ہیں ایک دوسرے سے مل کر دنیا اور دنیا والوں کی باتیں معلوم کرتی ہیں۔ ہر ایک روح اپنے جیسے اعمال والی روح کی ساتھن بن جاتی ہے، اور ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔

جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ جیسے نبی، صدیق، شہداء اور صالحین اور یہ اچھے ساتھی ہیں۔

یہ معیت دنیا، برزخ، اور جنت میں ثابت ہے۔ ان تینوں جگہوں پر ہر شخص اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔

مسروق سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ دنیا میں تو ہم

آپ سے مل لیتے ہیں جُدا نہیں ہوتے لیکن آپ کے وصال کے بعد تو آپ ہم سے بہت بلند مقام پر تشریف لے جائیں گے تو ہم آپ کے دیدار سے محروم رہ جائیں گے تب اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ومن یطع اللہ والرسول الی آخرہٖ

شعبی فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک آدمی روتا ہُوا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ حضورؐ نے پوچھا، کیوں روتا ہے۔ اُس نے عرض کی۔ یارسول اللہ قسم خدائے پاک کی میں آپ کو تمام چیزوں سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں حتیٰ کہ اپنی جا سے بھی اب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ دُنیا کے اندر تو میں آپ کو دیکھتا ہوں۔ لیکن جب میں مرجاؤں گا، اور آپ کا بھی وصال ہو جائے گا تو ضروری بات ہے کہ آپ کا مقام میرے مقام سے کہیں بلند اور افضل ہوگا۔ تب میں آپ کو کس طرح دیکھا کروں گا۔ اسی لئے میں روتا ہوں۔ حضورؐ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ومن یطع اللہ والرسول الی آخرہٖ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یٰایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ط	اے اطمینان والی جان اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا۔ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ اس کے بندوں سے مل جا اور اس کی جنت میں چلی جا۔

معراج کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہُوئی تو آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسےٰ علیہ السلام اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ پھر قیامت کا ذکر ہونے لگا۔ تمام نے حضرت ابراہیم سے اس کے متعلق پوچھا۔ لیکن حضرت ابراہیم نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، پھر حضرت موسےٰ سے دریافت کیا گیا۔ انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔ مجھ سے اللہ تعالےٰ نے عہد لیا ہے کہ میں زمین پر جا کر دجال کو قتل کروں گا، پھر یاجوج ماجوج نکل کر دُنیا کے زمین پر پھیل جائیں گے جس پانی پر بھی ان کا گذر ہوگا، اسے پی لیں گے اور جس چیز کو پائیں گے

اسے خراب کر ڈالیں گے۔ آخر کار لوگ خدا سے دعا کریں گے، تو اللہ تعالیٰ ایک دن انہیں ہلاک کر دے گا۔ پھر ان کی بدبو سے زمین بھر جائے گی۔ لوگ مجھ سے آگر کہیں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ بڑے زور کی بارش برسائیں گے، تو ان کی تمام لاشیں بہہ کر سمندر میں چلی جائیں گی۔ پھر زمین صاف ہو جائے گی۔ اس وقت قیامت کا آنا آسان ہو جائے گا۔ جس طرح پورے دنوں کی حمل والی عورت گھر والے نہیں جانتے کہ وہ کس وقت جنے گی۔ رات کو یا دن کو؟ اس حدیث کو حاکم اور بیہقی وغیرہما نے روایت کیا ہے، یہ حدیث آپس میں ملنے اور ذکر وغیرہ کرنے پر دلیل ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا ہے کہ شہید لوگ زندہ ہیں، اور وہ اپنے پروردگار کے ہاں کھاتے پیتے ہیں، اور جو آدمی ان سے ابھی تک نہیں ملے ہیں۔ وہ ان کی خوش خبریاں معلوم کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ خوش خبری حاصل کرتے ہیں۔ تو یہ آیۃ کریمہ ملاقات کے متعلق تین وجہوں سے دلالت کر رہی ہے، ایک تو یہ کہ وہ اپنے پروردگار کے ہاں کھاتے پیتے ہیں، جب وہ دنیا میں تھے تو ایک دوسرے سے ملتے تھے تو یہاں بھی ملتے ہیں۔ دوسری یہ کہ بشیر کے معنی لغت میں یہ بھی ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو آپس میں بشارت دیتے ہیں جیسا کہ تبشیروں کے معنی ہیں، لوگوں کے خواب اس بارے میں بھی متواتر طور پر آئے ہیں۔ چنانچہ صالح بن بشیر فرماتے ہیں کہ میں نے عطائے سلمی کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا، اور ان سے کہا کہ دنیا کے اندر تو آپ بہت ہی رنجیدہ رہتے تھے۔ اب کیا حالت ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرمایا ہے اور اس رنج کے عوض بڑی خوشی عطا فرمائی ہے۔ میں نے پوچھا، اب آپ کس درجہ میں؟ انہوں نے کہا کہ نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ ہوں۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ سے جا ملا ہوں۔

ضمرہ بن راشد فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا آپ کا انتقال نہیں ہو گیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں، تو پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے نہیں چھوڑا، پھر میں نے پوچھا، کہ سفیان ثوری کا کیا حال ہے۔ کہا ان کا کیا پوچھتے ہو، وہ تو نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہیں۔ ابن ابی الدنیا لفظہ بنت راشد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مروان محلمی میرے پڑوس میں رہتا تھا۔ وہ مجتہد و قاضی تھا جب اس کا انتقال ہو گیا تو مجھے اس کے فوت ہونے کا بڑا رنج ہوا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا۔ اے ابو عبداللہ اللہ نے تم سے کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے کہا۔ مجھے اپنی بخشش عطا فرمائی ہے، اور جنت میں داخل کر دیا ہے۔ میں نے پوچھا پھر کیا ہوا۔ انہوں نے کہا۔ پھر میں مقام اصحاب یمین میں گیا۔ میں نے کہا تو پھر کیا ہوا انہوں نے جواب دیا کہ پھر میں مقربین میں گیا۔ میں نے پوچھا، وہاں تم نے کن کن لوگوں کو دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے وہاں حسن بصری، ابن سیرین اور میمون بن سیاہ وغیرہ کو دیکھا۔

حماد، ہشام بن حسان سے بیان کرتے ہیں کہ ام عبداللہ جو بصرہ میں نیک خواتین سے تھیں فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ میں ایک عالی شان خوبصورت مکان میں ہوں جس پر ایک بڑا عالی شان باغ ہے۔ میں اس باغ کی زینت اور دلفریب منظر کو ایک عرصہ تک دیکھتی رہی۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہاں ایک آدمی ایک نہایت عالی شان سونے کے تخت پر جلوہ افروز ہے، اور ان کے ارد گرد بہت سے آدمی ہاتھوں میں کوزے لئے کھڑے ہیں۔ میں تعجب اور حیرانی کے عالم میں تھی کہ مجھے آواز آئی کہ یہ شخص مروان محلمی ہیں، یہ خاتون کہتی ہیں اسی وقت میری آنکھ کھل گئی تو میں نے دیکھا کہ میرے مکان کے آگے سے مروان محلمی کا جنازہ جا رہا ہے۔

صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ روحیں ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ چنانچہ ابن ابی الدنیا سے مروی ہے کہ جس وقت بشر بن براء بن معرور صحابی کا

انتقال ہو گیا تو ان کی والدہ ماجدہ ام بشر کو بڑا رنج ہوا۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی سلمہ کے لوگ اکثر مرتے رہتے ہیں۔ یہ تو آپ بتلائیں کہ مردوں کی ایک دوسرے سے ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں یا نہیں، تاکہ میں اپنے بشر کو سلام بھیجوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ام بشر! مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ مردے آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ جس طرح پرندے درخت پر بیٹھ کر ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ پھر ام بشر کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ بنی سلمہ میں جو شخص بھی مرتا ہوا دیکھتیں جا کر اُسے سلام کرتیں۔ وہ اس کے سلام کا جواب دیتا۔ پھر کہتیں کہ میرے بشر کو میری طرف سے سلام کہنا۔

ابن ابی الدنیا عبید بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ قبرستان والے خبروں کے منتظر رہتے ہیں، جب کوئی تازہ مردہ ان میں دفن ہوتا ہے تو اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں آدمی کیسا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ اچھا ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ اچھا ہے۔ اسی طرح جس جس کے متعلق چاہتے ہیں پوچھتے ہیں حتیٰ کہ وہ کسی شخص کی نسبت پوچھتے ہیں جو مر چکا ہوتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔ وہ کہتے ہیں نہیں تو پھر یہ مردہ کہتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُس نے ہمارا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ اس لئے ہمارے پاس نہیں آیا۔

صالح المری بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ روحیں مرنے کے بعد ایک دوسرے سے ملتی ہیں پھر ایک دوسرے سے پوچھتی ہیں کہ تو کیسے جسم کے اندر تھی۔ اچھے کے اندر یا بد کے اندر۔ صالح یہ کہ کر اتنے روئے کہ بے حال ہو گئے۔

عبید بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے، تو روحیں اس سے مل کر خبریں پوچھتی ہیں جس طرح شہر سے جب کوئی آتا ہے تو وہ اپنے آدمیوں کی خبریں دریافت کرتا ہے کہ فلاں کا کیا حال ہے اور فلاں کیا کرتا ہے وغیرہ تو جب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص تو عرصہ ہوا فوت ہو چکا۔ وہ کہتے

ہیں کہ ضرور وہ آدمی جہنم میں چلا گیا۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی مرتا ہے۔ اگر اس کا بیٹا اس سے پہلے انتقال کر گیا ہو تو وہ اپنے باپ کا اس طرح استقبال کرتا ہے جیسے کوئی سفر سے آنے والے کا استقبال کرتا ہے۔

معاویہ بن یحییٰ ابو ایوب انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت مومن کی روح قبض ہوتی ہے تو رحمت کے فرشتے اللہ کی طرف سے اس کے پاس آتے ہیں اور جو روحیں خبریں معلوم کرنے کے لئے اس کے پاس جمع ہوتی ہیں ان سے کہتے ہیں کہ ابھی اپنے بھائی کو مہلت دو، کیونکہ یہ سخت مصیبتیں اٹھا کر آیا ہے۔ پھر روحیں پوچھتی ہیں، کہ ہمارا فلاں کیسا ہے؟ اور ہماری فلاں عورت کیا کرتی ہے۔ اس کی شادی ہو گئی ہے یا نہیں اور جب ایسے آدمی کی نسبت پوچھتے ہیں جو اس سے پہلے مر چکا ہے تو یہ روحیں اس بات کو سن کر کہتی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون معلوم ہو گیا کہ وہ جہنم کے اندر گیا ہے۔ اسی مضمون کے متعلق عاصم جحدری کی حدیث اس سے پہلے گذر چکی ہے جس میں روحوں کی باہمی ملاقات کا ذکر ہے۔

فصل ۵

"تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا مُردوں کی روحیں زندوں کی روحوں سے بھی ملاقات کرتی ہیں یا نہیں"

اس مسئلہ کے دلائل و شواہد اس قدر کثرت سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ہی شمار کر سکتا ہے جس اور واقعہ اس امر کا سب سے بڑا شاہد ہے۔

زندوں اور مردوں کی روحیں آپس میں اسی طرح ملتی جلتی ہیں جس طرح کہ زندوں کی روحیں آپس میں ملتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون	اللہ فوت کرتا ہے۔ نفسوں کو ان کی موت کے وقت اور جو نفس نہیں مرتا ہے حالت خواب میں، تو روک لیتا ہے اللہ تعالےٰ اس نفس کو جس پر اس نے موت کا حکم سنایا ہے، اور دوسرے نفس کو اس کی مدت معینہ تک چھوڑ دیتا ہے، بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں فکر کرنے والوں کیلئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے متعلق روایت ہے فرماتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت پہنچی ہے کہ زندوں کی ارواح مردوں کی ارواح سے خواب کے اندر ملتی ہیں، اور ایک دوسری سے سوال جواب کرتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ مردوں کی ارواح کو روک لیتے ہیں اور زندوں کی ارواح کو ان کے جسموں کی طرف بھیج دیتے ہیں۔

ابن ابی حاتم شیخ سدی سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ روکنے والی روح مردہ کی ہوتی ہے، اور لوٹ آنے والی زندہ کی، اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مردہ کی روح نکال کر روک لیتا ہے۔ قیامت سے پہلے اسے جسم کے اندر نہیں بھیجتا، اور سونے والے کی روح نکال کر پھر اسے اتنی مدت تک جتنی کہ عمر اس کی باقی ہے۔ اس کے جسم میں بھیج دیتا ہے۔

اور دوسرے قول کے معنی یہ ہیں کہ روکنے والی اور لوٹ آنے والی ارواح دونوں سونے والے ہی کی ہیں جس کی عمر ختم ہو جاتی ہے اس کی روح کو اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور جس کی عمر باقی ہوتی ہے۔ اسے چھوڑ دیتا ہے، تاکہ اپنی بقیہ عمر جا کر پوری کرے۔ شیخ الاسلام نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ قرآن و سنت کی دلالت اسی پر ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی روح کے روکنے کا ذکر فرمایا ہے جس کو نیند کی موت سے مارا ہے۔ اور وہ روح جسے اس نے وفات کی موت سے مارا ہے اس کے روکنے

یا چھٹنے کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ وہ ایک تیسری قسم ہے۔
مگر پہلا قول زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے دو وفاتوں کی خبر دی ہے۔ ایک وفات صغریٰ یعنی نیند کی اور دوسری وفات کبریٰ یعنی موت کی، اور ارواح کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ایک تو وہ جن پر موت کا حکم لگا دیا، اور انہیں روک لیا، تو یہ وہ ارواح ہیں جنہیں موت کی وفات ہوئی، اور دوسری وہ ارواح ہیں جن کی عمر ابھی باقی ہے انہیں جسموں کی طرف واپس کر دیا، تاکہ وہ اپنی عمر کو پورا کریں۔ ان دونوں حکموں یعنی روکنے اور چھوڑنے کو دو وفاتیں قرار دیا ہے جن کا ذکر اس آیت کے اندر ہے اور بتایا ہے کہ جو روح نہیں مرتی وہ وہ ہے جسے نیند کی وفات ہوئی اگر دونوں وفاتوں سے نیند ہی مراد ہوتی، تو پھر یہ نہ فرماتا۔ واللتی لم تمت فی منامھا کیونکہ روح جب قبض ہوئی تو مر گئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نہیں مری، تو اس کے بعد یہ جملہ کیسے کہہ دیا۔ فیمسک التی قضی علیھا الموت۔ جن لوگوں کی رائے اس قول کی مؤید ہے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ وفات نومی اور موت کی وفات دونوں کا ذکر آیا ہے جسے موت کی وفات ہوئی، اس کے روکنے اور دوسری کے چھوڑنے کا ذکر کیا ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نیند کی موت دے کر پھر روک لیتا ہے یعنی پہلے اس نے نیند کی موت دی اور پھر وفات کی موت دی۔

تو مطلب یہ ہے کہ دونوں معنی صحیح ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں وفاتوں کا ذکر کیا ہے۔ نیند کی وفات کا بھی اور موت کی وفات کا بھی تو جسے موت کی وفات ہوئی اس کے روکنے اور دوسری کے چھوڑنے کا ذکر فرمایا ہے۔ تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ خدا ہر مردہ کی روح کو روک لیتا ہے۔ چاہے وہ نیند کے اندر مری ہو یا جاگتے میں، اور جو نہیں مری اسے واپس بھیج دیتا ہے، تو یہ قول دونوں کو شامل ہے چاہے اس کی وفات نیند میں ہوئی ہو یا بیداری میں۔

مردوں کی روحوں کا زندوں کی روحوں سے ملاقات کرنا اس طرح ثابت ہے کہ زندوں کی روح کو مردوں کی روح کے ذریعے سے بعض اوقات ایسی خبر کا پتہ چل جاتا ہے جسے وہ پہلے نہیں جانتا تھا، اور وہ خبر ماضی، مستقبل حال بلکہ ہر زمانہ کے متعلق سچی ہوتی ہے، بعض اوقات مردہ اس حال کی خبر دے دیتا ہے جو وہ مکان کی کسی جگہ دفن کرتا ہے، اور سوائے اس کے کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی اور کسی وقت قرض کی خبر دیتا ہے، جو اُسے دینا ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اوپر گذر چکی ہے، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ بعض اوقات مردہ اپنے ان اعمال کی خبر دیتا ہے جنہیں اس نے اپنی زندگی میں کیا تھا اور کسی کو ان کی خبر نہ تھی، اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ مردہ لبسا اوقات یہ بتاتا ہے کہ تم فلاں فلاں وقت پر ہماری قبر پر آئے تھے، اور بعض اوقات تو ایسی باتوں کی خبر دیتا ہے جن کے متعلق لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ان سے ناواقف ہے۔ اس بارے میں ہم عوف بن مالک اور صعب بن جثامہ کا واقعہ نقل کر چکے ہیں، اور ثابت بن قیس اور صدقہ بن سلیمان وغیرہ کے قصے بھی نقل کر چکے ہیں۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی نے آپس میں یہ وعدہ کیا کہ جو کوئی ان سے پہلے مر جائے گا، وہ دوسرے کو لازماً اپنے واقعہ سے آگاہ کرے گا۔ پھر ایک نے ان میں سے دوسرے سے پوچھا۔ کیا مردوں کی روحیں زندوں کی ارواح سے ملاقات کرتی ہیں۔ دوسرے نے جواب دیا۔ ہاں، جنت میں جہاں چاہتی ہیں پھرتی ہیں۔ پھر ان میں سے ایک کی وفات ہو گئی تو اس نے اپنے ساتھی کو خواب میں بتایا توکل اختیار کر اور خوش رہ، کیونکہ توکل سے بہتر میں نے کوئی عمل نہیں دیکھا۔

حضرت عباس بن مطلب فرماتے ہیں کہ میری یہ خواہش تھی، کہ میں حضرت عمر کو خواب کے اندر دیکھوں، پھر ان کے انتقال کے ایک سال بعد میں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اب میرے فارغ ہونے کا وقت آیا ہے۔ قریب تھا کہ میرا تختہ الٹ جاتا۔ اگر

میں خداوند کریم رؤف الرحیم سے نہ ملتا۔

شریح بن عابد شحانی کی جان کنی کے وقت غضیف بن حارث ان کے قریب آئے اور کہا، اے سجاج اگر آپ سے ہو سکے تو انتقال کے بعد ہمیں آکر بتانا، کہ آپ نے کیا کیا دیکھا، بعد ازیں شریح کا انتقال ہو گیا، اور غضیف نے کافی عرصے کے بعد انہیں خواب میں دیکھا، دریافت کیا کہ کیا حال ہے۔ انہوں نے جواب

حضرت مالک بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے مسلم بن یسار کی وفات کے بعد انہیں خواب میں دیکھا۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا۔ آپ جواب کیوں نہیں دیتے فرمایا کہ میں مردہ ہوں تمہیں کیسے جواب دوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ وفات کے بعد آپکا کیا حال ہوا انہوں نے جواب دیا کہ قسم ہے خدا کی، سخت زلزلے اور راہوں کا سامنا ہوا میں نے کہا اس کے بعد کیا ہوا۔ فرمایا کہ کریم کارساز نے ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیا اور نیکیوں کو قبول فرمالیا۔ راوی کہتے ہیں کہ مالک بن دینار نے اس روایت کو بیان کر کے ایک آہ نکالی جس سے وہ بیہوش کر گر پڑے۔ چند روز بیمار رہے اس صدمہ سے ان کا دل پھٹ گیا تھا۔ آخر وہ انتقال فرما گئے۔

خرم کے بھائی سہیل کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن دینار کو ان کی وفات کے بعد انہیں خواب کے اندر دیکھا۔ میں نے پوچھا۔ اے مالک! آپ کس طرح کے اعمال لے کر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں بہت سے گناہ لے کر خدا کے حضور میں گیا۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے تمام گناہ دھو ڈالے۔

جب رجاء بن حیات کا انتقال ہوا تو ایک عبادت گذار خاتون نے انہیں خواب میں دیکھا، اور پوچھا، اے ابو المقدام۔ کس حال میں ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کے فضل سے اچھے حال میں ہوں۔ لیکن تم سے جدا ہو کر ایسی گھبراہٹ اور بے چینی میں پھنسا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید قیامت ہو گئی ہے اس نے پوچھا، یہ کیسے؟ فرمایا ایسے کہ جراح اور ان کے ساتھی وغیرہ جنت میں داخل ہونے کے لئے آئے تو اس کے دروازے پر ان لوگوں کا بڑا ہجوم تھا۔

جمیل بن حرہ بیان کرتے ہیں کہ مورق عجلی میرے بھائی اور دوست تھے ایک دن میں نے ان سے کہا کہ ہم میں سے جو شخص پہلے مر جائے وہ دوسرے کو لازماً اپنے واقعات کے متعلق آگاہ کرے، پھر مورق کا انتقال ہو گیا جمیل فرماتے ہیں

کہ میری بیوی نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ ہمارے گھر آئے ہیں جس طرح کہ آیا کرتے تھے۔ دروازہ پر آکر انہوں نے دستک دی۔ میں نے دروازہ کھولا اور کہا تشریف لائیے۔ انہوں نے کہا۔ میں موت کو چکھ چکا ہوں اندر نہیں آسکتا۔ میں تو اس لئے آیا ہوں کہ جمیل کو بتاؤں کہ خدا نے میرے ساتھ کیا کیا، تم ان سے کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مقربین میں جگہ دی ہے۔

جب محمد بن سیرین کی وفات ہوئی تو ان کے دوستوں کو بڑا رنج ہوا۔ ایک آدمی نے خواب میں انہیں بہت اچھی حالت میں دیکھا۔ کہا۔ بھائی جان میں آپ کو بہت اچھے حال میں دیکھتا ہوں۔ حسن بصری کے ساتھ کیا بیتی؟ انہوں نے جواب دیا۔ وہ ستر درجہ مجھ سے بلند مقام پر ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ فضیلت انہیں کیسے نصیب ہوئی حالانکہ ہم تو آپ کو ان سے افضل و اعلیٰ سمجھتے تھے کہا کہ اس فضیلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اکثر غمگین رہتے تھے

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں سے جان پہچان اور تعارف کم رکھو۔

عمار بن سیف بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن بن صالح کو خواب میں دیکھا۔ میں نے کہا کہ مجھے آپ سے ملنے کی بڑی آرزو تھی تو آپ اب مجھے اپنے حالات کی خبر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا۔ خوش ہو جاؤ۔ خدا کے ساتھ نیک گمان کرنے کے برابر میں نے کوئی عمل نہیں دیکھا۔

جب ضیغم عابد کی وفات ہوئی تو ان کے دوستوں میں سے ایک نے انھیں خواب میں دیکھا۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تم میرے جنازے پر نہ آئے۔ اس وقت انھیں یاد آیا کہ ہاں کسی مجبوری کی بنا پر میں جنازے میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔ ضیغم نے کہا کہ اگر تم جنازے میں شریک ہوتے تو تمہیں بہت نفع ہوتا۔

حضرت رابعہ بصری کا جب انتقال ہو گیا تو انہیں ایک اونی جبہ اور اوڑھنی میں کفن دیا گیا۔ پھر ان کی سہیلیوں میں سے ایک عورت نے ان

کو خواب میں دیکھا کہ وہ استبرق کا حلہ اور سندس کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے پوچھا۔ اے رابعہ اس اونی جُبّے اور اوڑھنی کا کیا بنا جس کا ہم نے آپ کو کفن دیا تھا۔ رابعہ نے جواب دیا قسم ہے خدا کی وہ میرے کپڑے مقام علیین میں بھیج دیئے ہیں قیامت کے دن ان کا ثواب مجھے ملے گا، اور ان کے عوض یہ جنتی کپڑے مجھے ملے ہیں۔ یہی عورت کہتی ہے کہ پھر میں نے کہا کہ کیا اسی کے واسطے آپ دنیا کے اندر عمل کرتی تھیں۔ رابعہ نے کہا یہ کیا ہے اللہ تعالیٰ کے اپنے اولیاء پر بڑی بڑی رحمتیں ہیں۔ وہ کہتی ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ حبیبہ بنت کلاب کس مقام پر ہیں۔ رابعہ نے جواب دیا، وہ تو ہم سے بہت بلند درجوں میں آگے بڑھ گئی ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کس طرح؟ حالانکہ ہم تجھے اس سے بہتر اور عبادت گذار جانتے تھے، رابعہ نے جواب دیا کہ حبیبہ ایک ایسی خاتون تھیں جنھیں دنیا کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ چاہے وہ کیسی بھی حالت میں ہوں، پھر میں نے پوچھا کہ ابو مالک ضیغم کس مقام پر پہنچے، رابعہ نے جواب دیا کہ وہ جب چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی زیارت کر آتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ بشر بن منصور کس حال میں ہیں رابعہ نے کہا کہ تو ان کا حال پوچھتی ہے۔ ان کو تو ان کی امیدوں سے بھی زیادہ ملا۔ یہی عورت کہتی ہے کہ پھر میں نے کہا کہ مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جس سے میں خدا کا قرب حاصل کر سکوں۔ رابعہ نے جواب دیا کہ تجھے ذکر الٰہی کثرت سے کرنا چاہیئے۔ اس سے تیری قبر میں لوگ تجھ پر رشک کریں گے۔

جب عبدالعزیز بن سلیمان عابد کی وفات ہوئی تو ان کے دوستوں میں سے ایک نے انھیں خواب میں دیکھا کہ سبز کپڑے پہن رکھے ہیں، اور ان کے سر پر موتیوں کا ایک تاج رکھا ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے موت کا مزہ کیسا پایا اور اس کے بعد پھر آپ کو کیا واقعات

پیش آئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ موت کی تلخی اور سختی کا سوال ہی نہ کیجئے۔ یہ تو بیان سے باہر ہے۔ باقی اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہمارے تمام عیوب کی پردہ پوشی کی یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہوئیں۔

صالح بن بشر فرماتے ہیں کہ عطاء سلمی کی وفات کے بعد میں نے انھیں خواب میں دیکھا، اور پوچھا اے صالح کیا آپ مردہ لوگوں سے نہیں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں میں انھیں سے ہوں۔ میں نے پوچھا کہ پھر وفات کے بعد آپ پر کیا گذری۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں معاف کرنے والے مہربان کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے مجھے خیر کثیر سے نوازا۔ پھر عطاء مسکرا کر فرمانے لگے کہ میں دنیا میں کبیدہ خاطر رہا کرتا تھا۔ اس رنجیدگی کی بدولت مجھے بڑی راحت نصیب ہوئی اور دائمی خوشنصیبی سے نوازا گیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ اب آپ کس درجہ میں ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ اب میں ان لوگوں کے گروہ میں ہوں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان و انعام فرمایا ہے۔ نبیوں، صدیقوں شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوں یہ لوگ اچھے رفیق ہیں۔

عاصم جحدری کی وفات کے بعد ان کے گھر ایک شخص نے انھیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا آپ کا انتقال نہیں ہوگیا؟ انھوں نے جواب دیا کیوں نہیں، پوچھا۔ آپ کہاں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں جنت کے ایک باغ میں ہوں، اور وہاں پر چند میرے دوست بھی ہیں۔ ہم لوگ ہمیشہ جمعہ کی رات کو اور صبح کے وقت، بکر بن عبداللہ مزنی کے پاس اکٹھے ہو کر تم لوگوں کی خبریں سنتے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کے اجسام و ارواح کیا ہوئے۔ انھوں نے جواب دیا کہ افسوس ہمارے جسم تو گل سڑ گئے ہیں۔ مگر صرف روحیں ملاقات کرتی ہیں۔

مفضل بن عیاض کو کسی شخص نے خواب میں دیکھا۔ انھوں نے کہا انسان کے لئے خدا کے فضل سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

مزہ ہمدانی اپنی زندگی میں اس قدر سجدے کرتے تھے کہ ان کی پیشانی کو مٹی نے کھا لیا تھا، جب وہ وفات پا گئے تو ایک آدمی نے انھیں خواب میں دیکھا کہ ان کی پیشانی ستارے کی مانند چمک رہی ہے۔ اس آدمی نے پوچھا کہ آپ کی پیشانی کس وجہ سے چمکتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ نور مجھے اس وجہ سے ملا ہے کہ زیادہ سجدے کرنے کی وجہ سے میری پیشانی کو مٹی نے کھا لیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ آخرت میں آپ کو کیا رتبہ ملا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ بہت اچھا رتبہ ملا ہے جہاں کے باشندے نہ کبھی مریں گے، اور نہ وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل ہوں گے۔

قاری ابو یعقوب فرماتے ہیں میں نے ایک دراز قد شخص کو خواب میں دیکھا کہ بہت سے آدمی ان کے پیچھے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ کسی نے بتایا کہ یہ اویس قرنی ہیں۔ تو میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ میں نے ان سے عرض کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عنایت کے وقت اس کی رحمت کا امیدوار رہ اور گناہ کے وقت اس کے عذاب سے ڈر، ان کے درمیان میں اس سے نیک گمان رکھ اور اپنی امید کو منقطع نہ کر۔ پھر حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

ابن سماک فرماتے ہیں کہ میں نے مسمر کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ آپ نے کس عمل کو افضل پایا، تو انہوں نے جواب دیا کہ مجلس ذکر کو۔

فلیح بیان کرتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن کہیل کو خواب میں دیکھا، میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے کس عمل کو افضل پایا، تو انہوں نے کہا کہ رات کے قیام کو۔

ابو بکر بن ابی مریم فرماتے ہیں کہ میں نے وفا دین بشر کو ان کے انتقال

کے بعد خواب میں دیکھا، اور پوچھا کہ آپ پر کیا گذری۔ انہوں نے فرمایا۔ بڑی مشقت کے بعد مجھے چھٹکارا ملا۔ میں نے کہا۔ آپ نے کس عمل کو افضل پایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کے ڈر سے رونے کو۔

موسیٰ بن دردان فرماتے ہیں میں نے وفا بن بشر کو ان کے انتقال کے بعد انھیں خواب میں دیکھا، اور پوچھا، آپ کے ساتھ کیا واقعہ گذرا انہوں نے جواب دیا میری برائیاں اور نیکیاں میرے انتقال کے بعد میرے سامنے آئیں نیکیوں کے اندر میں نے چند انار کے دانے دیکھے جنھیں اٹھا کر میں نے کھالیا، اور گناہوں میں، مجھے دو ریشمی دھاگے نظر آئے جو میری ٹوپی کے اندر لگے تھے۔

جویریہ بن اسماء فرماتے ہیں کہ ہم عباوان کے مقام پر تھے کہ ایک نوجوان شخص جو اہل کوفہ سے تھا اور بڑا ہی عبادت گذار تھا۔ ہمارے پاس آیا۔ اتفاقاً تیز گرمی کے دن اس کا انتقال ہو گیا۔ ہم نے خیال کیا کہ گرمی کم ہو جائے تو پھر ہم اسے دفن کریں گے۔ پھر میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ ایک نہایت چمکدار موتی کا قبہ ہے۔ میں اسے دیکھ رہا تھا کہ یکایک اس کا دروازہ کھلا اور ایک ایسی حسین لڑکی جو میری آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی تھی اس قبہ سے باہر آئی اور کہنے لگی کہ اس جوان کے دفن کرنے میں دیر نہ لگاؤ۔ ہم اس کے انتظار میں ہیں جویریہ کہتے ہیں کہ اس گھبراہٹ میں میری آنکھ کھل گئی، اور اس نوجوان کو ہم نے اسی جگہ دفن کر دیا جہاں میں نے قبہ دیکھا تھا۔

عبدالملک بن عتاب لیثی فرماتے ہیں میں نے عامر بن عبد قیس کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا آپ نے کس عمل کو افضل پایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ عمل جو خالصتاً اللہ کے واسطے کیا جائے۔ پھر میں نے پوچھا، آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا مجھے معاف کر دیا۔ میں نے کہا۔ کن اعمال کی وجہ سے؟ جواب دیا نماز

اور روزے کے سبب سے۔ پھر میں نے پوچھا۔ منصور بن ذاذان کو بھی آپ دیکھتے ہیں۔ تو انہوں نے کہا افسوس ان کا محل ہمیں دور سے دکھائی دیتا ہے۔

یزید بن ثمامہ فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی طاعون جارف میں مر گئی، اس کے والد نے اسے خواب میں دیکھا اور کہا۔ اے بیٹی آخرت کے متعلق مجھے باتیں بتا۔ اس نے کہا۔ ابا جان ہم ایسے امر میں مبتلا ہیں کہ جسے ہم پہلے جانتے تو تھے مگر اس کے لئے عمل نہ کرتے تھے اور تم لوگ بھی جانتے ہو مگر عمل نہیں کرتے۔ مجھے خدا کی قسم ہے کہ ایک دو مرتبہ سبحان اللہ کہنا یا ایک دو رکعتیں پڑھ لینا مجھے تمام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے۔ اس سے بہتر ہیں۔

کثیر بن مرہ فرماتے ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا، گویا میں جنت کے بہت بلند مقام میں داخل ہو رہا ہوں۔ اس کے اندر چاروں طرف پھر رہا ہوں۔ اس کی خوب صورتی اور منظر کی دل فریبی کو دیکھ کر تعجب کر رہا ہوں، پھر مجھے وہاں پر چند عورتیں دکھائی دیں جو ایک کونہ میں بیٹھی تھیں۔ میں ان کے قریب گیا۔ میں نے انہیں سلام کیا اور پوچھا، یہ درجہ تمہیں کس عمل کی بدولت نصیب ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا بہت نماز پڑھنے کی وجہ سے۔

عبد الملک بن مروان کی صاحبزادی فاطمہ اور عمر بن عبد العزیز کی بیوی فرماتی ہیں کہ ایک رات عمر بن عبد العزیز خواب سے بیدار ہوئے۔ فرمانے لگے کہ میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔ فاطمہ کہتی ہیں۔ میں نے کہا۔ میں تم پر قربان جاؤں۔ مجھے بتاؤ وہ کون سا عجیب خواب ہے، فرمانے لگے۔ صبح کو بتاؤں گا۔ جب صبح ہوئی تو وہ نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو میں نے عرض کیا فرمائیے وہ کیا خواب تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک سرسبز

نہایت وسیع زمین میں پہنچ گیا ہوں۔ گویا اس پر سبز فرش بچھا ہوا ہے اور اس میں ایک سفید محل ہے جو چاندی کا معلوم ہوتا ہے۔ یکایک اس محل سے ایک شخص نکلا۔ اس نے زور سے آواز دی کہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کہاں ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں، اتنے میں حضور تشریف لے گئے، پھر ایک دوسرا شخص اسی محل سے باہر آیا۔ اس نے پکار کر آواز دی کہ کہاں ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اتنے میں حضرت ابوبکر تشریف لائے اور محل میں داخل ہو گئے، پھر ایک اور آدمی نکلا اس نے آواز دی کہ عمر بن خطاب کہاں ہیں۔ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور محل کے اندر چلے گئے۔ پھر ایک اور شخص محل سے باہر نکلا اس نے آواز دی کہ کہاں ہیں عثمان بن عفان۔ اتنے میں حضرت عثمان تشریف لائے اور محل میں داخل ہو گئے۔ پھر ایک اور شخص باہر آیا، اس نے ندا دی کہ علی ابن ابی طالبؓ کہاں ہیں۔ اتنے میں حضرت علی تشریف لائے اور محل کے اندر چلے گئے، پھر ایک اور آدمی نکلا، اس نے پکارا کہ عمر بن عبدالعزیز کہاں ہیں، عمرؒ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہو گیا اور محل کے اندر چلا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضورؐ کے ارد گرد لوگ بیٹھے ہیں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ میں کس جگہ بیٹھوں۔ پھر میں عمر بن خطابؓ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب تشریف فرما ہیں، اور بائیں جانب عمرؓ، پھر میں حضورؐ کو غور سے دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ حضور کے اور ابوبکر کے درمیان ایک اور آدمی بیٹھے ہیں میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں۔ کسی نے کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہیں۔ پھر میں نے ہاتف کی آواز سنی اس کے اور میرے درمیان ایک نورانی پردہ تھا۔ اس نے کہا۔ اے عمر بن عبدالعزیز جس حالت پر تم ہو۔ اسے لازم پکڑے رہو۔ عمرؒ فرماتے ہیں۔ پھر مجھے ایسا معلوم ہوا گویا مجھے رخصت مل گئی، اور میں اس محل سے باہر آ گیا، پھر میں نے

پیچھے دیکھا تو عثمان بن عفان چلے آرہے ہیں، اور فرمارہے ہیں کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے میری مدد فرمائی۔ پھر میں نے ان کے پیچھے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو دیکھا وہ فرمارہے تھے کہ شکر ہے خدا کا جس نے میری مغفرت فرمائی۔

عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ابوبکرؓ اور عمرؓ بھی آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضرت علیؓ اور معاویہؓ تشریف لائے اور ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ پھر اس کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؓ باہر آئے اور کہا قسم ہے کعبہ کے رب کی میرے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ پھر معاویہ یہ کہتے ہوئے باہر آئے قسم ہے رب کعبہ کی میرے گناہ معاف فرمادیئے۔

حماد بن ابی ہاشم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے ابوبکرؓ حضور کے دائیں اور عمر بائیں بیٹھے تھے پھر دو آدمی جھگڑتے ہوئے آئے، اور آپ (یعنی عمر بن عبدالعزیز) حضورؐ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے حضورؐ نے آپؒ سے فرمایا۔ ارے تم ان دونوں کی پیروی کرنا۔ یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس آدمی کو قسم دے کر پوچھا کیا تو نے یہ خواب دیکھا ہے، اس نے جواب دیا کہ ہاں اور قسم بھی کھائی۔ عمر بن عبدالعزیز یہ سن کر رونے لگے۔

عبدالرحمان بن غنم فرماتے ہیں کہ میں نے معاذ بن جبل کو ان کے انتقال کے بعد انھیں خواب میں دیکھا کہ ایک ابلق گھوڑے پر سوار ہیں، اور ان کے پیچھے چند لوگ کپڑے پہنے اور سفید گھوڑوں پر سوار ہیں۔ معاذ بن جبل ان تمام کے آگے ہیں، اور فرماتے ہیں کاش میری قوم اس بخشش کو جانتی جو میرے رب نے مجھ پر کی ہے، اور مجھے بزرگ لوگوں میں جگہ دی ہے۔ پھر اپنے دائیں اور بائیں جانب مڑ کر فرمایا۔ اے

ابن رواحہ اور ابن مظعون، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم سے وعدہ فرما کر اسے سچا کر دکھایا اور جنت کا ہمیں وارث بنایا۔ ہم جہاں چاہتے ہیں اس میں پھرتے ہیں، اچھا اجر ہے نیکی کرنے والوں کا۔ پھر حضرت معاذ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور چلے گئے۔

قبیصہ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا ہے۔ انہوں نے جواباً یہ اشعار پڑھے۔

نظرت الیٰ ربی عیانا فقال لی هنیئاً رضائی عنک یا ابن سعید

میں نے اپنے پروردگار کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا تو اس نے مجھ سے فرمایا میری رضامندی ہے ابن سعید تجھے مبارک ہو۔

فقد کنت قواماً اذا اللیل قد دجیٰ بعبرة محزون وقلب عمید

تو رات کی تاریکی میں عبادت کے ساتھ کھڑا ہونے والا تھا۔ گریہ وزاری اور شکستہ دلی کے ساتھ

فدونک اَی قصر تریدہ وزرنی فانی منک غیر بعید

جنت کے جس محل میں تیرا جی چاہے جا، اور میری زیارت کر کہ میں تجھ سے دور نہیں ہوں

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں میں نے سفیان ثوری کو ان کے انتقال کے بعد انہیں خواب میں دیکھا کہ جنت میں ایک درخت سے دوسرے درخت پر اڑتے پھرتے ہیں، اور فرماتے ہیں۔ لمثل هذا فلیعمل العاملون یعنی ایسے فضائل حاصل کرنے کے لئے چاہیئے کہ عمل کرنے والے عمل ایسے کریں، کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ درجہ آپ کو یہ درجہ کیسے ملا، اور کس عمل سے ملا؟ انہوں نے جواب دیا کہ پرہیزگاری سے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ علی بن عاصم کس جگہ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ستارہ کی مانند دور سے ہم کو چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔

ابو احمد بریدی فرماتے ہیں کہ میں نے شعبہ بن حجاج اور مسعر بن کدام کو جو کہ بڑے بزرگ شخص تھے خواب میں دیکھا، اور دریافت کیا۔ اے

ابو بسطام۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے۔ تم اس بات کو یاد رکھو جسے میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

حباني المهيمن في الجنان بقبة ... لها الف باب من لجين وجوهر

اللہ نے مجھے جنت میں ایک قبہ بخشا ہے۔ جس کے چاندی اور جواہرات کے ہزار دروازے ہیں

وقال لي الرحمٰن يا شعبة الذي ... تبحر في جمع العلوم فاكثرا

اور مجھ سے رحمان نے فرمایا۔ اے شعبہ جس نے علوم کے جمع کرنے میں بڑا تبحر حاصل کیا۔

تنعم بقربي انني عنك ذو رضا ... وعن عبدي القوام في الليل مسفرا

میرے قرب کی نعمت سے خوش ہو یقیناً میں تجھ سے راضی ہوں اور اپنے بندے شب بیدار مسفر سے راضی ہوں۔

كفا مسفرا عزا بان سيزورني ... فاكشف من وجهي الكريم لينظرا

مسفر کی عزت کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ جلد ہی میری زیارت کریگا اور میں اپنا بزرگ چہرہ اس کے لئے کھول دوں گا۔

وهذا فعالي بالذين تنسكوا ... ولم يألفوا في سالف الدهر منكرا

اور یہی طریقہ میرا ان لوگوں سے ہے جنہوں نے نیک کام کئے ہیں اور گذشتہ زمانے میں برے کاموں کی طرف مائل نہیں ہوئے۔

احمد بن لبدی فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا اور دریافت کیا۔ اے ابا عبداللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مجھے بخش دیا، اور فرمایا۔ اے احمد میرے واسطے تو نے ستر کوڑے کھائے ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں اے میرے رب، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے احمد یہ میرا چہرہ ہے میں نے تیرے لئے یہ مباح کر دیا ہے تو اسے دیکھ۔

ابوبکر احمد بن محمد بن حجاج بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ سے دعا کی کہ اہل قبور کو مجھے خواب میں دکھا تاکہ میں احمد حنبل کے متعلق ان سے پوچھوں کہ تو نے ان کے ساتھ کیا کیا، فرماتے ہیں کہ میں

سال کے بعد میں نے خواب دیکھا گویا تمام قبروں والے اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اور مجھے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہنے لگے اے لوگو یہی آدمی ہے جو خدا سے دعا کرتا تھا کہ تمہیں دیکھ کر تم سے آدمی کے متعلق پوچھے جو تم سے جدا ہو کر فرشتوں کے ساتھ درخت طوبیٰ کے نیچے رہتا ہے۔

ابو محمد عبدالحق فرماتے ہیں کہ اہل قبور کی یہ گفتگو احمد بن حنبل کے بلند درجے اور عظیم منزلت کا پتہ دیتی ہے۔ کیونکہ اہل قبور کو ان کی صفت بیان کرنے کی اس طریقہ کے سوا قدرت نہ ہوئی۔ ابو جعفر سقاء لبشر حافی کے دوست فرماتے ہیں کہ میں نے بشر حافی اور حروف گرخی کو خواب میں دیکھا، اور پوچھا۔ آپ حضرات کہاں سے آرہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہم جنت الفردوس سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی زیارت کر کے آرہے ہیں۔

عاصم جزری فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ بشر بن حارث سے میری ملاقات ہو گئی ہے۔ میں نے پوچھا۔ اے ابو النصر آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں۔ فرمایا علیین سے میں نے کہا۔ احمد بن حنبل کس جگہ ہیں۔ فرمایا۔ میں انہیں ابھی عبدالوہاب وراق کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ وہ دونوں اسی جگہ کھاتے پیتے ہیں میں نے پوچھا آپ کیا کرتے ہیں، فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی رغبت کو نہ دیکھ کر میرے لئے اپنا دیدار مباح فرما دیا ہے۔

ابو جعفر سقاء فرماتے ہیں کہ بشر بن حارث کو ان کی وفات کے بعد میں نے انہیں خواب میں دیکھا، اور سوال کیا اے ابا نصر، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا، انہوں نے جواب دیا کہ میرے اوپر بڑی رحمت فرمائی، اور فرمایا۔ اے بشر تو اگر میرے لئے انگاروں پر سجدے کرتا تو میں اتنا خوش نہ ہوتا جتنا کہ اس بات سے خوش ہوا ہوں کہ تو نے میرے

بندوں کے دل خوش کئے، اور کہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آدھی جنت کے اندر رہنے کی اجازت دی ہے کہ جس جگہ میں چاہوں اس میں دہیل پھروں۔ مجھ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ جس قدر آدمی میرے جنازے میں شریک تھے انہیں بھی بخش دوں گا۔ پھر میں نے پوچھا۔ اے ابونصر تمہارکس جگہ ہیں۔ فرمایا کہ ان کا درجہ تو ہم سب سے بہت بلند ہے، کیونکہ وہ فقر اور بلاؤں پر بڑے صابر تھے۔

عبدالحق فرماتے ہیں کہ آدھی جنت جو بشر نے فرمائی ہے اس سے مراد غالباً آدھی نعمتیں ہی ہوں گی، کیونکہ جنت کی آدھی نعمتیں روحانی ہیں اور جسمانی ہیں، روحیں پہلے روحانی نعمتیں حاصل کرتی ہیں۔ اور قیامت میں جبکہ روحیں جسموں کے اندر واپس آئیں گی تو اس وقت جنت کی جسمانی نعمتیں حاصل کریں گی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جنت کی نعمتیں علم و عمل کے لحاظ سے مرتب ہیں، اور بشر کا حصہ علم کی بہ نسبت عمل میں زیادہ تھا۔ اسی لئے آدھی جنت انہوں نے فرمائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بعض صلحا فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر شبلی کو خواب میں دیکھا کہ آپ مسجد رصافہ میں تشریف فرما ہیں جہاں وہ ہمیشہ بیٹھا کرتے تھے، اور بہت نفیس قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے سامنے جا کر سلام کیا، اور بیٹھ گیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے دوستوں میں سے آپ کا زیادہ مقرب کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا جو ذکر خدا زیادہ کرتا ہے، اور خدا کے حق کے ساتھ پورے طریقے پر قائم ہے۔ اور خدا کی رضامندی والے کام میں جلدی کرتا ہے۔

ابوعبدالرحمٰن ساحلی فرماتے ہیں کہ میں نے میسرہ بن سلیم کو ان کے انتقال کے بعد دیکھا، اور پوچھا۔ آپ کو بڑی مدت کے بعد دیکھا ہے انھوں نے جواب دیا۔ میں نے بہت دور کا سفر کیا ہے، میں نے کہا پھر

کیا ہوا، فرمایا ہمارے ساتھ آسانی فرمائی۔ کیونکہ ہم لوگوں کو آسانی کے فتوے دیا کرتے تھے، میں نے کہا پھر آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں فرمایا۔ اخیار کی صحبت کو لازم پکڑنا، اور آثار کا اتباع کرنا آگ کے عذاب سے بچاتا ہے۔ اور پروردگار کے تقرب کو نصیب کرتا ہے۔

ابو جعفر حزیر فرماتے ہیں۔ میں نے عیسیٰ بن ذاذان کو ان کی وفات کے بعد انھیں خواب میں دیکھا، اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ انہوں نے جواب میں یہ شعر پڑھے ؎

لو رایت الحسان فی الخلد حولی واکاویب معهم للشراب

اگر تو حسینوں کو جنت میں میرے گرد دیکھے، اور شراب کے پیالے ان کے ساتھ!

یترنمن بالکتاب جمیعا یتمشین منبلات الثیاب

تمام مل کر کتاب کو ترنم آواز میں پڑھتے ہیں۔ نازو انداز کے ساتھ کپڑوں کو لٹکا کر چلتے ہیں۔

ابن جریج کے دوستوں میں سے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا، گویا میں مکہ شریف کے قبرستان میں ہوں، اور ہر قبر پر قناتیں لگی ہوئی ہیں، اور ایک قبر پر خیمہ اور پردے وغیرہ لگے ہوئے ہیں، اور ایک قبر پر خیمہ اور پردے وغیرہ لگے ہوئے ہیں۔ اور ایک بیری کا درخت بھی ہے۔ یہاں مسلم بن خالد زنجی تھے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی قبر پر بیری کا درخت کیوں ہے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ میں کثرت سے روزہ رکھتا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ ابن جریج کی قبر کس جگہ ہے۔ کیونکہ میں اکثر ان کی خدمت میں بیٹھا کرتا تھا چاہتا ہوں اگر وہ ملیں تو ان کا سلام کر لوں۔ ابو خالد نے فرمایا کہ ان کی قبر کے متعلق کیا پوچھتے ہو ان کا صحیفہ تو علیین میں پہنچ چکا ہے۔

حماد بن سلمہ کے دوستوں میں سے کسی شخص نے انھیں خواب میں دیکھا، اور دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک فرمایا ہے۔ انہوں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا۔ اے حماد تو نے دنیا میں بہت رنج اور مصیبتیں برداشت کی ہیں۔ آج تجھے اور سب

رنجیدہ لوگوں کو چین نصیب ہوگا۔

یہ باب بہت وسیع ہے۔ اس کے مضامین پر مطلع ہونے کے بعد بھی یہ کہیں کہ یہ صرف خواب و خیال ہیں ان میں حقیقت نہیں ہے تو میں جواب میں کہوں گا کہ اس کے اندر بہت سارے خواب ایسے ذکر ہوئے ہیں جن میں مُردوں نے زندوں کو ایسی باتوں کی خبر دی ہے جنہیں وہ بالکل نہ جانتے تھے، اور ہونے والے واقعات اور دفن کئے ہوئے خزانے کی بھی خبر دی ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ فلاں آدمی فلاں دن مر جائے گا۔ جس طرح انہوں نے خبر دی ویسا ہی ہوا۔ یہ واقعات اتنے ہیں، کہ ان کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ پھر اس میں تمام ادوار کے آدمی شریک ہیں خود ہم نے اور بہت سے دوسرے لوگوں نے ایسے عجائبات دیکھے ہیں۔

یہ تمام واقعات اس شخص کے قول کو غلط قرار دیتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ خواب نفس کے علوم و عقائد پر مبنی ہوتے ہیں۔ جس وقت نفس بدنی مشاغل سے نیند کے ذریعہ فراغت حاصل کر لیتا ہے تو ان کا ظہور ہوتا ہے یہ قول بالکل غلط ہے، کیونکہ سونے والا قطعاً ان امور کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ جن کی مُردے نے اسے خبر دی، اور نہ ہی اس کے دل کے اندر ان چیزوں کا کبھی خیال آیا تھا، اور نہ ہی اس کے پاس ان اشیاء کی کوئی علامت تھی۔

نیز ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض خواب نفسیاتی خیالات ہوتے ہیں اور عام آدمیوں کے خواب اُن کے اعتقادی صورتیں ہوتی ہیں۔ جو بعض اوقات تو واقعہ کے مطابق اور بعض اوقات واقعہ کے غیر مطابق ہوتے ہیں۔

خواب تین قسم کے ہیں، ایک رحمانی خواب، جو اللہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ ایک شیطانی خواب، اور ایک نفسانی خطرہ ہوتا ہے۔ پھر جو سچا

خواب ہوتا ہے۔ اس کی بھی کئی اقسام ہیں، ایک الہام ہے جسے اللہ تعالےٰ اپنے بندے کے دل میں القاء کرتا ہے۔ یہ وہ کلام ہے جسے اللہ تعالےٰ اپنے بندے سے خواب میں کرتا ہے جیسا کہ عبادہ بن صامت وغیرہ سے روایت ہے بعض اوقات ایک فرشتہ جو اسی کام پر معین ہے گفتگو کرتا ہے۔

ایک خواب وہ ہے جس میں زندوں کی روح مردوں کی روحوں سے ملتی ہے جیسا کہ پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

ایک وہ خواب ہے جس میں سونے والے کی روح جنت وغیرہ مقامات کو دیکھتی ہے۔

تو زندوں کی ارواح کا مردوں کی روحوں سے ملنا بھی سچے خوابوں سے ہے۔ جسے بعض لوگ باطنی محسوسات سے شمار کرتے ہیں، پھر ان میں بھی کچھ اختلاف واقع ہوا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ تمام علوم نفس کے اندر مخفی ہیں، مشغول ہونے کی وجہ سے نفس انھیں حسًا معلوم نہیں کر سکتا، اور عالم خواب کے اندر جبکہ نفس مشاغل حسیہ سے مجرد ہوتا ہے، تو پھر وہ علوم اس کی قابلیت اور استعداد کے موافق اس پر ظاہر ہوتے ہیں، اور جب موت کی وجہ سے اُسے تجرد کامل ملتا ہے، تو پھر اس کے علوم و معارف بھی بڑھ جاتے ہیں، اور زیادہ کامل ہو جاتے ہیں معترض کا یہ قول حق اور باطل، دونوں کو شامل ہے۔ اس لئے نہ تو ہم سارے قول کو مان سکتے ہیں اور نہ پورے قول کو رد کر سکتے ہیں، اس بات کا قائل ہونا کہ نفس مجرد ہونے سے علوم معارف پر مطلع ہو جاتا ہے، غلط ہے۔ کیونکہ اگرچہ نفس کلیتًا مجرد ہو جائے۔ پھر بھی وہ ان علوم و معارف پر مطلع نہیں ہو سکتا جن کے ساتھ خداوند کریم نے اپنے انبیاء کو مخصوص فرمایا ہے، اور جو تفصیلی خبریں پہلی امتوں کے متعلق رسولوں نے دی ہیں قیامت و حساب و عذاب کے متعلق باتیں بتائی ہیں اوامر و نواہی کو تفصیل سے بیان کیا

ہے، اور جو اسماء و صفات و افعال کے حقائق بیان فرمائے ہیں۔ یہ علوم بغیر وحی کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ نفس کا مجرد ہونا ان امور کی معرفت کے لئے مددگار ہوتا ہے، اور اُسے قریب کر دیتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خواب کے اندر جو دکھائی دیتا ہے۔ یہ وہ علوم ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے ابتدا ہی سے نفس سے متعلق کر دیا ہے۔ یہ قول ان لوگوں کا ہے جو اسباب حکم و قوائے کے منکر ہیں۔ اور یہ بھی عقل و شرع کے بالکل خلاف ہے۔

بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ خواب وہ مثالیں ہیں جنھیں ایک فرشتہ جو اس کام پر مقرر ہے بندوں کی استعداد کے موافق دکھاتا ہے یہ کبھی تو صرف مثال ہی ہوتا ہے، اور کبھی واقعے کے مطابق ہوتا ہے یہ قول پہلے اقوال کے زیادہ قریب ہے لیکن خواب صرف اسی طور پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ اور اسباب بھی ہیں جیسا کہ ہم روحوں کی ملاقاتیں اور ان کے خبریں دینے وغیرہ امور کے متعلق ذکر کر چکے ہیں، چنانچہ حافظ ابو عبداللہ بن مندہ کتاب النفس والروح میں سند اً روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ اے علیؓ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کبھی آپ حضور اکرمؐ کی خدمت میں ہوتے تھے اور ہم نہ ہوتے تھے اور کبھی ہم ہوتے تھے اور آپ نہ ہوتے تھے۔ میں آپ سے تین باتیں پوچھتا ہوں اگر آپ کو ان کا علم ہو تو بیان فرمائیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا وہ کیا ہیں فرمائیے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ایک تو یہ ہے کہ بسا اوقات آدمی کسی ایسے شخص سے محبت کرتا ہے جس سے اُسے کوئی بھلائی نہیں پہنچتی۔ اس کا کیا سبب ہے، اور کسی کو بعض اوقات بُرا جانتا ہے حالانکہ اس سے اُسے کوئی برائی نہیں پہنچتی، اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ میں نے حضور اکرمؐ سے سُنا ہے آپؐ فرماتے تھے، ارواح کے لشکر اور گروہ ہیں اور ہوا کے اندر

ان کی آپس میں ملاقاتیں ہوتی ہیں تو جن روحوں میں عالم ارواح میں محبت ہوئی ان میں عالم دنیا میں بھی محبت رہتی ہے، اور جن ارواح میں وہاں الفت نہیں ہوئی، ان میں دنیا کے اندر بھی اختلاف رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ ایک بات ہوئی، اب دوسری سنئے۔ بعض اوقات آدمی کوئی بات کرتا ہے کہ اُسے بھول جاتا ہے اور پھر فوراً یاد بھی آ جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس کے متعلق بھی میں نے حضورؐ سے سنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ دل کی مثال چاند کی سی ہے۔ جو ہر وقت روشن ہے مگر جس وقت کوئی بادل اس پر آجاتا ہے تو اس کی روشنی کو ڈھانپ لیتا ہے، اور جس وقت وہ بادل ہٹ جاتا ہے تو چاند کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح جب دل کے چاند پر بادل آجاتا ہے تو بات بھول جاتی ہے اور جب بادل ہٹ جاتا ہے تو بات یاد آجاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تیسری بات یہ ہے کہ آدمی جو خواب دیکھتا ہے تو ان میں کوئی سچا ہوتا ہے اور کوئی جھوٹا ہوتا ہے، اس کا کیا سبب ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ اس کے متعلق بھی میں نے حضورؐ سے سنا ہے۔ آپؐ فرماتے تھے کہ بندہ سوتا ہے تو اس کی روح عرش کی طرف لے جائی جاتی ہے، تو جس کی روح عرش کے پاس جا کر بیدار ہو جاتی ہے اس کا خواب سچا ہوتا ہے ہے۔ اور جس کی روح عرش تک پہنچنے سے قبل بیدار ہو جاتی ہے اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے تینوں سوالوں کے جواب باصواب مل گئے جنھیں میں ایک مدت سے تلاش کر رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں نے انھیں مرنے سے پہلے حاصل کر لیا۔

ایک دن حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ میں خواب کے معاملہ میں بڑا حیران ہوں۔ بعض اوقات انسان خواب میں ایسی بات دیکھتا ہے جس کا

اس کے دل کے اندر کبھی خیال بھی نہیں گذرا ہوتا۔ اور وہ بالکل صحیح ہوتا ہے، اور بعض اوقات ایسا خواب دیکھتا ہے کہ اس کا کچھ بھی وجود نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ اے امیرالمومنین، اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمیٰ

حضرت علیؓ نے فرمایا۔ روحیں خواب کے اندر آسمان کی طرف عروج کرتی ہیں تو جو باتیں روحیں آسمان میں دیکھتی ہیں وہ حق ہوتی ہیں پھر وہ روح جسم کی طرف واپس کی جاتی ہے، تو اس وقت ہوا میں سرشیاطین اس سے ملاقات کرتے ہیں تو وہ جو باتیں اُسے دکھاتے ہیں۔ وہ خواب جھوٹا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت علی کی اس بات کو سن کر تعجب کرنے لگے۔

طبرانی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ اے امیرالمومنین میں آپ سے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ تمہارا جو بھی جی چاہے پوچھو، ابن عباس نے کہا۔ فرمائیے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ انسان کچھ باتوں کو بھول جاتا ہے اور وہ پھر اُسے یاد آجاتی ہیں۔ اور کچھ خواب سچے دیکھتا ہے۔ اور کچھ جھوٹے۔ تو حضرت عمرؓ نے وہی جواب دیا جو حضرت علیؓ نے انھیں بتایا تھا۔ جو پہلی روایت کے اندر گذر چکا ہے۔

حضرت ابوداؤد صحابی سے مروی ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے تو اس کی روح عرش کے نیچے لائی جاتی ہے۔ اگر یہ روح پاک ہوتی ہے تو اسے سجدے کا حکم کیا جاتا ہے، اور اگر اس طرح اسے نہانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی ناپاک ہوتی ہے تو پھر اسے سجدے کا حکم نہیں کیا جاتا۔

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ ارواح، عالم ارواح میں گروہ گروہ ہیں تو جن روحوں کی ملاقات وہاں نہیں ہوتی، ان کی ملاقات دنیا

کے اندر بھی نہیں ہوتی۔

ہمیشہ سے زمانۂ قدیم اور زمانۂ جدید کے آدمی ان باتوں کو جانتے اور مشاہدہ کرتے چلے آئے ہیں۔

جمیل بن معمر عذری کہتا ہے ؎

اظل نهاری متتاما وتلتقی مع اللیل روحی فی المنام وروحها

تمام دن بیقرار رہتا ہوں، رات کو خواب میں میری اور اس کی روح ملتی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ سونے والا بعض اوقات زندہ آدمیوں کی روحوں کو دیکھتا ہے اور ان سے باتیں بھی کرتا ہے، باوجودیکہ ان کے اندر بہت مسافت ہوتی ہے، اور وہ زندہ اس وقت جاگ رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی روح اس کے جسم سے جدا نہیں ہوئی ہوگی۔ پھر کس طرح یہ روحیں آپس میں ملاقات کرتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا خواب یا تو خیالی ہوتا ہے جیسے خوابوں پر موکل فرشتہ سونے والے کے سامنے پیش کرتا ہے، یا پھر اس کا ذاتی خیال ہوتا ہے جو مشکل ہو کر خواب کی صورت میں اس کے سامنے نمودار ہوتا ہے۔

جب دو روحوں کے درمیان محبت کا گہرا رشتہ ہوتا ہے تو اس وقت ہر ایک روح دوسری کی بعض باتیں سمجھ لیتی ہے۔ اگرچہ دوسرے آدمی کی نہ سمجھے۔

کیونکہ یہ سمجھنا علاقۂ محبت کی بنا پر ہوتا ہے، لوگوں نے بہت سے ایسے عجائبات مشاہدہ کئے ہیں، اس بحث سے مقصد یہ ہے کہ زندوں کی ارواح بھی آپس میں اس طرح ملتی ہیں جس طرح زندوں اور مردوں کی۔

بعض بزرگان سلف نے کہا ہے کہ روحیں ہوا کے اندر ملتی ہیں، اور ایک دوسرے کو پہچان کر باتیں کرتی ہیں، ان کے پاس وہ فرشتہ آتا ہے جو خوابوں پر مقرر ہے۔ تو وہ انہیں اس بھلائی یا برائی کی خبر دیتا ہے جو انہیں پیش آنے والی ہوتی ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے سچے خوابوں پر ایک فرشتہ متعین فرمایا ہے، اور تمام معلومات، اس طرح اُسے تعلیم فرمائی ہیں کہ وہ فرشتہ ان میں سے کچھ بھی نہیں بھولتا۔ پھر اس فرشتہ کے پاس غیبیات الٰہی سے یہ فرمان آتا ہے کہ فلاں آدمی کو خواب کے اندر یہ بھلی یا بُری بات بتلا دے جو اُسے پہنچنے والی ہے تو یہ فرشتہ اس بُرائی یا بھلائی کی مثال بنا کر اس آدمی کی استعداد کے موافق اُسے دکھاتا ہے۔ چنانچہ کسی وقت اُسے نیک کام کی جسے یہ کر چکا ہے یا کرے گا بشارت دیتا ہے۔ اور کبھی کسی گناہ سے جسے یہ کرے گا یا اس کے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے ڈراتا ہے، اور خوفزدہ کرتا ہے۔ کبھی کسی بُرائی کے موقع سے جس کے اسباب اس کے لئے تیار ہوتے ہیں متنبہ کرتا ہے۔ اس کے ٹالنے کی ترکیب بھی بتا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں بہت ساری حکمتیں اور مصلحتیں خواب کے اندر اس قسم کی ہیں جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت، نعمت و احسان بنایا ہے۔ ان ہی میں سے ایک طریقہ روحوں کی ملاقات، جہان پہچان اور بات چیت کا ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جنھوں نے خواب دیکھ کر توبہ کی ہے نیکی اور بہتر کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اور آخرت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں، اور بہت سے لوگ ایسے تھے جو تونگری و دولت کے طلبگار تھے۔ لہٰذا خواب دیکھ کر انھیں دفینے مل گئے اور پتہ چل گیا کہ مال کہاں دفن ہے۔

ابوبکر احمد بن مروان مالکی نے کتاب المجالسہ میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ تین آدمی سفر میں تھے۔ ان میں سے ایک آدمی سو گیا۔ جو بیدار تھے انھوں نے دیکھا کہ اس کی ناک سے آگ کا ایک شعلہ نکلا، اور ایک غار کے اندر۔ جو قریب ہی تھا گیا۔ اور پھر اس غار سے نکل کر اس آدمی کی ناک میں چلا گیا۔ یہ آدمی بیدار ہوا، اور اپنے ہاتھ سے چہرہ کو پونچھنے لگا، اور کہا کہ میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔ میں نے اس غار کے

اندر خزانہ دیکھا ہے۔ پھر وہ تینوں اس غار کے اندر گئے اور وہاں سے خزانہ حاصل کر لیا۔

حضرت عبدالمطلب نے چاہِ زمزم کو اور اس کے خزانے کو خواب کے اندر دیکھا اور اُسے نکالا۔

عمیر بن وہب نے خواب دیکھا کہ ایک آدمی اُن سے کہتا ہے۔ کہ فلاں جگہ پر کھڑا ہو اور زمین کھود کر اپنے باپ کا مال نکال لے۔ واقعی عمیر کے والد نے وہاں مال دفن کیا تھا۔ اور اس کے متعلق کوئی وصیت بھی نہیں کی تھی۔ جب عمیر خواب سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اس جگہ کو کھودا اور وہاں سے دس ہزار درہم اور بہت سارے سونے کے ٹکڑے نکال کر اپنا قرض ادا کیا۔ پھر ان کی حالت بہتر ہو گئی۔ یہ واقعہ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد کا ہے۔ ان کی چھوٹی بیٹی نے ان سے کہا۔ ابا جان ہمارا رب بڑا اچھا ہے۔ اور ہبل و عزیٰ سے بہتر ہے ماضی تو ہم نے چند ہی دن اس کی پرستش کی ہے کہ اس نے ہمیں اس قدر مال دیا ہے۔ ہبل اور عزیٰ نے تو سارا ہی عمر کچھ بھی نہ کیا۔

علی بن ابی طالب فیروزانی فرماتے ہیں کہ عمیر کا اس خواب کو دیکھ کر مال نکالنا کچھ عجیب نہیں۔ ہم نے خود اپنے وقت اور اپنے شہر کے اندر ابو محمد عبداللہ بغانشی کو دیکھا۔ وہ ایک نیک آدمی تھے، جو مُردوں سے ملاقات کرنے اور غیب کے حالات بتانے میں بڑے مشہور تھے۔ جب کسی کا کوئی آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کے مال کا پتہ اس کے وارث کو نہ ہوتا، وہ ان سے آکر کہتا۔ یہ حضرت رات کو اس مردہ سے حالات معلوم کرتے۔ اور دن کو اس کے وارث کو بتا دیتے چنانچہ ان سے ایک عجیب حکایت منقول ہے کہ ایک بوڑھی عورت مر گئی۔ اس بوڑھیا کے پاس ایک عورت کی سات اشرفیاں بطور امانت کے رکھی تھیں۔ وہ عورت اس بزرگ صفت آدمی کے پاس آئی اور کہا میری اتنی اشرفیاں فلاں بوڑھی عورت کے پاس بطور امانت کے

تمہیں۔ اور وہ مر گئی ہے۔ آپ اس سے پوچھ دیکھئے: دوسرے دن اس بزرگ نے کہا۔ وہ عورت کہتی ہے میرے مکان کی چھت کے اندر فلاں جگہ سے سات اینٹیں نکال کر اُن کے نیچے ایک اونی کپڑے کے اندر وہ سات اشرفیاں رکھی ہیں۔ چنانچہ اس عورت نے ان اشرفیوں کو نکال لیا۔

کہتے ہیں ایک اور معتبر آدمی نے مجھ سے بیان کیا جب وہ کدال اور پھاوڑا لے کر مکان کے گرانے کو آیا کیونکہ اُسے ایک عورت نے اپنے مکان کے گرانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ وہ عورت بھی اپنے بال بچوں کو لے کر وہاں آن موجود ہوئی۔ میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ آپ مکان کیوں گرواتی ہیں، اور کس واسطے یہاں آئی ہیں، تو اس عورت نے کہا کہ میرا باپ ایک مالدار آدمی تھا۔ مگر جب وہ مرا تو اس کا کچھ بھی مال مجھے نہیں ملا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ شاید اس مکان کے گروانے سے اس کا کچھ مال برآمد ہو جائے۔ کچھ آدمی جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ مکان کے گروانے سے کیا فائدہ، تم فلاں بزرگ کے پاس جاؤ، وہ تمہارے باپ کی روح سے ملاقات کر کے مال کا پتہ بتا دیں گے، اور بغیر کسی محنت و مشقت کے مال تمہارے ہاتھ آ جائیگا۔ تو یہ عورت اس بزرگ کے پاس گئی۔ اس نے اس کا اور اس کے باپ کا نام لکھ لیا۔ پھر دوسرے دن جو یہ ان کے پاس گئی تو انھوں نے فرمایا۔ تیرے باپ نے کہا ہے کہ میرا مال فلاں جگہ پر دفن ہے۔ جا کر اُسے نکال لے۔ چنانچہ اس عورت نے اس جگہ کو کھدوایا تو وہاں سے کچھ مال برآمد ہوا۔ اس عورت کو اور زیادہ لالچ ہوئی۔ اس نے پھر اس بزرگ سے کہا، آپ پھر پوچھئے چنانچہ انھوں نے دوسری دفعہ دریافت کر کے اُسے پھر بتایا، تو وہاں سے بھی مال برآمد ہوا۔ عورت کے لالچ میں اور اضافہ ہو گیا۔ اس نے بزرگ سے کہا۔ آپ پھر دریافت فرمائیے۔ بزرگ

نے فرمایا۔ تمہارا باپ کہتا ہے۔ تیرے مقدر میں جتنا مال تھا وہ مجھے پہنچ گیا ہے۔ باقی میرا مال جو ہے اس پر ایک جن مسلط ہے۔ وہ جس کسی کے مقدر میں ہوگا اُسے ملے گا۔

اس باب کے متعلق بے انتہا حکایتیں ہیں۔ جس کسی نے ریاضتوں کے ذریعہ شناسائے روحانی حاصل کی ہے وہ ایسے امور کو اپنے خواب میں معلوم کر سکتا ہے۔ مجھ سے بہت ایسے آدمیوں نے ذکر کیا ہے جو شیخ الاسلام شیخ ابن تیمیہؒ کے غیر معتقد تھے کہ انہوں نے شیخ کو خواب میں دیکھا ہے اور بہت سارے مسائل ان سے حل کئے ہیں۔

قصہ کوتاہ۔ یہ ایک ایسا امر ہے۔ جس کا انکار کوئی ایسا ہی آدمی کر سکتا ہے جو ارواح اور ان کے احکام و حالات سے بالکل بے خبر ہو گا اور جاہل ہوگا۔

فصل ۶

مسئلہ چہارم یہ ہے کہ آیا روح بھی مرتی ہے یا نہیں۔ یا موت صرف بدن کے لئے ہے۔ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ روح بھی مر جاتی ہے کیونکہ روح نفس ہے اور ہر نفس نے موت چکھنی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس بات پر بہت ساری دلیلیں دلالت کرتی ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام اور فرمایا ہے کل شئی ھالک الا وجہہ

یعنی ہر وہ چیز جو اس پر ہے فنا ہونے والی ہے۔ البتہ تیرے رب ذوالجلال اور بزرگی والے کی ذات باقی رہے گی۔ ہر چیز ہلاک ہو جائیگی مگر اس کی ذات۔

کہتے ہیں کہ جب ملائکہ کے لئے موت ہے تو نفوس بشریہ کے لئے بدرجۂ اولےٰ ہوگی۔ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اہل نار کی زبانی فرمایا ہے۔ قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین، وہ کہیں گے اے اللہ تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا۔ پہلی موت تو یہی ہے جو بدن کو نصیب ہوئی ہے اور دوسری موت روح کے لئے ہے۔

کچھ لوگ اس کے قائل ہیں کہ روحیں نہیں مرتیں، کیونکہ وہ ملاقات کے لئے پیدا کی گئی ہیں، اور موت صرف اس بدن کے لئے ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس بات کے دلائل وہ احادیث ہیں جن میں ذکر ہے کہ روحیں جسم سے الگ ہونے کے بعد دوبارہ جسم میں آنے تک مستلار ہتی ہیں۔ اگر روحوں کے لئے موت ہوتی تو پھر عذاب و ثواب ان سے منقطع ہو جاتا۔ اللہ کا فرمان ہے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتٰھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم۔ "اور نہ گمان کر ان لوگوں کو مردہ جو اللہ کے راستے میں قتل کئے گئے ہیں۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے ہیں اور خوش ہیں ان چیزوں سے جو اللہ تعالےٰ نے انھیں دی ہیں اپنے فضل سے اور ان پچھلے لوگوں سے بشارت پاتے ہیں جو ان سے نہیں ملے۔"

باوجود اس بات کے قطعی ہونے کے کہ روحیں جسموں سے جدا ہو جاتی ہیں، اور موت کو چکھتی ہیں۔ ٹھیک اور درست یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ارواح کا جسموں سے الگ ہونا ہی ان کی موت ہے، موت

اگر اسی قدر ہی مراد لیا جائے تو یہ موت کا چکھنا ہوا، اگر موت سے مراد روح کا معدوم اور مضمحل ہو جانا لیا جائے۔ یعنی یہ کہ وہ عدم محض ہو جاتی ہے، تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ روحیں مرتی نہیں، بلکہ وہ اپنی پیدائش کے بعد ثواب یا عذاب میں مبتلا رہتی ہیں۔ ہم عنقریب اس پر بحث کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور نص سے بھی اسی طرح ثابت ہے کہ روحیں جسم میں واپسی تک ثواب یا عذاب میں مبتلا رہتی ہیں۔

یہاں ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نفخ صور کے وقت روحیں زندہ رہیں گی یا مر جائیں گی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ونفخ فی الصور فصعق من فی	اور پھونکا جائے گا صور، تو بیہوش ہو
السمٰوٰت ومن فی الارض الا من	جائیں گے جو آسمانوں میں اور جو زمین
شاء اللہ	میں ہیں مگر جسے اللہ چاہے گا۔"

یعنی اس کے لئے بیہوشی نہ ہوگی جسے اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ شہید لوگ ہیں، اس کے قائل ابو ہریرہؓ۔ ابن عباسؓ، اور سعید بن جبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ اسرافیل، میکائیل، عزرائیل، اور جبرائیل ہیں، یہ قول مقاتل بن سلیمان وغیرہ کا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنت کے لکیں یعنی حور و غلمان ہیں، اور دوزخ کے مرکلان عذاب ہیں۔ اس کا قائل ہمارے اصحاب سے ابو اسحاق بن شاملا ہیں۔

امام احمد نے اس بات کو نص سے ثابت کیا ہے کہ حور و غلمان نفخ صور سے نہیں مریں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرما دی ہے کہ اہل جنت صرف پہلی موت چکھیں گے۔ سورۂ بقرہ میں ہے، کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم۔ اے کافرو! تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے۔ پھر اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر مارا، اس کے بعد پھر تمہیں

زندہ فرمایا، اور پھر تمہیں زندہ کرے گا۔ یعنی قیامت کے دن۔ روحوں کی موت کا قیامت سے پہلے اس آیت میں مذکور نہیں ہے، اور نہ پھر تو تین موتیں ہو جاتیں، نفخ صور کے وقت صعق ارواح سے ان کی موت لازمی نہیں۔

صحیح حدیث میں آتا ہے۔ قیامت کے دن۔ جس وقت لوگ اٹھیں گے، تو تمام سے پہلے میں ہوشیار ہوں گا۔ میں دیکھوں گا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایہ تھامے کھڑے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا، وہ مجھ سے پہلے ہوشیار ہوئے یا صعقۂ طور کے ساتھ اس صعقہ کا بدلہ ہو گیا۔ یہ قیامت کے دن کا صعقہ ہے کہ جب خداوند قدوس فیصلے کے لئے تشریف لائیں گے، اور تمام زمین و آسمان ان کے نور سے منور ہو جائیں گے تو یہی وہ وقت ہو گا کہ تمام مخلوق صعقہ میں مبتلا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فذرھم حتی یلاقوا یومھم الذی فیہ یصعقون ط — انہیں چھوڑ دیجئے حتی کہ اس دن سے ملیں جس دن وہ بیہوش کر دیئے جائیں گے

یہ صعقہ اگر موت ہوتا تو ایک اور موت بھی ضروری ہوتی۔ فضلاء کی ایک جماعت نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ ابو عبداللہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صعقہ موت ہے۔ جو قیامت کے دن ہو گی اور نفخ صور سے پیدا ہو گی یہ موت نہیں ہے۔

شیخ احمد بن عمرو فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صعقہ نفخۂ ثانیہ کے بعد ہو گا۔ یعنی دوسرے نفخ کے بعد ہو گا۔ جو کہ نفخۂ بعثت ہے، اور قرآنی نص اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ استثناء نفخ صعقہ کے بعد ہو گا، بعض علماء کا یہ قول بھی ہے، تو اس سے یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں سے ہیں جو

نہیں مرے۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس صعقہ سے نشور کے بعد جزع فزع مراد ہو جس وقت کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں گے، ابوالعباس قرطبی نے اس کی تردید کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث اس کی تردید کرتی ہے کہ جس وقت آپ قبر سے نکلیں گے، تو حضرت موسےٰ کو عرش کا پایہ تھامے ہوئے دیکھیں گے۔ یہ واقعہ نفخۂ فزع کے بعد ہوگا۔

ابوعبداللہ فرماتے ہیں۔ ہمارے شیخ احمد بن عمرو نے ان تمام اشکال کی تردید کر دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ موت کے معنی معدوم ہونے کے نہیں ہیں بلکہ موت نام ہے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے کہ شہداء قتل ہونے اور مرنے کے بعد زندہ ہیں۔ اپنے پروردگار کے پاس سے کھاتے پیتے ہیں، اور خوش ہیں۔ یہی حالت دنیا کے اندر زندوں کی ہے۔ تو جب شہید لوگوں کی یہ حالت ہے تو انبیاء کی ان سے بھی بہتر اور افضل حالت ہوگی۔ حضور اکرم سے صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ انبیاء کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی اور معراج کی رات میں حضور اکرمؐ کو بیت المقدس کی زیارت ہوئی، اور آسمانوں میں انبیاء سے ملاقات ہوئی نیز حضورؐ نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی مسلمان کی قبر پر سلام کرتا ہے خدا اس صاحب قبر کی روح کو وہاں بھیجتا ہے، اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتی ہے۔

علاوہ ازیں بہت سے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ انبیاء کی موت یہ ہے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اس طور پر کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں۔ یہی حالت فرشتوں کی ہے کہ وہ بقید حیات موجود ہیں لیکن ہم انھیں نہیں دیکھ سکتے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء کرام زندہ ہیں تو نفخۂ صعقہ کے وقت انبیاء

کے علاوہ تمام مرجائیں گے۔ اور انبیاء پر فقط غشی طاری ہو گی، اور پھر جس وقت نفخۂ بعث ہو گا، تو اس وقت جو مردہ ہیں وہ زندہ ہو جائیں گے، اور جن پر غشی طاری ہو گی ..... وہ ہوشیار ہو جائیں گے اسی لئے صحیح حدیث میں حضور اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ سب سے پہلے حضرت موسےٰ علیہ السلام قبر سے نکلیں گے۔ اس میں اختلاف ہے آیا وہ حضور اکرم کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہوشیار ہوں گے یا اسی پہلی حالت پر رہے جو نفخۂ صعقہ سے پہلے تھی، اور وہ غشی حساب میں محسوب ہو گئی۔ جو کوہ طور پر طاری ہوئی تھی۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کی اس سے بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے مگر اس ایک فضیلت سے ہمارے نبی محترم پر ان کی افضلیت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ ایک جزوی بات امر کلی کی ملتزم نہیں ہوتی۔

ابو عبداللہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کو قیامت کے صعقۂ خلق پر محمول کیا جائے تو کوئی اشکال نہیں رہتا، اور اگر حدیث کو صعقۂ موت پر محمول کیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس وقت صور میں نفخۂ بعث پھونکا جائے گا۔ تو تمام سے پہلے میں سر اٹھاؤں گا۔ میں دیکھوں گا۔ حضرت موسےٰ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ موسےٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے پیدا ہوئے یا صعقۂ طور کے ساتھ ان کا بدلہ ہو گیا۔

میرا خیال ہے کہ حدیث کو ان معنوں پر محمول کرنا درست نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کو اس بات میں تردد ہوا ہے کہ موسےٰ مجھ سے پہلے ہوشیار ہوئے۔ یا انھیں صعقہ ہی نہیں ہوا، حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ میں سب سے پہلے ہوشیار ہوں گا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حضور علیہ السلام کو صعقہ ہو گا۔ تردد صرف اس بات میں ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کو بھی صعقہ ہو گا اور وہ حضور سے پہلے ہوشیار ہوں گے یا انھیں سرے سے صعقہ ہو گا ہی نہیں؟ اگر

اس صعقہ سے مراد صعقۂ موت ہوتا تو حضورؐ یقین کے ساتھ اپنی وفات کے متعلق فرماتے، اور اس بارے میں تردد کا اظہار فرماتے کہ آیا موسےٰ علیہ السلام بھی مرے ہیں یا نہیں حالانکہ یہ بات بہت سی وجوہات کی بنا پر باطل ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ صعقہ جزع فزع کا ہے نہ کہ موت کا، اور آیت کریمہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ تمام روحیں نفخۂ اولےٰ کے ساتھ مرجائیں گی۔ ہاں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تمام مخلوقیں جنھوں نے موت کو پہلے نہیں چکھا، وہ نفخۂ اولیٰ کے وقت مرجائیں گی۔ اور جس نے موت کو چکھ لیا ہے یا اس کے لئے موت لکھی ہی نہیں تو اس پر یہ آیت کریمہ دلالت نہیں کرتی کہ وہ دوبارہ مرے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

پھر اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن لوگوں کو صعقہ ہوگا، اور ایک میں پہلا شخص ہوں گا جو اپنی قبر سے نکلے گا۔ تو میں دیکھوں گا موسےٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایہ تھامے ہوئے کھڑے ہیں۔

اس کے جواب میں کہا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے اندر لفظ طور بھی آیا ہے، اور اس سے اشکال وغیرہ پیدا ہوئے ہیں مگر راوی علی نے اس کے اندر ایک حدیث کو دوسری حدیث میں ملا دیا ہے، اور دونوں کے الفاظ کی ترکیب ایک کردی ہے ایک حدیث تو یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے اور سب سے پہلے میں ہوشیار ہوں گا، اور دوسری حدیث یہ ہے کہ پہلا شخص میں ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی۔ یعنی سب سے اول قیامت کے دن میں اپنی قبر سے باہر آؤں گا۔

ترمذی وغیرہ میں ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں بنی آدم کا سردار ہوں اور میں کوئی فخر نہیں کرتا، اور میرے ہاتھ

میں لواء الحمد ہوگا اور میں کوئی فخر نہیں کرتا، اور آدم اور جملہ انبیاء اس دن میرے نشان کے سائے میں ہوں گے۔ اور میں وہ پہلا شخص ہوں جس سے زمین پھٹے گی، اور میں کچھ فخر نہیں کرتا۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے علی راوی نے اس حدیث میں دوسری حدیث کو داخل کر دیا ہے۔ یہ قول ہمارے شیخ ابوالفتاح حافظ کا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ تم اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ موسیٰؑ کو مجھ سے پہلے افاقہ ہوگا۔ یا وہ ان لوگوں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اور وہ صعقۂ نفخہ سے مستثنیٰ ہیں نہ کہ صعقۂ قیامت کے دن سے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات والارض الا من شاء اللہ اور استثناء صعقۂ قیامت کے دن سے نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ قول غیر محفوظ ہے اور بعض رواۃ کا وہم ہے محفوظ وہ ہے جس پر صحیح روایات نے اتفاق کیا ہو۔ حضورؐ نے فرمایا ہے میں نہیں جانتا کہ موسیٰؑ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے یا صعقۂ طور سے ان کا بدلہ ہو گیا، بعض کا گمان یہ ہے کہ یہ صعقہ، صعقۂ نفخہ ہے، اور حضرت موسیٰؑ ان میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ مگر یہ بات سیاق حدیث کے مخالف جاتی ہے۔ کیونکہ اس وقت کے افاقہ سے افاقۂ بعث مراد ہے تو حضورؐ کس طرح فرما سکتے ہیں کہ مجھ کو معلوم نہیں، کہ موسیٰؑ مجھ سے پہلے اٹھیں گے۔ یا صعقۂ طور سے ان کا بدلہ ہو گیا۔ اس میں ذرا غور کیجئے، یہ صعقہ اس صعقہ سے مختلف ہے جس میں تمام مخلوقات مبتلا ہوگی اور اللہ تعالیٰ بندوں میں فیصلہ کرنے کے لئے قیامت کے دن تشریف لائیں گے تو اس وقت تمام خلائق صعقہ میں مبتلا ہو جائیں گی۔ اگر موسیٰؑ ان کے ساتھ صعقہ میں مبتلا نہ ہوئے تو صعقۂ طور سے ان کا بدلہ ہو گیا۔

اس بحث کو بڑے غور سے سمجھنا چاہئے، اور اس حدیث کے متعلق جو نکات وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔ انہیں خوب ذہن نشین

کرلینا چاہیئے۔

فصل ۷

رُوحوں میں کیسے امتیاز ہوتا ہے

پانچواں مسئلہ اس بحث میں ہے کہ ارواح بدن کی مفارقت کے بعد جب مجرد ہوتی ہے تو پھر کس چیز سے ان میں باہم امتیاز ہوتا ہے حتی کہ وہ ایک دوسری کو پہچانتی ہیں، اور کیا بدن سے جدا ہونے کے بعد ان کی وہی جسمانی شکل رہتی ہے یا کوئی اور حال ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کے بارے میں آپ کسی عالم کی گفتگو نہیں پائیں گے اور نہ ان کتابوں سے کچھ حاصل ہوگا جو لوگوں نے اس کے متعلق لکھی ہیں۔ خاص کر ان حضرات کے اصول کے مطابق جو اس بات کے قائل ہیں کہ ارواح مادہ اور اس کے جمیع علائق سے مجرد ہیں نہ عالم میں داخل ہیں، اور نہ ہی عالم سے خارج ہیں، اور نہ ہی ان کے لئے شکل ہے، نہ مقدار ہے نہ جسم ہے تو یہ سوال اُن کے اصول کے موافق ایسا ہے کہ اس کا جواب گویا ان کے لئے نہیں ہے۔ اسی طرح جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ارواح اعراض ہیں، اور اعراض بدن سے ان کی تمیز اس وقت تک ہوسکتی ہے جب تک کہ وہ بدن کے ساتھ قائم ہیں مگر جب وہ موت کے ذریعے سے بدن سے الگ ہوجاتی ہیں تو اس وقت وہ باقی نہیں رہتیں۔ بلکہ بدن کے گل سڑ جانے کے ساتھ وہ بھی معدوم ہوجاتی ہیں جس طرح کہ زندہ کی دوسری صفات مرنے کے ساتھ ہی معدوم ہوجاتی ہیں، اس مسئلہ کا جواب سوائے اہلِ سنت کے طریق کے اور کسی طریق سے

نہیں دیا جا سکتا۔ اہل سنت ہی کا اصول ایسا ہے جس پر قرآن حدیث آثار اور عقلی و نقلی دلائل دلالت کرتے ہیں کہ روح بنفسہا ذات قائمہ ہے۔ اوپر جاتی ہے اور نیچے آتی ہے متصل اور منفصل ہوتی ہے۔ آتی جاتی ہے۔ ساکن اور متحرک ہے۔ یہ دلائل ستر سے زیادہ ہیں۔ جنھیں مفصل طور پر ہم نے اپنی کتاب، معرفت الروح والنفس میں بیان کیا ہے، اور اس کے مخالف اقوال کا جواب اور بطلان بہت سی وجہات سے ظاہر کیا ہے۔ جو آدمی اصول اہل سنت کیخلاف کہتا ہے، وہ اپنے نفس کی معرفت سے غافل ہے۔ اللہ تعالے نے نفس کے داخل ہونے اور خارج ہونے اور قبض، توفی، رجوع، اور آسمانوں پر جانے اور ان کے لئے آسمانوں کے دروازے کھلنے اور نہ کھلنے کا بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے

ولو ترٰی اذ الظالمون فی غمرات الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم	تو اگر دیکھے جس وقت کہ ظالم لوگ موت کی غشی میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے (یعنی ان کی روح قبض کرنے کے لئے) کہتے ہیں کہ نکالو اپنی روحوں کو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الٰی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی	اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا، وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی، داخل ہو جا، تو میرے بندوں میں اور داخل ہو جا تو میری جنت میں۔

یہ خطاب روح سے بدن سے جدا ہونے کے وقت کیا جاتا ہے اور ایک جگہ ارشاد ربانی ہے

ونفس وما سوّاھا فالھمھا	قسم ہے نفس کی، اور اس ذات کی جس

فجورها وتقواها — نے اُسے درست بنایا۔ پھر اسے اس کی نیکی اور بدی الہام کی۔

اللہ تعالےٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جس طرح اس نے بدن کو بنایا ہے ایسے ہی روح کو بھی بنایا ہے۔ بدن کے بنانے کا اس آیت کریمہ کے اندر ذکر ہے۔

الذی خلقك فسوّاك فعدلك — جس نے تجھے پیدا کیا۔ پھر مستوی کیا اور پھر ٹھیک کیا۔

اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو اس طرح بنایا ہے جس طرح کہ بدن انسانی کو، اور بدن کا بنانا تابع ہے نفس کے بنانے کے۔ کیونکہ بدن نفس کے لئے مثل قالب کے ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ نفس اپنے بدن کی وجہ سے ایسی صورت اختیار کرتا ہے جس سے وہ دوسرے نفسوں میں متمیز ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بدن کے ذریعہ سے متاثر و منفعل ہوتا ہے جیسا کہ بدن اس سے متاثر و منفعل ہوتا ہے تو جو نفس پاک ہے وہ بدن سے پاکی کا اور جو خبیث ہے وہ بدن سے خباثت کا اکتساب کرتا ہے۔ اسی طرح جو بدن پاک ہے وہ نفس سے پاکی کو اور جو بدن خبیث ہے وہ اس سے خباثت کو حاصل کرتا ہے، سب سے بڑی بات نفس اور بدن کا باہمی ارتباط متناسب، تفاعل، اور تاثر ہے۔ اسی لئے جب نفس بدن سے جدا ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے، کہ اے نفس پاک، بدن پاک سے باہر نکل آ۔ اور اے نفس بدجسم بد سے باہر نکل آ۔

اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسك التی قضی علیها الموت ویرسل الاخری الی اجل — اللہ نفوس کو ان کی وفات کے وقت مار دیتا ہے اور جو نہیں مرتا انہیں نیند میں پھر روک لیتا ہے جس پر موت کو حکم دی گئی اور دوسرے کو روک لیتا ہے۔ ایک مقررہ وقت

اللہ تعالیٰ نے نفس کے رکنے اور چھوڑنے کو توفی کے ساتھ ذکر کیا ہے جس طرح کہ پہلے دخول، خروج، رجوع اور توبہ کے ساتھ اس کا بیان فرمایا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مرنے والے کی آنکھیں اس کی روح کا پیچھا کرتی ہیں۔ اور یہ بھی حضور نے فرمایا کہ جب موت کے فرشتے روح کو قبض کرتے ہیں تو دوسرے فرشتے اس روح کو اُن کے ہاتھوں سے لے لیتے ہیں، پھر کسی روح کے اندر اعلیٰ درجے کی خوشبو ہوتی ہے، اور کسی کے اندر سڑی ہوئی مردار کی سی بدبو ہوتی ہے۔

اگر روحیں عرض ہوتیں تو ان کے اندر خوشبو یا بدبو کیسی؟ اور نہ ہی وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہو سکتیں۔ نیز حضور اکرمؐ نے یہ بھی بتایا ہے کہ روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے، جو نیک روح ہوتی ہے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں، اور آسمان کے دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں۔ تو وہ ایک آسمان سے دوسرے پر پھر تیسرے پر ہوتی ہوئی بارگاہِ خداوندی میں پہنچتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑی کی جاتی ہے۔ پھر علیین کے اندر اس کے نام کو درج کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ پھر وہ زمین کی طرف لوٹائی جاتی ہے، اور کافر کی روح کا نام سجین میں درج کیا جاتا ہے۔ وہ آسمان کی طرف نہیں جاتی۔ بلکہ اُسے زمین کی جانب پھینک دیا جاتا ہے پھر سوال کے لئے بدن کے اندر روح کو داخل کیا جاتا ہے۔

حضورِ اکرم نے یہ بھی خبر دی ہے کہ مومن کی روح پرندے کی صورت میں جنت کے درختوں پر رہتی ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُسے جسم کے اندر واپس فرمائے گا۔ اور حضورؐ نے یہ بھی بتایا ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، اور جنت کی نہروں پر آتی ہیں اور جنتی میوے کھاتی ہیں۔

حضور اکرمؐ نے یہ بھی بتایا ہے کہ روح کو برزخ میں نعمتیں ملتی ہیں اور عذاب بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرعونیوں کی روحوں کے متعلق بتایا ہے کہ وہ صبح و شام دوزخ میں لے جائی جاتی ہیں۔

شہیدوں کے متعلق اللہ تعالےٰ نے بتایا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور وہ خدا کے ہاں کھاتے پیتے ہیں۔ یہ زندگی روحوں کی ہے اور رزق بھی انھیں کے لئے ہے۔ ورنہ ان کے اجسام تو ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے۔ اس زندگی کی تفسیر حضور نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ یہ ارواح سبز پرندوں کی شکل میں ہیں اور عرش کے نیچے قندیلوں میں رہتی ہیں۔ جنت میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں اور پھرتی ہیں پھر انھیں قندیلوں کے اندر آکر بیٹھ جاتی ہیں۔ پھر خداوند قدوس ان کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے تمھیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟ وہ عرض کرتی ہیں کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ہم جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں کھاتے پیتے اور پھرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ تین مرتبہ ان سے یہی سوال کرتا ہے، اور وہ یہی جواب دیتی ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھے جا رہا ہے تو وہ عرض کرتی ہیں کہ اے خدا ہماری ایک یہ خواہش ہے کہ ہماری ارواح ہمارے جسموں کے اندر واپس بھیج دے۔ تاکہ ہم تیرے راستے میں دوبارہ جہاد کریں، اور شہادت پائیں۔

حضور اکرمؐ سے صحیح طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں جنت کے پھل کھاتی پھرتی ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ احد کی جنگ کے اندر تمہارے جو بھائی شہید ہوئے ہیں۔ ان کی ارواح کو اللہ تعالےٰ نے سبز پرندوں کی شکل عطا کی ہے۔ وہ جنت کے پھل کھاتی پھرتی ہیں اور جنتی نہروں سے پانی پیتی ہیں، اور پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں آکر آرام کرتی ہیں، یہ قندیلیں سونے کی ہیں۔ جب یہ روحیں اپنی

خوش نصیبی کو دیکھتی ہیں تو کہتی ہیں کاش ہمارے بھائیوں کو معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کیا کیا عنایتیں کی ہیں، تو وہ جہاد میں کوشش کرتے اور پیچھے نہ ہٹتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمادیا ہے کہ میں تمہاری خبر تمہارے بھائیوں تک پہنچائے دیتا ہوں، پھر اللہ کریم نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا — نہ گمان کرو ان لوگوں کو جو راہ خدا میں مارے گئے کہ مردہ ہیں۔

ان احادیث و آیات وغیرہ سے صحیح طور پر روحوں کا کھانا پینا اور کلام کرنا ثابت ہے۔ اس بارے میں مزید تقریر آگے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جب روحوں کی یہ حالت ہے تو بدن سے جدا ہونے کے بعد اُن کا متمیز ہونا تو سورج سے بھی زیادہ ظاہر ہے۔ بلکہ بدنی صورت سے زیادہ روحانی صورت میں تمیز ہوتی ہے۔ کیونکہ بدن اکثر مشتبہ ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن روحیں بہت کم مشتبہ ہوا کرتی ہیں۔

اس بات کی مزید وضاحت اس طرح پر سمجھئے کہ ہم نے انبیاء صحابہ کرام اور ائمہ وغیرہ کے ابدان کو نہیں دیکھا۔ لیکن وہ ہمارے علم کے اندر اچھی طرح متمیز ہیں۔ یہ تمیز ان کے بدنوں کی طرف راجع نہیں ہے اگرچہ اچھی طرح ہمیں ان کے بدنوں کی ایسی اعلیٰ صفات پہنچی ہیں کہ ہم ان کو دوسروں سے مخصوص سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ تمیز جو ہمارے پاس ہے ایک روح کی تمیز دوسری روح سے ایک بدن کی تمیز دوسرے بدن کی تمیز سے زیادہ بڑھ کر ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مومن اور کافر کے بدن اکثر مشتبہ ہوتے ہیں، لیکن ان کی روحوں کے اندر بہت بڑا فرق اور تمیز ہوتی ہے۔ تم ان دو بھائیوں میں جو جڑواں جنم لیتے ہیں بہت مشابہت دیکھتے ہو، لیکن اُن کی روحوں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔

جب یہ دونوں روحیں جسم سے الگ ہوتی ہیں تو ان کے اندر فرق

بھی ظاہر ہوتا ہے۔ میں آپ لوگوں سے ایک بات کہتا ہوں وہ یہ کہ جب تم لوگ بدن اور نفس کے حال میں غور و فکر کرو گے تو کھلم کھلا اس امر کا مشاہدہ کر لو گے، جب تمہیں کوئی بیمار اور بدصورت شکل نظر آئے گی تو تم یقیناً اس کے نفس کو بھی اس کی صورت کے موافق پاؤ گے، اور جب بدن کے اندر کوئی آفت دیکھو گے تو نفس کے اندر بھی ضرور آفت ملاحظہ کرو گے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب فراست بدنوں کی شکلوں سے نفسوں کے حالات معلوم کر لیتے ہیں۔ جب تمہیں کوئی لطیف اور خوبصورت جسم نظر آئے گا تو ضرور اس کی روح کو بھی اس کے مناسب پاؤ گے اور جب ارواح علویہ یعنی فرشتے بغیر جسموں کے آپس میں متمیز ہیں، اور جنات بھی باہم متمیز ہیں تو ارواح البشریہ کے اندر تمیز کا ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہے۔

فصل ۸

چھٹا مسئلہ اس بارے میں ہے کہ مردے کی روح اس کی قبر میں سوال کے لئے لائی جاتی ہے یا نہیں؟

اس کا جواب خود آنحضرت صلعم نے دے دیا ہے۔ اور ہمیں اس بارے میں گفتگو کرنے سے مستغنی کر دیا ہے۔ آنحضرت نے اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ قبر کے اندر روح جسم میں سوال کے لئے لائی جاتی ہے۔ چنانچہ براء بن عازب فرماتے ہیں کہ بقیع غرقد میں ہم ایک جنازے کے ساتھ تھے۔ تو حضورؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ ہم خاموش حضور کے گرد بیٹھ گئے۔ جنازے کے لئے قبر تیار ہو رہی تھی، آنحضرت صلعم نے تین دفعہ فرمایا۔

اعوذ باللہ من عذاب القبر ۔ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے۔
پھر فرمایا جب بندہ دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف لوٹتا ہے تو
ملائکہ اس کی طرف آتے ہیں اور ان کے چہرے آفتاب کی مانند
روشن ہوتے ہیں وہ دور فاصلے پر بیٹھتے ہیں۔ پھر ملک الموت
اس کے سرہانے آکر بیٹھتا ہے، اور فرماتا ہے۔ اے نفس مطمئنہ
اپنے رب کی رضامندی اور بخشش کی طرف آجا۔ تو روح بدن سے
اس طرح نکل آتی ہے جیسے مشکیزے کے بند منہ سے پانی کا قطرہ، روح
کے نکلتے ہی ملک الموت اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔
پھر دوسرے ملائکہ ملک الموت سے لے کر اُسے کفن اور خوشبو
میں لپیٹتے ہیں تو وہ روح نہایت خوشبودار ہو جاتی ہے۔ پھر فرشتے
اُسے لے کر اوپر جاتے ہیں۔ جن فرشتوں کے پاس سے گذرتے
ہیں۔ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ روح کیسی پاک اور خوشبودار ہے۔ یہ
فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں کی ہے اور اس
کی تعریف کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ ملائکہ اس روح کو لے کر آسمان دنیا
پر پہنچتے ہیں۔ دروازہ کھلواتے ہیں تو اس کے لئے دروازہ کھول
دیا جاتا ہے۔ پھر اس آسمان کے ملائکہ اس روح کو دوسرے آسمان
کی طرف لے جاتے ہیں۔ اسی طریقے سے یہ روح عرش کے نیچے
تک پہنچتی ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ میرے اس بندے کا
نام علیین میں لکھ دو، اور پھر اسے زمین کی طرف لے جاؤ۔ کیونکہ میں
نے اسے زمین ہی سے پیدا کیا ہے۔ میں اسے زمین ہی میں لوٹاؤں گا
اور زمین ہی سے نکالوں گا۔

حضورؐ نے فرمایا کہ اس کی روح پھر جسم میں لائی جاتی ہے۔ دو
فرشتے آکر اُسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے؟
یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ وہ فرشتے پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا
ہے؟ یہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ دونوں فرشتے

کہتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے جو تم میں مبعوث ہوا؟ یہ شخص جواب دیتا ہے کہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی ہے، اور اس پر ایمان لایا ہوں، اور اس کی تصدیق کی ہے پھر ایک ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے اس کے لئے جنتی فرش بچھاؤ، اور جنت کا دروازہ کھولدو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جنت کی خوشبو اور ہوا اس کے پاس آتی ہے، اور اس کی قبر کو اس کی نظر کی انتہا تک کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ ایک آدمی بہت ہی خوبصورت اور حسین فاخرہ لباس پہنے عطر لگائے ہوئے اس کے قریب آتا ہے، اور کہتا ہے، اے شخص تجھے خوش خبری ہو آج وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یہ مردہ پوچھتا ہے اے شخص تو کون ہے جو ایسی خیر و برکت لے کر میرے پاس آیا ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ پھر یہ آدمی خدا سے دعا مانگتا ہے کہ قیامت کو جلد قائم کرنا کہ میں اپنے بال بچوں سے جاکر ملوں۔

آپؐ نے فرمایا جب کافر کی جدائی دنیا سے ہوتی ہے، اور آخرت کی طرف لوٹتا ہے تو آسمان سے سیاہ رو فرشتے ٹاٹ کے تھیلے لے کر اترتے ہیں، اور اس سے دور بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کے سرہانے آتا ہے، اور کہتا ہے۔ اے خبیث روح! خدا کے غضب و غصہ کی طرف نکل آ۔ روح اس خطاب کو سنکر بے قرار ہو جاتی ہے اور جسم کے اندر بھاگتی ہے۔ پھر ملک الموت اسے جسم سے اس طرح نکالتا ہے جس طرح لوہے کی سیخ بھیگی سے نکلتی ہے۔ پھر دوسرے فرشتے ملک الموت سے اس روح کو لے کر ٹاٹ کے تھیلے میں بند کر لیتے ہیں۔ یہ روح نہایت ہی بدبودار ہوتی ہے۔ فرشتے اسے لے کر اوپر جاتے ہیں جن فرشتوں کے

پاس سے گذرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ بدبو کس چیز کی ہے، تو یہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے۔ اور بہت ہی بُرے طریقے سے اس کا نام لیتے ہیں جن جن ناموں کے ساتھ یہ دنیا میں پکارا جاتا تھا۔ پھر اسے آسمان دنیا کے پاس لے جاتے ہیں اور دروازہ کھولنے کو کہتے ہیں مگر اس کے لئے دروازہ نہیں کھلتا، پھر آنحضرت صلعم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

لا تفتح لھم ابواب السماء ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط وکذالک نجزی الظالمین	ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے حتیٰ کہ داخل ہو جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں ظالموں کو۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس بندے کا نام سجین میں لکھ دو، جو تمام زمینوں سے نچلا مقام ہے۔ پھر اس کی روح کو آسمان سے زمین پر پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر حضور صلعم نے یہ آیت تلاوت فرمائی،

ومن یشرک باللہ فکانما خرّ من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق	جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر پڑا، تو اچک لیتے ہیں اُسے پرندے یا پھینک دیتی ہے اسے ہوا کسی نچلی اور گہری جگہ میں

پھر اس روح کو اس کے بدن میں لایا جاتا ہے۔ فرشتے اس کے پاس آتے ہیں یعنی منکر نکیر، اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ وہ پوچھتے ہیں یہ کون شخص ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تم میں بھیجا تھا؟ یہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا پھر ایک ندا کرنے والا آسمان سے ندا کرتا ہے کہ میرے بندے

نے جھوٹ کہا ہے۔ اس کے لئے جہنم کا بچھونا بچھاؤ اور جہنم کی طرف دروازہ کھولدو، تو اس دروازے سے گرمی اور لُو اسے لگتی ہے اور اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے اتنا کہ اس کی پسلیاں ادھر سے ادھر نکل جاتی ہیں۔ پھر ایک نہایت ہی بدشکل آدمی، بدبودار لباس پہنے اس کے قریب آتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھے بشارت ہو، یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ مردہ پوچھتا ہے تو کون ہے جو اتنے شر اور برائی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے؟ تو یہ شخص کہتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ پھر یہ مردہ دعا کرتا ہے کیا اللہ قیامت قائم نہ کرنا۔ اس حدیث کو امام احمد کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

نسائی اور ابن ماجہ نے اس کے پہلے حصے کو روایت کہا ہے اور ابو عوانہ اسفرائنی نے بھی صحیح کے اندر اسے روایت کیا ہے۔

اسی حدیث کے مطابق اہل سنت کا قول ہے۔

ابو محمد بن حزم کتاب الملل میں لکھتے ہیں کہ جو آدمی یہ کہتا ہے کہ مردہ قبر کے اندر۔ قیامت سے پہلے زندہ ہوتا ہے۔ وہ غلطی پر ہے اور جو آیت ہم نے پہلے بیان کی ہے۔ وہ اس قول کے مخالف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین — اے رب تو نے ہمیں دوبارہ زندہ کیا اور دوبارہ مارا۔

اور فرمایا ہے۔

وکیف تکفرون باللہ وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم — تم کیسے اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردے تھے پھر تمہیں زندہ کیا پھر مارے گا پھر زندہ کرے گا۔

ابو محمد کہتے ہیں کہ اگر مردے کو قبر میں زندہ کیا جائے تو یہ تین دفعہ خدا کا مارنا اور زندہ کرنا ہو گا۔ حالانکہ یہ بات باطل ہے اور قرآن کے

خلاف ہے۔ سوائے اس آدمی کے جو کسی نبی کے معجزہ کے طور پر زندہ ہوا ہو۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے

والذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم	اور جو لوگ اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ تو اللہ نے ان سے فرمایا کہ مرجاؤ پھر انھیں زندہ کیا۔

اور دوسری جگہ آیا ہے۔

او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا	یا اس شخص کی طرح جو ایک شہر سے گذرا اور وہ گرا پڑا تھا۔

یہ حضرت عزیر پیغمبر کے مرنے اور جینے کا قصہ ہے جو سورہ بقر میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ تو ایک اور زندگی اور موت ثابت ہو گئی۔

اور ایک جگہ فرمایا ہے۔

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی	اللہ لیتا ہے نفسوں کو موت کے وقت اور جو نہیں مری اپنی نیند میں روک لیتا ہے جس پر موت لکھی گئی اور دوسری کو ایک خاص وقت کے لئے بھیج دیتا ہے

یہ بات قرآن کی نص سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ مردوں کی روحیں قیامت کے دن ان کے جسموں میں واپس کی جائیں گی۔ مگر قبر کی زندگی کا ذکر نہیں ہے۔

اور ایسے ہی حضور علیہ السلام نے بتایا ہے کہ آپ نے معراج کی رات میں آسمان دنیا پر آدم علیہ السلام کی دائیں طرف اہل سعادت کی ارواح اور بائیں طرف اہل شقاوت کی ارواح کو دیکھا۔ اور جنگ بدر میں مقتولین سے گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ یہ میری بات بڑے اچھے طریقے سے سنتے ہیں۔ حالانکہ یہ مقتولین ابھی تک دفن نہیں ہوئے

تھے۔ صحابہؓ نے فرمایا تھا کہ یہ تو گل سڑ گئے ہیں تو حضور علیہ السلام نے ان کی اس بات کی تردید نہیں فرمائی۔ معلوم ہوا کہ یہ خطاب اور سماع ان کی ارواح سے مخصوص تھا۔ کیونکہ اجسام تو بالکل بے حس تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما انت بمسمع من فی القبور ہا۔ یعنی آپ اہل قبور کو بات نہیں سنا سکتے۔ تو سنانے کی جو نفی کی گئی ہے۔ وہ بلاریب اجسام سے کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمارا اس بات پر ایمان ہے کہ جن مردوں کے سننے کی حضورؐ نے خبر دی ہے۔ وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

ابو محمد کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ سے اس طرح اس بارے میں کوئی صحیح روایت وارد نہیں ہوئی کہ مردوں کی روحیں سوال کے وقت ان کے جسموں میں لائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی صحیح روایت آئی ہوتی تو ہم بھی ضرور قائل ہوتے۔ نیز کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں مردوں کی ارواح کو سوال کے وقت جسموں میں واپس کئے جانے کی روایت میں منہال بن عمرو منفرد واقع ہوا ہے اور یہ راوی قوی نہیں ہے۔ شعبہ نے اسے ترک کر دیا ہے۔ امام مغیرہ بن مقسم ضبی وغیرہ کہتے ہیں کہ منہال بن عمرو کی شہادت اسلام میں جائز نہیں۔ نیز تمام اخبار ثابتہ اس قول کے مخالف ہیں۔

کہتے ہیں جو کچھ ہم نے کہا ہے یہ صحیح طور پر صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ پھر انھوں نے مسند کے ساتھ یہ روایت پیش کی ہے کہ ابن عمرؓ مسجد میں تشریف لائے، اور ابن زبیر کی لاش کو دفن ہونے سے پہلے رکھا ہوا دیکھا، تو ان سے کسی نے کہا کہ یہ اسماء بنت ابی بکرؓ موجود ہیں۔ ابن عمرؓ نے ان کے قریب جا کر تعزیت کی رسم ادا کی، پھر فرمایا اجسام کوئی چیز نہیں ہیں۔ یقیناً وہ جہاں اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں، اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا۔ ہاں یحییٰ بن زکریاؑ کا سر بنو اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت کے پاس بھیجا گیا تھا۔

میرا خیال ہے کہ ابو محمد نے جو کچھ کہا ہے اس میں حق بھی ہے اور باطل بھی۔ ان کا یہ کہنا کہ جو آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ مردہ قبر میں زندہ

کیا جاتا ہے غلطی پر ہے۔ بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ اگر اس زندگی سے وہ زندگی مراد لی جائے جو دنیاوی ہے جس میں انسان کو کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے، تو یہ بات یقیناً غلط ہے۔ جیسا کہ ابو محمد نے کہا ہے۔ عقل اور حس اس کی تکذیب کرتے ہیں، اور نص سے بھی اس کی تکذیب ہوتی ہے۔ اگر اس زندگی سے مراد وہ زندگی لی جائے جس میں روح بدن کے اندر سوال وجواب کے لئے واپس کی جاتی ہے، اور روح کو اس طرح کی الفت جسم سے نہیں ہوتی جیسی کہ دنیا میں ہوا کرتی تھی۔ تو یہ حق ہے، اور ابو محمد کا اس کی نفی کرنا غلطی ہے۔ صحیح اور صریح نص اس پر دال ہے۔ یعنی حضور نے فرمایا ہے کہ مردہ کی روح سوال کے لئے جسم میں ڈالی جاتی ہے، اور ابو محمد نے اس حدیث کی جو تضعیف کی ہے۔ ہم عنقریب اس کا جواب دیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور یہ آیت کریمہ جسے ابو محمد ثبت لائے ہیں

قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین — انہوں نے کہا۔ اے پروردگار ہمیں تو نے دو بار مارا اور دو بار زندہ کیا۔

تو یہ آیت کریمہ اس عارضی اعادہ کی روح کے لئے نفی نہیں کرتی جس طرح کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے اس کے قتل ہونے کے بعد زندہ فرمادیا تھا، اور پھر اسے قاتل کے بتادینے کے بعد مار دیا تھا، تو یہ زندگی کسی شمار میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ آدمی ایک لمحہ کے لئے زندہ ہوا تھا، اور اپنا قاتل بتاکر پھر مرگیا تھا، تو حضور اکرم کا یہ فرمانا کہ مردہ کی روح اس کے بدن میں واپس کی جاتی ہے۔ اس سے حیات مستقرہ پر دلالت نہیں ہوتی بلکہ صرف بدن کے اندر اعادہ اور اس کے ساتھ تعلق پر دلالت ہے، اور روح کا تعلق تو جسم سے ہر حالت میں رہتا ہے۔ چاہے جسم گل سڑ کر پرزے پرزے ہی کیوں نہ ہوگیا ہو۔ اس کے اندر راز یہ ہے کہ روح کے جسم کے ساتھ پانچ مختلف اور مغائر الاحکام تعلقات ہیں۔ ایک

تعلق تو اس وقت کا ہے جس وقت کہ بچہ ماں کے پیٹ میں تھا اور دوسرا تعلق زمین پر اس کے ہونے کے بعد کا ہے۔ اور تیسرا تعلق اس سے نیند کی حالت کا ہے۔ جس میں ایک طرح کی جدائی ہوتی ہے۔ اور چوتھا تعلق اس کا روح کے ساتھ عالم برزخ کا ہے چنانچہ روح اگرچہ عالم برزخ میں جسم سے جدا اور مجرد ہوتی ہے مگر پھر بھی کلیتاً اس سے جدا نہیں ہوتی یا یہ طور کہ جسم کا التفات اس کی طرف کچھ بھی نہ رہے۔

ہم پہلے جواب میں حدیثیں اور آثار اس بارے میں بیان کر آئے ہیں کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی قبر پر سلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دینے کے لئے اس کی روح کو بھیجتا ہے، تو اس اعادہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت کے دن سے پہلے جسم زندہ ہو جائیگا۔

پانچواں تعلق روح کا جسم کے ساتھ وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگا۔ یہ تعلق تمام تعلقوں سے کامل اور فاضل تر ہوگا پہلے تعلق اس سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اس تعلق کے بعد جسم، نیند، موت اور فساد وغیرہ کو قبول نہیں کرے گا۔

یہ جو قرآن میں آیا ہے کہ

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا الی آخرہ — اللہ مار دیتا ہے نفوس کو ان کی موت کے وقت۔

تو یہ روکنا، یعنی روح کو مرنے کے بعد روک لینا قبر میں اعادہ کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اعادہ ہے عارضی۔ قبر میں زندگی کو لازم نہیں کرتا۔ دیکھئے سونے والا نیند کی حالت میں زندہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی زندگی اس طرح کی نہیں ہوتی جیسی کہ جاگنے والے کی ہوتی ہے اور نیند موت کی بہن ہے، اسی طرح جب مردہ کے اندر قبر میں روح ڈالی جاتی ہے تو اس کی حالت بھی مردہ اور زندہ کے بین بین ہو جاتی

ہے جس طرح کہ سونے والے کی، اسے اچھی طرح سے سمجھ لوگے تو بہت سے اشکال دور ہو جائیں گے۔

آنحضرت صلعم نے معراج کی رات میں نبیوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کی خبر دی ہے، تو بعض ارباب حدیث اس کے متعلق کہتے ہیں کہ حضور نے ان کے اجسام و ارواح کو دیکھا تھا کیونکہ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں، اور حضور صلعم نے حضرت ابراہیمؑ کو بیت المعمور کی دیوار سے تکیہ لگائے بیٹھے دیکھا، اور موسےٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۔ نیز انبیاء کی تعریف جو آنحضرت نے بیان فرمائی ہے۔ وہ ان کی جسمانی تعریف ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کو گندمی رنگ اور درمیانہ قد والا دیکھا گویا کہ وہ مرد یمانی شنوہ سے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو دیکھا کہ ان کے سر سے پانی کی بوندیں ٹپکتی ہیں گویا کہ حمام سے نکلے ہیں۔ حضرت ابراہیم کو شکل اور صورت کے لحاظ سے حضور علیہ السلام نے اپنے مشابہ پایا۔

ایک دوسرا گروہ جو ارباب حدیث کے برخلاف ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے انبیاء کی ارواح کو دیکھا ہے اجسام کو نہیں، کیونکہ انبیاء کے اجسام تو زمین پر پڑے ہیں ہیں، اور قیامت کے دن اٹھیں گے۔ قیامت سے پہلے نہیں اٹھیں گے، کیونکہ اگر قیامت سے پہلے اجسام زندہ ہو کر قبروں سے نکلنے تو ضروری ہے کہ انبیاء کی قبریں پھٹ جائیں، اور پھر نفخ صور کے موقع پر یہ مرتے یہ ان کی تیسری موت ہو جاتی۔ حالانکہ یہ بالکل باطل ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر انبیائے کرام اجسام کے ساتھ قبروں سے نکلتے، تو پھر لازمی تھا کہ وہ دوبارہ قبروں میں نہ جاتے بلکہ جنت کے اندر چلے جاتے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام سے صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ تمام نبیوں پر جنت میں داخل ہونا حرام ہے جب تک کہ سب سے پہلے حضور جنت میں داخل نہ ہو لیں گے۔ بلکہ حضور ہی جنت کا دروازہ کھلوائیں گے، اور

قیامت سے پہلے زمین سے آپ ہی سب سے پہلے اٹھیں گے
یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا جسم اطہر زمین میں امانت
ہے۔

صحابہ نے حضور سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہمارا درود آپ کو کیونکر پہنچے گا۔ حالانکہ حضور کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں
گی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کیا ہے
کہ وہ انبیاء کے اجسام کو بوسیدہ یا شوریدہ کرے، تو اگر آپ کا جسم
اطہر زمین میں نہ رہتا تو آپ یہ جواب کس لئے دیتے۔

نیز یہ بھی آنحضرت سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
آپ کی قبر پر فرشتے مقرر فرمائے ہیں۔ جو آپ کی امت کا سلام آپ
کو پہنچاتے ہیں۔ صحیح طور پر یہ امر ثابت ہے کہ ایک دن آنحضرت
صلعم حضرت ابوبکر صدیقؓ اور جناب عمر فاروقؓ کے درمیان باہر تشریف
لائے۔ فرمایا کہ ہم اسی طرح قبروں سے اٹھیں گے۔ یہ امر باوجود اس
بات کے ہے کہ حضور کی روح اقدس اعلیٰ علیین میں انبیاء کی ارواح
کے ساتھ ہے۔

یہ بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے معراج کی رات
میں موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا
اور پھر چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا، تو اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ
علیہ السلام کی روح آسمان پر تھی۔ اور اس کا تعلق جسم سے بھی تھا
بایں طور کہ آپ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی طرح روح قبر پر سلام کرنے
والے کا جواب بھی دیتی ہے۔ حالانکہ اس کا مقام رفیق اعلیٰ میں ہوتا ہے
یہ دونوں باتیں یعنی روح کا مقام رفیق اعلیٰ پر ہونا اور پھر اس کا تقرب و
تعلق جسم سے بھی ہونا ایک دوسرے سے منافی نہیں۔ اس لئے ارواح
کی وہ حالت نہیں ہے جو اجسام کی ہے کیونکہ تم دو جسموں کو اکثر ہمشکل اور

مشابہ پاؤ گے۔ لیکن ان کی روحیں آپس میں بہت مختلف ہوں گی۔ اسی طرح دو جسموں کو آپس میں مختلف پاؤ گے، اور ان کی روحیں نہایت متحد ہوں گی۔

ارواح کا آسمانوں پر چڑھنا، اترنا، آنا جانا ایسا نہیں جیسا کہ جسم کا، کیونکہ روح ساتوں آسمانوں سے ہو کر زمین پر آجاتی ہے۔ جبکہ مردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے، تو اتنے قلیل وقت میں اتنا طویل سفر کرنا روح ہی کا کام ہے جسم سے کیونکر ہو سکتا ہے، اور ایسے ہی نیند کے اندر روح کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے روح کی مثال سورج اور اس کی شعاعوں سے دی ہے کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے۔ اور اس کی شعاعیں انہیں پر ہیں۔

ہمارے استاذ فرماتے ہیں یہ مثال درست نہیں ہے۔ کیونکہ سورج زمین پر نہیں اترتا اور شعاع نہ سورج کا نفس ہے نہ اس کی صفت ہے۔ بلکہ شعاع تو ایک عرض ہے جو سورج کے سامنے ایک شفاف جرم ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور روح کی یہ حالت ہے کہ وہ خود اوپر جاتی ہے، اور نیچے آتی ہے۔

صحابہ کرام نے جو بدر کے مقتولین کے متعلق حضور سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ ایسے لوگوں سے خطاب فرماتے ہیں جو مر چکے ہیں۔ باوجود اس بات کے کہ حضور انہیں مردوں کے سننے کی خبر دے چکے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت ان کی روحیں وہاں حاضر نہیں کی گئیں تھیں۔ حالانکہ اجسام تو مردہ ہو چکے تھے، اور خطاب تو روحوں سے ہی تھا جن کا تعلق ان اجسام فاسدہ سے تھا۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وما انت بمسمع من فی القبور ۔ آپ قبر والوں کو سنا نہیں سکتے۔

اس آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد کفار اور مردہ دل لوگ ہیں، جو حضور کے وعظ کو سن کر کس سے بہرہ ور نہیں ہوتے

جس طرح اہل قبور کسی بات کو سن کر اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ اہل قبور سنتے ہی نہیں ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے بتایا ہے کہ مردہ جنازے کے ساتھ جانے والوں کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے، اور بدر کے مقتولوں نے آپ کے خطاب کو سنا، اور مردوں سے سلام کرنے کا بھی حضورؐ نے وہی طریقہ بتایا جو کسی حاضر آدمی کے سلام کرنے کا ہے اور آپ نے بتایا ہے کہ جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر سلام کرتا ہے تو وہ اُسے جواب دیتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کی مانند ہے۔

انک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین ط — آپ مُردوں کو سنا نہیں سکتے ہیں جبکہ وہ پشت پھیرے جا رہے ہوں۔

بعض حضرات کہتے ہیں۔ کہ بہرے کے نہ سننے کی نفی کے ساتھ مردے کے سننے کی نفی اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ دونوں میں سننے کی اہلیت نہیں ہے۔ ان کے دل چونکہ بہرے ہیں اس لئے ان کا سننا بھی ممتنع ہے، ان سے کلام کرنا ایسا ہے۔ جیسے کسی مردے یا بہرے سے خطاب کرنا۔ یہ تفسیر ٹھیک ہے۔ مگر اس سے روحوں کے سننے (یعنی موت کے بعد روحوں کا تربیع و تفریع وغیرہ کا سننا) کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ روح کا تعلق اجسام کے ساتھ خاص وقت میں ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم

وما انت بمسمع کے یہ معنی ہیں۔ کہ اے رسول تم اس آدمی کو نہیں سنا سکتے۔ جس کو اللہ سنوانا نہ چاہے، تم صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہو، یعنی اللہ تعالےٰ نے آپ کو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانے پر مقرر فرمایا ہے۔ اس بات پر آپ کو مقرر نہیں کیا۔ کہ آپ اُس آدمی کو سنائیں۔ جس کو خدا سنوانا نہیں چاہتا۔ ابو محمد کا یہ کہنا کہ مذکورہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی روایت کے اندر مہال منفرد آیا ہے اور وہ کوئی قوی راوی بھی نہیں ہے۔ ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ حدیث مرسوف بلا ریب صحیح ہے۔ براء بن عازب سے اسے ایک پوری جماعت نے ان کے علاوہ روایت کرتی چلی آئی ہے جن میں عدی بن ثابت، محمد بن عقبہ، مجاہد وغیرہ بھی ہیں۔

حافظ ابو عبداللہ بن مندہ کتاب الروح والنفس میں لکھتے ہیں۔ کہ سنداً براء بن عازب سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم ایک انصاری کے جنازہ کے ساتھ گئے قبر تیار ہو رہی تھی، ہم بڑی خاموشی کے عالم میں بیٹھے ہوئے تھے، اور حضور اکرم بھی وہاں پر تشریف فرما تھے، تھوڑی دیر خاموشی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جب دنیا سے منقطع ہو کر آخرت کی طرف جاتا ہے، ملک الموت اس کے پاس آتے ہیں۔ فرشتے جنتی کفن اور خوشبوؤں کے ساتھ لے کر آتے ہیں۔ اور مرد کی منتہائے نظر پر بیٹھتے ہیں۔ تو ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کہتا ہے۔ اے نفس مطمئنہ اللہ کی رضامندی اور اس کی رحمت کی طرف نکل آ، تو روح بدن سے اس طرح نکل آتی ہے جیسے پانی کا قطرہ مشکیزے سے نکل آتا ہے۔ جس وقت روح نکل آتی ہے، جن و انس کے سوا باقی تمام مخلوق اس پر درود پڑھتی ہے۔ پھر اسے فرشتے آسمان پر لے کر جاتے ہیں۔ اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پھر پہلے آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک درود کہتے ہوئے اس روح کو پہنچاتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسی شان و شوکت کے ساتھ یہ روح عرش کے نیچے پہنچتی ہے، پھر علیین میں اس کا نام لکھا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کو اس کی خواب گاہ میں واپس کر دو۔ کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ کہ میں نے زمین ہی سے اسے پیدا کیا ہے۔ اور اسی میں اس کو داخل کروں گا۔ اور پھر دوبارہ زمین ہی سے اسے نکالوں گا۔

یہ روح جب قبر میں لائی جاتی ہے۔ تو منکر نکیر زمین کو چیرتے پھاڑتے ہوئے اس کے پاس آتے ہیں، اور اسے اٹھا کر پوچھتے ہیں۔ تیرا رب کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے۔ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے، منکر نکیر کہتے ہیں تو نے سچ کہا، پھر اس سے پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے، میرا دین اسلام ہے۔ وہ کہتے ہیں تو نے سچ کہا، پھر سوال کرتے ہیں تیرا نبی کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ کہتے ہیں تو نے سچ کہا، پھر اس کی قبر کو اس کی نظر کی انتہا تک کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ پھر ایک شخص نہایت ہی خوبصورت خوشبودار لباس پہنے ہوئے اس کے پاس

آتا ہے۔ اور کہتا ہے اے شخص اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ قسم ہے اللہ کی تجھے معلوم بھی نہیں کہ تو اللہ کی اطاعت میں جلدی کرنے والا اور گناہ میں تاخیر کرنے والا تھا، تو یہ مردہ پوچھتا ہے اے شخص اللہ تجھے بھی جزائے خیر سے نوازے۔ تو مجھے بتلا کہ تو کون ہے؟ تو یہ شخص جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ پھر اس مردے کے لئے جنت کی طرف کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے یہ جنت کی خوشبو سونگھتا ہے، اور اپنی منزل، محل وغیرہ کو قیامت تک دیکھتا رہتا ہے اور خوش ہوتا ہے،

کافر جس وقت دنیا سے آخرت کی طرف کوچ کرتا ہے، موت اس کے سر پر آتی ہے۔ اور فرشتے جہنمی کفن اور بدبو لے کر اس کے سامنے اس کی منتہائے نظر پر بیٹھ جاتے ہیں، ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھتے ہیں، اور کہتے ہیں، اے خبیث نفس خدا کے غضب اور اس کے غصہ کی طرف نکل آ۔ تو یہ روح جسم کے اندر پریشان ہو جاتی ہے۔ اور اس قہر و غضب کو دیکھ کر نکلنا نہیں چاہتی، لہٰذا ملک الموت اسے ایسی سختی کے ساتھ نکالتا ہے جیسے لوہے کی بڑی کو تر اون سے نکالا جاتا ہے۔ تو تمام جن و انس اس پر تمام مخلوق لعنت بھیجتی ہے۔ پھر فرشتے اس کی روح کو آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو اس کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے کو اس کی خوابگاہ کی طرف لوٹا دو۔ کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ کہ میں اسے زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں اسے لوٹاؤں گا اور پھر اسی سے اسے دوبارہ اٹھاؤں گا۔

پھر منکر نکیر اپنے ناخنوں اور دانتوں سے زمین کو چیرتے اور پھاڑتے ہوئے آتے ہیں۔ ان کی آواز بجلی کی کڑک کی مانند ہوتی ہے اور ان کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں، پھر وہ اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ تو وہ جواب دیتا ہے میں نہیں جانتا، پھر قبر کے ایک کونے سے آواز آتی ہے، نہ تو جانے گا پھر وہ فرشتے لوہے کا ایک گرز اس کے سر پر مارتے ہیں اگر وہ گرز تمام دنیا پر

پڑ سے تو لپس کر سرمہ ہو جائے۔

پھر اس کی قبر اسے اس طرح بھینچتی اور تنگ کرتی ہے کہ اس کی ادھر کی پسلیاں اُدھر اور اُدھر کی اِدھر نکل جاتی ہیں۔ پھر ایک نہایت ہی بدشکل آدمی بدبودار لباس پہنے ہوئے اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اے شخص خدا تجھے خراب کرے اور بری جزا دے۔ اللہ کی قسم تجھے معلوم نہیں تھا کہ تو اللہ کی اطاعت میں تاخیر اور معصیت میں جلدی کرنے والا تھا۔ پھر یہ مردہ پوچھتا ہے اے شخص تو کون ہے؟ تو یہ کہتا ہے کہ میں تیرا بدعمل ہوں پھر اس کے لیے جہنم کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جس سے یہ اپنے ٹھکانے اور منزل کو قیامت تک دیکھتا رہتا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد اور محمود بن غیلان وغیرہ نے ابی نضر سے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ قبر میں مردہ کے اندر روح ڈالی جاتی ہے اور پھر اسے منکر نکیر اٹھا کر سوال جواب کرتے ہیں۔

ابن مندہ نے ایک دوسری سند کے ساتھ بھی اسے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک انصاری کے جنازے کے ساتھ گئے جب ہم قبر پر پہنچے تو قبر ابھی تیار نہیں ہوئی تھی۔ جنازے کو رکھ دیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ تھے چنانچہ آپ بیٹھ گئے، آپ نے فرمایا مومن کا جس وقت انتقال ہوتا ہے۔ تو ملک الموت بڑی اچھی خوبصورت شکل اور خوشبو کے ساتھ اس کے پاس بیٹھ کر اس کی روح قبض کرتا ہے، دو فرشتے جنتی کفن اور خوشبو لے کر اس کے ساتھ ساتھ آتے ہیں۔ اور دور بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت اس کی روح کو نکالتا ہے تو یہ روح پانی کے قطرے کی مانند نکل آتی ہے۔ پھر وہ دونوں فرشتے جلدی سے ملک الموت کے ہاتھوں سے اسے لے کر خوشبو لگاتے ہیں اور جنتی کفن پہناتے ہیں، پھر اسے آسمان پر لے جاتے ہیں، آسمان کے دروازے کھلتے ہیں، اور فرشتے اسے خوشخبری دیتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں یہ روح کس کی ہے جس کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے ہیں، تو دنیا کے اندر جن اچھے ناموں کے ساتھ وہ پکارا جاتا

تھا فرشتے وہی نام اس کے بتاتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ فلاں آدمی کی روح ہے جس وقت یہ روح آسمان پر پہنچتی ہے، ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں، یہاں تک یہ روح عرش کے نیچے خدا کے حضور میں پیش ہوتی ہے، تو علیین سے اس کا عمل نکلتا ہے،

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اے فرشتو تم گواہ ہو جاؤ میں نے اسے بخش دیا ہے۔ جس کا یہ عمل نامہ ہے، پھر اس کے اعمال نامے پر مُہر لگا کر علیین میں رکھ دیا جاتا ہے، اللہ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ میرے اس بندے کی روح کو زمین میں واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے، کہ میں اسے زمین کی طرف واپس کرونگا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

منھا خلقنٰکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اُخریٰ	اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ اسی میں لوٹائینگے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

پھر جس وقت مومن کو قبر کے اندر رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاؤں کی طرف سے جنت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تیرے لئے کیا نعمتیں اور ثواب مہیا کئے ہیں۔ پھر اس کے سرہانے سے جنت کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ دیکھ اللہ نے تجھ سے کیسے عذاب اور کیسی سختیاں دور فرمائی ہیں، پھر اس سے کہتے ہیں۔ آنکھوں کی ٹھنڈک اور خوشی کے ساتھ سو جا، تو اس آدمی کو قیامت سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہوتی۔

حضورؐ فرماتے ہیں کہ جس وقت مومن کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو زمین اُسے کہتی ہے کہ تو زندگی میں جس وقت میری پشت پر چلتا پھرتا تھا۔ اس وقت بھی تو مجھے پیارا اور عزیز تھا۔ اور اب جبکہ تو میرے پیٹ کے اندر آیا تو دیکھے گا کہ میں تیرے سے کیا سلوک کرتی ہوں، پھر اس کی قبر اس کی نظر کی انتہا تک کشادہ ہو جاتی ہے۔

جس وقت کافر کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو منکر نکیر اُس سے پوچھتے ہیں تیرا رب

کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے، مجھے معلوم نہیں، تو پھر یہ دونوں فرشتے اسے اس زور سے ایک گرز مارتے ہیں جس سے وہ پس کر ریزہ کی مانند ہو جاتا ہے۔ پھر اسے زندہ کر کے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ وہ پوچھتا ہے کہ یہ کون شخص ہیں، فرشتے بتلاتے ہیں کہ یہ ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تو وہ جواب دیتا ہے۔ کہ لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ تو وہ دونوں فرشتے پھر اسے اس زور سے گرز مارتے ہیں کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، یہ حدیث ثابت، مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ کی ایک جماعت نے اسے صحیح کہا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ کسی علم حدیث کے امام نے اس میں طعن کیا ہو بلکہ تمام نے اپنی کتابوں میں اسے نقل کیا ہے۔ اور قبول کیا ہے اور قبر کے عذاب کے متعلق اسے اصل قرار دیا ہے اس حدیث میں قبر کے اندر منکر نکیر کے سوال و جواب، قبر میں عذاب یا ثواب پانے، قبض ارواح اور ان کے آسمان پر جانے، خدا کے حضور میں پہنچنے اور پھر قبر میں لوٹنے پر دلالت ہے، سوائے زاذان کے ابو محمد کے قول کو کسی نے روایت نہیں کیا؟ بلکہ اسے زاذان سے علاوہ بیسیوں سے بہت سے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ اس سے اس کو علی بن ثابت، مجاہد بن جبیر اور محمد بن عقبہ وغیرہم نے روایت کیا ہے، دار قطنی نے اس کے تمام طرق کو اپنی ایک کتاب کے اندر اکٹھا کیا ہے۔ زاذان ثقہ راویوں سے ہے، بزرگان صحابہ مثلاً حضرت عمر وغیرہ سے اس نے روایت کی ہے اور مسلم نے اس کی روایت کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہیں۔ اور حمید بن ہلال سے جب کسی نے پوچھا کہ زاذان کی نسبت آپ کا خیال ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا، کہ وہ ثقہ ہیں، منہال بن عمرو کو جو ابو محمد نے ضعیف کہا ہے۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ منہال بن عمرو عادل اور ثقہ راوی ہے، یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ منہال کے ضعف کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے گانے کی آواز آتی تھی۔ تو اس وجہ سے ان کی روایت میں کوئی قدح پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس وجہ سے ان کی روایت کو مطروح کیا جا سکتا ہے۔ ابن حزم کا

ان کو ضعیف کہنا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا، کیونکہ ابن حزم نے اس ضعف کی کوئی دلیل بیان نہیں کی، ماسوائے اس ایک جملے کے ساتھ اُن کے منفرد واقع ہونے کے کہ "مؤمن کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے"

ہم اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ منہال اس روایت میں منفرد واقع نہیں ہوئے ہیں۔ کیونکہ دوسرے لوگوں نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثلاً یہ الفاظ کہ اُس کی روح اس میں واپس کی جاتی ہے یا اُس کی قبر کی طرف لے جائی جاتی ہے، یا وہ بیٹھ جاتا ہے۔ یا منکر نکیر اُسے بٹھاتے ہیں یا وہ اپنی قبر کے اندر بیٹھتا ہے۔ یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں ان میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ زاذان نے براء بن عازب سے نہیں سنا۔ یہ دلیل بھی بالکل باطل ہے۔ کیونکہ ابو عوانہ اسفرائینی نے اسے سند کے ساتھ اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ عمرو بن زاذان کندی کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب سے سنا ہے اور حافظ ابو عبداللہ بن مندہ فرماتے ہیں کہ یہ سند متصل و مشہور ہے۔ اسے ایک پوری جماعت نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔

بالفرض اگر ہم براء بن عازب کی حدیث سے قطع نظر کر لیں تو اور بھی ایسی صریح اور صحیح حدیثیں اس بارے میں موجود ہیں۔ مثلاً ابن ابی ذئب والی حدیث جسے انہوں نے محمد بن عمرو بن عطاء سے اور انہوں نے سعید بن یسار سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نزع کے وقت مردے کے پاس فرشتے آتے ہیں، اگر نیک آدمی ہوتا ہے تو کہتے ہیں اے پاک روح، جو پاک جسم میں تھی خوشی کے ساتھ نکل آ، اور روح لا ایمان کی مہربان پروردگار کی طرف سے خوشخبری لے، یہاں تک کہ یہ روح نکل آتی ہے۔ ملک الموت بھی کہتا رہتا ہے۔ پھر فرشتے اسے لے کر آسمان پر لے جاتے ہیں اور دروازہ

کھلواتے ہیں، آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کون ہے۔ تو وہ فرشتے جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، تو وہ کہتے ہیں۔ مرحبا، بہت ہی پاکیزہ روح پاک جسم سے نکل کر آئی ہے۔ خوشی اور خرمی کے ساتھ داخل ہو اور اپنے مہربان پروردگار کی طرف سے روح و ایمان کی بشارت لے، اور اگر یہ آدمی بدکار رہتا ہے۔ تو ملک الموت اس سے کہتا ہے اے خبیث نفس، خبیث جسم سے نکل آ، اور برائی کے ساتھ نکل آ اور جہنم کے عذاب کی خوشخبری لے۔ حتیٰ کہ یہ روح نکل آتی ہے اور فرشتے یہی کہتے رہتے ہیں۔ پھر اسے آسمان پر لے جاتے ہیں تو آسمان والے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کون ہے، تو اس کو آسمان پر لے جانے والے فرشتے جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ خبیث نفس خبیث جسم میں تھا۔ پھر وہ کہتے ہیں اے ناپاک تو واپس ہو جا تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ تو پھر یہ روح آسمان اور زمین کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہے، اور اسے قبر کے پاس لایا جاتا ہے۔ نیک آدمی کو قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے تو اسے کچھ گھبراہٹ نہیں ہوتی۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو اسلام کے بارے میں کیا کہتا ہے، اور یہ کون آدمی ہیں؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہمارے لئے کھلے ہوئے احکام لائے۔ اور ہم نے ان کی تصدیق کی۔

آگے پوری حدیث بیان کی ہے، حافظ ابو نعیم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے نقل کرنے والے کی عدالت پر اتفاق ہے، اور شیخین یعنی دونوں اماموں محمد بن اسمٰعیل بخاری اور مسلم بن حجاج قشیری نے ابن ابی ذئب اور محمد بن عمرو بن عطاء اور سعید بن یسار نے اتفاق کیا ہے اور پہلے بزرگان نے بھی ابن ابی ذئب سے اسے روایت کیا ہے مثلاً ابن ابی فدیک اور عبدالرحیم بن ابراہیم وغیرہ نے اور ابن ابی ذئب سے اس حدیث کو بہت سارے لوگوں نے روایت کیا ہے۔

ابو عبداللہ بن مندہ جسم میں روح کے لوٹنے پر اس حدیث کو بطور حجت لائے ہیں۔ جو انہیں سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے پہنچی ہے۔ انہوں نے

فرمایا پھر ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:-

ولو ترٰی اذ الظٰلمون فی غمرٰت الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم	اگر آپ دیکھتے کہ ظالم موت کے مصائب میں ہیں اور ملائکہ اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں

پھر فرمایا اس ذات مقدس کی قسم ہے جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک دنیا سے جدا نہیں ہوتا تاوقتیکہ اس کا ٹھکانا جنت یا دوزخ سے دکھا نہیں دیا جاتا پھر فرمایا کہ بندہ پر جب یہ وقت آتا ہے تو فرشتوں کی وہ صفیں اس کے سامنے آتی ہیں۔ اور اس کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں تو یہ بندہ ان فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ ان فرشتوں کے سوا اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا، اگرچہ تم اس وقت یہ سمجھتے ہو کہ مرنے والا ہمیں دیکھ رہا ہے، ان فرشتوں کے ساتھ کفن اور خوشبوئیں ہوتی ہیں اگر یہ بندہ مومن ہوتا ہے تو فرشتے اسے جنت کی بشارت دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے پاکیزہ نفس اللہ کی رضا اور اس کی جنت کی طرف نکل آ، یقیناً اللہ تعالےٰ نے تیرے لئے ایسی نیرنگی رکھی ہے جو تیرے لئے دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے اسی طرح فرشتے اس پر ہجوم کرتے رہتے ہیں۔ اور اسے خوشخبری دیتے رہتے ہیں اور ماں سے بھی اس پر زیادہ شفقت و مہربانی کرتے ہیں، پھر اس کی روح کو ناخنوں اور ہر جوڑ کے نیچے سے نکال لیتے ہیں۔ وہ بڑی آسانی سے مر جاتا ہے۔ اگرچہ بظاہر تمہیں اس پر تکلیف و مشقت معلوم ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جس وقت روح ٹھوڑی کے نیچے پہنچتی ہے۔ تو اس کو نکلنا بہت ہی ناگوار ہوتا ہے۔ تو اس وقت ہر ایک فرشتہ اس کے لینے میں جلدی کرتا ہے اور ملک الموت قبض روح کے کام کو پورا کرتا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔

قل یتوفٰکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ثم	آپ کہہ دیجئے تمہیں ماریگا۔ وہ ملک الموت جو تم پر متعین کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے پروردگار

الیٰ ربکم ترجعون | کی طرف لوٹ کے"

پھر فرشتے اس کی روح کو سفید کفن پہناتے ہیں۔ اس وقت مشک سے بھی زیادہ خوشبو اس سے پھیلتی ہے، فرشتے اسے سونگھتے ہیں، ایک دوسرے سے اسے لیتے ہیں، مبارک باد دیتے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں، کہتے ہیں اے اللہ اس پاک روح پر اپنی رحمت نازل فرما، اور اس بدن پر بھی جس سے یہ نکلی ہے پھر فرشتے اس کی روح کو سفید کفن پہناتے ہیں۔ اس وقت مشک سے بھی زیادہ خوشبو اس سے پھیلتی ہے، فرشتے اسے سونگھتے ہیں۔ ایک دوسرے سے اسے لیتے ہیں۔ مبارکباد دیتے ہیں خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں اے اللہ اس پاک روح پر اپنی رحمت نازل فرما، اور اس بدن پر بھی جس سے یہ نکلی ہے۔ پھر فرشتے اسے لیکر آسمان پر جاتے ہیں، ہوا کے اندر اللہ کی مخلوق ہے۔ جن کی تعداد کو اللہ ہی جانتا ہے، تو انہیں مشک سے بھی زیادہ اس روح کی خوشبو آتی ہے۔ وہ بھی اسے سونگھتے ہیں۔ اور اس پر درود بھیجتے ہیں۔ پھر ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور ہر آسمان کے فرشتے اس پر درود پڑھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ دوسرے آسمان پر جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ روح بارگاہ ایزدی میں حاضر ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرماتے ہیں مرحبا اے پاکیزہ روح تو خوب آئی اور اچھے جسم سے نکل، جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مرحبا فرماتے ہیں تو تمام چیزیں اسے مرحبا کہتی ہیں۔ اور تمام تکلیفیں اس سے دور ہو جاتی ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس پاکیزہ نفس کو جنت میں لے جاؤ۔ اسے اس کا محل دکھاؤ اور تمام وہ نعمتیں اور کرامتیں جو اس کے لئے جمع کی گئی ہیں اسے دکھاؤ، اس کے بعد اسے زمین پر لے جاؤ۔ کیونکہ میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں نے زمین سے ہی انہیں پیدا کیا ہے۔ اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور پھر دوبارہ اسی سے انہیں نکالوں گا۔

فرماتے ہیں جنت کے اندر جا کر یہ روح پھر باہر آنا نہیں چاہتی۔ بدن

سے نکلنے سے جنت سے نکلنا اسے زیادہ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہے اے فرشتو تم مجھے کہاں لئے جاتے ہو؟ کیا واپس اسی جسم کے اندر جس سے تم مجھے لائے ہو۔ جہاں میں پہلے تھی، فرشتے کہتے ہیں ہم تو حکم کے بندے ہیں تیرا وہاں جانا ضروری ہے۔ پھر فرشتے اس روح کو لے کر زمین پر آتے ہیں۔ جبکہ لوگ کفن و غسل وغیرہ سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ پھر فرشتے اس روح کو لے کر بدن میں داخل کرتے ہیں۔ اور یہ روح کا بدن میں داخل ہونا اس تعلق کے ساتھ نہیں ہے جو دنیا میں اس کو جسم کے ساتھ تھا۔ اور نہ ہی یہ وہ تعلق ہے جو خواب کی حالت میں روح کو جسم سے ہوتا ہے

حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ صحیح احادیث متواترہ اس بات پر دال ہیں کہ روح جسم میں سوال کے وقت لوٹ آتی ہے

ایک اور گروہ یہ کہتا ہے۔ کہ روح سے بغیر جسم کے سوال ہوتا ہے۔ مگر جمہور اس کے خلاف ہیں، ایک اور گروہ اس کے مقابلے میں یہ کہتا ہے کہ سوال روح سے بغیر بدن کے ہوتا ہے۔ اس کے قائل ابن مرہ اور ابن حزم ہیں) یہ دونو قول باطل ہیں۔ کیونکہ صحیح احادیث ان کی تردید کرتی ہیں، اگر سوال صرف روح پر منحصر ہوتا تو قبر کو روح کے ساتھ کچھ اختصاص نہ ہوتا۔

فصل (۹)

سُئل پوچھتا ہے کہ قبر کا عذاب نفس پر ہوتا ہے، یا بدن پر، یا دونوں پر، اور عذاب و ثواب کے اندر بدن روح کے ساتھ شریک ہوتا ہے یا نہیں؟

یہ سوال شیخ الاسلام سے پوچھا گیا تھا، شیخ الاسلام نے جن الفاظ میں اس کا جواب دیا۔ ہم اسے یہاں بیان کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ نعمت و عذاب نفس و بدن دونوں کیلئے ہوتا ہے، تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے۔ کہتے ہیں کہ روح کی بدن سے جدائی کی صورت میں بھی روح پر عذاب و ثواب ہوتا ہے اور اتصال کی حالت میں بصورت اجتماع ہوتا ہے۔ جیسا کہ روح پر انفرادی حالت میں بھی ہوتا ہے۔

یہ مسئلہ کہ انفرادی حالت میں بدن پر بھی عذاب یا ثواب ہوتا ہے، اس بارے میں اہل سنت کے دو قول مشہور ہیں اور کچھ اقوال غیر مشہور اور شاذ بھی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ عذاب و ثواب صرف روح کے لئے ہے۔ بدن کے لئے نہ عذاب ہے نہ ثواب۔ اس کے قائل فلاسفہ ہیں جو معاد ابدان کے منکر ہیں، یہ لوگ بالاتفاق کافر ہیں۔ اور بہت سے معتزلہ بھی اسی بات کے قائل ہیں مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ عذاب و ثواب عالم برزخ میں نہ ہوگا۔ بلکہ قبروں سے نکلنے کے بعد ہوگا۔ یہ لوگ صرف برزخ میں عذاب ابدان کے منکر ہیں، کہتے ہیں کہ برزخ میں صرف روحوں پر ہی عذاب یا ثواب ہوتا ہے، قیامت کے دن پھر بدن اور روح دونوں پر عذاب ہوگا۔ اس کے قائل اہل کلام و حدیث سے کئی مسلمانوں کے گروہ بھی ہیں۔ اور اسی قول کو ابن حزم اور ابن مرہ نے اختیار کیا ہے، تو یہ قول شواذ سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس قول پر اضافہ ہے جو عذاب قبر و قیامت

کا اقرار کرتا ہے منکر نہیں ہے، اور معاد ابدان و ارواح کو ثابت کرتا ہے، ان لوگوں کے قبر کے عذاب کے متعلق تین قول ہیں۔

ایک قول یہ کہ عذاب فقط روح کے لئے ہے، دوسرا یہ کہ عذاب نفس کے لئے ہے اور اس کے واسطے سے بدن پر بھی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ عذاب صرف بدن کے لئے ہے۔ اسی کے ساتھ ایک اور قول بھی شامل ہے، یہ قول بھی ان لوگوں کا ہے جو قبر کے عذاب کو ثابت کرتے ہیں۔ اور روح کو حیات کا باعث اور نساد کا موجب بیان کرتے ہیں۔ اس کے قائل منکرین عذاب ہیں اور وہ لوگ بھی اسی کے قائل ہیں جو کلیتاً عذاب روح کے منکر ہیں۔ جب یہ دونوں قول شاذ ہیں تو تیسرا قول بھی شاذ ہے جو یہ کہتا ہے کہ روح بانفرادی حالت میں نہ عذاب ہے نہ ثواب اور روح ہی زندگانی ہے۔ اہل کلام میں سے اس کے قائل معتزلہ اور اشعریہ ہیں جیسے قاضی ابوبکر وغیرہ، یہ لوگ بدن سے جدائی کے بعد روح کی بقاء کے منکر ہیں، یہ قول بالکل غلط ہے۔

کیونکہ قرآن، حدیث، اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ بدن سے جدا ہونے کے بعد روح باقی رہتی ہے، اور اسی پر عذاب یا ثواب ہوتا ہے۔ اور فلاسفۂ الٰہیہ بھی اس کے قائل ہیں لیکن معاد ابدان کے منکر ہیں۔ اور یہ لوگ معاد ابدان کے تو قائل ہیں۔ لیکن معاد ارواح اور بغیر ابدان کے ان کے عذاب یا ثواب کے منکر ہیں، یہ دونوں اقوال خطا اور گمراہی ہیں۔ اہل اسلام کے قول سے فلاسفہ کا قول بہت دور ہے۔ اگرچہ فلاسفہ کے اس قول میں کئی مسلمان بھی شریک ہیں۔ جو اپنے آپ کو مسلمان خیال کرتے ہیں اور اہل معرفت و تصوف ہونے کے دعویدار ہیں

تیسرا شاذ قول اس شخص کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ برزخ میں نہ عذاب ہے نہ ثواب، اور قیامت تک ثواب یا عذاب سے مُردہ کو کچھ بھی پیش نہیں آتا اس کے قائل بعض معتزلہ بھی ہیں اور انہی میں سے بہت سے لوگ قبر کے عذاب یا ثواب کے اس بنا پر منکر ہیں کہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد باقی نہیں رہتی

اور بدن پر نہ عذاب ہے نہ ثواب، یہ گروہ بھی گمراہوں کا ہے۔ لیکن یہ فلاسفہ سے بہتر ہیں۔ کیونکہ یہ قیامتِ کبریٰ کے قائل ہیں۔

فصل (۱۰)

سوال یہ ہے کہ حق مذہب کونسا ہے

جب آپ ان باطل اقوال کو جان چکے تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ اُمت کے بزرگان سلف اور اماموں کا مذہب یہ ہے کہ جو آدمی مرتا ہے، وہ ثواب یا عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور یہ عذاب یا ثواب، روح اور بدن دونوں سے ہوتا ہے۔ اور روح بدن سے جدا ہونے کے بعد عذاب یا ثواب میں مبتلا رہتی ہے، اور بعض اوقات وہ جسم سے قریب ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ جسم کو بھی عذاب یا ثواب ہوتا ہے، پھر جب قیامتِ کبریٰ کا دن ہوگا تو روح کو جسم میں ڈالا جائے گا، اور تمام لوگ قبروں سے نکل کر بارگاہِ ایزدی میں پیش ہونگے، معادِ ابدان پر تو مسلمان، یہود، نصاریٰ متفق ہیں۔

فصل (۱۱)

ہم اپنے مذکورۂ بالا بیان کو ثابت کرتے ہیں

قبر کے عذاب، اور منکر نکیر کے سوال و جواب کی حدیثیں آنحضرتؐ سے کثرت سے مروی ہیں۔ ایک دفعہ آپ کا گذر دو قبروں پر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ

انہیں عذاب ہو رہا ہے۔ کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا، بلکہ ایک تو ان میں سے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے ترو تازہ کھجور کی ایک شاخ منگائی اُسے چیر کر دو حصے کر دیا، ایک حصّہ کو ایک قبر پر اور دوسرے حصہ کو دوسری قبر پر ڈال دیا۔ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہیں ہو جائیں گی، اُس وقت تک اُن پر عذاب میں تخفیف رہیگی۔

صحیح مسلم میں زید بن ثابت سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نجار کی چار دیواری کے اندر خچر پر سوار جا رہے تھے۔ اور ہم آپ کے ساتھ تھے۔ یکایک خچر بدکا، قریب تھا کہ آپ کو گرا دے، وہاں پر چھ، پانچ یا چار قبریں تھیں، حضورؐ نے انہیں دیکھ کر دریافت فرمایا، کیا کوئی جانتا ہے۔ یہ کن لوگوں کی قبریں ہیں، ایک شخص نے عرض کیا حضور میں جانتا ہوں، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کس حالت میں مرے تھے، اُس نے جواب دیا کہ حالتِ شرک میں مرے تھے، پھر آپ نے فرمایا کہ ان کی قبروں میں آزمائش کی جا رہی ہے اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کا کفن دفن چھوڑ دو گے، تو میں خدا سے دُعا مانگتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنائے جو میں سنتا ہوں۔ پھر آپؐ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جہنم کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگو، ہم نے پناہ مانگی، آپ نے فرمایا قبر کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگو، ہم نے پناہ مانگی، پھر فرمایا ظاہری باطنی فتنوں سے خدا کی پناہ مانگو، ہم نے پناہ مانگی، پھر فرمایا فتنۂ دجال سے خدا کی پناہ مانگو، ہم نے پناہ مانگی۔

صحیح مسلم اور کل سنن میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم نماز میں آخری تشہد سے فارغ ہو جاؤ تو ضروری ہے کہ چار باتوں سے خدا کی پناہ مانگو، عذاب جہنم سے، عذاب قبر سے اور فتنۂ محیا و ممات سے اور مسیح دجال کے فتنے سے،

صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ دعا سکھائی

اللھم انی اعوذ بك من عذاب جھنم واعوذ بك من عذاب القبر واعوذ بك من فتنة المحیا والممات واعوذ بك من فتنة المسیح الدجال

اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے، عذاب قبر سے، فتنہ موت وحیات سے۔ اور فتنہ مسیح دجال سے"

صحیحین میں حضرت ابو ایوب سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لے گئے تو آپ نے ایک آواز سنی، آپ نے فرمایا کہ یہودیوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں ایک دن مدینہ کے یہودیوں سے ایک ضعیفہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ کہ قبر والوں کو قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے اسے جھٹلایا اور اس کی بات نہ مانی، فرماتی ہیں۔ ضعیفہ کے چلے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مدینہ کے یہود سے ایک ضعیفہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ قبر والوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے جس کی آواز کو تمام بہائم اور حیوان سنتے ہیں۔ فرماتی ہیں۔ پھر میں نے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ عذاب قبر سے پناہ مانگا کرتے تھے

صحیح ابن حبان میں ام مبشر سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے فرمایا کہ خدا سے عذاب قبر سے پناہ مانگو۔ میں نے عرض کیا۔ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قبر میں ایسا عذاب ہوتا ہے جسے تمام بہائم سنتے ہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں اسی لئے لوگ اپنے چوپایوں کو یہود، نصاریٰ اور منافقین جیسے اسماعیلیہ، نصیریہ اور قرامطہ کے قبرستان میں لے جاتے ہیں،

گھوڑے ان کے عذاب کو دیکھ کر ایسے ڈرتے ہیں کہ پھر کبھی بھی شوخی نہیں کرتے۔

عبدالحق اشبیلی فرماتے ہیں کہ مجھ سے فقیہ ابوالحکم بن برخان نے جو اہل علم و عمل سے تھے بیان کیا ہے کہ اُن کے شہر اشبیل کے اندر لوگوں نے ایک مردے کو دفن کیا۔ جب دفن سے فارغ ہو گئے تو لوگ ایک طرف بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ایک گھوڑا بھی وہاں چر رہا تھا۔ یکایک وہ گھوڑا قبر کے قریب آیا۔ اور اپنے کانوں کو قبر کی طرف لگایا گویا قبر سے کوئی بات سن رہا ہے پھر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ کئی دفعہ اس نے اس طرح کیا۔ ابوالحکم فرماتے ہیں کہ گھوڑے کی اس حرکت کو دیکھ کر مجھے عذاب قبر یاد آ گیا۔ اور میں نے اس حدیث کو یاد کیا جس میں حضور نے فرمایا ہے کہ اہل قبور کو قبروں میں اس طرح عذاب کیا جاتا ہے جسے بہائم سنتے ہیں۔ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ہم کو شیخ ابوالحکم کتاب مسلم شریف پڑھا کرتے تھے جب دوران قاری اس حدیث پر پہنچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کو قبروں میں ایسا عذاب ہوتا ہے جس کی آواز کو بہائم سنتے ہیں۔ تو انہوں نے اس وقت یہ حکایت سنائی تھی۔

نہاوندی سری کتاب الزہد میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت میرے پاس آئی اور قبر کے عذاب کے بارے میں باتیں کرنے لگی، میں نے اُسے جھوٹا سمجھا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے اس بات کا ذکر حضورؐ سے کیا، آپؐ نے فرمایا اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے، بیشک مردوں کو قبروں میں عذاب کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اُن کی آواز کو بہائم سنتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ قبر کے اندر سوال و جواب کے بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ چنانچہ صحیحین میں براء ابن عازب سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان سے قبر کے اندر سوال کیا جاتا ہے۔ اور وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دیتا ہے، تو یہی اس آیت کریمہ کا مطلب ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت کریمہ قبر کے عذاب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ مردے سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں۔ یہی مضمون خدا کے اس فرمان کا ہے

یثبت اللہ الذین آمنوا الی آخرہ۔ "اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے"

اس حدیث کو اہل سنن و مسانید نے بڑی طوالت کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس حدیث میں جسم کے اندر روح کے لوٹنے کی صراحت کی ہے، اور مردے کی پسلیوں کو ادھر سے اُدھر نکل جانے کا ذکر کیا ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عذاب، روح اور بدن دونوں کے لئے ہے۔

براء ابن عازب کی حدیث کی طرح، قبض روح اور قبر کے سوال و عذاب و ثواب کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ جسے مسند اور صحیح ابن حاتم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردے کو قبر میں دفن کر کے جب لوگ واپس لوٹتے ہیں تو مردہ اُن کی جوتیوں کی آواز کو سنتا ہے۔ اگر مومن ہوتا ہے تو نماز اس کے سرہانے کی جانب اور روزہ اس کے دائیں جانب اور زکوٰۃ بائیں جانب اور باقی تمام نیک کام جیسے صدقہ، خیرات صلہ رحم، اور احسان وغیرہ اس کے پاؤں کی جانب ہوتے ہیں۔ پھر اُس کے سر کی جانب سے عذاب لایا جاتا ہے نماز کہتی ہے۔ میری طرف سے راستہ نہیں ہے۔ پھر دائیں جانب سے لایا جاتا ہے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے راستہ نہیں ہے پھر اس کے پاؤں کی طرف سے لایا جاتا ہے نیک کام یعنی صدقہ، صلہ رحمی اور احسان وغیرہ کہتے ہیں۔ کہ ہماری طرف سے راستہ نہیں ہے۔ پھر اس مردے سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جا۔ اور سورج اُس وقت اسے غروب ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے۔ کہ یہ تمہارے اندر کون شخص تھے ان کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔

تو یہ مردہ کہتا ہے، تم مجھے اتنی مہلت دو کہ میں نماز پڑھ لوں (یعنی عصر کی) کیونکہ وہ وقت کو ختم ہوتے دیکھتا ہے، فرشتے کہتے ہیں نہیں نماز تم بعد میں پڑھتے رہنا پہلے ہمارے سوال کا جواب دے دو، تو پھر وہ جواب دیتا ہے کہ یہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے حق کو لائے، تو پھر اس مردہ سے کہا جاتا ہے کہ اسی پہ تو زندہ رہا اور اسی پہ تیرا انتقال ہوا۔ اور اسی پہ (قیامت کے روز) اٹھے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ پھر اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھ یہ تیرا مقام اور ٹھکانا ہے۔ اور اللہ نے تیرے لئے کیا کیا تیار فرمایا ہے۔ تو وہ آدمی اُن نعمتوں کو دیکھ کر بڑا خوش ہوتا ہے۔ پھر اس کی قبر ستر گز کشادہ کر دی جاتی ہے۔ اور اُسے روشن اور منور کر دیا جاتا ہے، اور اس کے جسم کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔ اور اس کی روح کو جنت کے پرندوں میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ اس آیت کریمہ کا مضمون یہی ہے،

یثبت اللہ الذین آمنوا — اللہ ثابت قدم رکھتا ہے۔ ان لوگوں کو جو ایمان لائے،

اور کافر کے بارے میں اس کے برعکس بیان فرمایا ہے۔ جب کافر کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اُسے اس طرح بھینچتی ہے۔ کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر نکل جاتی ہیں، تو یہی وہ تنگ معیشت ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ ط — اس کے لئے تنگ زندگی ہے اور ہم اُسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

اور صحیحین میں حضرت قتادہ والی حدیث میں حضرت انس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مردے کو جب دفن کر دیا جاتا ہے۔ اور لوگ واپس ہوتے ہیں۔ تو اُن کی جوتیوں کی آواز اسے سنائی دیتی ہے، اور دو فرشتے قریب آکر اسے بٹھاتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتا ہے۔ اگر یہ مومن ہوتا ہے تو یہ جواب دیتا ہے۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اللہ کے رسول اور بندے ہیں، تو فرشتے اس سے کہتے ہیں دیکھ یہ تیرا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے تجھے جنت میں محل عطا فرمایا ہے حضور نے فرمایا ہے کہ وہ آدمی جنت اور دوزخ میں اپنے دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں۔ کہ پھر حضرت انس رضؓ نے ہم سے کہا کہ اس کی قبر میں ستر گز کشادگی کر دی جاتی ہے۔ اور وہ قیامت تک ٹھنڈک اور سرسبزی میں رہتا ہے۔ انس رضؓ فرماتے ہیں۔ اگر یہ مردہ کافر ہوتا ہے تو فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے مجھے خبر نہیں، جو لوگ کہا کرتے تھے وہی میں بھی کہتا ہوں۔ تو فرشتے کہتے ہیں کہ نہ تو نے جانا اور نہ پڑھا، پھر فرشتے اس کی کن پٹی پہ ایک ایسا گرز مارتے ہیں جس کے صدمے سے وہ چیخیں مارتا ہے۔ اور اس کی آواز کو انسانوں اور جنوں کے سوا باقی تمام مخلوق سنتی ہے۔

صحیح ابن حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی دفن کیا جاتا ہے۔ یا فرمایا کہ جب کوئی انسان دفن کیا جاتا ہے۔ تو دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جن کا رنگ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہے۔ وہ اس سے پوچھتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہتا تھا۔ تو جو کچھ یہ کہا کرتا تھا۔ اسے بیان کرتا ہے۔ یعنی اگر مومن ہوتا ہے تو یہ جواب دیتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر فرشتے کہتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے۔ تو یہی کہا کرتا تھا۔ پھر اس کی قبر کو ستر گز کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ روشن کر دی جاتی ہے۔ اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اب سو جا، وہ کہتا ہے۔ میں اپنے اہل و عیال وغیرہ کے پاس جا کر ان کے متعلق بتا آؤں جو کچھ میرے ساتھ گذری ہے۔ فرشتے کہتے ہیں۔ تو اس دولہا کی مانند سو جا جو گھر میں سب سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ تو یہ آدمی پھر قیامت تک سوتا رہتا ہے۔

اور اگر یہ آدمی منافق ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے معلوم نہیں یہ کون ہیں۔ لوگ ان کے متعلق کچھ کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا۔ فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تو یہی کہے گا۔ پھر زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اسے بھینچ لے۔ چنانچہ زمین اسے اتنے زور سے بھینچتی ہے کہ اُس کی ہڈیاں پسلیاں ادھر سے اُدھر نکل جاتی ہیں۔ اور قیامت تک وہ عذاب ہی میں مبتلا رہتا ہے، ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ بدن پر عذاب ہوتا ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت مومن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو فرشتے سفید ریشم لے کر حاضر ہوتے ہیں اور کہتے ہیں اے پاکیزہ روح نکل آ، ایسی حالت میں کہ اللہ تجھ سے راضی ہے۔ اور تو اللہ سے راضی ہے۔ جنت اور اپنے رب کی مہربانی کی طرف آجا تو پھر یہ روح مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتی ہے نکل آتی ہے۔ اور تمام فرشتے ایک دوسرے سے اسے لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ آسمان کے دروازے پر پہنچتے ہیں، آسمان والے فرشتے کہتے ہیں کہ اسکی خوشبو کتنی عمدہ ہے جیسے تم زمین سے لاتے ہو پھر اُس کی روح کو مومنین کی ارواح میں شامل کر دیتے ہیں، مومنین کی روحیں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہیں پھر اس سے پوچھتی ہیں۔

کہ فلان کس حال میں ہے اور فلان کیا کر رہا تھا۔ فرشتے کہتے ہیں کہ اسے اسے مہلت دو اس سے زیادہ سوال نہ کرو۔ کیونکہ یہ بیچارہ ابھی دنیا کے غم سے نجات پا کر آیا ہے۔ پھر یہ آدمی مومنوں کی روحوں سے پوچھتا ہے کہ فلان آدمی تمہارے پاس آیا تھا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تو اپنی ماں ہاویہ جہنم میں گیا۔ اور جب کافر کے مرنے کا وقت قریب آتا ہے تو فرشتے ایک ٹاٹ کا ٹکڑا لے کر اُس کے قریب آتے ہیں اور کہتے ہیں اے خبیث و ملعون روح اللہ کے عذاب کی طرف نکل آ۔ تو وہ گلے سڑے مردار کی بدبو کے ساتھ نکل آتی ہے۔ اور فرشتے اُسے لے کر زمین کے دروازے پر آتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں۔ کہ کیسی بدبودار روح ہے۔ حتیٰ کہ اُسے کافروں کی روحوں میں پہنچا دیتے ہیں

اسے نسائی اور بزار نے مختصر طور پر روایت کیا ہے۔ اور ابو حاتم نے اپنی صحیح میں اسے اسی طرح بیان کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا جب مومن کی وفات کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے اس کے قریب آتے ہیں اور روح قبض کرنے کے بعد اس روح کو سفید ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر آسمان کے دروازے پر لے جاتے ہیں، آسمان کے فرشتے کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ اچھی خوشبو ہم نے کبھی نہیں سونگھی پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ فلاں مرد کیسی حالت میں ہے۔ اور فلاں عورت کس حالت میں ہے۔ تو جواب دیا جاتا ہے کہ ابھی اسے تکلیف نہ دو۔ اسے تھوڑی دیر آرام کر لینے دو، کیونکہ یہ ابھی ابھی دنیا کے غموں سے چھٹکارا پا کر آ رہا ہے۔ اور کافر کی روح کو جب قبض کیا جاتا ہے تو فرشتے اسے زمین کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو زمین کے فرشتے کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ گندی بو ہم نے کبھی نہیں سونگھی پھر اسے سب سے نیچے کی زمین میں لے جاتے ہیں)

نسائی نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ (سعد بن معاذ) وہ آدمی ہیں۔ جن کی وفات کے سبب عرش نے جنبش کی ہے اور آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ستر ہزار فرشتے ان کے لئے نازل ہوئے ہیں، زمین نے پہلے انہیں بھینچا اور پھر کشادہ ہو گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قبر کے لئے ضغطہ ہے۔ اگر کسی نے اس سے چھٹکارا پایا ہے تو سعد بن معاذ نے چھٹکارا پایا ہے۔ اسے شعبہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اور نہاد بن سری نے سند کے ساتھ ابن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا قبر کے ضغطہ سے کسی نے بھی نجات نہیں پائی مگر جن کے اعمال دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے۔ اس سے اچھے تھے۔

کہتے ہیں نافع سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے۔ کہ

سعد بن معاذ کے جنازے میں ایسے ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے جو زمین پر کبھی نہیں اترے، اور مجھے یہ بات بھی پہنچی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تمہارے ساتھی یعنی سعد بن معاذ کو قبر نے بھینچا ہے۔

علی بن معبد فرماتے ہیں ہمیں نافع سے یہ روایت پہنچی ہے۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ ہم صفیہ بنت ابی عبید اللہ بن عمر کی بیوی کے پاس گئے۔ وہ اس وقت گھبرائی ہوئی تھیں۔ ہم نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا، میں ابھی ابھی حضور کی بعض ازواج مطہرات کے ہاں سے آرہی ہوں۔ انہوں نے مجھے بتایا ہے۔ کہ حضور نے فرمایا۔ میرا خیال تھا کہ عذاب قبر سے اگر کوئی چھٹکارا پائے گا۔ تو سعد بن معاذ پائے گا۔ مگر سعد کو بھی قبر نے ایک بار بھینچا ہے۔

زاذان بن عمرو سے مروی ہے فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے اپنی ایک صاحبزادی کو دفن فرمایا۔ پھر اُس کی قبر پہ بیٹھے رہے۔ پہلے آپ کا چہرہ متغیر ہوا۔ پھر وہ تغیر جاتا رہا، صحابہ نے عرض کیا یا حضرتؐ ہم نے ابھی آپ کے چہرے کو متغیر پایا پھر وہ تغیر جاتا رہا۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنی بیٹی کی کمزوری ضعف اور عذاب قبر کا خیال آیا۔ جس سے میرا چہرہ متغیر ہو گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اللہ نے میری بیٹی پہ کشادگی فرمائی، قسم ہے خدا کی، اُسے ایسا بھینچا گیا تھا۔ جس کی آواز مشرق و مغرب کی ساری مخلوق نے سنی

ہمیں سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے روایت پہنچی ہے۔ ایک شخص یہ بھی کہتا ہے۔ میں ان کے پاس تھا۔ کہ ایک بچہ کا جنازہ ان کے سامنے سے گذرا، اُسے دیکھ کر حضرت عائشہ رضؓ روئیں، میں نے عرض کی ام المومنین آپ کیوں روتی ہیں۔ آپؓ نے فرمایا۔ میں نیا ربہ شفقت کے اس بچہ پہ روتی ہوں۔ کہ اُسے قبر بھینچے گی۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ تمام باتیں جسم پہ روح کے واسطے سے ہیں۔

فصل نمبر ۱۲

عذاب قبر جس طرح کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح اہل سنت کے مابین متفق علیہ بھی ہے

حرضدی کہتے ہیں۔ ابو عبداللہ کا قول ہے کہ قبر کا عذاب برحق ہے۔ اس کا انکار سوائے گمراہ اور لوگوں کو گمراہ کرنے والے کے کوئی نہیں کرتا،

امام حنبل فرماتے ہیں۔ عذاب قبر کے بارے میں، میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ اور ہم ان پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں۔ کہ یہ ساری کی ساری قوی اسناد سے ثابت ہیں۔ اگر ہم ان پر ایمان نہ لائیں، ان کا اقرار نہ کریں تو گویا ہم نے اُن احکام کا اقرار نہ کیا۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لائے، اور ہم نے انہیں رد کر دیا۔ گویا خدا کے حکم کو نہیں مانا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

وما آتاکم الرسول فخذوہ ط جو کچھ رسول لایا اُسے لے لو۔

میں نے ان لوگوں سے پوچھا کیا قبر کا عذاب برحق ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں حق ہے۔ مُردوں کو قبروں میں عذاب کیا جاتا ہے۔

فرمایا میں نے ابو عبداللہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے۔ ہم قبر کے عذاب اور منکر نکیر پر ایمان لاتے ہیں، اور اس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ آدمی سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے۔ مومنوں کو اللہ تعالےٰ قول ثابت یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کے ساتھ دنیا و آخرت میں ثابت رکھتا ہے۔

احمد بن قاسم فرماتے ہیں میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا، کیا آپ منکر و نکیر اور قبر کے عذاب کے بارے میں جو روایتیں آئی ہیں آپ اُن پر ایمان رکھتے ہیں، انہوں

نے جواب دیا سبحان اللہ ہم اُن کا اقرار کیوں نہ کرینگے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث میں منکر نکیر فرشتوں کے نام نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں احادیث میں یہی نام آئے ہیں۔ وہ گمراہ اور بدعتی لوگ جو ایمان صحیح سے بالکل خارج ہیں کچھ اور ہی کہتے ہیں۔ مثلاً ابو الہذیل اور مریسی کہتے ہیں۔ کہ مردے کو بین النفختین[1] عذاب ہوگا۔ اور اسی وقت قبر میں بھی سوال ہوگا۔ جہمی اس کے منکر اور بلخی نے قبر کے عذاب کو کافروں اور فاسقوں کے لئے ثابت کیا ہے۔ اور اپنے اصول کے مطابق مومنوں سے اس کی نفی کی ہے۔ بہت سے معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے فرشتوں کے نام منکر نکیر رکھنا جائز نہیں ہے۔ منکر تو انسان کی اس حالت کو کہتے ہیں۔ جو سوال کے وقت ظاہر ہوتی ہے اور نکیر نام ہے فرشتوں کے اسے ڈرانے اور بے چین کرنے کا۔ صالحی اس بات کا قائل ہے کہ قبر کا عذاب مومن کو بغیر اس کی روح کے جسم میں لوٹانے کے ہوتا ہے، اور مردے کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ بغیر روح کے اُسے حس اور الم وغیرہ ہو، اور ہر بات کو وہ جان سکے، یہی قول کرامیہ کی ایک جماعت کا ہے۔

بعض معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ مردوں کو ان کی قبروں میں عذاب کرتا ہے۔ اور طرح طرح کے آلام اور تکلیفیں اُن کے لئے پیدا کرتا ہے اور مُردوں کو اُن تکالیف کا کچھ بھی شعور نہیں ہوتا، پھر حشر کے روز جب مردے اٹھیں گے تو اُس وقت وہ تکلیفیں انہیں معلوم ہونگی یہ لوگ کہتے ہیں کہ قبر کے اندر مردوں کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی بے ہوش یا نشے والا آدمی کہ اگر اسے مارا جائے یا کوئی تکلیف پہنچائی جائے تو اسے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی لیکن جب ہوش میں آتا ہے تو پھر اُسے وہ تمام تکلیفیں محسوس ہوتی ہیں۔ ان گمراہ اور اہل بدعت کی ایک جماعت تو سرے سے عذاب قبر کو مانتی ہی نہیں۔ جیسے خوارج

---

[1] صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا ایک دفعہ مارنے کے لئے اور دوسری دفعہ جلانے کیلئے نفختین سے یہی مراد ہے

عمرو اور یحییٰ بن کامل وغیرہ۔ اور اسی کا قائل مریسی ہے تو یہ تمام اقوال اہل گمراہی کے ہیں

فصل نمبر ۱۳

"اس بات کا جاننا بھی لازمی ہے کہ قبر کا عذاب، عذاب برزخ ہے"

جو بھی مرے گا اگر وہ اس عذاب کا مستحق ہوگا تو اسے یہ عذاب ہوگا چاہے وہ قبر میں دفن ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ مثلاً کسی آدمی کو درندہ کھا گیا، یا آگ میں جل کر راکھ ہو گیا، اور وہ راکھ ہوا میں اڑ گئی، یا اسے سولی دی گئی۔ اور وہ وہیں سولی پہ ہی سوکھ گیا۔ یا دریا وغیرہ میں ڈوب مرا، یا کسی دوسرے طریقے سے مر گیا۔ تو ان تمام صورتوں میں اس کی روح اور بدن کو وہی عذاب ہوتا ہے جو اہل قبور کو ان کی قبروں میں ہوتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت سمرہ بن جندب سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز (صبح) پڑھ کر ہماری طرف متوجہ ہوتے اور دریافت فرماتے آج رات تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ اگر کوئی آدمی دیکھتا تو وہ حضورؐ سے عرض کر دیتا۔ پھر جس طرح حضور مناسب سمجھتے اس کی تعبیر بیان فرماتے حسب معمول ایک دن آپؐ نے ہم سے پوچھا، ہم نے جواب دیا کہ حضورؐ ہم میں سے کسی نے آج کوئی خواب نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا آج میں نے ایک خواب دیکھا ہے گویا دو آدمی میرے پاس آئے۔ اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے زمین مقدس میں لے گئے، وہاں میں نے ایک آدمی کو بیٹھے ہوئے دیکھا، اور ایک آدمی لوہے کا آنکڑا ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑا ہے۔ وہ اس بیٹھنے والے کے جبڑے میں اسے ڈال کر گدی تک چیر ڈالتا تھا، پھر اسی طرح دوسرے جبڑے کو چیرتا تھا، اس دوران

میں پہلا جبڑا درست ہو جاتا تھا - پھر وہ چیرتا اور دوسرا جبڑا درست ہو جاتا تھا۔
میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے پوچھا یہ کون آدمی ہے۔ انہوں نے کہا آگے
چلئے ہم آگے روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ ہم ایک آدمی کے قریب پہنچے جو گدی کے بل
پڑا ہوا تھا اور ایک آدمی اس کے سر پہ متھوڑا یا بہت بڑا پتھر لئے کھڑا تھا
وہ اُسے اس کے سر پہ دے مارتا تھا جس سے اُس کا سر پھٹ جاتا تھا۔ حضورؐ فرماتے
ہیں میں نے اپنے مصاحبوں سے دریافت کیا۔ یہ کون شخص ہے انہوں نے کہا آگے چلئے
. . . . . ہم آگے چلے، حتیٰ کہ ایک گڑھے کے پاس جو مثل نقب یا تنور کے تھا
پہنچے اُس کا منہ تنگ اور اندر سے بہت وسیع تھا۔ اور آگ اُس کے اندر شعلے
مار رہی تھی - اور برہنہ مرد اور عورتیں اس کے اندر جل رہے تھے۔ جب کبھی
آگ کا شعلہ اس کے منہ سے باہر نکلتا تھا - تو یہ لوگ بھی اس کے ساتھ اوپر کو
آجاتے تھے، اور جب شعلہ اندر چلا جاتا یہ بھی اس کے ساتھ تہہ میں چلے جاتے
تھے۔ میں نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا۔ یہ کون لوگ ہیں انہوں نے کہا آگے
چلئے تو ہم آگے گئے۔ حتیٰ کہ خون کی ایک نہر پہ پہنچے۔ دیکھا ایک آدمی بہت سارے
پتھر لئے ہوئے کنارے پہ کھڑا ہے۔ اور ایک آدمی نہر میں تیر رہا ہے۔ جب وہ
کنارہ کی طرف آتا ہے اور باہر نکلنا چاہتا ہے تو یہ اُسے پتھر مار کر ہٹا دیتا، پھر
وہ نہر کے وسط میں چلا جاتا اور جب بھی یہ کنارے کی طرف آتا تو اسی طرح
ہوتا۔ میں نے دریافت کیا یہ کون آدمی ہے؟ تو میرے مصاحبوں نے کہا آگے چلئے
ہم آگے چلے حتیٰ کہ ایک سرسبز و شاداب باغ کے قریب پہنچے۔ وہاں ایک
بہت بڑا درخت دیکھا جس کی جڑ کے قریب ایک پیر مرد تھا - اور اس کے گرد بہت
سے بچے بیٹھے تھے۔ درخت کے قریب ایک آدمی اپنے آگے آگ جلا رہا تھا میرے
دونوں مصاحب مجھے لے کر اس درخت پر چڑھے اور مجھے ایک ایسے محل میں لے گئے
جس سے بہتر اور خوشنما محل میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا - اس کے اندر بہت
سے بوڑھے اور جوان مرد جمع تھے۔ پھر میرے مصاحب مجھے لے کر اوپر چڑھے

اور اس پہلے محل سے بھی بہت اچھا بہتر محل میں لے گئے۔ جس سے خوبصورت کوئی محل نہ ہوگا میں نے اس وقت اپنے مصاحبوں سے کہا آج رات تم نے مجھے خوب پھرایا۔ اب یہ بتاؤ کہ یہ کیا کچھ میری نظروں سے گذرا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا، ہم بیان کرتے ہیں۔ جس آدمی کو آپ نے دیکھا تھا۔ کہ اس کے جبڑے چیرے جا رہے تھے۔ وہ جھوٹ بولنے والا تھا، جو ایک جھوٹی روایت بیان کرتا تھا۔ وہ روایت تمام دنیا میں اس سے نقل کی جاتی تھی۔ تو یہ آدمی قیامت تک اسی عذاب میں مبتلا رہیگا۔ اور جس آدمی کو آپ نے دیکھا تھا کہ اس کا سر پتھر سے پھوڑا جا رہا ہے۔ یہ وہ آدمی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا تو اس آدمی نے نہ رات کو اسے پڑھا اور نہ دن کو اس پر عمل کیا، قیامت تک اس آدمی پر یہی عذاب رہیگا، اور جن عورتوں اور مردوں کو آپ نے تنور میں جلتے ہوئے دیکھا تھا وہ زناکار مرد اور عورتیں ہیں۔ اور جس آدمی کو آپ نے خون کی نہر میں غوطے مارتے ہوئے دیکھا وہ سود خوار ہے اور وہ پیر مرد جو درخت کی جڑ کے قریب تشریف فرما تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور جو بچے ان کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ وہ مومن لوگوں کی اولاد ہے۔ اور جو آدمی آگ جلا رہا تھا۔ وہ جہنم کا داروغہ تھا، اور پہلا محل جو آپ نے دیکھا۔ وہ عام مسلمانوں کا محل ہے۔ اور یہ شہداء کا محل ہے، میں جبرائیل ہوں اور میرے ساتھ میکائیل ہیں۔ پھر انہوں نے مجھے کہا ذرا اپنا سر بلند کیجئے۔ میں نے اپنا سر بلند کیا تو میں نے ابر کی مانند ایک بہت بلند محل دیکھا۔ انہوں نے کہا یہ محل خاص کر آپ کی ذات بابرکات کے لئے ہے، میں نے ان سے کہا اگر تم مجھے کچھ مہلت دو تو میں محل دیکھ آؤں۔ انہوں نے کہا ابھی آپ کی عمر باقی ہے۔ جسے آپ نے پورا نہیں کیا جب آپ اسے پورا کر لیں گے تو پھر اس محل میں داخل ہونگے۔

یہ حدیث برزخ کے عذاب کے بارے میں نص صریح ہے، کیونکہ انبیائے کرام کا خواب وحی اور نفس الامر کے بالکل مطابق ہوتا ہے۔ طحاوی نے حضرت

ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے ایک بندے کو حکم کیا گیا۔ کہ اُسے سو کوڑے مارے جائیں، اور یہ بندہ اللہ سے معافی اور تخفیف کی دعا کرتا رہا۔ حتیٰ کہ سو کوڑوں میں سے ننانوے اسے معاف کر دیئے گئے۔ صرف ایک کوڑا اُس پر رہ گیا، جب وہ ایک کوڑا اسے لگا۔ تو اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ جب یہ عذاب اُس سے اٹھا لیا گیا۔ تو اُس نے پوچھا یہ کوڑا مجھے کس جرم کی پاداش میں لگایا گیا ہے، فرشتوں نے جواب دیا کہ تو نے ایک دفعہ بغیر وضو کے نماز پڑھی تھی۔ اور ایک مظلوم کے پاس سے تو گذرا تھا۔ لیکن تو نے اُس کی مدد نہ کی تھی۔

بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ:۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ	"پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے
لیلاً ط	کو رات کے وقت"

کے متعلق فرمایا۔ میرے پاس ایک گھوڑا لایا گیا۔ میں اُس پر سوار ہوا۔ تو گھوڑا اپنا قدم وہاں رکھتا تھا جہاں اس کی نظر کی انتہا ہوتی تھی، پھر میں روانہ ہوا اور جبرائیل میرے ہمرکاب تھے، میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرا۔ جو روز کھیتی بوتے تھے۔ اور روز ہی اُسے کاٹتے تھے، جب اٹھاتے تھے۔ تو پھر وہ کھیتی ویسی ہی تیار ہو جاتی تھی، حضورؐ نے جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں، جبرائیل نے عرض کیا کہ یہ خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والے لوگ ہیں، جن کی نیکیاں سات سو گنا زیادہ ہوتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی شان میں فرماتے ہیں

وَمَا انفقتم من شیئٍ فھو یخلفہٗ	"جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ ملے گا۔ اور
وھو خیر الرازقین ط	وہ بہترین رازق ہے"

پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے۔ جن کے سروں کو پتھروں سے پھوڑا

جارہا تھا۔ جب وہ پھوڑے جلتے تو پھر ٹھیک ہو جاتے تھے۔ یہی عذاب اُن پر ہو رہا تھا، ایک پل بھر کے لئے بھی موقوف نہ ہوتا تھا، آپؐ نے جبرائیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں، انہوں نے عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے سر نماز کے ادا کرنے سے بوجھل ہو گئے تھے۔ پھر آپ ایک ایسی قوم پر تشریف لائے جن کے چہروں اور سرینوں پر دھبے تھے۔ اور چوپایوں کی مانند خصوصاً، ضریع، اور پتھر وغیرہ جہنم کی چیزیں کھاتے پھرتے تھے، حضورؐ نے دریافت فرمایا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دیا کرتے تھے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا ہے، اور نہ اللہ تعالےٰ بندوں پر ظلم کرنے والا ہے۔ پھر حضورؐ ایسے لوگوں کے پاس سے گذرے جن کے آگے ایک طرف تو نہایت عمدہ گوشت اور دوسری طرف سڑا ہوا گوشت رکھا تھا۔ یہ لوگ عمدہ گوشت کو چھوڑ کر سڑے ہوئے گوشت کو کھاتے تھے۔ آپؐ نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں۔ جبرائیل نے عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی پاکیزہ بیویوں کو چھوڑ کر خبیث عورتوں کے پاس رات گذارتے تھے۔ پھر آپؐ ایک لکڑی کے قریب سے گذرے جو راستے میں پڑی ہوئی تھی، جو آدمی بھی اس کے پاس سے گذرتا تھا۔ وہ اُس کو زخمی کر دیتی تھی۔ فرمایا یہ وہ آدمی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا

ولا تقعدوا بکل صراط توعدون — اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے ہر
وتصدون عن سبیل اللہ ط — راہ میں نہ بیٹھو۔

پھر ایک آدمی کے پاس سے گذرے جس نے اتنی لکڑیاں اکٹھی کر رکھی تھیں۔ جنہیں وہ اٹھا نہ سکتا تھا اور پھر اور بوجھ بڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کون شخص ہے۔ جبرائیل نے جواب دیا وہ آدمی ہے جس کے پاس بہت ساری امانتیں تھیں۔ جنہیں وہ ادا نہیں کر سکتا تھا، اور پھر مزید امانتیں لینا چاہتا تھا، پھر آپؐ ایک ایسی قوم پر آئے جن کے لوہے کے

جبڑے قینچی سے چیرے جا رہے تھے۔ اور پھر ٹھیک ہو جاتے تھے۔ یہ عذاب برابر اُن پر ہو رہا تھا اور گھڑی بھر کے لئے بھی موقوف نہیں ہوتا تھا۔ آپؐ نے جبرائیل سے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا حضورؐ یہ فتنہ برپا کرنے کے لئے خطبہ پڑھنے والے ہیں، پھر آپؐ ایک چھوٹے سے پتھر کے قریب تشریف لائے۔ اس سے عظیم الشان نور پھوٹ رہا تھا۔ پھر وہ نور اس کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا لیکن داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے جبرئیل یہ کیا ہے، عرض کی کہ حضورؐ یہ وہ آدمی ہے۔ جو کسی بات کو کہتا تھا۔ پھر اُس پر نادم ہوتا تھا۔ اور اسے واپس لینا چاہتا تھا۔ مگر واپس نہ لے سکتا تھا۔

بیہقی نے حدیث اسراء کو حضرت ابو سعید خدری سے اس طرح روایت کیا ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور جبرائیل اوپر گئے۔ جبرائیل نے آسمان کا دروازہ کھلوایا تو میں نے یکایک حضرت آدمؑ کو اسی صورت اور شکل میں دیکھا جس صورت میں اللہ تعالےٰ نے انہیں پیدا فرمایا تھا، اُن کی اولاد کی ارواح اُن کے پاس آتی ہیں تو وہ مومن کی روح کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ روح پاکیزہ ہے اسے علیین میں لے جاؤ، اور کافر کی روح کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ خبیث روح ہے اسے سجین میں پہنچاؤ۔ پھر تھوڑی دور آگے گیا تھا۔ کہ کچھ خوان عمدہ گوشت سے بھرے ہوئے دیکھے۔ کوئی آدمی بھی اُن کے پاس نہ تھا، اور کچھ خوان سڑے ہوئے بدبودار گوشت سے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ اور لوگ انہیں کھا رہے تھے، میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں، جبرائیل نے کہا کہ حضورؐ یہ وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کے پاس جاتے تھے، حضورؐ نے فرمایا پھر تھوڑی دور آگے چلا تو ایسے لوگوں کو دیکھا۔ جن کے پیٹ عظیم الشان مکانوں کی مانند بڑے بڑے تھے۔ جب اُن میں سے کوئی اٹھنا چاہتا تو فوراً گر پڑتا تھا اور کہتا۔ اے اللہ قیامت کو قائم نہ کرنا، فرمایا یہ لوگ انہیں روندتے تھے اور یہ لوگ چیخیں مارتے تھے، میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں۔ جبرائیل نے کہا

حضورؐ یہ لوگ سود خوار ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔
لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ نہیں کھڑے ہوں گے۔ مگر جیسے آسیب
الشیطان من المس ط زدہ کھڑا ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ پھر میں تھوڑی دور آگے گیا تو ایک ایسی قوم کو دیکھا جن کے پاؤں اونٹوں کے پاؤں کی طرح تھے۔ اُن کے لبوں کو کھول کر ان میں جلتے ہوئے انگاروں کو ڈالا جاتا تھا۔ اور وہ اُن کے نیچے سے نکل جاتے تھے، وہ لوگ بہت چیختے مارتے تھے اور شور کرتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں۔ کہا حضورؐ یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے تھے۔ پھر میں تھوڑی دور آگے گیا تو ایسی عورتوں کو دیکھا جن کے پستانوں کو باندھ کر لٹکایا گیا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل نے کہا حضورؐ یہ زانیہ عورتیں ہیں، پھر میں تھوڑی دور آگے گیا تو میں نے ایسے لوگ دیکھے جن کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر اُن کے آگے رکھا جاتا تھا اور اُن سے کہا جاتا تھا کھاؤ جیسا کہ تم اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں۔ کہا حضورؐ یہ آپ کی امت میں سے غیبت کرنے والے لوگ ہیں، آگے حدیث کو بڑی طوالت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ابو داؤد میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شب معراج میں، میں ایک ایسی قوم پر گذرا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ اور وہ اُن سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، میں نے دریافت کیا، اے جبرائیلؑ یہ کون لوگ ہیں۔ کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے۔ یعنی غیبت کرتے تھے۔ اور لوگوں کی بے عزتی میں کوشش کرتے تھے۔

ابو داؤد طیالسی اپنی مسند میں سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے آپ نے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں

بلکہ ایک تو ان میں سے لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا، اور دوسرا چغل خور تھا، پھر آپ نے کھجور کی تر ٹہنی منگائی اور اُس کے دو حصے کر کے دونوں قبروں پر ایک ایک حصے کو لگا دیا۔ فرمایا جب تک یہ خشک نہ ہو جائیں گی۔ ان کے عذاب میں تخفیف رہیگی۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے آیا یہ دونوں کافر تھے۔ یا مسلمان بعض کہتے ہیں کہ یہ کافر تھے، اور حضورؐ نے جو یہ فرمایا ہے کہ انہیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بہ نسبت کفر و شرک کے فرمایا ہے، یہ لوگ یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ ان سے بالکل عذاب دفع نہیں ہوا۔ بلکہ اس میں قدرے تخفیف ہو گئی اور یہ تخفیف بھی صرف اس وقت کے لئے تھی۔ جب تک کہ وہ شاخیں خشک نہ ہوں۔ اگر وہ دونوں مومن ہوتے تو آپؐ ضرور ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے اور شفاعت فرماتے، آپؐ کی شفاعت کی بدولت عذاب ان سے بالکل دفع ہو جاتا۔

حدیث کے بعض طرق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ دونوں کافر تھے۔ اور یہ عذاب اُن پر کفر کے عذاب کے علاوہ تھا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے۔ کہ کافر کو اس کے کفر کا اور گناہوں کا سب کا عذاب ہوتا ہے، اور اسی قول کو ابو الحکم بن برخان نے انتیار کیا ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ دونوں آدمی مسلمان تھے۔ کیونکہ حضورؐ علیہ السلام نے ان کے عذاب کا وہ سبب بیان فرمایا ہے۔ جو کفر و شرک اور کبیرہ دونوں سے علاوہ ہے۔ اور فرمایا کہ ان کو کسی گناہ کبیرہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ اور کفر و شرک تو کبیرہ سے بھی بڑھ کر ہیں۔ اور یہ بات کوئی ضروری و لازمی نہیں ہے کہ حضورؐ ہر مسلمان کی جسے قبر میں اس کے جرم کی بنا پر عذاب ہو رہا ہو شفاعت فرمائیں۔ دیکھئے ایک آدمی جہاد کے اندر شہید ہوا تھا۔ اور ایک کو شملہ کے چرانے کی وجہ سے قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔ حالانکہ یہ آدمی مسلمان اور مجاہد تھا۔

نقصہ کوتاہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ دونوں کافر تھے، اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ کسی راوی کا قول ہے اور ابو عبداللہ قرطبی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے

فصل نمبر ۱۴

ساتواں مسئلہ ملحدین کے جواب میں ہے

کوئی سائل پوچھتا ہے کہ زنادقہ، ملحدین اور اُن لوگوں کو ہم کیا جواب دیں جو قبر کے عذاب اور اُس کی تنگی و کشادگی، اور جہنم کا ایک گڑھا ہونے۔ جنت کے ایک باغیچہ وغیرہ ہونے کے منکر ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مردے کو قبر میں بٹھایا نہیں جاتا۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ جس وقت ہم قبر کو کھول کر دیکھتے ہیں تو ہمیں کوئی فرشتہ دکھائی نہیں دیتا کہ وہ مردے کو لوہے کے گرزوں سے مار رہا ہو۔ اور نہ ہی ہم قبر کے اندر کسی آگ کو دیکھتے ہیں۔ نہ مردہ کی حالت متغیر ہوتی ہے۔ نہ ہی وہاں آگ جلتی معلوم ہوتی ہے، اگر ہم مردہ کی آنکھ میں پارہ اور اس کے سینے پر رائی کا دانہ رکھ دیں تو وہ اسی صورت سے رکھا رہے گا۔ اس میں کچھ تغیر نہیں ہوگا۔ پھر کس طرح منتہائے نظر تک کشادگی ہو جاتی ہے۔ اور تنگی ہوتی ہے۔ حالانکہ ہم اگر قبر کی پیمائش کریں تو ہم اسے اتنی ہی مقدار میں پائیں جس میں ہم نے اسے کھودا تھا پھر کیونکر تنگ لحد کشادہ ہو جاتی ہے۔ اور فرشتوں کے لئے اس میں گنجائش ہو جاتی ہے، اور وہ اچھی یا ڈراؤنی شکل اسے کہاں سے دکھائی دیتی ہے۔ ان کے بعض گمراہ اور بدعتی بھائی یہ کہتے ہیں کہ جو حدیث حس اور مقتضائے عقل کے منافی ہے۔ وہ مقبول نہیں ہے، اور یہ لوگ یہ بھی

کہتے ہیں کہ ہم پھانسی والے کو تختہ دار پر ایک مدت تک لٹکتا ہوا دیکھتے ہیں۔ لیکن کبھی اسے سوال و جواب کرتے نہیں دیکھتے اور نہ ہی اسے کبھی کوئی حرکت کرتے دیکھتے ہیں، اسی طرح جس آدمی کو درندے، چیل اور کوّے کھا لیتے ہیں۔ یا جو مچھلیوں کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ اس کے متفرق اجزاء پر کیسے عذاب ہوتا ہے، اور منکر و نکیر کا سوال اس سے کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح قبر دوزخ کا گڑھا یا جنت کا باغیچہ ہو سکتی ہے۔ اور کس طرح قبر اسے بھینچ سکتی ہے۔ کہ اس کی پسلیاں ادھر سے اُدھر نکل جائیں۔ ہم اس مسئلہ کے بارے میں چند امور بیان کرتے ہیں۔ جس سے اس کا جواب واضح ہو جائے گا۔

امر اوّل پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ انبیائے کرام و مرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین نے کسی ایسی بات کی خبر نہیں دی۔ جس کو عقلیں محال سمجھیں بلکہ جن باتوں کے متعلق انہوں نے بتایا ہے وہ دو قسم کی ہیں ایک تو وہ جسے عقل نے قبول کیا، اور اس کی شہادت بھی دی ہے۔ اور دوسری قسم میں وہ باتیں ہیں جن کا عقل ادراک نہیں کر سکتی۔ جس طرح وہ غیب کی خبریں جو عذاب، ثواب برزخ، اور آخرت کے بارے میں ہیں یہ خبریں عقل کے نزدیک اصلاً محال نہیں ہیں

جس خبر کے متعلق یہ سوچا جائے کہ عقل اسے محال سمجھتی ہے۔ تو وہ دو باتوں سے خالی نہیں ہو گی، یا تو وہ خبر جھوٹی ہو گی یا وہ عقل۔ جس نے اس کو محال خیال کیا ہے فاسد ہو گی، اسے شبہ خیالیہ کہتے ہیں۔ شبہ کرنے والا خیال کرتا ہے کہ یہ صریح معقول ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ویری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیک من ربک ھو الحق ویھدی الی صراط العزیز الحمید ط	اور اہل علم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ وہ حق ہے اور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

افمن یعلم انما انزل الیک من ربک الحق کمن ھو اعمیٰ ط	جو آدمی جانتا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے جو چیز تم پہ نازل ہوئی ہے۔ وہ حق ہے۔ تو کیا یہ (آدمی) اس کی مانند ہے جو اندھا ہے"۔

اور فرمایا ہے:۔

الذین اٰتینٰھم الکتاب یفرحون بما انزل الیک ومن الاحزاب من ینکر بعضہ ط	جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اس چیز سے خوش ہوتے ہیں جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور بعض جماعتیں اس میں سے بعض کا انکار کرتی ہیں۔

بشری نفوس محال کے ساتھ خوش نہیں ہوتے۔ اور فرمایا ہے:۔

یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور لا وھدی ورحمۃ للمؤمنین ط قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا ط	اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آگئی ہے۔ اور شفاء امراض قلب کی اور ہدایت اور مومنوں کے لئے رحمت فرمادیجئے۔ اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت سے اس کے ساتھ خوش ہوں"

اور محال نہ شفا کرتا ہے نہ اس سے ہدایت و رحمت حاصل ہوتی ہے اور نہ اس سے خوشی پیدا ہوتی ہے۔ تو اس قسم کا خیال اس آدمی کا ہو سکتا ہے۔ جس کے دل کے اندر منیر نے جگہ پکڑی ہے۔ نہ ہی اس کا قدم اسلام پہ ثابت ہوا ہے۔ اس کی حالت حیرت و شک کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور وہ اسی حالت کو اچھا سمجھتا ہے۔

فصل نمبر ۱۵

دوسرا امر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو بالکل اسی مراد کے موافق سمجھنا چاہیئے جس مراد کے لئے آپ نے فرمایا ہے

آپ کے کلام کو اُن معنوں پر ہرگز محمول نہیں کرنا چاہیئے جس کا وہ احتمال نہ رکھتا ہو اور جو قصد اس سے ہدایت کا کیا گیا ہے۔ اس کے اندر کمی واقع نہ ہو۔ یقیناً انہیں امور میں اہمال اور سستی سے اتنی گمراہی اور کجروی پیدا ہوئی ہے جس کا اندازہ اللہ تعالےٰ ہی کر سکتا ہے۔ بلکہ حقیقتاً اگر دیکھا جائے تو کلام رسول میں بدگمانی اور سوئے فہمی کرنا۔ ہر اُس بدعت اور گمراہی کا جزو ہے جو اسلام میں پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ یہ اصول و فروع میں بھی ضلالت کی بنیاد ہے۔ خاص کر جبکہ اُس کے ساتھ سوئے قصد کا بھی اضافہ کیا جائے۔ بعض اشیاء میں مقتدا متبوع کی جانب سے باوجود حسن قصد کے سوئے فہم واقع ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کے تابع و مقلد سے سوءِ قصد و فہم واقع ہوتا ہے۔ خدا دین اور دین داروں پر رحم فرمائے۔ اور اُن کی امداد فرمائے۔

قدریہ، مُرجئہ، خوارج، معتزلہ، جہمیہ، رافضیہ اور تمام بدعتی گروہوں نے، ایسی ہی کج فہمیاں خدا اور رسول کی طرف سے دین میں داخل کر دی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ لوگوں کے اندر ان بدفہمیوں کا موجب ہوئے ہیں۔ دین کے بارے میں جو فہم صحابہ کرام اور تابعین کی تھی۔ ان کی طرف یہ لوگ بالکل دھیان نہیں دیتے اور نہ سر اٹھا کر اُسے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کی تفصیل میں پڑیں تو دس ہزار جلدیں بھی اس کے لئے کافی نہ ہوں، اگر آپ ان لوگوں کی کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو اول سے لیکر آخر تک یہ ایک

سکیگے بھی ایسی نہیں پائیں گے۔ جہاں آپ یہ خیال کر سکیں کہ اس کتاب کا مصنف خدا اور رسول کے کلام کو اُن کی مراد کے موافق سمجھا ہے اس حقیقت کو ان لوگوں نے اچھی طرح سمجھا ہے۔ جنہوں نے مختلف لوگوں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ اور جس شخص نے یہ تحقیق نہیں کی۔ بلکہ کسی آدمی کو نیک جان کر اُس کا مقلد ہو گیا ہے تو آپ اسے اُس کی تقلید پر۔ رہنے دیجئے اور اللہ کا شکر ادا کیجئے۔ جس نے آپ کو اس بلا سے محفوظ رکھا۔ جس میں اس مقلد کو مبتلا کر دیا ہے

فصل نمبر ۱۶

تیسرا امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین مقام بنائے ہیں۔ دارِ دنیا،

دارِ برزخ اور دارالقرار

اور ان تینوں مقاموں کے واسطے مخصوص احکام صادر فرمائے۔ اِس انسان کو بدن و نفس سے مرکب بنایا ہے۔ مقامِ دنیا کے احکام بدن پر اور بواسطہ بدن کے روح پر جاری فرمائے ہیں۔ اسی لئے احکام شرعیہ اُن حرکات پر مرتب ہوتے ہیں۔ جو زبان اور روح سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگرچہ دلوں کے اندر اُس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اور برزخ کے احکام اللہ تعالیٰ نے روح پر اور روح کی تبعیت میں بدن پر بھی صادر فرمائے ہیں۔ تو جس طرح دنیا کے احکاموں میں روحیں بدنوں کے تابع ہیں۔ یعنی بدنوں کے دردمند ہونے سے روحیں دردمند ہوتی ہیں۔ اور بدنوں کے خوش رہنے سے روحیں بھی خوش رہتی ہیں۔ اسی طرح برزخ کے احکاموں میں بدن روحوں کے تابع ہوتے ہیں اُن کے خوش ہونے سے یہ بھی خوش رہتے ہیں۔ اور اُن کے دردمند ہونے کی وجہ

سے یہ بھی درمیانہ ہوتے ہیں۔ دنیا کے اندر بدن ظاہر اور روحیں مخفی ہیں، اور بدن ایسے ہیں۔ جیسے روح کی قبر، اور مقام برزخ میں روحیں ظاہر ہیں اور بدن مخفی ہیں، اور برزخ کے احکام روحوں پہ جاری ہوتے ہیں۔ اُن کا اثر بدنوں پر پہنچتا ہے، نعمت کا بھی، اور عذاب کا بھی جس طرح کہ دنیا کے اندر نعمت اور محنت کا اثر بدن سے روح پر جاری ہوتا ہے۔ اس مقام کو علم و معرفت کے ذریعے سے خوب غور سے سمجھ لو۔ آپ کے داخلی و خارجی تمام شکوک رفع ہو جائیں گے۔

سوچنے کی بات ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مقام برزخ کا نمونہ ہمیں دنیا کے اندر ہی دکھا دیا ہے۔ یعنی جب سونے والا خواب میں کوئی ڈراؤنی بات دیکھتا ہے تو اُس سے اس کی روح پریشان ہو جاتی ہے، اور اس کا اثر جسم پہ بھی پڑتا ہے۔ حالانکہ خواب سے جسم کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کیسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ سونے والا دیکھتا ہے کہ اسے کسی نے پیٹا ہے۔ جس کے درد سے وہ چیختا ہے اور جاگ اٹھتا ہے، اور پٹنے کا نشان اور بدن پر اُس کی تکلیف موجود ہوتی ہے۔ اور کسی وقت یہ ہوتا ہے کہ خواب میں اس نے کچھ کھا پی لیا ہے، اور بیدار ہونے کے بعد اس کا مزہ منہ کے اندر پاتا ہے۔ اور پیٹ کو بھرا ہوا پاتا ہے۔ اُس کی بھوک پیاس جاتی رہتی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ تم سونے والے کو دیکھتے ہو کہ وہ نیند کی حالت میں ہی کھڑا ہو جاتا ہے، مارتا ہے، پکڑتا اور دھکیلتا ہے، گویا وہ جاگ رہا ہے۔ حالانکہ اُسے کسی بات کا بھی شعور نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حکم روح پہ صادر ہوتا ہے تو وہ خارجی طور پر بدن سے مدد چاہتی ہے۔ تو جس وقت روح کو راحت یا تکلیف پہنچتی ہے اُس کا اثر بطریق تبعیت کے بدن بھی محسوس کرتا ہے۔ یہی حال برزخ کا ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ وہاں پہ تجرد ارواح کا عمل قوی طریق سے ہوتا ہے اور ارواح بدن سے کلیتہً منقطع نہیں ہوتی ہیں۔

جب قیامت کا دن ہوگا - اور لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھینگے تو راحت و محنت کے احکام ارواح و اجساد دونوں سے ظاہری طور پر جاری ہونگے۔

جب آپ اس مضمون کو غور کر کے سمجھیں گے تو آپ پر اس کا علم اچھی طرح ظاہر اور روشن ہو جائے گا، اور آپ جان لیں گے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قبر کے عذاب، اس کی تنگی، کشادگی، اور اس کی نعمت اور اسے جہنم کا گڑھا یا جنت کا باغیچہ ہونے کے بارے میں خبر دی ہے۔ یہ تمام عقل کے مطابق ہے۔ اس کے اندر کوئی بھی شک نہیں ہے۔ اور جس آدمی کو اس بارے میں شکوک و مشکلات پیش آئی ہیں۔ یہ اس کی کم علمی اور کم فہمی کا سبب ہے کسی شاعر کا قول ہے ؎

وکم من عائب قولا صحیحاً — بہت سے ایسے لوگ ہیں جو صحیح بات میں عیب نکالتے ہیں
وآفتہ من الفہم السقیم — یہ آفت اُن کی بد فہمی کے سبب سے ہے۔

زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ دو آدمی ایک بستر پر سوئے ہیں۔ ان میں سے ایک آدمی برا خواب دیکھتا ہے جس کی تکلیف کا اثر اس کے بدن پر موجود ہوتا ہے مگر ان دونوں کو ایک دوسرے کے خواب کی خبر نہیں ہوتی ہے تو مقام برزخ کا معاملہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔

فصل ۱۷

"چوتھا امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آمدِ آخرت اور جو امور اس سے وابستہ ہیں انہیں امر غیبی بنایا ہے"

اور مکلفین کی سمجھ اور ادراک سے انہیں مخفی رکھا ہے، اس کے اندر اس کی

کمال حکمت ہے تاکہ مؤمنین کو غیر مؤمنین سے ان غیبی امور پر ایمان لانے کے ساتھ ممتاز کردے۔

ان امور سے پہلا امر تو یہ ہے کہ جب انسان کے مرنے کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کے قریب آتے ہیں۔ اس کے قریب آکر باتیں کرتے ہیں۔ اُن کے پاس جنت یا دوزخ کا کفن، خوشبو یا مدبو ہوتی ہے، اور یہ ملائکہ حاضرین کی دعا پر آمین بھی کہتے ہیں، اور بعض دفعہ تو یہ فرشتے مرنے والے کو سلام بھی کرتے ہیں تو وہ انہیں زبان سے یا اشارے سے جواب دیتا ہے، اور کبھی دل ہی سے جواب دے دیتا ہے اگر گفتگو یا اشارہ نہیں کرسکتا

بعض دفعہ تو حاضرین نے مرنے والے کو یہ الفاظ کہتے سُنے

اھلاً و سھلاً و مرحبا بھذا الوجہ "مرحبا ان چہروں کو"

بعض لوگوں نے کہا ہے (مجھے معلوم نہیں یہ خود اُن کا دیکھا ہوا ہے یا سنا ہوا ہے) کہ انہوں نے مرنے والے سے یہ سنا کہ وہ گویا کسی سے کہہ رہا ہے وعلیک السلام یہاں بیٹھئے، وعلیک السلام یہاں بیٹھئے،

خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا (یعنی ملک الموت سے) ذرا صبر کرو، جس کام کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ وہ فوت نہیں ہو سکتا، اور جس کام کا مجھے حکم کیا گیا ہے وہ فوت ہو جائے گا پھر آپ نے وضو فرمایا اور نماز پڑھی، پھر (ملک الموت سے) کہا اب تم اس کام کو پورا کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، اس کے بعد خیر نساج کا انتقال ہو گیا۔

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے اپنے انتقال والے دن لوگوں سے کہا کہ مجھے بٹھاؤ، لوگوں نے انہیں اُٹھا کر بٹھا دیا۔ پھر انہوں نے (اللہ سے مخاطب ہو کر) کہا میں وہ آدمی ہوں جن باتوں کا تو نے مجھے حکم دیا میں نے اُن میں قصور کیا۔ اور تو نے جن کاموں سے منع فرمایا۔ میں نے تیری نافرمانی کی تین بار یہی فرمایا، پھر سر کو اٹھا کر بہت تیز نظروں سے اوپر کو دیکھا

تو لوگوں نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ ایسے غور سے کیا دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت اس مخلوق کو دیکھ رہا ہوں۔ جو نہ جن ہیں اور نہ انسان، یعنی ملائکہ کہ پھر اسی وقت آپ کا انتقال ہو گیا:

مسلمہ بن عبدالملک کہتا ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کا وقت ہوا۔ ہم اس وقت ایک قبہ میں ان کے پاس موجود تھے، انہوں نے ہم سے فرمایا کہ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ تو ہم لوگ وہاں سے اٹھ کر قبہ کے گرد بیٹھ گئے، صرف ایک نوکر اندر رہ گیا، تو ہم نے سنا آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے،

تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علواً في الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقين ط	"دار آخرت ان لوگوں کے لئے ہے۔ جو زمین میں نہ برتری چاہتے ہیں نہ فساد اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے"

پھر یہ فرمایا کہ آپ لوگ نہ تو جنات ہیں اور نہ انسان (یعنی فرشتے ہو) اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا، اسی وقت نوکر ہمارے قریب آیا اور ہمیں اشارے سے کہا اندر آجاؤ۔ ہم لوگ اندر آئے تو دیکھا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

فضالہ بن دینار کہتے ہیں کہ میں محمد بن واسع کے انتقال کے وقت وہاں موجود تھا، تو وہ کہنے لگے مرحبا اے میرے پروردگار کے فرشتو، تم خوب آئے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ، میں نے ایسی اچھی خوشبو سونگھی ہے۔ کہ ایسی خوشبو عمر بھر میں نے نہ سونگھی تھی۔ پھر انہوں نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی اور انتقال فرما گئے۔

ان واقعات کی روایات اتنی ہیں کہ جن کی گنتی ممکن نہیں، اور میں ان تمام واقعات کے نقل کرنے سے اس آیت کو بیان کر دینا کافی سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فلولا اذا بلغت الحلقوم وانتم	تو کیوں نہیں جب پہنچ گئی حلق تک اور

حینئذٍ تنظرون ط ونحن اقرب تم دیکھ رہے ہو اور ہم اس سے بہت قریب
الیہ منکم ولکن لا تبصرون ط ہیں پر تم نہیں دیکھتے۔

یہ آیت کریمہ جو کہ امر اول ہے۔ اور اسی دنیا کے اندر پیش آتی ہے، یہ بھی ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ پھر اس کے بعد ملک الموت اپنا ہاتھ دراز کر کے روح نکالتے ہیں۔ اور روح سے خطاب کرتے ہیں۔ تو حاضرین جو مرنے والے کے پاس ہوتے ہیں۔ نہ وہ ان معاملات کو دیکھتے ہیں اور نہ ہی ان باتوں کو سنتے ہیں۔ جس وقت روح نکلتی ہے، اس وقت اتنی روشنی ہوتی ہے۔ جیسے سورج چمکتا ہے۔ اور مشک سے بڑھ کر خوشبو ہوتی ہے، تو حاضرین نہ اس روشنی کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی اس خوشبو کو سونگھتے ہیں۔ پھر یہ روح فرشتوں کے ساتھ جاتی ہے۔ حاضرین اسے بھی نہیں دیکھتے۔ پھر یہ روح واپس لوٹ کر مُردے کے کفن اور بدن کے غسل کو دیکھتی ہے۔ اور لوگوں کے جنازہ لے جانے کا تماشا دیکھتی ہے۔ اور کہتی ہے مجھے جلدی لے چلو یا کہتی ہے کہ مجھے کہاں لئے جا رہے ہو۔ لوگ ان باتوں کو بھی نہیں سنتے، پھر مردہ قبر کے اندر رکھا جاتا ہے۔ اور اس پر مٹی ڈالی جاتی ہے مٹی ملائکہ کو اس کے پاس جانے سے نہیں روکتی۔ بلکہ اگر کسی پتھر کو قبر کی طرح کھود کر مردہ کو اس کے اندر رکھیں اور سیسے سے اسے بند کر دیں۔ پھر بھی وہ فرشتوں کے پہنچنے کو نہیں روک سکتا۔ کیونکہ اجسامِ کثیفہ کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لئے اس طرح بنایا ہے جیسے ہوا پرندوں کے لئے قبر کا کشادہ اور تنگ ہونا روح کے لئے بالذات ہے اور بدن کے لئے روح کی تبعیت میں ہے، اور قبر کا اتنا تنگ ہونا کہ مردے کی پسلیاں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر نکل آئیں تو اس کا انکار نہ حس کرتی ہے۔ نہ عقل نہ ہی فطرت کرتی ہے۔ اگر کوئی کفن چور یہ کہے کہ اس نے قبر کو کھولا اور مردہ کو بدستور پایا، اس کی پسلیوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ تو ہو سکتا ہے کہ مردے کی پسلیاں بھینچ بھینچا کر پھر اپنی اصلی حالت پر آگئی ہوں زنادقہ و ملحدین کا سوائے رسولوں کی تکذیب کے اور کوئی مقصد نہیں۔

نہایت معتبر سچے لوگوں کا یہ بیان ہے کہ انہوں نے تین قبریں کھودیں، پھر آرام لینے کے لئے اندر لیٹ گئے۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے اور ان قبروں میں سے ایک قبر پہ کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اسے ایک فرسخ سے ایک فرسخ کشادہ لکھو، اور پھر دوسری قبر پہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ اسے ایک میل سے ایک میل کشادہ لکھو پھر تیسری قبر پہ کھڑے ہو کر کہنے لگے۔ کہ اسے ایک فتر سے ایک فتر کشادہ لکھو، جب یہ لوگ بیدار ہوئے تو لوگوں نے ایک غریب آدمی کا جنازہ لا کر پہلی قبر کے اندر دفن کیا پھر ایک رئیس آدمی کو دوسری قبر میں دفن کیا اور تیسری قبر میں جس کے بارے میں انہوں نے کہا تھا۔ کہ اسے ایک فتر سے ایک فتر کشادہ کرنا، ایک عورت کو دفن کیا۔ اس کے جنازے کے ساتھ بہت سارے آدمی تھے (فتر اس فاصلے کو کہتے ہیں۔ جو شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ہے)

فصل ۱۸

پانچواں مربہ ہے کہ جو آگ قبر کے اندر روشن ہوتی ہے یا وہاں پر مردے کو جو سرسبزی و شادابی دکھائی دیتی ہے، وہ دنیا کی آگ یا دنیا کی سرسبزی کی طرح نہیں ہے

کہ اسے وہ لوگ مشاہدہ کر سکیں جو دنیا کی آگ یا سرسبزی کو دیکھتے ہیں۔ بلکہ یہ آگ تو دنیا کی آگ سے بہت تیز اور بہت ہی زیادہ گرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا والے اسے نہیں دیکھ سکتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پتھروں اسی مٹی اور زمین کو مردہ پر ایسا گرم

کر دیتا ہے۔ کہ دنیا کی آگ کی اس کے مقابلے میں کچھ بھی حقیقت نہیں ہوتی، اور اگر اہل دنیا سے ہاتھ لگائیں تو انہیں کچھ بھی محسوس نہ ہو۔

اس سے بھی زیادہ حیرانی کی یہ بات ہے کہ اگر دو آدمی اکٹھے پہلو بہ پہلو دفن کئے جائیں، اُن میں سے ایک نیک اور دوسرا برا ہو۔ تو نیک آدمی کی راحت عیش، خوشبو، اور قبر وغیرہ کی کشادگی سے بد کو کوئی نفع نہیں پہنچے گا، اور نہ ہی برے آدمی کے عذاب، قبر کی تنگی اور بدبو وغیرہ سے کوئی اثر نیک آدمی کو پہنچے گا۔

اللہ جل شانہٗ کی قدرت اس سے بھی بڑھ کر حیران کن امور کے پیدا کرنے پر قادر ہے، لوگوں کو یہ عادت پڑ گئی ہے۔ کہ جس چیز کو وہ نہیں سمجھ سکتے اس کی تکذیب شروع کر دیتے ہیں، سوائے اس آدمی کے جسے اللہ تعالےٰ نیک توفیق دے اور گمراہی سے بچائے رکھے،

کافر کے لئے قبر کے اندر آگ کی دو لحدیں بچھا دی جاتی ہیں۔ وہ تنور کی طرح اس پر شعلے مارتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اس پر کسی اپنے نیک بندے کو آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ تو اسے اس سے آگاہ کر دیتا ہے۔ باقی کسی آدمی کو آگاہ نہیں فرماتا، کیونکہ اگر اللہ تعالےٰ اپنے تمام بندوں کو اس پر آگاہی دے دے تو پھر ایمان بالغیب بھی جاتا رہے۔ اور لوگ مردوں کو دفن کرنا بھی چھوڑ دیں، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنائے جو میں سنتا ہوں۔

یہ حکمت جو انسانوں کے بارے میں ہے۔ بہائم کے لئے نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قبر کے عذاب کو سنتے ہیں اور اس کا ادراک کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث کے اندر بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدکا قریب تھا کہ وہ آپ کو اپنی پشت سے گرا دے، کیونکہ وہاں ایک قبر کے اندر عذاب

ہو رہا تھا۔

مجھ سے میرے رفیق ابو عبداللہ محمد بن وزیر جرانی نے کہا کہ ہم شہر آمد کے اندر عصر کے قریب ایک باغ کو چلے۔ کہتے ہیں۔ کہ میرا گذر غروب آفتاب سے پہلے ایک قبرستان میں ہوا۔ تو میں نے ایک قبر کو شیشہ گر کی بھٹی کی طرح دھکتے اور شعلے مارتے دیکھا۔ مردہ اس کے درمیان میں تھا، ابو عبداللہ فرماتے ہیں۔ میں اس واقعہ کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ملنے لگا، اور حیران تھا کہ میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں، پھر میں نے شہر کی فصیل کی طرف دیکھا اور کہا خدا کی قسم میں تو جاگ رہا ہوں، سو نہیں رہا۔ پھر میں اپنے گھر آیا، لیکن میں مدہوش تھا۔ میرے سامنے کھانا رکھا گیا۔ لیکن میں اُسے نہ کھا سکا، پھر میں شہر کے اندر گیا۔ اور اُس صاحب قبر کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ محصول وصول کرنے والا تھا اور اس روز ہی دفن کیا گیا تھا۔

اس آگ کا دیکھنا مثل فرشتوں اور جناتوں کے دیکھنے کے ہے۔ جو کبھی کسی وقت اس آدمی کو دکھائی دے جاتے ہیں۔ جسے اللہ تعالےٰ چاہتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب القبور میں شعبی سے ایک روایت نقل کی ہے ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں نے بدر میں ایک آدمی کو دیکھا وہ زمین سے نکلتا ہے اور ایک آدمی اس کے سر پر گرز مارتا ہے جس سے وہ آدمی زمین کے اندر دھنس جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آدمی ابو جہل بن ہشام ہے۔ اور یہ تا قیامت اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔

سالم بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ مکہ اور مدینہ کے مابین سفر کر رہا تھا۔ میں اپنی سانڈنی پر سوار تھا۔ پانی کی مشک میرے ساتھ تھی، ایک قبرستان میں میرا گذر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنی قبر سے نکلا۔ اس کے تمام بدن پر آگ روشن تھی

ایک زنجیر اس کے گردن میں پڑی ہوئی تھی۔ مجھے کہنے لگا۔ اے ابو عبداللہ مجھ پر پانی چھڑک دے۔ تو میں بڑا حیران ہوا، کہ اس نے مجھے میرے نام کے ساتھ کیونکر پہچانا۔ اسی لمحے ایک دوسرا آدمی نکلا اس نے مجھ سے کہا۔ اے عبداللہ ہرگز نہ چھڑکنا، پھر وہ آدمی زنجیر سمیت قبر میں چلا گیا۔

ابن ابی الدنیا عمرو سے سند کے ساتھ روایت بیان کرتے ہیں، کہ ایک سوار مکہ اور مدینہ کے مابین سفر کر رہا تھا، کہ اس کا گذر ایک قبرستان میں ہوا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنی قبر سے نکلا، اس کے تمام بدن پر آگ بھڑک رہی تھی اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا اے ابو عبداللہ مجھ پر پانی چھڑک دے۔ پھر ایک دوسرا آدمی نمودار ہوا، اس نے کہا اے ابو عبداللہ ہرگز نہ چھڑکنا، اے ابو عبداللہ ہرگز نہ چھڑکنا، عبداللہ نے جب یہ واقعہ دیکھا تو اُن پر غشی طاری ہو گئی، اور اُن کی اونٹنی گھبراہٹ میں انہیں ادھر اُدھر لئے پھری۔

اس واقعہ کی ہولناکی سے اُن کے بال سفید ہو گئے۔ انہوں نے یہ واقعہ حضرت عثمانؓ سے بیان کیا۔ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو منع فرمایا کہ تنہا سفر نہ کیا کریں۔

ابو قزعہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔ ہم ایک مرتبہ اُن چشموں کی جو بصرہ اور ہمارے شہر کے درمیان ہیں سیر کر رہے تھے۔ ہم نے وہاں گدھے کی آواز سنی، ہم نے کہا، یہاں پر گدھے کی آواز کیسی ہے، لوگوں نے ہمیں بتایا کہ یہ ایک آدمی کی آواز ہے۔ اس کی والدہ جب اس سے کوئی بات کرتی تھی۔ تو یہ کہتا تھا کہ تو گدھے کی طرح چیختی رہ، جب سے یہ آدمی فوت ہوا ہے، روزانہ اس کی قبر سے گدھے کی سی آواز نکلتی ہے۔ عمرو بن دینار فرماتے ہیں، مدینہ میں ایک آدمی رہتا تھا۔ اور اُس کی بہن اور ماں ایک دوسرے محلے میں رہتی تھیں، اُس کی بہن بیمار ہو گئی تو یہ اُس کی عیادت کے لئے روزانہ جاتا تھا، حتیٰ کہ وہ مر گئی جب لوگ اُسے دفنانے لگے تو یہ آدمی بھی ساتھ گیا۔ جب یہ لوگ وہاں سے واپس

لوٹے تو اسے یاد آیا کہ میری فلاں چیز دفن کرتے وقت قبر میں گر پڑی ہے، تو یہ آدمی اپنے ایک دوست کو لے کر رات کے وقت قبر پر آیا، اور قبر کھود کر وہ چیز نکال لی۔ پھر اس نے اپنے دوست سے کہا کہ تم ذرا دور ہو جاؤ میں اسے دیکھوں گا۔ کہ یہ کس حالت میں ہے، پھر اس نے پتھر اٹھا کر دیکھا تو اس کی تمام قبر آگ سے بھری ہوئی پائی، اس نے فوراً قبر کو بند کر دیا۔ اور برابر کر کے چلا آیا، ماں کے پاس آ کر پوچھنے لگا۔ میری بہن کیسے عمل کرتی تھی، ماں نے جواب دیا۔ اب تو وہ مر گئی اب تو اس کا حال پوچھ کر کیا کرے گا، اس نے کہا نہیں مجھے ضرور بتا۔ ماں نے جواب دیا، کہ تیری بہن نماز کے اندر ہمیشہ تاخیر کیا کرتی تھی پڑوسیوں کے دروازوں پر کان لگایا کرتی تھی۔ اور ان کی باتیں سنکر بیان کیا کرتی تھی،

حسین اسدی فرماتے ہیں۔ میں نے مرثد بن حوشب سے سنا ہے وہ فرماتے تھے میں یوسف بن عمرو کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے قریب ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کا چہرہ لوہے کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ یوسف نے اس آدمی سے کہا کہ مرثد سے بھی اپنا قصہ بیان کرو۔ اس آدمی نے کہا میں جوانی کے عالم میں فواحش کا ارتکاب کیا کرتا تھا جب طاعون آیا تو میں نے سوچا کہ اب یہاں سے بھاگ جانا چاہیئے۔ پھر خیال آیا کہ کفن چوری کیا کروں۔ چنانچہ میں نے قبریں کھودنا شروع کیں، ایک دفعہ میں مغرب و عشاء کے درمیان ایک قبر کو کھود کر دوسری قبر کا سہارا لئے بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک جنازہ آیا۔ اور اس قبر میں اسے دفن کر دیا گیا۔ لوگ اس پر مٹی ڈال کر چلے گئے، میں وہاں پر بیٹھا رہا۔ میں نے دیکھا کہ اونٹ کے برابر کے دو پرندے مغرب کی طرف سے اڑتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ایک اس قبر کے سرہانے اور دوسرا پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔ قبر کو ایک پرندے نے کریدا اور دوسرا اس کے اندر اتر گیا۔ یہی شخص کہتا ہے کہ میں بھی قبر کے کنارے پر آ کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ میں ایک ایسا آدمی تھا کہ کسی چیز سے بھی میرا پیٹ نہ بھرتا تھا۔ یعنی مجھے بہت حرص تھی، میں سنا کہ وہ پرندہ مردہ سے کہتا ہے۔ کیا تو اپنے سسرال کے ہاں نفیس

عمدہ کپڑے پہن کر اترا تا ہوا نہیں جاتا تھا۔ مردے نے جواب دیا میں بہت کمزور وضعیف ہوں، پھر اس جانور نے مردے کو ایک ایسی ضرب لگائی کہ اس سے پانی اور تیل نکل کر ساری قبر میں بھر گیا۔ پھر اس جانور نے مردے سے وہی سوال کیا۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ اس نے پھر اسے ضرب لگائی پھر تیل اور پانی قبر میں بڑھ گیا، غرضیکہ تین دفعہ اسی طرح کا سوال وجواب ہوا۔ یہ آدمی کہتا ہے کہ پھر اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھ کر کہا دیکھ وہ کہاں بیٹھا ہوا ہے۔ خدا اسے ناامید کرے۔

پھر اس نے میرے منہ پر ایسے زور کا طمانچہ مارا کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ تمام رات میں بے ہوشی کے عالم میں پڑا رہا۔ صبح کو جو اٹھ کر دیکھا تو قبر کو اسی طرح برابر پایا جس طرح لوگ اسے کر گئے تھے۔

اس پانی اور تیل کو جس دیکھنے والے نے دیکھا۔ یہ ایک قسم کی آگ تھی جو مردے کے لئے تیار کی گئی تھی۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ کہ دجال کے ساتھ آگ اور پانی ہوگا، آگ پانی سے زیادہ ٹھنڈی ہوگی اور پانی آگ سے زیادہ گرم اور شعلہ زن ہوگا۔

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے ابو اسحاق خزروی سے کفن چور کے متعلق دریافت کیا کہ آیا اس کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا ہاں ہوتی ہے۔ بشرطیکہ نیت نیک ہو۔ اللہ تعالےٰ اس کے دل کی سچائی کو دیکھ کر توبہ قبول فرماتا ہے۔ اس آدمی نے کہا میں کفن چرایا کرتا تھا میں نے بہت سارے آدمیوں کے چہروں کو قبلہ سے پھرے ہوئے پایا۔ یہ وہ آدمی تھے جو سنت کے طریقہ کے خلاف مرے تھے۔

ابن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے عبدالمومن بن عبداللہ عیسیٰ تمیمی نے بیان کیا کہ ایک کفن چور نے توبہ کر لی تھی۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا تو نے عمر بھر میں کوئی عجیب چیز بھی دیکھی۔ اس نے کہا ہاں۔ ایک آدمی کا

کفن چرانے کے لئے جو میں نے کھودا تو اس کے تمام بدن پر لوہے کی میخیں لگی ہوئی تھیں، اور ایک بڑی سی میخ اس کے سر میں گھسی ہوئی تھی۔ اور ایک میخ دونوں پیروں کے اندر تھی۔

ایک اور کفن چور کا بیان ہے۔ کہ میں نے ایک مردہ کی کھوپری کے اندر گچھلا ہوا سیسہ دیکھا، ایک کفن چور سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تیرے تائب ہونے کا کیا سبب ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے جتنے مردوں کے کفن چرائے ہیں اُن تمام کے چہروں کو قبلہ سے پھرے ہوئے پایا۔

میں کہتا ہوں کہ مجھ سے میرے دوست ابو عبداللہ محمد بن مساب سلامی نے جو ایک نیک اور نہایت سچے آدمی تھے۔ یہ بیان کیا کہ ایک آدمی بغداد کے بازار آہنگراں میں لوہے کی چھوٹی چھوٹی میخیں لے کر آیا اور انہیں ایک لوہار کے ہاتھ فروخت کر دیا، لوہار نے انہیں بھٹی میں رکھ کر گرم کیا۔ اور ہتھوڑے مار مار کر انہیں نرم کرنے کی ناکام کوشش کی، وہ میخیں ذرا بھی نرم نہ ہوئیں ناچار اس نے اس آدمی کو بلایا جس نے یہ میخیں بیچی تھیں، اور پوچھا کہ یہ میخیں تمہیں کہاں سے ملیں۔ پہلے تو اس نے حیلے بہانے کئے۔ جب لوہار نے بہت اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے ایک قبر کھولی تھی۔ میں نے ان میخوں کو مردے کی تمام ہڈیوں میں پھنسا ہوا پایا۔ پھر میں نے بہت کوشش کی یہ میخیں نہ نکلیں آخر کار میں نے ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کیا۔ اور ان میخوں کو نکال لایا۔ ابو عبداللہ فرماتے ہیں۔ کہ وہ میخیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں تھیں۔ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ اُن کی صورت کیسی تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ چھوٹی چھوٹی تھیں اور ہر میخ کے دونوں طرف گھنڈی تھی۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے اور اُن سے ابی الحریس نے اور اُن سے اُن کی والدہ نے بیان کیا ہے۔ کہ جس وقت ابو جعفر نے کوفہ کے اردگرد خندق کھدوائی، تو لوگوں نے اپنے مردوں کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل

کر دیا۔ اُن مردوں کے اندر ہم نے ایک نوجوان کی لاش کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ رہا تھا۔

سماک بن حرب فرماتے ہیں کہ ابو درداءؓ صحابی کا قبرستان سے گذر ہوا، آپؓ نے قبروں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بظاہر تو تم نہایت سکون دار معلوم ہوتی ہو۔ لیکن تمہارے اندر کس قدر فتنے ہیں۔

ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں قبرستان سے گذرا میرے پیچھے سے ایک آواز آئی، جیسے مجھ سے کوئی کہہ رہا ہے اے ثابت تم قبروں کے ظاہری سکون کو دیکھ کر دھوکے میں نہ آجانا، کیونکہ ان کے اندر بہت سارے لوگ غمگین اور رنجیدہ ہیں، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کہنے والے کو نہ پایا۔

حسن بصریؒ ایک دفعہ قبرستان سے گذرے، فرمانے لگے۔ بظاہر یہ لوگ کتنے سکون میں ہیں۔ مگر ان میں سے بہت سارے کرب اور بے چینی کے اندر مبتلا ہیں۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسلمہ بن عبدالملک سے فرمایا اے مسلمہ تیرے والد کو کس شخص نے قبر میں اتارا تھا۔ مسلمہ نے جواب دیا۔ میرے فلاں غلام نے، آپؒ نے فرمایا کہ مجھ سے تیرے اسی غلام نے بیان کیا ہے۔ کہ جب اس نے تیرے والد عبدالملک اور تیرے بھائی ولید کو قبروں میں اتارا اور ان کے کفن کی گرہ کھولی تو اُن کے چہروں کو گدھی کی طرف پھرا ہوا پایا مسلمہ جس وقت میں مردوں تو میرے چہرے کو ضرور دیکھنا کہ قبلہ کی طرف ہے یا اُن کی طرح قبلہ سے پھرا ہوا ہے، مسلمہ فرماتے ہیں۔ جب عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا اور میں نے انھیں قبر میں اتارا، تو اُن کے چہرہ کو دیکھا وہ قبلہ کی طرف ہی تھا۔

ابن ابی الدنیا، بزرگانِ سلف سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب اُن کی لڑکی فوت ہوئی۔ تو فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ یکایک اس کا چہرہ قبلہ سے پھر گیا جس سے میں بہت غمگین ہوا، فرماتے ہیں۔ پھر میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ

کہہ رہی تھی اے ابا جان آپ میرے چہرے کو قبلہ سے پھرا ہوا دیکھ کر بہت غمگین ہوئے، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس قبرستان میں اکثر آدمیوں کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے ہیں، فرماتے ہیں یہ لوگ کبیرہ گناہ بہت کیا کرتے تھے۔

عمرو بن میمون فرماتے ہیں۔ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ جب میں نے ولید بن عبدالملک کو قبر میں اتارا تو میں نے دیکھا کہ اس کے گھٹنے سکڑ کر گردن سے آن ملے۔ عمر بن عبدالعزیز نے جب یزید بن مہلب کو عراق کا حاکم مقرر فرمایا تو یہ نصیحت کی تھی کہ اے یزید ہر کام میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ کیونکہ میں نے ولید کے گھٹنوں کو کفن کے اندر گردن سے ملا ہوا دیکھا ہے۔

عبدالحمید بن محمود فرماتے ہیں، میں ابن عباس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کچھ آدمی ان کے پاس آئے اور کہا ہم بارادہ حج سفر کر رہے تھے۔ جب ہم منزل ذات الصفاح میں پہنچے تو ہمارے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کا انتقال ہو گیا۔ ہم نے اسے غسل دے کر تیار کیا اور قبر کھودنے کے لئے گئے جب قبر کھود کر تیار کی تو دیکھا۔ کہ ساری قبر سانپوں سے بھر گئی ہے۔ ہم نے دوسری جگہ کھودی تو وہ قبر بھی سانپوں سے بھر گئی۔ ہم نے تیسری جگہ کھودی وہ بھی سانپوں سے بھر گئی۔ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ آدمی ظالم ہوگا۔ تم اسے کسی ایک قبر میں دفن کر دو، اگر تم ساری زمین کو بھی کھود ڈالو گے، تو بھی کوئی جگہ خالی نہ پاؤ گے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے اس آدمی کو انہیں قبروں میں سے ایک قبر کے اندر دفن کر دیا پھر ہم واپسی کے وقت اس کا کچھ سامان وغیرہ لے کر اس کے گھر آئے۔ ہم نے اس کی بیوی سے پوچھا کہ تیرا شوہر کیا کیا کرتا تھا۔ اس نے کہا کھانا بیچتا تھا اور اسی میں سے اپنے گھر کے لئے بھی لایا کرتا تھا۔ اور جو بچ جاتا تھا۔ اسے بھی بیچ ڈالتا تھا۔ اور اسے بھی فروخت والے کھانے کے اندر ملا دیتا تھا،

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن حسین نے ذکر کیا۔ اور ان سے ابو اسحاق صاحب الشاطی نے بیان کیا کہ مجھے ایک مردے کو غسل دینے کے لئے

بلایا گیا تو جب میں نے اس کے کپڑے ہٹائے تو دیکھا کہ اس کی گردن میں ایک سانپ نہایت سختی کے ساتھ لپٹا ہوا ہے۔ میں اسے دیکھ کر واپس چلا آیا میں نے غسل نہ دیا، کہتے ہیں یہ آدمی صحابہ کرام کی شان میں نازیبا کلمات کہا کرتا تھا۔

ابن ابی الدنیا نے سعید بن خالد بن یزید انصاری سے انہوں نے بصرہ کے ایک آدمی سے جو قبریں کھودا کرتا تھا۔ روایت کی ہے، وہ کہتا ہے۔ میں نے ایک دن ایک قبر کھودی اور اپنا سر اس کے قریب رکھ کر سو گیا، خواب کے اندر دو عورتیں میرے پاس آئیں، ایک نے مجھ سے کہا۔ اے عبداللہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتی ہوں۔ اس عورت کو ہمارے قریب دفن نہ ہونے دینا، کہتا ہے گھبراہٹ کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی۔ لوگ ایک عورت کا جنازہ لئے ہوئے آئے۔ میں نے ان سے کہا۔ کہ یہ قبر تمہارے لئے نہیں ہے، وہ قبر پیچھے ہے، اس بہانے سے میں نے انہیں یہاں سے واپس کر دیا، پھر میں نے ان دونوں عورتوں کو خواب میں دیکھا، ان میں سے ایک نے کہا، اللہ تجھے جزائے خیر دے تو نے ہم سے بہت بڑے شر کو دفع کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ مجھ سے تو ہی بات کرتی ہے۔ یہ نہیں بولتی، اس نے کہا کہ یہ عورت بغیر وصیت کئے مری تھی، اور جو وصیت کے بغیر مرتا ہے۔ وہ قیامت تک بول نہیں سکتا، اس قسم کی خبریں بہت زیادہ ہیں۔ اس کتاب میں اتنی گنجائش نہیں ہے یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جیسے منظور ہوا دکھلائے ہیں۔ قبر کے عذاب اور اس کی نعمتوں وغیرہ کا مشاہدہ کرایا ہے، ایسے خوابوں کے واقعات جیسے کثرت سے دیکھنے مقصود ہوں وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب المنامات کا مطالعہ کرے، اور قیروانی کی کتاب بستان کو دیکھے، ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری کتابوں میں یہ حالات ہیں، بلحد اور زندیق لوگ صرف ان باتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ جو ان کے احاطۂ علم میں نہیں آسکتیں اور جنہیں رسولوں کی تصدیق سے کچھ غرض نہیں۔

فصل ۱۹

ساتواں[1] امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کے اندر ہی بعض ایسی تعجب خیز باتیں پیدا فرماتا ہے جو برزخ کے امور سے بھی کئی درجے بڑھ کر ہیں"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرائیل علیہ السلام آدمی کی صورت بن کر آتے تھے۔ آپؐ سے باتیں کرتے تھے، آپؐ اسے دیکھتے بھی تھے اور اس کی باتوں کو بھی سنتے تھے، مگر دوسرے آدمی جبرائیلؑ کو نہ دیکھتے تھے۔ یہی حالت دوسرے انبیاء کرام کی تھی۔ بعض اوقات تو وحی آپؐ پر اس طرح آتی تھی۔ جیسے زنجیر کی آواز ہوتی ہے۔ مگر آنحضرت کے سوا اس آواز کو کوئی نہ سنتا تھا۔ اور دیکھیے جنات ہمارے درمیان آپس کے اندر پکار پکار کر بلند آوازوں سے باتیں کرتے ہیں۔ لیکن ہم اُن کی کوئی بات بھی نہیں سنتے، لڑائیوں کے اندر فرشتے کفار کو کوڑوں سے مارتے تھے، اُن کی گردنوں کو اڑا دیتے تھے۔ لیکن مسلمان نہ تو انہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور نہ ہی اُن کی کوئی بات سن سکتے تھے،

اللہ تعالیٰ نے بہت ساری باتوں کو جو وہ زمین کے اندر پیدا فرماتا ہے بنی آدم سے مخفی رکھا ہے، حالانکہ وہ اُن کے آگے اور سامنے ہوتی ہیں لیکن بنی آدم نہ تو انہیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں۔ جبرائیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن حکیم کا دورہ کیا کرتے تھے۔ لیکن حاضرین میں سے کوئی بھی نہیں سن سکتا تھا۔

اللہ کے عارف بندے اس بات کا کب انکار کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اندر ایسے اشخاص بھی پیدا فرماتا ہے۔ جنہیں اپنی حکمت اور رحمت کی بنا

---

[1] مصنف اپنے دس نکتے کو گویا بھول ہی گئے۔

پر لوگوں کی نظروں سے مخفی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس مخلوق کے اندر تحمل و ضبط کی اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ ان امور کو دیکھ سکے۔

ایک ضعیف بندہ، قبر کے عذاب کو دیکھ کر اپنے آپے میں ہرگز نہیں رہ سکتا جن لوگوں نے ان امور میں سے چند ایک کا مشاہدہ کیا ہے۔ اکثر ان میں سے کچھ ہی بے ہوش ہو گئے، ایک مدت تک دنیا کی زندگی اُن کے لئے تلخ ہو گئی۔ اور کئی لوگوں کے تو دل پھٹ گئے، اور مر گئے۔ پھر اس بات سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے۔ کہ حکمت ایزدی نے ان امور کے اور بندوں کے درمیان ایک پردہ ڈال دیا ہے۔ جب کسی بندے سے یہ پردہ اٹھ جاتا ہے تو وہ عیاناً ان امور کو دیکھ لیتا ہے۔

اب یہ بات غور کرنے کی ہے کہ کیا ہر انسان کے بس کا یہ روگ ہے کہ وہ پارہ یا رائی کو مردہ کی آنکھ سے اٹھا کر پھر اس میں رکھ دے، تو فرشتے جو ہر بڑے سے بڑے کام کے کرنے پر قادر ہیں کیا اس بات کی قدرت نہیں رکھتے کہ ان چیزوں کو مردہ کی آنکھ کے اندر اسی طرح رکھ دیں۔

امورِ برزخ کو امورِ دنیا پر قیاس کرنا انتہائی درجہ گمراہی اور جہالت ہے ہے، رسولوں کو جو تمام سے سچے تھے۔ جھوٹا سمجھنا اور قادرِ مطلق خداوندِ برحق کو عاجز سمجھنا ہے۔

جب ہم اس بات پر قادر ہیں کہ قبر کو دس یا بیس گز، طول، عرض، عمق میں کشادہ کر دیں اور کسی کو خبر تک بھی نہ ہونے دیں تو کیا معاذ اللہ، اللہ تعالےٰ اس بات پر قادر نہیں ہے۔ کہ وہ قبر کو کشادہ یا تنگ کر دے۔ اور اسے بنی آدم کی نظروں سے پوشیدہ رکھے۔ ہاں اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے اس پر مطلع بھی کر دیتا ہے اور جس کی نظروں سے چاہتا ہے مخفی رکھتا ہے، حالانکہ بنی آدم اُس قبر کو بہت تنگ دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ بہت کشادہ ہوتی ہے، اور نہایت ہی روشن اور معطر ہوتی ہے لیکن لوگوں کو ان میں سے کوئی بات بھی معلوم نہیں ہوتی، اس کا راز یہ ہے۔ کہ قبر کی کشادگی اور تنگی دنیا کے امور کی طرح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو عالم دنیا کی چیزوں

کے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کی قدرت دی ہے۔ لیکن جو باتیں آخرت سے تعلق رکھتی ہیں اُن پر پردہ ڈال دیا ہے تاکہ اُن چیزوں کا اقرار کرنا اور اُن پر ایمان لانا ان کی سعادت کا موجب ہو۔ اور جب خداوند قدوس ان امور سے پردے کو ہٹا دیتا ہے تو یہ امور عیاناً نظر آتے ہیں۔ اگرچہ مردہ لوگوں کے درمیان رکاوٹ ہو پھر بھی یہ بات ممنوع نہیں ہو سکتی کہ فرشتے اس کے پاس آئیں۔ سوال و جواب کریں اور حاضرین کو کچھ بھی علم نہ ہو۔ مردہ فرشتوں کو جواب دے اور حاضرین اسے نہ دیکھ سکیں۔ فرشتے اسے پیٹیں اور حاضرین اُسے نہ سن سکیں۔ یہ تمام باتیں ہو سکتی ہیں۔ دیکھتے ہم میں سے جب کوئی آدمی سو جاتا ہے اور دوسرا آدمی اس کے پاس موجود ہو تو خواہ سونے والا خواب میں کوئی تکلیف یا راحت کی بات دیکھے۔ مگر پاس والے کو اس کی بالکل خبر نہیں ہوتی۔ اگرچہ اس تکلیف یا راحت کا اثر خواب دیکھنے والے کے بدن پر موجود ہی کیوں نہ ہو۔

سب سے زیادہ تو جہالت کی یہ بات ہے۔ کہ لوگ زمین اور پتھر کے اندر فرشتوں کے گذرنے کو قیاس سے بھی بالاتر سمجھتے ہیں۔ انہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پتھر اور زمین کو فرشتوں کے لئے ہوا کی طرح بنایا ہے جس طرح ہوا کے اندر پرندے اڑتے ہیں اسی طرح فرشتے پتھر اور زمین بلکہ ہر کثیف جسم میں گذر کر سکتے ہیں۔ اور یہ اجسام ان کے عبور کو روک نہیں سکتے۔ بس اسی طرح یہ لوگ فاسد قیاسوں اور خیالوں کی وجہ سے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں

فصل ۲۰

آٹھواں امر اس بارے میں ہے کہ یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ مصلوب ڈوبے ہوئے اور جل کر راکھ ہو جانے والے کی روح اس کے جسم کے لئے مدد واپس آ سکے، اور ہمیں اس کے آنے کی خبر ہو

کیونکہ یہ روح کا جسم کے اندر آنا اور قسم کا ہے، دیکھئے بے ہوش، غشی والا اور مہینوں آدمی زندہ ہوتا ہے اور اس کی روح بھی یقیناً اس کے جسم میں ہوتی ہے لیکن وہ دیکھنے والوں کو بالکل مردہ معلوم ہوتا ہے۔

جس آدمی کے اجزائے بدن درندوں کے پیٹوں یا پرندوں کے پوٹوں میں چلے گئے تو قادر مطلق اس بات پر قادر ہے کہ روح کا ان اجزائے متفرقہ و متباعدہ کے ساتھ اتصال پیدا کر دے، اور ان اجزاء کو درد و لذت کا شعور حاصل ہو جائے اللہ تعالیٰ نے جمادات و نباتات میں بھی شعور کا مادہ پیدا کیا ہے، پتھر خوف الٰہی سے گر پڑتے ہیں درخت، اور سارے اسے سجدہ کرتے ہیں، اور پانی و سنگریزے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وان من شیئ الا یسبح بحمدہ	ہر چیز اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے، لیکن
ولکن لا تفقھون تسبیحھم ط	اے لوگو! تم ان کی تسبیح و حمد کو نہیں سمجھ سکتے"

اگر اس تسبیح سے مراد ان چیزوں کی محض اپنے صانع پر دلالت کرنے کو سمجھا ہے تو اس آیت کا کیا مطلب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

انا سخرنا الجبال یسبحن بالعشی	ہم نے پہاڑوں کو حضرت داؤد کے تابع
والاشراق ط	کر دیا تھا، وہ ان کے ساتھ صبح و شام

تسبیح کیا کرتے تھے"

اگر تسبیح سے مراد صانع پر دلالت کرنا لیا جائے تو یہ کوئی صبح و شام پر ہی موقوف نہیں ہے، اسی طرح یہ ارشاد ہے،

یا جبال اوبی ط	اے پہاڑو اس کے ساتھ تسبیح کرو۔

اور دلالت کے لئے تو معیت کی ضرورت بھی نہیں ہے،

جو آدمی یہ کہتا ہے کہ تاویب ہے، تو وہ بالکل کذاب ہے۔ کیونکہ یہ تو ہر ایک آواز والی چیز کے لئے ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے

الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس ط	کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تمام چیزیں جو آسمان میں اور زمین میں ہیں اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت چلنے پھرنے والے، اور بہت سے آدمی ہیں جو سجدہ کرتے ہیں۔

صانع پر دلالت کرنا تو کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموٰت والارض والطیر صافات۔ کل قد علم صلوتہ وتسبیحہ	کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جو لوگ کہ آسمان اور زمین میں ہیں اور پرندے صفیں باندھ کر تسبیح کرتے ہیں، ہر ایک نے اپنی تسبیح کو جان لیا ہے

یہ تو نماز اور تسبیح حقیقی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو تعلیم فرمائی ہے اگرچہ جاہل اور تکذیب کرنے والے اس کا انکار ہی کیوں کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں بتایا ہے۔ کہ اللہ کے خوف سے پتھر اپنی جگہوں سے گر پڑتے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ آسمان و زمین سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا، اور انہوں نے شائستہ جواب عرض کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ائتیا طوعاً او کرھاً قالتا اتینا طائعین آؤ بخوشی یا زبردستی انہوں نے کہا ہم آئے فرمانبردار بن کر۔

صحابہ کرام نے تو کھانے کی تسبیح، اس وقت جبکہ وہ کھایا جا رہا تھا، سنی، اور مسجد کا ستون جو سوکھی کھجور کے تنہ کا تھا۔ اس کے رونے کی آواز سنی۔

جب ان اجسام کے اندر احساس و شعور ہے تو وہ اجسام جن کے اندر روح و زندگی تھی، اس احساس و شعور کے ساتھ اولیٰ تر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کو بھی بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بعض بندوں کو مرنے کے بعد پھر زندہ کیا، اور انہوں نے کھایا پیا اور شادیاں کیں اور ان کے اولاد ہوئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم	کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے، تو اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ تو وہ مر گئے،

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا، دوسری جگہ فرمایا ہے

او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ ط قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم	یا اس آدمی کی مانند جو ایک بستی پر گذرا جو ٹوٹی ہوئی پڑی تھی۔ اس نے حیرت سے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کے مرنے کے بعد اسے کیونکر زندہ کریگا۔ تو اللہ نے اسے سو سال تک مردہ رکھا پھر زندہ کیا۔ اور فرمایا کہ تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے تو اس نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم"

یا جیسے بنی اسرائیل کا وہ مقتول یا وہ لوگ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک کہ ہم اللہ کو عیاناً یعنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ نہ لیں، تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مار دیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ فرمادیا، یا جیسے اصحاب کہف جن کا قصہ مشہور ہے۔ نیز حضرت ابراہیمؑ کے بارے

میں ہے۔ کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے چار پرندوں کو ذبح فرمایا۔ پھر اُن کا قیمہ کیا اور اُن کے اجزاء متفرق کر دیئے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ جب یہ بات ظاہر ہو گئی تو یہ کیسے محال ہو سکتا ہے۔ کہ مردہ کے مرنے کے بعد اللہ تعالےٰ اُسے ایک دوسرا مستقر اور مستقل زندگی عطا فرمائے، اور ساتھ ہی مرنے کے ثواب یا عذاب کو اس کے اعمال کے موافق جاری کرے۔ لہٰذا ظاہر ہو گیا کہ ان باتوں کا انکار کرنا محض تکذیب اور انکار باطل ہے۔ اللہ تعالےٰ نیک توفیق عطا فرمائے۔

فصل ۲۱

نواں مراس بیان میں ہے کہ قبر کا عذاب یا ثواب، برزخ کے عذاب یا ثواب کا نام ہے، اور عالم برزخ وہ عالم ہے جو عالم دنیا اور آخرت کے درمیان ہے

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون ط۔ — یوم حشر تک ان کے ورے عالم برزخ ہے،

عالم برزخ کے لوگ، قبر کو جہنم کا ایک گڑھا یا جنت کا ایک باغیچہ کہنا۔ باعتبار خلق ہے کیونکہ اکثر آدمی قبروں میں دفن کئے جاتے ہیں چنانچہ وہ آدمی جسے سُولی دی گئی یا جل گیا یا ڈوب مرا یا اُسے درندے کھا گئے تو اس کے لئے بھی برزخ کا عذاب یا ثواب اعمال کے موافق ہوتا ہے

بعض متقدمین کا خیال ہے کہ اگر کسی مردے کو جلا یا جائے۔ اور اس کی کچھ راکھ دریا میں بہا دی جائے اور کچھ ہوا میں اڑا دی جائے تو وہ آدمی برزخ کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، چنانچہ ایک آدمی نے اس بات کی اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی

بیٹوں نے اس کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا، تو اللہ تعالےٰ نے دریا و صحراء کو حکم دیا کہ اس کے متفرق اجزاء کو جمع کر دیں۔ جب اس کے تمام اجزا جمع ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے اس سے فرمایا کہ کھڑا ہو جا، وہ آدمی اللہ کے حضور میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے اس سے پوچھا۔ تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی، اس نے جواب دیا خدایا تیرے خوف اور تیرے ڈر سے ایسا کیا تھا۔ تو اس کو خوب جانتا ہے، تو اللہ تعالےٰ نے اس پر رحم فرمایا۔ اور اسے بخش دیا۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ اس کی راکھ کو دریا میں بہانے اور ہوا میں اڑانے سے عذاب نہیں ہوا، بلکہ اگر کسی بدکار انسان کی لاش کو کسی درخت کی چوٹی پر باندھ دیں اور خوب ہوا چلے۔ تب بھی اس بدکار انسان کو برزخ کا عذاب ہوگا۔ اور اگر کسی نیکوکار انسان کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیں تو اُسے وہیں سے برزخ کی نعمتیں اور راحتیں پہنچیں گی اور اس پر اللہ تعالےٰ آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا کر دیگا۔

اور اُس بدکار پر ہوا کو آگ اور سموم بنا دیگا، کیونکہ عالم کے سب ادنیٰ پیدا کرنے والے پروردگار کے فرمان کے تابع ہیں۔ جس طرح وہ چاہتا ہے، ان کے اندر تصرف کرتا ہے، ان میں سے کوئی بھی اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، تمام اس کے ارادے اور قدرت کے تابع ہیں۔ جو اس کا منکر ہے وہ رب العالمین کی ربوبیت کا منکر اور کفر کرنے والا ہے۔

فصل ۲۲

دسواں امر یہ ہے کہ موت پہلی معاد اور بعث اول ہے

کیونکہ اللہ تعالےٰ نے بنی آدم کے لئے دو معاد اور دو بعث مقرر فرمائے ہیں ان کے اندر وہ بدکاروں کو اُن کی بدی کا اور نیکوکاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتا ہے،

پہلی بعث یہ ہے کہ روح بدن سے جدا ہو کر دار الجزاء کی جانب ہجرت کرتی ہے۔ اور دوسری بعث وہ ہے۔ جس میں کہ اللہ تعالےٰ روحوں کو جسموں کے اندر ڈالیگا اور انہیں قبروں سے اٹھائیگا پھر کچھ لوگ جنت کو جائیں گے اور کچھ جہنم کو یہ دوسرا حشر ہے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تجھے دوسرے بعث پر ایمان لانا ضروری ہے۔ کیونکہ پہلے بعث کا تو کوئی بھی منکر نہیں ہے، اگرچہ بہت سے لوگ اس میں عذاب یا ثواب کے ہونے کے منکر ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان دونوں قیامتوں یعنی قیامتِ صغریٰ و قیامت کبریٰ کا قرآن حکیم کے اندر سورۂ مومنین، سورۂ واقعہ، سورۂ قیامہ، سورہ مطففین، اور سورۂ حجر وغیرہ میں ذکر فرمایا ہے۔

اس کی حکمت و عدالت نے یہ چاہا کہ ان دونوں مقاموں کو نیکو کاروں اور بدکاروں کے لئے دار الجزا بنائے۔ لیکن پوری جزا و معاد ثانی میں جو کہ دار القرار ہے ہوگی۔ جیسا کہ خداوند تعالےٰ نے ذکر فرمایا ہے

کل نفس ذائقۃ الموت وانما	ہر جی موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب کو
توفون اجورکم یوم القیامۃ،	تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ قیامت کے
	دن دیا جائے گا"

اللہ تعالےٰ کے اسمائے حسنےٰ اور عدل و کمال تقدس نے اس بات کو پسند فرمایا کہ وہ اپنے دوستوں کے بدنوں اور روحوں پر اپنے انعام و اکرام کی بارش کرے اور اپنے دشمنوں کی روحوں اور بدنوں پر عذاب کرے تو یہ لازم ہوا۔ کہ اطاعت کرنے والے کی روح اور اس کا بدن نعمت اور لذت سے بہرہ ور ہو۔ جو کہ اس کے شایان شان ہے، اور وہ آدمی کلفت کو اٹھائے جو اس کا مستحق ہے یہ اللہ تعالےٰ کے عدل و حکمت اور کمال تقدس کا تقاضا ہے۔ چونکہ عالم دنیا، کلفت و امتحان کا مقام ہے، نہ کہ جزا و سزا کا، اسی لئے اس کے اندر امور برزخ کا ظہور نہیں ہوتا، اور عالم برزخ کا ظہور نہیں ہوتا، اور عالم برزخ جو کہ پہلا دار الجزاء

ہے اس کے اندر ایسے امور کا ظہور ہوتا ہے۔ جو اس کے لائق ہیں۔ اور جن کے ظہور کا حکمت الٰہیہ تقاضا کرتی ہے، پھر جبکہ قیامت کبریٰ کا دن ہوگا۔ تو اطاعت کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، تو برزخ کا عذاب یا ثواب یہ ابتدا ہے، آخرت کے عذاب یا ثواب کی، اور وہ اسی سے مشتق ہے۔ جو اہل برزخ کو برزخ میں آکر پہنچتا ہے۔ اسی پر قرآن حکیم اور حدیث پاک دلالت کرتی ہے۔ اور یہ دلائل کثرت کے ساتھ صراحتاً اور واضح طور پر موجود ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میت کے لئے قبر میں جنت کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اور جنت کی خوشبو اور ہوا اسے لگتی ہے اور فاجر آدمی کے لئے جہنم کی طرف دروازہ کھولا جاتا ہے۔ جس کی گرم ہوا اور بدبو اسے آتی ہے۔ یہ بات قطعی ہے کہ جس طرح روح اس نعمت یا عذاب سے اپنا حصہ لیتی ہے۔ اسی طرح بدن بھی اپنا حصہ لیتا ہے، اور قیامت کے دن آدمی اسی جنت یا جہنم کے دروازے سے جنت یا جہنم میں جائے گا۔ ان دونوں دروازوں سے بندے کو ایک پوشیدہ اثر پہنچتا ہے، یہ پوشیدہ اثر اس وجہ سے ہے کہ شور و غل خواشی خبیثہ اور عوارض اس پر محیط ہو گئے ہیں۔ اور انھوں نے اسے محجوب کر دیا ہے۔ لیکن بہت سے آدمیوں کو یہ اثر محسوس ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا نہ اس کا بیان کرنا ممکن ہے۔ کسی چیز کا وجدان اور بات ہے اس کا احساس و بیان اور بات ہے۔ تو جس وقت آدمی مرجاتا ہے۔ انہی دو دروازوں سے یہ اثر بطریق اتم انسان کو پہنچتا ہے، اور جس وقت انسان قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس وقت اور زیادہ کمال کے ساتھ یہ اثر اسے پہنچے گا، حکمت خداوندی نے یہ انتظام ان تینوں مقاموں پر بطریق اکمل مقرر فرمایا ہے۔

فصل ۲۳

"کیا عذاب قبر کا ذکر قرآن میں ہے؟"

آٹھواں مسئلہ یہ ہے ایک سائل پوچھتا ہے۔ کہ اس کے اندر کیا حکمت ہے کہ قبر کے عذاب کا ذکر قرآن حکیم کے اندر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس کی بہت زیادہ ضرورت تھی، تاکہ لوگ اس پر ایمان لاتے اور عذاب الٰہی کے ذکر سے اُن کا ڈر اور تقویٰ زیادہ ہوتا۔

تو اس سوال کا جواب دو طرح پر ہے۔ ایک مجمل اور دوسرا مفصل، مجمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل فرمائی ہے۔ ان دونوں پر ایمان لانا اور ان کے احکام کی تعمیل کرنا واجب ہے یہ دونوں قسم کی وحی کتاب اور حکمت ہیں چنانچہ ارشادِ ربانی ہے

وانزل علیک الکتاب والحکمۃ	اے رسول تجھ پر کتاب و حکمت کو نازل فرمایا،

اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ،	وہی وہ مقدس ذات ہے جس نے انہی میں سے رسول کو بھیجا جو اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ،	اے نبی کی عورتو تم یاد کرو اسے جو تمہارے گھروں میں پڑھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت سے۔

بزرگانِ سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے

مراد سنت ہے، جو خبریں رسول کریم نے دی ہیں۔ ان پر ایمان لانا اور اُن کی تصدیق کرنا بھی اُن خبروں کے برابر ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کی زبانی بیان فرمائی ہیں اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے اور ہم اسے اصل سمجھتے ہیں، اس کا منکر وہی ہوگا جو اہل اسلام سے نہ ہوگا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں کتاب یعنی قرآن دیا گیا ہوں اور اُسی کی مثل اور چیز بھی مجھے عطا کی گئی ہے

مفصل جواب یہ ہے کہ قبر کے عذاب یا ثواب کا ذکر قرآن کے اندر کئی جگہ مذکور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ولو ترٰی اذ الظٰلمون فی غمرات الموت والملٰئکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون ط

اور اگر تم دیکھتے وہ حالت جبکہ ظالم کافر لوگ موت کی غشی میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے کہتے ہیں نکالو اپنی روحوں کو آج کے دن تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائیگا۔ اس لئے کہ تم اللہ کے متعلق ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔"

یہ خطاب مرتے وقت ہوتا ہے۔ اور فرشتوں نے جو کہ سچی مخلوق ہیں۔ یہ خبر دی ہے۔ کہ آج کے دن تمہیں ذلت کا عذاب ہوگا۔ اگر اس سے مراد آخرت کا عذاب ہوتا تو آج کا دن کہنا صحیح نہ ہوتا۔

ایک دوسری آیت میں ہے

فوقہ اللہ سیئات ما مکروا وحاق بآل فرعون سوء العذاب النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب ط

اسے اللہ نے اس کے ملک کی برائیوں سے محفوظ رکھا، فرعونیوں کو بُرے عذاب نے گھیر لیا وہ صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور قیامت کے دن حکم ہوگا کہ فرعونیوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔"

اس آیت کریمہ میں علیحدہ علیحدہ برزخ کے عذاب اور آخرت کے عذاب کو بیان فرمایا ہے۔ جس میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں۔

ایک اور آیت کریمہ میں ہے:۔

فذرھم حتیٰ یلاقوا یومھم الذی فیہ یصعقون یوم لا یغنی عنھم کیدھم شیئاً ولا ھم ینصرون ط وان للذین ظلموا عذاباً دون ذالک ولکن اکثرھم لا یعلمون ط	چھوڑ دو انہیں حتیٰ کہ وہ ملیں اُس دن سے جس میں کہ بے ہوش کئے جائینگے۔ جس دن کہ ان کا فریب انہیں کوئی فائدہ نہیں دیگا۔ اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ یقیناً ظالموں کے لئے اس کے علاوہ اور عذاب ہے۔ لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ میں اگرچہ دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ اس دنیاوی عذاب میں اُن کا قتل ہونا مراد لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ برزخ میں عذاب کا ہونا مراد ہو۔ لیکن قتل کے احتمال کی اس لئے تردید ہو جاتی ہے کہ یہ تمام لوگ قتل نہیں ہوئے بعض حضرات یہی کہتے ہیں، اور یہی بات زیادہ ظاہر بھی ہے کہ ان لوگوں سے جو مر گئے۔ انہیں عالم برزخ میں عذاب ہوا اور ہو جاتی رہے۔ انہیں دنیا میں قتل کیا گیا۔ تو یہ وعید عذابِ دنیا اور عذاب برزخ دونوں پہ شامل ہے۔

ایک اور آیت ہے:۔

ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون ط	اور یقیناً ہم انہیں چکھائیں گے عذاب ادنیٰ (یعنی عذاب برزخ) جو کہ عذاب اکبر سے علیحدہ ہے (یعنی قیامت کے عذاب سے) تاکہ وہ لوٹیں۔

ایک جماعت نے اس آیت سے عذاب قبر کی دلیل پکڑی ہے۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن عباس بھی ہیں۔ لیکن اس آیت سے دلیل پکڑنے میں کوئی مضبوطی نہیں ہے کیونکہ

اس عذاب سے مراد دنیا کا عذاب ہے۔ تاکہ لوگ اس کی وجہ سے کفر سے باز آجائیں اگر یہ بات جس پر امت اور مفسر قرآن جناب حضرت ابن عباسؓ سے مخفی نہ تھی لیکن انہوں نے اپنی باریک بین عقل و فہم سے جیسے وہ قرآن حکیم کے مضامین سمجھنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ اس عذاب سے مراد قبر کا عذاب خیال فرمایا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگوں کو دو عذاب کریگا۔ ایک تو عذاب قبر اور دوسرا عذاب ادنیٰ تو اس آیت کریمہ کے اندر اس نے یہ بتایا ہے۔ کہ وہ لوگوں کو عذاب ادنیٰ سے تھوڑا سا عذاب اس دنیا کے اندر بھی چکھائیگا تاکہ لوگ کفر سے باز آجائیں، اسی لئے اس نے فرمایا ہے۔ من العذاب الادنیٰ اس طرح نہیں فرمایا۔ ولنذیقنھم العذاب الادنیٰ اسے اچھی طرح غور سے سمجھ لو یہ تائید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ مرد کے لئے جہنم کی طرف ایک کھڑکی کھولی جاتی ہے۔ فیاتیہ من حرھا وسمومھا۔ یہ نہیں فرمایا فیاتیہ حرّھا و سمومھا جس آدمی کو اسی عذاب سے کچھ حصہ ملا ہے۔ تو اس کا بہت سا حصہ اس کے لئے باقی ہے۔ اور جن خدا کے دشمنوں کو دنیا کے اندر اس سے کچھ حصہ ملا ہے۔ ان کے لئے برزخ میں اس سے زیادہ ہے۔

ایک آیت کریمہ یہ ہے۔

فلولا اذا بلغت الحلقوم و انتم حینئذ تنظرون و نحن اقرب الیہ منکم و لکن لا تبصرون فلولا ان کنتم غیر مدینین ترجعونھا ان کنتم صادقین فاما ان کان من المقربین فروح و ریحان و جنۃ نعیم و اما کان من اصحاب الیمین فسلام

تو کیا جبکہ جان بدن سے کھینچ کر گلے میں آن پہنچے۔ اور تم اس وقت پڑے دیکھا کرو اور کچھ نہ کر سکو۔ اور ہم اس کی جانب تم سے زیادہ نزدیک ہیں۔ لیکن تم نہیں دیکھتے ہاں اگر تم کسی سے عاجز نہیں ہو تو اس روح کو پھیر نا اس کو واپس لوٹا دو اگر تم سچے ہو۔ اگر وہ مرنے والا مقربین سے ہے تو اس کے لئے راحت، آرام اور نعمتوں

لك من اصحاب اليمين ط واما ان كان من المكذبين الضالين فنزل من حميم وتصلية جحيم ط ان هذا لهو الحق اليقين فسبح باسم ربك العظيم ط	والی جنت ہے اور اگر وہ داہنے طرف والوں سے ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ تجھ پر سلام ہو کہ تو داہنی طرف والوں سے ہے۔ اور اگر مرنے والا جھٹلانے والوں، گمراہوں میں سے ہے تو اس کے لیے جوش مارتے ہوئے گرم پانی کی مہمانی ہے اور (آخرکار) دوزخ میں داخل کیا جانا ہے یقیناً یہ بالکل سچ اور یقینی ہے تو اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنے رب کے نام کی تسبیح کرتے رہو۔

اس آیت کریمہ کے اندر روحوں کے احکام جو کہ مرتے وقت پیش آتے ہیں بیان فرمائے ہیں۔ اور سورۃ کے شروع میں قیامت کا دن اور معاد اکبر کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ قیامت زیادہ اہم اور اولیٰ تھی اسی لئے اس کے ذکر کو بھی مقدم کیا ہے۔

جس طرح کہ آخرت کے اندر لوگوں کی تین قسمیں کی ہیں، اسی طرح مرنے کے وقت بھی ان کی تین قسمیں کی ہیں۔

ایک یہ آیت ہے۔

یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ۔	اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جا تو تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی میرے بندوں میں شامل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔"

سلف صالحین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ نفس سے یہ قول کس وقت کہا جاتا ہے۔ ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ یہ موت کے وقت کہا جاتا ہے۔ اور آیت کے ظاہری الفاظ سے بھی اسی بات پر دلالت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ خطاب اس نفس سے ہے جو کہ بدن سے جدا ہو گیا ہے۔ اور بدن سے باہر نکل آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے فرمان میں اس کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ براء بن عازب وغیرہ سے روایت ہے۔ کہ نفس سے کہا جاتا ہے کہ نکل آ اللہ تجھ سے راضی اور تو اللہ سے راضی۔

اس مسئلہ کے بارے میں پوری تقریر وہاں بیان کی جائیگی بجہاں ردوں کے مستقر اور ٹھکانے کا ذکر کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اس حدیث کے مطابق ہے۔ اللھم الی الرفیق الاعلیٰ، اگر تم قبر کے عذاب اور ثواب کے متعلق حدیثوں میں غور کرو گے تو انہیں انہی آیات کی تفصیل و تفسیر پاؤ گے، اللہ تعالیٰ نیک توفیق عطا فرمائے۔

فصل ۲۴

نواں مسئلہ اس بارے میں ہے کہ سائل کہتا ہے وہ کونسے اسباب ہیں جن کی وجہ سے اہل قبور کو ان کی قبروں میں عذاب کیا جاتا ہے

اس کا جواب دو طریقوں سے ہے ایک مجمل اور ایک مفصل۔ مجمل یہ ہے کہ ان لوگوں کو اللہ کے نہ پہچاننے اس کے احکام کو ضائع کرنے اور گناہوں کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس روح کو عذاب نہ فرمائیں گے جس نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ اور اس سے محبت کی ہے اور اس کے احکام کی تعمیل کی ہے۔ اور نافرمانیوں سے باز رہی ہے۔ کیونکہ قبر کا عذاب اور آخرت کا عذاب کا یہ اثر ہے، خدا کے غضب اور غصے کا جو بندہ پر ہوتا ہے۔ یعنی جس آدمی نے اس دنیا میں خدا کو ناراض کیا اور توبہ نہ کی۔ بلکہ گناہوں پر اصرار کی حالت میں ہی مر گیا تو اس آدمی پر اللہ تعالیٰ کے غصہ اور غضب کے موافق عذاب ہوگا۔ کسی کو کم اور کسی کو

زیادہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن آدمیوں کی خبر دی ہے۔ جنہیں قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔ ایک چغلخوری کیا کرتا تھا۔ اور دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا ہے۔

ایک نے طہارت کو جو کہ واجب ہے ترک کیا۔ اور دوسرے نے اپنی زبان سے لوگوں میں عداوت پھیلانے کی کوشش کی، اگرچہ وہ اپنی ان باتوں میں سچا تھا۔ اس حدیث میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو آدمی نماز کو چھوڑتا ہے اُس کا عذاب بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ جب طہارت کے چھوڑنے والے کا یہ عذاب ہے جو کہ نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے اور واجب ہے تو پھر نماز کے چھوڑنے کے عذاب کا کیا ٹھکانا۔ اسی طرح اس آدمی کے عذاب کا کیا ٹھکانا جو جھوٹی باتیں لوگوں میں پھیلا کر اُن میں دشمنی پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ جب سچی بات سے عداوت ڈالنے والے کا یہ عذاب آنحضرتؐ نے دیکھا تو پھر اس کا کیا ہوگا جو بہتان باندھتا ہے

شعبہ کی حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے ایک لوگوں کا گوشت کھایا کرتا تھا۔ یعنی غیبت کرتا تھا۔ اور دوسرا چغلخور تھا۔

ابن مسعودؓ کی یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ جس میں آیا ہے کہ ایک مردے کو فرشتے نے کوڑا مارا تو اس کی تمام قبر آگ سے روشن ہو گئی۔ کیونکہ اس نے ایک دفعہ بغیر وضو کے نماز پڑھی تھی، اور ایک مظلوم کے پاس سے گذرا تھا تو اُس کی مدد نہ کی تھی۔

صحیح بخاری کی حدیث میں جو سمرہ سے مروی ہے۔ ذکر گذر چکا ہے کہ ایک آدمی جھوٹ بولتا تھا۔ اور اس کا وہ جھوٹ تمام دنیا میں مشہور ہو جاتا تھا۔ اور ایک آدمی نے قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ لیکن نہ رات کو اُسے پڑھا نہ دن میں اس پر عمل کیا۔ اور سود کھانے والے کا ذکر بھی اسی میں ہے، ان لوگوں کے عذاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم برزخ میں مشاہدہ فرمایا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں اُن لوگوں کا بیان بھی گذر چکا ہے جن کے سروں کو پتھروں سے پھوڑا جا رہا تھا۔ کیونکہ یہ لوگ نماز نہ پڑھتے تھے، زکوٰۃ نہ دینے والوں کا

بیان بھی ہے کہ وہ جہنم میں زقوم وغیرہ جانوروں کی طرح کھاتے پھرتے تھے۔ اور زنا کار کے عذاب کا بیان بھی ہے۔ جو اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر دوسری عورتوں سے حرام کاری کرتے تھے۔ کہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدبودار سڑا ہوا گوشت کھاتے دیکھا حالانکہ اُن کے پاس نفیس گوشت رکھا ہوا تھا۔ لیکن وہ اُسے نہ کھاتے تھے۔ اور جو آدمی فتنہ برپا کرنے کے لئے خطبے پڑھ کر لوگوں کو ابھارتے تھے۔ اُن کے ہونٹوں کو لوہے کی قینچیوں سے کترتے ہوئے دیکھا۔

حضرت ابو سعید کی حدیث میں اُن مجرموں کے عذاب کا ذکر ہوا ہے جن کے پیٹ مکانوں کی مانند بڑے ہو گئے تھے۔ یہ سود کھانے والے تھے۔ اور بعض آدمیوں کے لبوں کو کھول کر اُن کے اندر انگارے ڈالے جاتے تھے۔ یہ یتیموں کا مال کھانے والے تھے۔ کچھ عورتوں کو دیکھا کہ اُن کی چھاتیاں بندھی لٹک رہی ہیں۔ یہ بدکار عورتیں تھیں، بعض لوگ اپنے پہلوؤں کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ یہ غیبت کرنے والے تھے۔ بعض کے ناخن تانبے کے تھے۔ جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچتے تھے، یہ وہ آدمی تھے۔ جو لوگوں کی بے آبروئی کرنے کی باتیں کرتے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے عذاب کے متعلق بھی خبر دی ہے جس نے مال غنیمت سے شملہ چرا لیا تھا، فرمایا کہ وہ شملہ آگ کے ساتھ اُس کی قبر پر شعلے مارتا ہے۔ حالانکہ اس شملہ کے اندر تو اس چرانے والے کا حق بھی تھا، خیال کرنے کا مقام ہے کہ جس آدمی کا کسی چیز کے اندر حق بھی نہ ہو اور محض ظلماً اس چیز کو لے لے تو اس کے عذاب کا کیا حال ہوگا۔

معلوم ہوا کہ قسم کا عذاب، دل، آنکھ کان، زبان، پیٹ، شرمگاہ، ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء کے گناہوں سے ہوتا ہے۔

چغلخور، جھوٹا، غیبت کرنے والا۔ جھوٹی گواہی دینے والا، نیک آدمی پر تہمت لگانے والا۔ فتنہ برپا کرنے والا، بدعت کی جانب دعوت دینے والا، خدا اور رسول پر ایسی بات کہنے والا جنہیں وہ نہیں جانتا، اور کلام میں حد سے تجاوز کرنے والا، سود خوار

یتیموں کا مال کھانے والا، رشوت وغیرہ حرام طریقے سے مال اکٹھا کرنے والا ناحق کسی مسلمان کا مال ضائع کرنے والا نشہ باز، زانی، لوطی، چور، خائن، غدر کرنے والا، مکر کرنے والا، سود لینے والا، دینے والا، اس کا لکھنے والا اور اس کے دونوں گواہ، حلالہ کرنے والا جس کے لئے حلالہ کیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرائض کے چھوڑنے پر حیلہ کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا مرتکب، مسلمانوں کو ایذا پہنچانے والا۔ اُن کی پردہ دری کی کوشش کرنے والا، اللہ کے حکم کے خلاف فیصلہ کرنے والا، اور فتویٰ دینے والا، ملحد، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء کے حقائق وصفات کو معطل ٹھیرانے والا، اپنی رائے کو مقدم سمجھنے والا اپنے طریقے کو سنتِ نبویہ سے زیادہ پسند کرنے والا، نوحہ کرنے والا، نوحہ سننے والا، ایسے گانے کا سننے والا جسے اللہ اور رسولؐ نے حرام کیا ہے۔ وہ لوگ جو قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں، قبروں پر قندیلیں اور چراغ روشن کرتے ہیں۔ اور وہ آدمی جب کسی سے کچھ خریدتے ہیں تو پورا لیتے ہیں۔ بلکہ زیادہ اور جب خود بیچتے ہیں تو کم دیتے ہیں، جبر، تکبر اور ریاکاری کرنے والے، لوگوں پر آوازے کسنے والے آنکھ مارنے والے، بزرگوں کو برا کہنے والے، وہ آدمی جو کاہنوں کے پاس جاتا ہے، اور انہیں سچا سمجھتا ہے۔ اُن ظالموں کے جنہوں نے آخرت کے عوض میں دنیا کو خرید لیا ہے، اور وہ آدمی کہ جب اُسے اللہ سے ڈراؤ تو وہ نہ ڈرے، نہ ہی اپنی حرکت سے باز آئے، اور جب کسی آدمی سے ڈراؤ تو ڈر جائے اور اُسی حرکت سے باز آجائے۔ وہ آدمی کہ جب اُسے قرآن و حدیث سے نصیحت کرو تو نہ مانے، اور جب اُسے کسی پیر یا اُستاد کا جس کا وہ معتقد ہو اقول نقل کیا جائے تو اُسے دل سے قبول کرے اور ہرگز اُس کی مخالفت نہ کرے، اور جب فسق و فجور کی آواز اس کے کانوں میں آئے تو خوشی سے ناچنے کودنے لگے اس بات کی خواہش کرے۔ کہ گانے والا چپ نہ ہو، وہ آدمی جو اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔ اور جب اسے مرشد یا کسی عزیز کے سر کی قسم دی جائے جس کی زندگی کو وہ عزیز رکھتا ہے۔ تو جھوٹی قسم نہ کھائے چاہے کتنا ہی اُسے ڈرایا دھمکایا جائے

نیز وہ آدمی جو علی الاعلان کثرت سے گناہ کرتا ہے، اور پھر اپنے یاروں دوستوں کے سامنے فخر کے طور پر بیان کرتا ہے۔ اور ایسا آدمی جس سے لوگ اپنے مال و حرمت کے بارے میں مامون نہ ہوں، فحش بکنے والا، جس کے شر و فساد سے بچنے کے لئے مخلوق نے اس سے میل جول ترک کر دیا ہو، اور وہ آدمی جو نماز کو اخیر وقت میں پڑھتا ہو اور اس طرح سجدہ کرتا ہو جس طرح مرغ ٹھونگے مارتا ہے نہ خدا کا ذکر کرتا ہو۔ مگر بہت تھوڑا، وہ بھی بے دلی کے ساتھ۔ وہ آدمی جو باوجود قدرت کے حج نہیں کرتا، اور نہ اُن حقوق کو ادا کرتا ہے جو اس پر ہیں۔ اور کھانے پینے چلنے پھرنے بولنے میں حرام و حلال کی تمیز نہیں کرتا۔ نہ صلہ رحمی کرتا ہے نہ مسکین پر رحم کھاتا ہے، نہ بیوہ یتیم بے زبان جانور پر رحم کھاتا ہے۔ بلکہ یتیم کو تو بالکل چھوڑ دیتا ہے۔ اور مساکین کے کھانا کھلانے پر اپنے آپ کو آمادہ کرتا ہے، نہ لوگوں کو برتنے والی چیزوں کو لوگوں سے روکتا ہے، اور لوگوں کے دکھاوے کا کام کرتا ہے۔ لوگوں کے عیبوں اور گناہوں پر نظر رکھتا ہے۔ لیکن اپنے گناہوں اور عیبوں کو نہیں دیکھتا تو اس قسم کے یہ تمام لوگ اپنے چھوٹے بڑے گناہوں کی بنا پر قبروں میں عذاب کئے جاتے ہیں۔ چونکہ اس قسم کے گنہگار زیادہ ہیں۔ اسی لئے قبر میں گرفتاران عذاب بھی بہت ہیں اور نجات پانے والے کم ہیں۔

قبر ظاہری طور پر مٹی کا ڈھیر ہے۔ مگر اس کے اندر حسرت و عذاب سے اندھیر ہے۔ مٹی کے اوپر خوبصورت پتھر، اور طرح طرح کی گلکاریاں ہیں۔ لیکن اندر دوزخ کی بلائیں اور آگ کا عذاب ہے، حسرتوں کے ساتھ قبروں کی چوش زنی کو کیا خیال کیجئے۔ بس چولہے پر کھولتی ہوئی ہانڈی کو دیکھ لیجئے۔ خدا کی قسم قبر نے ایسی نصیحت کی ہے کہ کسی واعظ کے لئے کوئی بات نہیں چھوڑی اور پکار پکار کہہ دیا ہے کہ اے دنیا کے کمینو تم نے زوال کے گھر بنانے میں بڑی محنت کی لیکن اس گھر کے متعلق تم نے کچھ نہ کیا جس کی طرف تم دوڑے چلے جاتے ہو تم نے ایسے گھر تعمیر کئے۔ جن کے فائدے دوسرے اٹھائیں گے۔ مگر اُن گھروں کے متعلق تم نے کچھ نہ کیا۔ جن میں

صرف قبر ہی رہنے والے ہو یہ وہ گھر ہے۔ جس کا مالک اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے اور اپنے اعمال کو جنہیں وہ دنیا میں کرتا ہے۔ یہاں پر امانت رکھا ہوا پاتا ہے۔ یہ مکان دنیا کی کھیتی کا کھلیان ہے۔ اور یہ عبرت کی جگہ ہے۔ کسی کے لئے جنت کا باغیچہ ہے اور کسی کے لئے دوزخ کا گڑھا ہے،

فصل ۲۵

"دسواں سوال یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب ہیں۔ جن کے ذریعے سے قبر کے عذاب سے نجات مل سکتی ہے"

اس کے بھی دو جواب ہیں ایک مجمل اور ایک مفصل مجمل تو یہ ہے کہ ان باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ جو قبر کے عذاب کا سبب بنتی ہیں، اس کے لئے بڑا فائدہ مند یہ ہے کہ (اپنے نفس سے دن بھر کے تمام کاموں کا حساب لیتا رہے ہر کام کی اچھائی برائی کو دیکھ کر برے کاموں سے سچے دل سے اور خلوص کے ساتھ توبہ کرے اور یہ عہد کرے کہ اب آئندہ کے لئے ہرگز یہ کام نہ کرونگا۔ پھر اسی توبہ کے ساتھ سو رہے۔ اسی طرح ہر رات کرے۔ اس سے بہت فائدہ پہنچیگا۔ کیونکہ جب صبح کو بیدار ہوگا تو نیک کام کی کوشش کریگا۔ یہاں تک کہ فضل ایزدی اس پر متوجہ ہوگا۔ اور وہ اپنی فوت شدہ چیزوں کو حاصل کرلے گا، اس نیند سے بڑھکر بندے کے لئے اور کوئی نیند فائدہ مند نہیں ہے۔ خاصکر جب کہ اس توبہ کے بعد ذکر الٰہی کرے یا وہ اوراد پڑھے۔ جو آنحضرت سے مروی ہیں۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ نیک توفیق دیتا ہے، اسی سے ایسے کام ہوتے ہیں)

مفصل جواب کے لئے ہم ان حدیثوں کو ذکر کرتے ہیں جو قبر کے عذاب کے بارے میں آئی ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت سلمانؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک رات دن خدا کی راہ میں رہنا یعنی جہاد ایک مہینے کے روزوں اور شب بیداری سے بہتر ہے، اور اگر جہاد کی حالت میں مر جائے گا۔ تو تمام وہ اعمال جنہیں وہ کرتا تھا جاری رہیں گے اور اُسے رزق ملتا رہے گا، اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

ترمذی نے فضالہ بن عبید سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ ہر مرنے والے کا عمل اُس کے مرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ سوائے اس آدمی کے جو اللہ کے راستے میں مرا، اس کے اعمال قیامت تک بڑھتے رہتے ہیں اور وہ قبر کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے، ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نسائی نے رشدین بن سعد سے اور اُس نے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیا بات ہے کہ تمام مومن تو قبر کے فتنے میں مبتلا رہتے ہیں اور شہید اس سے محفوظ رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے سر پہ تلوار کے چمکنے کا فتنہ کافی ہے۔ اس کے بعد پھر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کی اسے ضرورت نہیں۔ سبحان اللہ شہیدوں کی کیا شان ہے [illegible]

مقدام رضی اللہ عنہ کرب سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ شہید کے لئے خدا کے ہاں چھ خصوصیتیں ہیں، اس کے قتل ہوتے ہی اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ جنت میں اس کا مقام اُسے دکھا دیتا ہے۔ قبر کے عذاب سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔ اور قیامت کی گھبراہٹ سے مامون رکھتا ہے، اُس کے سر پہ وقار کا ایک مرصع تاج رکھا جاتا ہے، جس کا ایک یاقوت دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے، بہتر حوروں سے اس کی شادی ہوتی ہے۔ اور اس کے ستر قریبوں کے بارے میں اُس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے، اسے ابن ماجہ و ترمذی نے روایت کیا ہے، اور لفظ بھی اسی کے ہیں اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام میں سے ایک آدمی نے ایک قبر پہ اپنا خیمہ کھڑا کیا۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے، ناگہاں انہوں نے دیکھا

کہ قبر میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے سورۂ ملک پڑھ رہے ہیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے سورۂ ملک کو ختم کر لیا۔ یہ صحابیؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک جگہ پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ مجھے علم نہ تھا۔ کہ یہاں قبر ہے۔ میں نے قبر کے اندر ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ سورۂ ملک پڑھ رہا ہے۔ حتیٰ کہ اُسے ختم کر لیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ سورہ قبر کے عذاب سے نجات دلانے والی ہے۔ اور اس نے اس آدمی کو بھی نجات دلائی ہے، ترمذی کہتے ہیں۔ کہ یہ حدیث حسن غریب ہے،

مسند عبد بن حمید میں سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے ہمیں یہ روایت پہنچی ہے۔ کہ انہوں نے ایک آدمی سے فرمایا کہ اگر تو کہے تو میں تجھے ایک ایسا تحفہ دوں جس سے تو بہت خوش ہو۔ اس آدمی نے کہا فرمایئے، ابن عباسؓ نے فرمایا۔ سورۂ تبارک الذی پڑھا کر تو خود بھی اسے یاد کر اور اپنے بال بچوں کو بھی سکھا اور اپنے پڑوسیوں کو بھی کیونکہ قیامت کے دن یہ خدا سے اپنے پڑھنے والے کے لئے جھگڑے گی۔ قبر اور جہنم کے عذاب سے اسے بچائے گی، حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری امت کے ہر آدمی کے سینے میں یہ سورہ ہو۔ یعنی تمام مسلمان اسے پڑھا کریں۔

ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں۔ صحیح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا ایک سورہ ہے جس میں تیس آیتیں ہیں یہ سورہ اپنے پڑھنے والے کے لئے اتنی شفاعت کرے گی کہ اُسے بخشوا کے چھوڑے گی۔ یہ سورۂ تبارک الذی ہے ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جو آدمی دستوں میں مرے وہ شہید ہے۔ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ اور صبح و شام اسے جنت سے رزق ملے گا

نسائی میں روایت ہے۔ عبد اللہ بن شکر فرماتے ہیں کہ میں سلیمان صرد اور خالد بن عرفطہ کے پاس بیٹھا تھا۔ ان دونوں نے ایک آدمی کا ذکر کیا کہ وہ دستوں کی بیماری میں مرا ہے، اور اس بات پر افسوس کیا کہ ہم اس کے جنازے میں شریک نہ ہو سکے

پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ کیا حضورؐ نے نہیں فرمایا ہے جس آدمی کو دشمنوں نے ہلاک کیا اُسے قبر کا عذاب نہ ہوگا، دوسرے نے کہا ہاں بیشک حضورؐ نے فرمایا ہے،

ترمذی میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اُسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے، ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، اور اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔

ترمذیؒ نے اسے دوسری سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے، اور حافظ ابونعیم نے اسے مرفوعاً حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ جو آدمی جمعہ کی رات یا جمعہ کے دن مرا، وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ اور قیامت کے دن جب وہ آئیگا تو اُس پہ شہادت کی مُہر لگی ہوئی ہوگی۔

حضورؐ نے فرمایا ہے۔ شہید کے سر پہ تلوار کا چمکنا اسے کافی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں واللہ اعلم کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے سر پہ تلوار کے چمکنے سے اس کے نفاق و ایمان کا امتحان کر لیا، کیونکہ اگر وہ منافق ہوتا تو سر پہ تلوار کے چمکنے سے بھاگ جاتا، تو یہ اُس کے ایمان کی علامت ہے کہ اس نے خدا کے راستے میں اپنی جان قربان کر دی۔ خدا کے دین کے غالب کرنے میں اپنی پوری کوشش کی تو اس کے مافی الضمیر کا امتحان ہو گیا، اور اس کے بعد قبر میں عذاب ہونے کی ضرورت نہ رہی۔

ابوعبداللہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جب شہید قبر کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے تو پھر صدیق کا کیا کہنا۔ وہ تو ثواب میں شہید سے بھی بڑھ کر ہے۔ قرآن شریف میں شہید سے پہلے صدیق کا ذکر ہے، اور صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ جو شخص ایک رات دن جہاد میں شریک رہا وہ بھی قبر کے فتنے سے محفوظ رہیگا، تو جو آدمی اس سے اور شہید سے، دونوں سے ثواب اور مرتبے میں بڑھ کر ہے۔ یعنی صدیق اُس کا کیا کہنا۔

ابو عبداللہ کے اس قول کی صحیح حدیثیں تردید کرتی ہیں، یہ ظاہر ہے کہ قبر میں صدیق سے سوال کیا جاتا ہے جس طرح کہ اور لوگوں سے ہوتا ہے۔ دیکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو صدیقین کے سردار تھے۔ جب آنحضرت نے اُن سے قبر میں منکر نکیر کے سوال و جواب کا ذکر کیا تو عرض کی یا رسول اللہ جبکہ میں اپنی اس حالت پر ہوں تو مجھ سے سوال ہوگا، حضور نے فرمایا، ہاں، آگے بقیہ حدیث کو بیان فرمایا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا اُن سے بھی قبر میں سوال ہوتا ہے یا نہیں، اس کے بارے میں امام احمد وغیرہ کے دو اقوال ہیں۔ شہداء کی اس خصوصیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ صدیق اگرچہ شہید سے مرتبہ میں زیادہ ہو۔ لیکن وہ اس خصوصیت میں شہید کا شریک بھی ہو۔ تو جو باتیں شہید کے ساتھ خاص ہیں وہ اُن لوگوں کے لئے ضروری نہیں ہیں جو شہداء سے درجہ میں افضل و اعلیٰ ہیں۔

ابن ماجہ نے جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ جو آدمی بیمار ہو کر مرا وہ شہید ہے۔ اور قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا یہ حدیث مفردات ابن ماجہ میں سے ہے اور ابن ماجہ کی افراد میں غریب و منکر حدیثیں بھی ہیں۔ اس قسم کی حدیث پر توقف کرنا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے کی شہادت نہ دینی چاہیئے۔ بالفرض اگر یہ حدیث حضورؐ سے صحیح طور پر ثابت بھی ہو۔ تب بھی یہ حدیث اس حدیث کے ساتھ مقید ہوگی۔ کہ جسے عارضہ شکم فوت کرے وہ شہید ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے مبطون شہید ہے یعنی وہ شہید ہے جو پیٹ کے عارضہ سے ہلاک ہو) واللہ اعلم بالصواب۔

قبر کے عذاب سے نجات پانے کے بارے میں ایک حدیث میں پوری شفا نذکور ہے ابو موسیٰ مدینی نے اپنی کتاب ترغیب و ترہیب میں روایت کیا ہے اور اس کی تشریح بھی کی ہے۔

عبدالرحمن بن سمرہ فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے، ہم مدینہ میں مقام صرفہ میں رہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے

ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ میں نے آج رات عجیب واقعہ دیکھا ہے۔ کہ میری امت میں سے ایک آدمی کے پاس ملک الموت آیا، تو وہ جو نیکی اپنے والدین کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ اس نے ملک الموت کو اُس سے دفع کر دیا۔ اور اپنی امت میں سے ایک اور آدمی کو دیکھا کہ شیطانوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ تو ذکر الٰہی نے جسے یہ شخص کیا کرتا تھا۔ آن کر شیطانوں کو اڑا دیا، اور ایک آدمی کو دیکھا کہ اُس پر عذاب کے فرشتے حجم کئے ہوئے تھے تو اس کی نماز نے جسے یہ پڑھتا تھا۔ آن کر انہیں ہٹا دیا، اور ایک پیاسے آدمی کو دیکھا کہ جب وہ پانی کے حوض کے قریب آتا ہے تو وہاں سے دور کر دیا جاتا ہے تو پھر رمضان شریف کے روزوں نے آن کر اُسے پانی پلایا، اور میں نے دیکھا کہ انبیائے کرام جدا جدا گروہوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ میری امت کا ایک آدمی ان گروہوں میں سے کسی میں شریک ہونا چاہتا ہے۔ مگر وہاں سے دور کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کا غسل جنابت اُس کے قریب آیا اور اسے میرے پہلو میں بٹھا دیا۔ اور میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کے آگے، پیچھے دائیں بائیں، اوپر، نیچے ہر طرف اندھیرا ہے۔ وہ آدمی بڑا حیران پریشان ہے۔ اس کا حج و عمرہ آیا اور اُسے اُن اندھیروں سے نکال کر لے گیا اور نور میں داخل کر دیا اور اپنی امت میں سے ایک اور آدمی کو دیکھا کہ وہ دوزخ کی لپیٹ سے بچنا چاہتا ہے کہ اتنے میں اس کا صدقہ آکر اس کے اور دوزخ کے درمیان حائل ہو گیا اور اُس کے سر پر سایہ کرنے لگا اور یہ دیکھا کہ میری امت میں سے ایک آدمی سانپوں سے گفتگو کرتا تھا۔ اور کوئی مسلمان اُس کی بات کا جواب نہ دیتا تھا۔ کہ اتنے میں صلۂ رحم، یعنی رشتہ داروں سے جو سلوک وہ کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا اے مسلمانو! یہ آدمی صلۂ رحم کیا کرتا تھا۔ تم اس سے بات کرو، تو پھر مسلمان اس سے بولنے لگے اور سب نے اس سے مصافحہ کیا۔ ایک اور آدمی میں نے اپنی امت میں سے دیکھا کہ اُسے عذاب کے فرشتوں نے پکڑ رکھا تھا تو اُس کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نے آکر اُسے اُن فرشتوں سے چھڑایا۔ اور

رحمت کے فرشتوں کے حوالے کر دیا۔ میں نے اپنی امت میں سے ایک اور آدمی کو دیکھا۔ کہ وہ دوزانو ہو کر اللہ کے حضور میں بیٹھا ہوا ہے، اللہ تعالےٰ کے اور اس کے درمیان ایک پردہ ہے تو اس کے حسن خلق نے آ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے خدا کے پاس پہنچا دیا

ایک اور آدمی کو میں نے دیکھا کہ اس کا اعمالنامہ اس کے بائیں ہاتھ میں اُسے دیا جا رہا تھا کہ خدا کے خوف نے اعمالنامہ کو اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا، اپنی امت میں سے ایک اور آدمی کو دیکھا کہ اس کے اعمال میزان میں ہلکے تھے۔ تو اس کے ان بچوں نے آن کر جو صغر سنی میں فوت ہوئے تھے اُسے بھاری کر دیا، اپنے ایک اور امتی کو صراط کے کنارے کھڑا دیکھا تو جو امید وہ اللہ سے رکھتا تھا اس نے آن کر اسے بچا لیا اور وہ چلا گیا، ایک اور آدمی کو اپنی امت میں سے دیکھا کہ وہ دوزخ میں گرتا چلا جاتا تھا۔ تو اس کے وہ آنسو آئے جنہیں اس نے خوفِ خدا سے بہایا تھا۔ انہوں نے اُسے اس میں سے نکال لیا۔ اپنے ایک اور امتی کو دیکھا کہ وہ صراط پر کھڑا ہوا اس طرح کانپ رہا تھا جیسے آندھی میں ٹہنی ہلتی ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کے ساتھ جو اسے نیک گمان تھا وہ اس کے پاس آیا اور اسے تسکین ہو گئی پھر وہ چلا گیا۔ ایک اور آدمی کو میں نے دیکھا کہ وہ صراط پر کبھی وقت بیٹھے بیٹھے کھسکتا تھا۔ اور کبھی وقت لٹک جاتا تھا۔ تو مجھ پر جو درود پڑھتا تھا اس کے پاس آیا اور اسے سیدھا کھڑا کر دیا۔ پھر وہ چلا گیا۔ میں نے اپنے ایک اور امتی کو دیکھا کہ جس وقت وہ بہشت کے دروازے پر پہنچا تو اس کے دروازے بند ہو گئے۔ پھر لا الٰہ الا اللہ کی شہادت نے آن کر اس کے لئے دروازے کھلوائے۔ اور اسے جنت میں داخل کرا دیا۔

حافظ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت حسن ہے۔ ایسی ہی حدیث بچوں کے بارے میں کہی جاتی ہے۔ کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے اور اس کے ظاہری معنی ہی مراد ہوتے ہیں۔ اس کے لئے تعبیر کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور جس طرح یہ حدیثیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے دیکھا کہ میری تلوار ٹوٹ گئی ہے اور میں نے دیکھا کہ ایک گائے کو ذبح کیا جا رہا ہے، اور میں نے دیکھا کہ میں عقبہ بن رافع

کے گھر میں ہوں، ان خوابوں میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے اور جو احادیث کہ سمرہؓ حضرت علیؓ اور ابو امامہ نے حضورؐ کے طویل خواب کی صورت میں روایت کی ہیں، ان میں صرف برزخ کے عذاب کا ذکر ہے اور اس حدیث میں عذاب کا بیان بھی ہے۔ اور اس سے چھٹکارا دینے والے سبب کا بھی ذکر ہے۔

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے اس حدیث کے بارے میں سنا ہے کہ انہوں نے اس کی بہت بڑائی اور بزرگی بیان فرمائی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ سنت کے اصول اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اور یہ عمدہ حدیثوں سے ہے۔

فصل ۲۶

گیارہواں مسئلہ یہ ہے کہ قبر کا سوال خاص مسلمانوں ہی کے لئے ہے، یا منافقوں اور کافروں کے لئے بھی ہے یا صرف مسلمانوں اور منافقوں کیلئے ہے؟

ابو عمر بن عبد البر کتاب تمہید میں لکھتے ہیں۔ کہ دلالت کرنے والے آثار اس بات پر دال ہیں۔ کہ فتنۂ قبر، مومن یا منافق ہی کے لئے ہوتا ہے۔ جو قبلہ اور دین اسلام سے نسبت رکھتا ہے۔ اور اس نے ظاہری شہادت دی ہے، اور جو آدمی کافر یا منکر ہے اس سے اس کے رب، دین، اور نبی کے متعلق کچھ سوال نہ ہوگا، یہ سوال، اہل اسلام ہی سے ہوگا۔ پھر اللہ تعالےٰ ایمان والوں کو ثابت رکھے گا اور شک کرنے والے بھٹک جائیں گے۔

لیکن قرآن و سنت اس کے مخالف ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ سوال کافر و مسلم، ہر ایک سے ہوگا۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول | اللہ تعالےٰ ایمان والوں کو دنیا و آخرت

الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الاٰخرۃ و یضل اللہ الظلمین و یفعل اللہ ما یشاء ط	میں قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے"

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیت کریمہ قبر کے عذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جس وقت پوچھا جائے گا، کہ تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے، اور تیرے نبی کون ہیں؟

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت لوگ مردے کو قبر میں رکھ کر واپس ہوتے ہیں تو وہ مردہ اُن کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ آگے بقیہ حدیث کو بیان کیا ہے۔ بخاری شریف کے اندر صرف یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ کافر و منافق سے کہا جاتا ہے تو اس آدمی کی بابت کیا کہتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا، جو کچھ لوگ کہا کرتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا، تو پھر اسے لوہے کے گرز کی ایک ایسی ضرب ماری جاتی ہے کہ مردہ چیخ مارتا ہے اس کی یہ چیخ سوائے جنوں اور انسانوں کے تمام مخلوق جو اس کے قریب ہوتی ہے سنتی ہے۔

ابو سعید خدری کی حدیث اوپر بیان ہو چکی ہے۔ فرماتے ہیں ہم آنحضرت کے ساتھ ایک جنازے میں شریک ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! یہ امت قبروں میں فتنہ سے دوچار ہوتی ہے جب انسان دفن کیا جاتا ہے اور لوگ وہاں سے واپس لوٹتے ہیں تو مردہ کے پاس ایک فرشتہ گرز لئے ہوئے آتا ہے، اور مردے کو بٹھا کر پوچھتا ہے کہ تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ اگر وہ مومن ہوتا ہے تو یہ جواب دیتا ہے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔

فرشتہ کہتا ہے تو نے سچ کہا۔ پھر اس کے لئے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھلتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ دیکھ اگر تو کافر ہوتا تو تیرا یہ ٹھکانا ہوتا۔ اور جس وقت کافر یا

منافق سے فرشتہ سوال کرتا ہے، وہ جواب دیتا ہے مجھے معلوم نہیں سو کہتا ہے نہ تو جانے اور نہ تجھے ہدایت ہو، پھر اس کے لئے جنت کی جانب ایک دروازہ کھلتا ہے، اور کہتا ہے۔ اگر تو مومن ہوتا تو تیرے لئے یہ ٹھکانا تھا، لیکن تو نے چونکہ اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اس لئے اُس نے اس عمل کے بدلے تجھے دوزخ میں ٹھکانا دیا ہے، پھر اس کیلئے جہنم کی جانب ایک دروازہ کھول دیا جاتا تو اس کی چیخوں کو جنوں اور انسانوں کے سوا تمام مخلوقات سنتی ہے، کسی صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کون ہوگا۔ جس کے سر پر فرشتہ کھڑا ہوا اور وہ حواس باختہ نہ ہو تو حضور علیہ السلام نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا و فی الآخرۃ الی آخرہ۔

براء بن عازب کی طویل حدیث میں اس طرح آتا ہے کہ کافر جس وقت دنیا سے جدا ہونے اور آخرت کی طرف جانے کی حالت میں ہوتا ہے۔ تو ملائکہ آسمان سے ٹاٹ کا ایک تھیلا لے کر اس کے پاس آتے ہیں۔

پھر قبر میں اس کے بدن میں روح ڈالی جاتی ہے، دوسری ایک حدیث کے الفاظ ہیں، کہ اگر مرنے والا کافر ہوتا ہے تو ملک الموت اس کے سرہانے آن کر بیٹھتا ہے۔ پھر بقیہ حدیث کو بیان کیا ہے، فرشتے کہتے ہیں۔ یہ کیسی خبیث روح ہے اس کے ساتھ جو فرشتے ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ یہ فلاں آدمی ہے اور اس کے برے نام ذکر کرتے ہیں جس وقت یہ روح آسمان دنیا کے قریب پہنچتی ہے تو آسمان کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ تب اس روح کو آسمان سے زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی

ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق	جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گویا وہ آسمان سے گر پڑا تو اچک لیا اسے پرندوں نے یا اڑا لے گئی اسے کسی گہرے مقام میں پھینک دیا

فرمایا، پھر اس کی روح جسم میں ڈالی جاتی ہے اور دو نہایت چمکدار فرشتے اس کے

پاس آتے ہیں اور آن کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے، ہائے ہائے میں نہیں جانتا، وہ کہتے ہیں تو کبھی نہ جانے پھر کہتے ہیں کہ یہ نبی کون ہے۔ جو تم میں بھیجے گئے تھے، وہ جواب دیتا ہے۔ کہ میں نے لوگوں سے کہتے سنا تھا۔ لیکن میں نہیں جانتا، وہ کہتے ہیں کہ نہ تو جانے گا۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم :۔ یقیناً نیک لوگ جنت کی نعمتوں میں ہونگے اور یقیناً کافر دوزخ کے عذاب میں ہونگے۔

براء ابن عازب کی حدیث میں ہے کہ کافر جس وقت دنیا سے رخصتی اور آخرت کی تیاری میں ہوتا ہے۔ تو سخت اور غضبناک فرشتے اس پر اترتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ آگ کے کپڑے اور حنوط کے کرتے ہوتے ہیں۔ اور یہ روح کو جسم سے ایسی سختی کے ساتھ کھینچتے ہیں جس طرح کہ لوہے کی خاردار تیغ بھیگے ہوئے بدن سے نکلتی ہے جس وقت یہ روح نکل آتی ہے۔ آسمان و زمین کے تمام فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں پھر باقی حدیث کو بیان فرمایا ہے کہ وہ جوتیوں کی آواز کو سنتا ہے جس وقت لوگ واپس لوٹتے ہیں۔ پھر اس سے پوچھا جاتا ہے۔ اے فلاں تیرا رب کون ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں آگے باقی حصہ حدیث کو بیان کیا ہے۔

براء بن عازب سے دوسری سند کے ساتھ اس طرح روایت ہے کہ ہم آنحضرتؐ کے ساتھ انصار کے ایک جنازے میں شریک ہوئے۔ پھر باقی حدیث کو بیان فرمایا ہے یہاں تک کہ جب کافر دنیا سے رخصت ہوتا اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی موت کا وقت آتا ہے تو ملائکہ جہنم کی آگ کا کفن اور جہنم کی آگ کی بدبو لے کر اس کے پاس آتے ہیں، پھر بقیہ حدیث کو بیان کیا ہے، یہاں تک کہ فرمایا۔ اس کی روح کو اس کی خوابگاہ یعنی قبر میں لایا جاتا ہے، اور منکر نکیر اپنے ناخنوں اور دانتوں سے زمین کو چیرتے اور پھاڑتے ہوئے آتے ہیں۔ ان کی آوازیں مانند

رعد کے اور ان کی آنکھیں مانند بجلی کے ہوتی ہیں، وہ دونوں اس مردہ کو بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھتے ہیں۔ کہ اے شخص تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں تو پھر قبر کے ایک کونے سے آواز آتی ہے کہ نہ تو جانے گا۔ پھر وہ اسے لوہے کے گرز سے مارتے ہیں۔ کہ اس کی چوٹ اگر تمام دنیا پہ پڑے تو اسے سیاہ خاک بنا دے۔ پھر اس پہ قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ادھر سے اُدھر سے نکل جاتی ہیں، آگے باقی حصہ کو بیان کیا ہے،

براء بن عازب سے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت ہے، فرماتے ہیں۔ ہم انصاریوں میں ایک آدمی کے جنازے میں گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ تھے۔ پھر اس حدیث کو یہاں تک بیان کیا ہے کہ حضرت علیہ السلام نے فرمایا۔ جس وقت کافر کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس منکر نکیر آتے ہیں۔ اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں، (الی آخرہ)

براء بن عازب کی روایتوں میں کافر کا لفظ ہے، اور بعض کے اندر منافق اور فاجر کا لفظ بھی ہے۔ لیکن یہ الفاظ راوی کے شک کی بنا پر داخل ہو گئے ہیں۔ درحقیقت مجھے معلوم نہیں۔ آنحضرتؐ نے کونسا لفظ فرمایا بہرحال کافر اور فاجر کے ذکر میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ اور جس روایت کے اندر شک نہ ہو اور کثرت کے ساتھ مروی ہو وہ شک والی روایت سے اولیٰ ہوتی ہے کہ اس کے اندر باوجود شک کے انفراد بھی ہے۔ بہرحال دونوں روایتوں میں کوئی تناقض بھی نہیں ہے۔ کیونکہ منافق سے کافر کی طرح سوال کیا جائیگا۔ پھر خداوند قدوس اہل ایمان کو سلامت اور ثابت قدم رکھے گا۔ اور ظالموں کو جو کافر اور منافق ہیں گمراہ کر دیگا۔

ابوسعید خدری کی حدیث میں یہ دونوں الفاظ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں گئے، پھر بقیہ حصہ حدیث کو بیان فرمایا ہے، اور اگر وہ آدمی، کافر یا منافق تھا، تو فرشتہ اس سے پوچھتا ہے

کہ تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا ہے، وہ جواب دیتا ہے میں نہیں جانتا،
یہ حدیث اس بیان میں واضح اور صریح ہے کہ سوال کافر و منافق دونوں سے ہوتا ہے، اور ابو عمر رحمتہ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ایسا کافر جو خدا کا منکر ہو اس سے سوال نہیں کیا جائیگا۔ ہم ان سے کہیں گے کہ بات اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ وہ بھی دوسروں کی مانند مسئولین سے ہوگا۔ اور بہ نسبت دوسروں کے سوال کئے جانے کا زیادہ مستحق ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں یہ بتا دیا ہے کہ حشر کے دن وہ کفار سے بھی سوال کریگا، چنانچہ ارشاد ہے

ویوم ینادیھم فیقول ماذا اجبتم المرسلین ط	جس دن اللہ تعالےٰ کافروں کو بلائے گا اور فرمائیگا تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا،

دوسری جگہ فرمایا ہے۔

فوربک لنسئلنھم اجمعین عما کانوا یعملون ط	قسم ہے تیرے پروردگار کی ہم ان تمام سے پوچھینگے کہ کیا کیا عمل کرتے تھے۔

ایک اور جگہ فرمایا ہے:۔

فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین ط	ضرور ہم ان سے پوچھیں گے جن کی جانب رسول بھیجے گئے اور رسولوں سے بھی پوچھینگے"

جب قیامت کے دن ان سے پوچھا جائے گا تو پھر قبر میں کیوں نہیں پوچھا جائیگا۔ ابو عمر رحمتہ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل بے دلیل ہے۔

فصل ۲۷

بارہواں سوال یہ ہے، کہ منکر نکیر کا سوال صرف اسی امت کے ساتھ خاص ہے یا دوسری امتوں سے بھی ہوا ہے"

اس بارے میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے چنانچہ ابو عبداللہ ترمذی فرماتے ہیں کہ میت سے سوال ہونا صرف اسی امت کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ پہلے جو رسول آیا کرتے تھے۔ وہ تبلیغ کرتے تھے تو امتیں اُن کی نافرمانی کرتی تھیں۔ تو رسول اُن سے جدا ہو جاتے تھے۔ اور وہ امتیں فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاتی تھیں، پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محترم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام خلق کے لئے پیشوا، رہنما، اور رحمت بنا کر بھیجا جس طرح کہ اس کا فرمان ہے

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ	اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام عالموں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت لوگوں سے عذاب رک گیا، اور آپ کو تلوار دی گئی۔ تاکہ لوگ اس کے خوف سے دینِ اسلام میں داخل ہوں اور پھر ایمان اُن کے دلوں کے اندر گھر کر جائے، اسی لئے نفاق کی بیماری پھوٹی، یعنی کچھ آدمی ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے دلوں میں کفر کو پوشیدہ رکھا اور ظاہری طور پر اسلام کو قبول کر لیا۔ جب یہ لوگ مرے تو اللہ تعالیٰ نے قبر کا عذاب ان کے مافی الضمیر کو ظاہر کرانے کے لئے مقرر فرمایا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ پاک لوگوں کو ناپاک لوگوں سے جدا کر دے۔ اور ایمان والوں کو قولِ ثابت یعنی لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ دنیا و آخرت میں ثابت رکھے اور ظالموں کو گمراہ کرے۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی دوسروں نے مخالفت کی ہے۔ جن میں عبدالحق اشبیلی اور قرطبی بھی شامل ہیں، یہ لوگ کہتے ہیں کہ قبر کا عذاب اس امت

اور دوسری امتوں کے لئے ہے۔

بعض حضرات نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔ جن میں سے ابو عمر بن عبد البر بھی ہیں ان کا قول ہے کہ زید بن ثابت کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے۔ بعض نے روایت کی ہے کہ سوال کی جاتی ہے، ان الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قبر کا عذاب اسی امت کے لئے ہے یہ معاملہ ایسا ہے جس پر قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

جو لوگ قبر کے عذاب کو اسی امت کے ساتھ خاص سمجھتے ہیں۔ وہ یہی مذکورہ بالا حدیث حجت کے طور پر لاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے وحی کی گئی ہے۔ کہ تم لوگ اپنی قبروں میں فتنے میں مبتلا کئے جاؤ گے۔ اور یہ جملہ اسی امت کے ساتھ خاص ہونے میں ظاہر ہے یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ملائکہ کا مردے سے یہ کہنا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کون آدمی ہیں جو تمہارے اندر مبعوث ہوئے اور تو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے، تو مومن کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو یہ بات حضور ہی سے خاص ہے (یعنی آنحضرت کی صورت مردے کو قبر میں دکھا کر پوچھا جائے گا) ایک اور حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے بارے میں امتحان کئے جاؤ گے اور میرے متعلق تم سے پوچھا جائے گا

بعض علماء کہتے ہیں کہ ان احادیث سے اس امت کے ساتھ کوئی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے۔ کہ یہ امت اس سے مراد یا امت الناس ہے یعنی تمام لوگ، جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

وما من دابۃ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم	جو زمین پر چلنے والے ہیں اور جو اپنے دو سروں کے ساتھ اڑنے والے ہیں یہ تمام تمہاری طرح گروہ اور جماعتیں ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر

کتنے امتوں میں سے ایک امت نہ ہوتے تو میں ان کے قتل کرنے کا حکم دے دیتا۔
ایک دوسری حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک نبی کو کسی چیونٹی نے کاٹ لیا تھا۔ اس نبی نے تمام چیونٹیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ تم نے ایک چیونٹی کے کاٹنے سے امتوں میں سے ایک پوری امت کو جلا دیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی تھی، اور اگر اس لفظ سے مراد حضور کی امت ہے تو پھر بھی دوسری امتوں سے سوال ہونے کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کا تو اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ انہیں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ تم سے قبر میں سوال کیا جائیگا، اور یہ سوال اس امت کی بزرگی کے سبب دوسری امتوں کے ساتھ خاص نہیں ہو سکتا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے اور اسی طرح فرشتوں کا یہ پوچھنا کہ یہ کون آدمی ہیں جو تمہارے اندر مبعوث ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ آنحضرتؐ نے اپنی امت کو خبر دینے کے لئے فرمایا ہے، ہمارے نزدیک ظاہر تو یہی ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے کہ ہر نبی کا اپنی امت کے ساتھ اسی طرح معاملہ ہے۔ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے ساتھ اور تمام سے قبر میں سوال ہوتا ہے اور جب تک قائم ہوتے کے بعد عذاب ہوتا ہے۔ یا ایسا نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب،

فصل ۲۸

تیرہواں سوال یہ ہے کہ آیا بچوں سے بھی قبر میں سوال ہوتا ہے اور وہ بھی امتحان کئے جاتے ہیں یا نہیں؟

اس مسئلے میں بھی لوگوں کے دو قول ہیں۔ اصحاب احمد بن حنبل کے یہ دو قول ہیں

ایک قول تو یہ ہے کہ بچوں سے بھی قبر میں سوال ہوتا ہے۔ یہ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ بچوں پر بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور ان کے لئے بھی دعائے مغفرت کی جاتی ہے جس طرح کہ امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت بیان کی ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر یہ دعا مانگی۔ کہ اے اللہ قبر کے عذاب سے محفوظ رکھ علاوہ بریں یہ حدیث بھی ان لوگوں کی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ کے قریب سے ایک چھوٹے بچے کا جنازہ گذرا تو آپؓ رونے لگیں۔ کسی نے پوچھا آپؓ کیوں روتی ہیں، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ میں اس بچہ پر شفقت کی بنا پر روتی ہوں کہ اسے قبر پھینچے گی۔

اس حدیث کو بھی لوگ دلیل کے طور پر لاتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بچے پر نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے جس کی ماں ابھی نفاس سے پاک نہ ہوئی ہو، اور دعا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ اسے قبر کے عذاب سے محفوظ رکھ یہ لوگ کہتے ہیں، قبر میں اللہ تعالےٰ ان بچوں کی عقلوں کو کامل کر دیتے ہیں۔ اس سبب سے یہ اپنی منزل کو جان لیتے ہیں اور قبر کے سوال کا جواب انہیں الہام کیا جاتا ہے

یہ لوگ کہتے ہیں کہ بہت سی حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ آخرت میں بچوں سے سوال کیا جائیگا، اشعری نے اسے بہت سے اہل سنت و جماعت سے حکایت کیا ہے پھر جب قیامت میں ان سے سوال ہوگا تو کیا وجہ ہے کہ قبر میں ان سے سوال نہ کیا جائیگا

دوسرا قول یہ ہے۔ کہ قبر کا سوال ان لوگوں کے لئے ہے جو رسول مرسل کو سمجھتے ہیں اُن سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم رسول پر ایمان لائے تھے۔ اور اس کی اطاعت کی تھی یا نہیں؟ چنانچہ فرشتہ پوچھتا ہے کہ اے شخص تو ان کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ جو تم میں مبعوث ہوئے تھے۔ اگر قبر کے اندر بچے میں عقل بھی ڈالی جائے۔ تب بھی اس سے ایسا سوال نہیں کیا جا سکتا۔ جو اس کے علم و معرفت سے باہر ہو، اور نہ ہی اس سوال سے کچھ فائدہ بخلاف قیامت کے امتحان کے کیونکہ اس وقت اللہ تعالےٰ اُن کے پاس رسول بھیجے گا اور رسول کی اطاعت کرنے کا انہیں حکم دے گا۔ اس وقت ان کی عقل بھی کامل ہو گی۔ تو جو ان میں سے رسول کی اطاعت کرے گا۔ وہ نجات پا جائیگا۔ اور جو نافرمانی کرے گا وہ جہنمی

ہوگا - یہ امتحان ایسے امر کے ساتھ ہوگا جس کا انہیں اسی وقت حکم ہوگا - مگر یہ سوال ایسا نہیں ہے جو دنیا کی گذشتہ اطاعت یا نافرمانی کے متعلق اُن سے کیا جائے - جس طرح کہ قبر میں منکر و نکیر کے سوال کا تعلق اسی سے ہے -

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو عذاب کا ذکر ہے تو اس سے قبر میں عقوبت کا ہونا مراد نہیں ہے جو بچے پر کسی اطاعت کے چھوڑنے اور کسی معصیت کے ارتکاب کرنے میں ہو - کیونکہ اللہ کسی پاکیزہ نفس پر بغیر کسی گناہ کے جو اس نے نہ کیا ہو - عذاب نہیں کرتا - بعض اوقات قبر کے عذاب سے مراد وہ الم ہوتا ہے - جو دوسروں کے سبب سے مردے کو پہنچتا ہے، چاہے وہ اس کے کسی گناہ کا عقاب نہ ہو، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مردے کو اس کے رشتہ داروں کے رونے پر عذاب کیا جاتا ہے - یعنی ان کے رونے کی وجہ سے مردہ رنجیدہ اور غمگین ہوتا ہے، نہ کہ ان زندوں کے گناہ کرنے سے اس پر گرفت ہوتی ہے - اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ولا تزر وازرۃ وزر اخری	کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،

حضورؐ فرماتے ہیں،

السفر قطعۃ من العذاب	سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے،

عذاب کا لفظ عقاب کے لفظ سے زیادہ عام ہے اور بہت سے معنوں پر محمول ہو سکتا ہے - بخلاف عقاب کے -

اس میں کوئی شک نہیں کہ قبر میں بہت سی حسرتیں ہیں - جن کا اثر بچے پر بھی پڑتا ہے - جن سے وہ رنجیدہ ہوتا ہے - تو جو شخص اس پر ماتم کرتا ہے - ضروری ہے کہ وہ اس کے لئے عذاب قبر سے محفوظ رہنے کی دعا کرے - واللہ اعلم

فصل ۲۹

چودھواں سوال یہ ہے کہ عذاب قبر ہمیشہ رہتا ہے، یا کچھ دنوں کے بعد موقوف کر دیا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر کے عذاب کی دو قسمیں ہیں، ایک ہمیشہ رہنے والا، لیکن اس میں بعض لوگوں کے لئے تخفیف بھی ہو جاتی ہے یعنی نفختین کے درمیان چنانچہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جس وقت یہ لوگ اپنی قبروں سے باہر آئیں گے تو کہینگے وائے خرابی ہمیں اس خواب گاہ سے کس نے اٹھا دیا، اور اس عذاب کے دائمی ہونے پر یہ آیت قرینہ دلالت کرتی ہے:-

النار یعرضون علیها غدوا وعشیا ط	صبح اور شام وہ لوگ آگ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اور اس پر وہ حدیث بھی دال ہے جو بخاری نے سمرہ بن جندب سے حضورؐ کے خواب کے بارے میں روایت کی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ یہ عذاب قیامت تک ان پر ہوگا ابن عباس کی حدیث میں ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ یہ عذاب قیامت تک ان پر عذاب کی تخفیف نہ ہوگی۔ تا یہ تخفیف ان کے سوکھنے تک مقید رکھی گئی۔

ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ پھر حضورؐ ایک ایسی قوم پر آئے۔ جن کے سروں کو پتھروں سے پھوڑا جا رہا تھا۔ اور انہیں ذرا بھی مہلت نہیں ملتی تھی۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک آدمی دو چادریں اوڑھ کر اترا کر چلتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا، اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔

براء بن عازب کی حدیث میں کافر کے بارے میں آتا ہے کہ اس کے لئے جہنم کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ وہ قیامت تک اپنے جہنم کے ٹھکانے کو دیکھتا رہتا ہے

اسے امام احمد نے روایت کیا ہے، ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جہنم کا دھواں اور گرمی قیامت تک اسے لگتے رہیں گے۔

قبر کے عذاب کی دوسری قسم وہ ہے جو ایک مدت تک رہتا ہے۔ اور پھر منقطع ہو جاتا ہے۔ یہ عذاب اکثر گنہ گاروں کو ہوتا ہے۔ جن کے گناہ چھوٹے اور ہلکے ہیں۔ تو وہ اپنے گناہوں کے موافق عذاب پاکر پھر نجات پاتے ہیں، جس طرح کہ جہنم میں عذاب ہوگا اور پھر اس سے گنہ گار نجات پائیں گے۔

بعض اوقات مردے سے عذاب اس کے حق میں دعا کرنے، استغفار پڑھنے صدقہ دینے، حج کا ثواب بخشنے یا اس کے پاس قرآن شریف پڑھنے سے دور ہو جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی دنیا میں عذاب میں گرفتار ہو، اور اس کا کوئی دوست اس کی سفارش کرکے اسے اس عذاب سے نجات دلا دے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی آدمی سفارش کر سکتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کی مجال نہیں کہ سفارش کا دم بھر سکے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر اپنی مہربانی کرنا چاہتا ہے تو اس کی سفارش کرنے کی اجازت دے دیتا ہے اس کے سوا دوسرا مطلب سمجھنا شرک اور باطل ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی اور بزرگ ہے فرماتے ہیں

من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ	کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔
ولا یشفعون الا لمن ارتضیٰ	نہیں ہے کوئی سفارش کرنے والا۔ مگر
ما من شفیع الا من بعد اذنہ	اس کی اجازت کے بغیر۔
ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الا	اور نہیں نفع کرتی سفارش اس کے پاس
لمن اذن لہ	لیکن جس کے لئے وہ اجازت دے،
قل للہ الشفاعۃ جمیعاً لہ	فرما دیجئے کہ سفارش ساری اللہ ہی کے لئے
ملک السموات والارض	ہے، اسی کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا

ابن ابی الدنیا نے سند کے ساتھ عبداللہ بن نافع سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ والوں میں سے ایک آدمی مر گیا، اس کے دوستوں میں سے کسی نے اسے خواب میں دیکھا۔ کہ گویا وہ جہنمی ہے۔ یہ آدمی اس حال کو دیکھ کر بہت غمگین ہوا، پھر ساتویں یا آٹھویں رات میں دیکھا کہ وہ جنتی ہے، تو اس آدمی نے مردے سے پوچھا کہ تو دوزخی تھا اب جنتی کس طرح ہو گیا۔ اس نے کہا میرے پڑوس میں ایک بزرگ کو دفن کیا گیا۔ اس نے چالیس آدمیوں کی بخشش کرائی ہے۔ اُن چالیس میں سے ایک میں بھی ہوں۔

ابن ابی الدنیا احمد بن یحیٰی سے اور وہ اپنے کسی دوست سے روایت کرتے ہیں۔ اس نے بیان کیا کہ جب میرا بھائی مر گیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا اے بھائی قبر میں رکھے جانے کے بعد تیرا کیا حال ہوا؟ اس نے کہا کہ ایک فرشتہ آگ کا شعلہ لئے میرے پاس آیا، اگر ایک دعا کرنے والا میرے لئے دعا نہ کرتا تو مجھے ضرور وہ آگ کا شعلہ جلا دیتا۔

عمرو بن جریر فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنے مردے بھائی کے لئے دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس دعا کو لے کر اس مردے کی قبر پر آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے قبر کے رہنے والے غریب یہ تیرے شفیق بھائی کا تیرے لئے ہدیہ ہے۔

بشار ابن غالب فرماتے ہیں کہ میں رابعہ بصریؒ کے لئے بہت دعا کیا کرتا تھا میں نے ایک دفعہ انہیں خواب میں دیکھا۔ فرماتی ہیں اے بشار تیرے تحفے ہمارے پاس نورانی طباقوں میں ریشمی دستر خوانوں سے ڈھکے ہوئے آتے ہیں، میں نے کہا یہ کیسے؟ فرمایا زندہ مومنوں کی دعا کے لئے یہی قاعدہ ہے کہ جب وہ مردوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ تو اُن کی وہ دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر اسے نور کے طباقوں میں رکھ کر اور حریر کے خوان پوش سے ڈھانپ کر اس مردے کے پاس لاتے ہیں جس کے لئے وہ دعا کرتا ہے۔ کہ اس سے کہتے ہیں کہ یہ فلاں آدمی نے تجھے تحفہ بھیجا ہے۔

ابن ابی الدنیا فرماتے ہیں۔ مجھ سے ابو عبید بن بحیر نے اور اُن سے اُن کے ایک دوست نے روایت کی کہ میں نے اپنے بھائی کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا میں نے

پوچھا کیا زندوں کی دعا تمہیں پہنچتی ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں قسم ہے، اللہ کی وہ دعا نور کی مانند ایک کوہ بن جاتی ہے اور ہم اسے پہن لیتے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز اس کا مکمل جواب اس سوال کے جواب میں لکھا جائے گا۔ کہ مردے زندوں کے ان کے پاس ثواب کے تحفے بھیجنے سے نفع حاصل کرتے ہیں، یا نہیں،

فصل ۳۰

"روحیں قیامت تک کہاں رہتی ہیں، بدن میں ہوتی ہیں یا بدن سے مجرد؟"

بندہ ہو ال سوال یہ ہے کہ روحیں مرنے کے بعد قیامت تک کہاں رہتی ہیں۔ آسمان یا زمین میں پھر جنت میں یا جہنم میں، اور انہیں ان کے جسموں کے علاوہ اور جسم ملتے ہیں یا نہیں؟ اور ان جسموں میں انہیں عذاب یا ثواب ہوتا ہے یا نہیں، یا وہ جسموں سے بالکل مجرد رہتی ہیں؟

یہ مسئلہ بہت ہی عظیم الشان ہے اس بارے میں لوگوں نے بہت کچھ باتیں کی ہیں اور اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ ایک گروہ تو یہ کہتا ہے کہ مومنوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس جنت میں رہتی ہیں۔ چاہے وہ شہید ہوں یا غیر شہید، بشرطیکہ گناہ کبیرہ یا قرض نے ان کی روح کو جنت میں داخل ہونے سے نہ روک دیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرمایا ہو، اور اپنی رحمت ان پر نازل فرمائی ہو، یہ مذہب ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرو وغیرہ کا ہے۔

دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ مومنوں کی روحیں جنت کے دروازے کے آگے ایک میدان میں رہتی ہیں، جنت کی خوشبو اس کی نعمتیں اور رزق انہیں پہنچتا ہے

ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ روحیں اپنی قبروں ہی میں رہتی ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ روح آزاد ہوتی ہے۔ جہاں وہ چاہتی ہے جاتی ہے، اور پھرتی ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ کافروں کی روحیں جہنم میں اور مومنوں کی روحیں جنت میں رہتی ہیں۔

ابو عبداللہ بن مندہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعین سے ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ مومنوں کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس رہتی ہیں۔ اس سے زیادہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں کہتے

ابن مندہ فرماتے ہیں کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ مومنوں کی روحیں جابیہ میں اور کافروں کی روحیں برہوت میں رہتی ہیں، یہ شہر حضر موت میں ایک کنواں ہے۔

صفوان بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے ابو الیمان عامر بن عبداللہ سے پوچھا کہ مومنوں کی روحیں کسی جگہ جمع بھی ہوتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا جس زمین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر	بیشک ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھا ہے
اَنَّ الارض یرثھا عبادی الصالحون	کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوتے ہیں

اسی زمین کے اندر مومنوں کی روحیں بھی جمع ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ قیامت میں انہیں زندہ کیا جائیگا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ اس زمین سے مراد وہ زمین ہے جو اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر مومنوں کو عطا فرماتا ہے۔ اور اس کا مالک بناتا ہے۔

کعبؒ فرماتے ہیں کہ مومنوں کی روحیں علیین میں اور کافروں کی روحیں سجین میں رہتی ہیں۔ اور علیین ساتویں زمین کے نیچے اور شیطان کے گڑھے کے بھی نیچے ہے ایک جماعت اس کی قائل ہے۔ کہ مومنوں کی روحیں چاہ زمزم میں اور کافروں کی روحیں چاہ برہوت میں رہتی ہیں۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں۔ مومن کی روح زمین کے برزخ میں جس جگہ وہ چاہتا ہے جاتی ہے اور کافر کی روح سجین میں رہتی ہے۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ مومنوں کی روحیں آدم علیہ السلام کے دائیں جانب اور کافروں کی روحیں بائیں جانب رہتی ہیں۔

ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے جن میں ابن حزم بھی ہیں کہ روحیں اس جگہ رہتی ہیں جہاں وہ جسم سے پیدا ہونے سے پہلے تھیں، یہ کہتے ہیں۔ ہم روحوں کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ ہم اس سے تجاوز نہیں کرتے، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذريتهم واشهدهم على انفسهم الست بربكم قالوا بلى شهدنا ان تقولوا يوم القيامة انا كنا عن هذا غافلين،	اور جبکہ نکالی تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد اور گواہ کیا خود انہیں کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا ہاں بیشک ہم اس پر گواہ ہیں (فرمایا) کہ اس لئے کہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ اس سے غافل تھے

اور ایک جگہ فرمایا ہے،

ولقد خلقناكم ثم صورناكم ثم قلنا للملئكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس ط	بیشک ہم نے تمہیں پیدا کیا اور پھر تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ لیکن ابلیس نے نہ کیا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے روحوں کو یکبارگی پیدا فرمایا تھا۔ اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ روحیں جماعتوں کی جماعتیں بنی ہیں۔ جن کی وہاں پر آشنائی ہوئی اُن کی آشنائی یہاں پر بھی ہوئی۔ اور جن میں وہاں جان پہچان نہ ہوئی اُن کی یہاں پر نہ ہوئی،

کہتے ہیں جب اللہ تعالےٰ نے روحوں سے اپنی ربوبیت کا عہد اور شہادت لی تو اُس وقت وہ ایک صورت دار عاقل مخلوق تھیں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے، جبکہ فرشتوں کو آدم کے سجدہ کرنے کا حکم ہوا تھا۔ روح جسم سے ناآشنا تھی۔ اور جسم اُس وقت مٹی اور پانی میں تھا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اسے جہاں چاہا رکھا، یعنی عالم برزخ میں۔ جہاں وہ مرنے کے بعد پھر جاتی ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالےٰ نے روحوں کو برزخ سے

تھوڑا تھوڑا وقتاً فوقتاً جسموں میں ڈالنا شروع کیا۔ یہ وہ اجسام ہیں جو منی سے پیدا ہوتے ہیں، اس بیان سے ثابت ہو گیا۔ کہ روحیں اجسام کاملہ ہیں۔ اپنی صفات کے تعارف وغیر تعارف وغیرہ سے اور وہ پہچاننے اور تمیز کرنے والی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ روحوں کو دنیا کے اندر بھیج کر ان کی آزمائش کرتا ہے۔ جیسے وہ چاہتا ہے، پھر انہیں مارتا ہے۔ پھر یہ اسی برزخ کی طرف لوٹ جاتی ہیں جہاں سے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں دیکھا تھا، سعادت مند لوگوں کی روحیں آسمان دنیا پر حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھیں اور شقی لوگوں کی روحیں آدم علیہ السلام کے بائیں جانب تھیں، یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ عناصر سے ان کا انقطاع تھا۔

انبیاء و شہداء کی روحیں جنت میں تشریف لی جاتی ہیں۔

محمد بن نصر مروزی فرماتے ہیں۔ اسحاق بن راہویہ نے بھی اسی مضمون کو بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی پر اہل علم نے اجماع کیا ہے۔

ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہی قول اہل اسلام کا ہے، اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے

واصحاب الميمنة ما اصحاب الميمنة ط واصحاب المشئمة ما اصحاب المشئمة ط والسابقون السابقون اولئك المقربون في جنات النعيم ثلة من الاولين وقليل من الآخرين ط	دائیں طرف والے سو دائیں طرف والوں کا کیا ہی کہنا ہے، اور بائیں طرف والے سو بائیں طرف والوں کی کیا ہی بری حالت ہے۔ جو لوگ تمام نیک اعمال کے ساتھ آگے بڑھنے والے ہیں۔ بہت سے اگلے لوگوں میں سے اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے

فرمایا ہے

فاما ان كان من المقربين فروح وريحان وجنة نعيم ط واما ان كان من المكذبين الضالين۔ فنزل	اگر وہ مقربین سے ہے تو اس کے لئے راحت و آرام اور نعمتوں کی جنت ہے۔ اور اگر وہ جھٹلانے والوں گمراہوں سے ہے تو اس کے

من حمیم وتصلیۃ جحیم ط — لئے کھولتے ہوئے پانی کی مہانی ہے اور دوزخ میں دھکیل دینا ہے۔

تمام روحیں اسی جگہ پر رہتی ہیں حتیٰ کہ ان میں سے تمام روحیں جسم میں پڑ کر برزخ میں جا پہنچیں گی۔ اور قیامت قائم ہو گی پھر اسی وقت انہیں اللہ تعالےٰ جسموں میں واپس لوٹائیگا۔ اور انہیں دوسری زندگی بخشی جائیگی۔ پھر تمام مخلوقات کا حساب ہوگا، ایک فریق جنت میں اور ایک جہنم میں جائیگا۔ اور وہیں ہمیشہ رہے گا۔

ابو عمرو بن عبد البر فرماتے ہیں کہ شہداء کی روحیں جنت میں اور عام مومنین کی روحیں اپنی قبروں کے اندر رہتی ہیں۔ اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کرینگے۔

ابن مبارک، ابن جریج سے اور وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی روحیں جنت میں تو نہیں رہتیں۔ لیکن اس کے پھل کھاتی ہیں اور اس کی خوشبو بھی سونگھتی ہیں۔

معاویہ بن صالح، سعید بن سوید سے روایت بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن شہاب زہری سے مومنوں کی روحوں کی بابت پوچھا، ابن شہابؒ نے کہا تجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کی شکل میں عرش کی قندیلوں میں رہتی ہیں، اور ہر روز جنت کے باغوں میں جا کر کھاتی پیتی ہیں، اور ہر دن ان کا پروردگار ان کی جانب متوجہ ہو کر انہیں سلام کرتا ہے۔

ابن عمر سے روایت ہے کہ جب تم لوگوں میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو ہر روز صبح شام اس کا ٹھکانا اسے دکھا دیا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت، جہنمی ہے تو جہنم، اور اس سے کہا جاتا ہے کہ جب قیامت میں تجھے اللہ تعالےٰ اٹھائے گا، تو یہ تیرا مقام ہوگا۔

ابو عمرو بن عبد البر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ان لوگوں نے دلیل پکڑی ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ روحیں اپنی قبروں میں رہتی ہیں۔ اس مذہب کے لئے یہ دلیل نہایت قوی ہے، اور جو حدیثیں اس بارے میں آئی ہیں وہ بہ نسبت دوسری حدیثوں کے روایت کے اعتبار سے بہتر ہیں، میرے نزدیک اس کے یہ معنی ہیں

کہ روحیں قبروں میں بھی رہتی ہیں۔ مگر اس طرح نہیں کہ وہ قبروں سے جدا بھی نہ ہو سکیں۔ بلکہ وہ چلتی پھرتی ہیں۔ جیسا کہ امام مالک رح کا قول ہے فرماتے ہیں ہمیں روایت پہنچی ہے کہ مومنین کی ارواح جس جگہ چاہتی ہیں چلتی پھرتی ہیں، اور مجاہد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مردے کے دفن ہونے سے سات روز بعد تک قبر میں رہتی ہیں۔ کسی اور جگہ نہیں جاتیں واللہ اعلم بالصواب،

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ روحوں کا ٹھکانا، عدم محض ہے۔ یہ قول ان لوگوں کا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ نفس بھی امراض بدن سے ایک عرض ہے، جس طرح حیات و ادراک تو جسم کے مر جانے سے روح بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ دوسرے امراض معدوم ہو جاتے ہیں۔

یہ قول قرآنی نصوص، سنت و اجماع صحابہ و تابعین کے بالکل خلاف ہے، ہم عنقریب انشاء اللہ بیان کریں گے کہ اس باطل گروہ کا مقصود یہ ہے کہ روحوں کا ٹھکانا موت کے بعد عدم محض ہے،

ایک فرقہ اس کا قائل ہے کہ روحوں کا ٹھکانا موت کے بعد دوسری روحیں ہیں حیوان کے اخلاق، عادات و صفات سے جو انہوں نے زندگی میں کئے ہیں پوری پوری مناسبت رکھتی ہیں، تو ہر ایک روح ایک حیوان کے جسم میں جو اس کے شایان شان ہوتا ہے، داخل ہو جاتی ہیں یعنی جس روح نے درندوں والی عادات حاصل کیں وہ درندے کے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ اور جس نے کتے کی خصلت حاصل کی وہ کتے کے جسم میں غرض جس جس روح نے جس جس جانور کی خصلت حاصل کی وہ اسی کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے، اور جن روحوں نے ذلیل قسم کے اخلاق حاصل کئے وہ حشرات الارض کے جسموں میں داخل ہو جاتی ہیں۔

یہ قول اہل تناسخ کا ہے جو معاد کے بالکل منکر ہیں اور یہ قول اہل اسلام کے قول سے خارج ہے، روح کے ٹھکانے کے متعلق تمام لوگوں کے اقوال کا یہ ایک خلاصہ میں نے بیان کر دیا ہے، اس کتاب کے سوا تمہیں کسی دوسری کتاب میں اس مسئلہ کے متعلق

مفصل بحث نہیں ملے گی۔

ان تمام اقوال کی دلیلوں، حجتوں اور پھر ان پر جو اعتراضات ہوئے ہیں اُن کو، اور پھر ان تمام قولوں میں سے قولِ صواب کو جو قرآن، سنت اور ہمارے طریقے کے موافق و مطابق ہے بیان کرینگے جسے اللہ تعالےٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اور اسی سے مدد و توفیق کی امید کی جاتی ہے

فصل ۳۱

روحیں جنت میں رہتی ہیں

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ارواح جنت میں رہتی ہیں وہ اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں۔

فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنة نعیم	اگر مقربین سے ہے تو روح و ریحان ہے اور جنت نعیم ہے۔"

کہتے ہیں کہ یہ بیان اللہ تعالےٰ نے روح کے جسم سے نکلنے کے بعد کے متعلق کیا ہے اور روحوں کی تین قسمیں فرمائی ہیں۔ ایک مقربین جنکی جنت نعیم میں رہنے کی خبر دی ہے دوسری اصحاب یمین جن کے لئے سلام فرمایا ہے۔ یعنی وہ عذاب سے سلامتی میں رہیں گی۔ اور تیسری قسم ہے مکذبین اُن کے متعلق بتایا ہے کہ وہ جہنم میں رہیں گی۔

کہتے ہیں یقیناً یہ بیان روح کے جدا ہونے کے بعد کا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے قیامت کے دن کا حال اسی سورۃ کی ابتداء میں ذکر کر دیا ہے، تو اللہ تعالےٰ نے روحوں کے یہ دونوں حال بیان فرمائے ہیں موت کے بعد کا بھی اور قیامت کے بعد کا بھی۔

یہ لوگ اس آیت سے بھی دلیل پکڑتے ہیں۔

یاایتہا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی	اے نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے داخل ہو جا میرے بندوں میں

عبادی وادخلی جنتی :- اور جنت میں۔

بہت سے صحابہ و تابعین اس بات کے قائل ہیں کہ یہ خوشخبری فرشتہ روح کو جسم سے نکلنے کے وقت دیتا ہے، اور یہ بات اس شخص کے قول کے خلاف نہیں ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہ بشارت روح کو آخرت میں دی جاتی ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مرنے کے وقت بھی یہ بشارت روح کو دی جاتی ہو۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔	جن آدمیوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے تو فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں تم خوف نہ کرو اور نہ تم غم کھاؤ اور اس جنت کی بشارت سنو جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے۔

فرشتوں کا یہ نزول موت کے وقت ہوتا ہے اور قبر میں بھی ہوتا ہے اور قبر سے قیامت کے دن اٹھنے کے وقت بھی ہوگا، تو اب کی پہلی خوشخبری موت کے وقت دی جاتی ہے

براء بن عازب کی حدیث میں یہ بیان گذر چکا ہے کہ فرشتہ روح قبض کرنے کے وقت کہتا ہے کہ اے روح تو خوشبو اور راحت کی بشارت لے، یہ راحت اور خوشبو جنت کی ہے۔

یہ لوگ اس حدیث سے بھی حجت پکڑتے ہیں جو امام مالکؒ نے موطا میں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے۔ جو جنت کے درختوں کے میوے کھاتی ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں واپس کر دے گا۔

اس حدیث کی سند میں محدثین نے بہت کچھ اختلاف کیا ہے، ترمذی وغیرہ اسے صحیح کہتے ہیں اور اس کی اکثر وجوہات بھی صحت ہی کی مؤید ہیں۔

ابو عمرو فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے اندر نسمہا کا لفظ ہے اور نسمہ اس جگہ روح پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ آگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ

اُسے قیامت کے دن اُسی جسم میں واپس کر دے گا۔ اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نسمہ کے معنی روح، نفس، اور بدن کے ہیں۔ دراصل اس لفظ کے معنی انسان کے ہیں اور روح کو نسمہ اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کی زندگی روح سے متعلق ہے۔ اور جب روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے۔ جسم معدوم یا مانند معدوم کے ہو جاتا ہے۔

اس بات کی دلیل کہ نسمہ انسان کو کہا جاتا ہے۔ آنحضرت کا یہ فرمان ہے

من اعتق نسمة مؤمنة	جس نے ایک مومن انسان کو آزاد کیا

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے

والذی فلق الحبة وبراء النسمة	قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور انسان کو پیدا فرمایا۔

خلیل بن احمد فرماتے ہیں کہ نسمہ انسان ہے اور نسمہ روح کو بھی کہتے ہیں، اور نسیم ہوا کے آہستہ آہستہ چلنے کو کہتے ہیں۔ حدیث کے اندر جو یہ لفظ آیا ہے تعلق فی شجر الجنة۔ اکثر لام کے زبر کے ساتھ ہے اور لام کے پیش کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے، دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی ارواح جنت کے پھل کھاتی ہیں۔ درختوں میں پھرتی اور سیر کرتی ہیں، علوقہ، علاقہ، اور علوق کے معنی کھانے اور چبانے کے ہیں عرب کہتے ہیں ماذاق الیوم علوقاً یعنی آج کے دن کھانا نہیں کھایا، میں کہتا ہوں کہ حضرت عائشہ کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ فرماتی ہیں۔ والنساء اذذاک خفاف لم یثقلهن اللحم انما یأکلن العلقة من الطعام۔ علقہ تعلق سے ہے یعنی وہ غذا جو دل اور نفس سے تعلق رکھے۔

کہتے ہیں علماء نے اس حدیث کے معنوں میں اختلاف کیا ہے۔ بعض آدمی تو یہ کہتے ہیں کہ مومنین کی روحیں اللہ تعالےٰ کے پاس جنت میں رہتی ہیں چاہے وہ شہید ہوں یا غیر شہید، بشرطیکہ کسی گناہ کبیرہ یا قرض نے انہیں دخول جنت سے نہ روک دیا ہو۔ اللہ تعالےٰ نے ان پر رحمت اور بخشش فرمائی ہو۔ یہ لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں شہید کی غیر شہید سے خصوصیت نہیں ہے اور یہ حدیث

بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ کہ مومنین کی روحیں علیین میں رہتی ہیں اور کافروں کی روحیں سجین میں رہتی ہیں، اور عبداللہ بن عمرو سے اس طرح کی روایت ہے۔

ابو عمرو فرماتے ہیں اس قول کے معارض یہ حدیث ہے۔ جس کی صحت نقل کو کسی طرح بھی دفع نہیں کیا جا سکتا، اور وہ حدیث یہ ہے کہ جس وقت تم میں سے کوئی مرتا ہے تو اس کا ٹھکانا صبح و شام ہر روز اسے دکھایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے دن زندہ فرمائیگا تو پھر تیرا اس جگہ قیام ہوگا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حدیث مذکورہ شہیدوں کی شان میں ہے۔ نہ کہ دوسرے لوگوں کی شان میں کیونکہ قرآن و حدیث اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن حکیم فرماتا ہے

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ۔	تم ان لوگوں کو مردہ مت کہو جو اللہ کے راستے میں قتل کئے گئے وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں کھاتے ہیں اور خوش ہیں اس کے ساتھ جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے۔

حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث ہے کہ شہداء صبح و شام دونوں وقت کھاتے پیتے ہیں پھر عرش کے نیچے جو قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہاں جا کر آرام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہیں زندگی میں جو کچھ عطا فرمائی ہے۔ اس سے زیادہ بہتر کوئی اور چیز جانتے ہو۔ وہ جواب دیتے ہیں، انہیں اے پروردگار ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہماری روحوں کو پھر ہمارے جسموں میں ڈال دیں تو ہم پھر آپ کے راستے میں جہاد کر کے شہید ہو جائیں۔

حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے۔ آنحضرت نے فرمایا تمہارے جو بھائی جنگ احد میں شہید ہو گئے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے سبز پرندوں کی شکل میں کر دیا ہے، وہ جنت کی نہروں پر اترتے ہیں۔ جنت کے پھل کھاتے ہیں۔ اور پھر عرش کے سایہ میں جو سونے کی قندیلیں لٹک رہی ہیں، ان میں جا کر آرام کرتے ہیں جب ان

شہدا نے اپنے عمدہ کھانے پینے کو اور عیش و عشرت کو دیکھا تو کہنے لگے ایسا کون آدمی ہے جو ہمارے زندہ بھائیوں کو ہماری خبر دے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ میں تمہاری خبر پہنچاتا ہوں، پھر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا۔	مت خیال کرو ان لوگوں کو مردہ جو راہ خدا میں مارے گئے۔

یہ حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں ہے

پھر یہ حدیث بیان کی ہے کہ مسروق فرماتے ہیں، ہم نے عبداللہ بن مسعود سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا یعنی ولا تحسبن الذین کے بارے میں ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہم نے بھی اس کے متعلق حضورؐ سے دریافت کیا تھا آپؐ نے فرمایا کہ ان کی روحیں جنت کے اندر سبز پرندوں کی شکل میں جہاں چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں پھر عرش کی قندیلوں میں جا کر آرام کرتی ہیں۔ ایک دفعہ اللہ تعالےٰ ان کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا کہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے انہوں نے کہا ہم جنت میں جہاں چاہتے کھاتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان سے پھر یہی سوال فرمایا، تب انہوں نے سمجھا اب کوئی سوال کئے بغیر چھٹکارا ناممکن ہوگا تب انہوں نے عرض کی بار خدایا ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو دوبارہ پھر ہمارے جسموں میں لوٹا دے۔ تو ہم دوبارہ تیرے راستے میں جام شہادت پئیں۔ اللہ تعالےٰ نے جب دیکھا کہ اب انہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو اپنے سوال کو موقوف فرما دیا، یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔

بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے، ام ربیع بنت براء یعنی حارثہ بن سراقہ کی ماں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض اور عرض کرنے لگیں۔ یا رسول اللہ مجھ سے آپ حارثہ کا حال بیان فرمائیے وہ جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے، اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں اور اگر کسی دوسری جگہ ہے تو میں اس پر خوب روؤں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اے حارثہ کی ماں جنتیں بہت ساری ہیں۔ تیرا بیٹا اعلیٰ جنت الفردوس میں ہے

پھر حضرت ابن عباس کی حدیث بیان کی کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنت کے پھل کھاتی پھرتی ہیں۔

عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ شہداء کی روحیں زرد رنگ کے پرندوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتی ہیں اور جنت کے میوے کھاتی ہیں۔

ابو عمرہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام آثار اس بات پر دال ہیں کہ یہ لوگ شہید ہیں نہ کہ دوسرے لوگ، بعض احادیث میں آیا ہے پرندوں کی شکل میں اور بعض میں آیا ہے کہ پرندوں کے پوٹوں میں اور بعض کے اندر آیا ہے۔ سبز پرندوں کی مانند۔

میرے نزدیک ان تمام سے بہتر قول یہ ہے کہ مثل پرندوں کے یا پرندوں کی شکل میں، کیونکہ یہ اس حدیث کے مطابق ہے۔ جیسے ہم نے کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مومن کی روح ایک پرندہ کی طرح ہے، یہ نہیں فرمایا۔ کہ پرندے کے پوٹے میں ہے۔

کہتے ہیں، اور عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ کہ (شہداء کی روح) سبز پرندہ کی مانند ہوتی ہے،

میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم شریف کے اندر اس طرح ہے کہ سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں۔

ابو عمر فرماتے ہیں گویا حضورؐ نے یہ فرمایا ہے مومنوں سے شہید کی روح ایک پرندہ ہے۔ جو جنت کے درختوں میں کھاتی پھرتی ہے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث میں کہ مومنوں کی روح ایک پرندہ ہے۔ جنت کے درختوں میں کھاتی پھرتی ہے اور اس حدیث میں کہ جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو ہر روز صبح و شام اس کا ٹھکانا اسے دکھایا جاتا ہے۔ اگر جنتی ہے تو جنت سے اور اگر جہنمی ہے تو جہنم سے، ان دونوں احادیث میں کوئی اختلاف اور مخالفت نہیں ہے۔ اور یہ خطاب شہید و مردہ دونوں کو شامل ہے، جس طرح یہ حدیث دونوں کو شامل ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں کھاتی

پھرتی ہیں۔ سان کا ٹھکانا ہر روز صبح و شام انہیں دکھا دیا جاتا ہے۔ اور وہ جنت کی نہروں پر اترتی ہیں اور درختوں کے پھل کھاتی ہیں، لیکن جو محل خاص کر ان کے رہنے کا ہے اس میں وہ قیامت کے دن داخل ہونگی۔ چنانچہ یہ بات بھی اس پر دال ہے کہ جو محلات و مکانات وغیرہ شہیدوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں وہ عرش کی قندیلیں نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ شہدا جنت کے محلوں کو جو کہ ان کے لئے تیار کئے گئے ہیں دیکھتے ہیں اور پھر ان قندیلوں کے اندر جو ان کا برزخ میں ٹھکانا ہیں قرار پکڑتے ہیں۔

کمال کے ساتھ ان کا پورا دخول قیامت کے دن ہوگا۔ برزخ میں روحوں کا جنت کے اندر داخل ہونا ایسا اور اسی طرح کی حالت کافروں کی ہے کہ ہر روز صبح و شام ان کے ٹھکانے جہنم میں انہیں دکھائے جاتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن انہیں اُن میں داخل کیا جائیگا۔

روحوں کا عالم برزخ میں جنت کی نعمتیں حاصل کرنا اور بات ہے اور قیامت کے دن بدنوں کے ساتھ جنت کی نعمتیں پانا اور بات ہے۔ اور روح کا عالم برزخ میں جنت کی غذائیں کھانا اور بات ہے۔ اور قیامت کے دن بدن کے ساتھ روح کا غذا حاصل کرنا اور بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے اندر لفظ تعلق آیا ہے۔ یعنی بہت تھوڑا کھانا کھاتی ہے۔ کیونکہ پورا کھانا پینا اور پہننا تو اس وقت ہوگا۔ جبکہ روحیں قیامت کے دن اپنے جسموں میں داخل ہونگی۔

اس بحث سے یہ فائدہ ہوا کہ یہ قول کسی حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ بلکہ حدیثیں اس کی موافقت کرتی ہیں۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ کعب والی حدیث خاص شہیدوں کی شان میں ہے۔ تو یہ تخصیص ان لوگوں کی اپنی ہوگی۔ حدیث کے الفاظ اس پر دلالت نہیں کرتے یعنی مومن کو جو ایک عام لفظ ہے اس کے اقل ترین مصداق یعنی شہید پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ شہید بہ نسبت مومنوں کے بہت ہی کم ہیں اور آنحضرت نے اس جزا کو صفت ایمانی کے ساتھ معلق فرمایا ہے تو اس کا مقتضی بھی یہی ہے۔

حضورؐ نے بھی اسے صفت شہادت سے معلق فرمایا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ

جن صفات کے ساتھ شہید مخصوص کئے گئے ہیں، ان صفات کو وصف شہادت سے متعلق کیا گیا ہے، چنانچہ مقدام بن معدی کرب کی حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہید کے لئے کچھ احکامات ہیں۔

اس کے قتل ہوتے ہی اس کی بخشش ہو جاتی ہے، اور جنت کے اخلاص کا ٹھکانا اسے دکھا دیا جاتا ہے، اور ایمانی حلہ اسے پہنا دیا جاتا ہے۔ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے، اور قیامت کی گھبراہٹ سے مامون رہتا ہے۔ وقار کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ بہتر حوروں سے اس کی شادی کی جاتی ہے۔ اور وہ اپنے رشتہ داروں میں سے ستر آدمیوں کی سفارش کر سکتا ہے۔ چونکہ یہ تمام باتیں شہیدوں کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے حضورؐ نے شہید کا لفظ فرمایا ہے مومن کا نہیں فرمایا، اور اسی طرح قیس حزامی کی حدیث میں ہے۔ کہ شہید کو چھ چیزیں دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان تمام احادیث و نصوص میں جن میں شہادت کی جزا کا ذکر ہے۔ شہید کا لفظ آیا ہے اور جن کے اندر جزا کو ایمان سے متعلق کیا گیا ہے۔ ان کے اندر لفظ مومن فرمایا ہے۔ جو شہید اور مومن دونوں کو شامل ہے۔ وہ نصوص و آثار جن میں شہیدوں کے رزق کا ذکر ہے۔ اور جن کے اندر ان کی روحوں کا جنت میں ہونے کا بیان ہے۔ تمام حق ہیں، اور وہ مومنوں کی روحوں کی جنت میں ہونے کی نفی نہیں کرتیں۔ خصوصاً صدیقین کے لئے جو بلا نزاع تمام کے نزدیک شہیدوں سے افضل ہیں،

ان لوگوں سے پوچھنا چاہیئے جو غیر شہداء کی روحوں کے جنت میں ہونے کی نفی کرتے ہیں، کہ بتلائیں صدیقین کی روحیں کہاں ہیں۔ جنت کے اندر ہیں یا کسی اور جگہ؟ اگر وہ یہ جواب دیں کہ جنت میں ہیں اور اس کے سوا یہ لوگ کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔ تو پھر یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ نصوص شہداء کی روحوں کی تخصیص نہیں کرتی ہیں اور اگر یہ لوگ کہیں کہ صدیقوں کی روحیں جنت کے اندر نہیں ہیں۔ تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابو درداء

اور حذیفہ بن یمان وغیرہم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ارواح جنت میں نہیں ہیں۔ اور ہمارے زمانے کے شہداء کی روحیں جنت میں ہیں۔ یہ بات تو ظاہری طور پر بالکل باطل ہے

اگر یہ کہا جائے کہ جب یہ حکم شہیدوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ پھر کس لئے ان نصوص کے اندر شہیدوں کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے۔ کہ شہیدوں کا ذکر شہادت کی فضیلت اور اس کی بلندی مرتبت ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ شہیدوں کے لئے بہت بڑا حصہ ہے اور شہید ان نعمتوں سے جو عالم برزخ میں ہیں۔ بہ نسبت ان مومنوں کے جو اپنے بستر پر مرے کامل تر حصہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ بستر پر مرنے والا مومن شہید سے مرتبہ کے لحاظ سے افضل ہی کیوں نہ ہو، شہیدوں کے لئے وہ مخصوص نعمت ہے جس میں اس کے اندر اور کوئی دوسرا شریک نہیں، خصوصاً جو اس سے مرتبہ میں کم ہے یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں کر دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جب اپنی جانوں کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا حتیٰ کہ اللہ کے دشمنوں نے انہیں ہلاک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ میں انہیں ان کے جسموں سے بہتر اور اچھے جسم عطا کئے، جن کے اندر وہ قیامت تک رہیں گے۔ اور ان جسموں کے توسط سے اُن کا نعمتوں کو حاصل کرنا بطریق اکمل ہوگا۔ بہ نسبت اُن روحوں کے جو اجسام سے خالی ہیں۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ مومن کی روح پرندہ کی شکل میں ہے یا پرندے کی مانند ہے، اور شہید کی روح پرندے کے پوٹے میں ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے لفظوں میں غور کیجئے فرمایا ہے کہ مومن کی روح پرندہ ہے، تو یہ شہید، اور غیر شہید دونوں کے لئے عام ہے، پھر شہید کو خاص کیا ہے کہ اس کی روح پرندے کے پوٹے میں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ جب وہ پرندے کے پوٹے میں ہوگی تو لفظ پرندہ اس پر صادق آئے گا۔

اللہ کی سلامتی اور رحمتیں اس پر ہوں جس کا ایک کلام اس کے دوسرے کلام

کی تشریح و تصدیق کرتا ہے۔ اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک حق ہے یہ کلام جو ہیں نے اکٹھا کیا ہے ابو عمر کے جمع کرنے اور اُس شخص کی روایت کو ترجیح دینے سے جو یہ کہتا ہے کہ اُن کی روحیں مثل سبز پرندوں کے ہیں بہتر ہے۔

بلکہ یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ دونوں روایتیں صحیح اور حق ہیں۔ یعنی وہ سبز پرندوں کی طرح بھی ہیں اور سبز پرندوں کے پوٹوں میں بھی ہیں۔

فصل ۳۲

مجاہد یہ فرماتے ہیں کہ ارواح جنت میں نہیں ہیں، لیکن جنت کے پھل کھاتی ہیں اور جنت کی خوشبو سونگھتی ہیں"

اس کی دلیل یہ حدیث لائی جاتی ہے۔ جسے امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ شہید جنت کے دروازے کے آگے ایک نہر کے کنارہ پہ سبز خیمہ میں رہتے ہیں۔ اور صبح و شام جنت سے ان کے لئے رزق آتا ہے

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ شہید جنت میں ہیں، اگرچہ وہ اُن محلوں کے اندر نہیں گئے ہیں۔ جو اُن کے لئے بنائے گئے ہیں، مجاہد نے دخول کامل کی نفی کی ہے جس طرح کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

ہر قول پر جرح و قدح کرنا اور ایک قول کو دوسرے سے تمیز دینا احاطہ سے باہر ہے۔ لہذا جاننا چاہیئے۔ کہ تمام سے بہتر اور کامل تر عبارت جو ابرار کی راہ نمائی کرے وہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت ہے۔ پھر آپ کے بعد آپؐ کے صحابہ کی۔ جس قدر نیچے آؤ گے اتنے ہی حیرت پریشانی اور گوناگون دعوی اور اقوال پاؤ گے۔

ابو عبداللہ بن مندہ فرماتے ہیں کہ ام کبشہ بنت معرور سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمارے ہاں تشریف لائے ہم نے آپ سے روحوں کے متعلق پوچھا

تو آپؐ نے ان کا ایسا حال بیان فرمایا۔ جسے سن کر ہم سب گھر کے آدمی رونے لگے یعنی فرمایا، مومنین کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت کے اندر پھرتی ہیں جنت کے میوے کھاتی ہیں، جنت کی نہروں سے پانی پیتی ہیں۔ عرش کے نیچے سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں اور کہتی ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے بھائیوں کو بھی ہم سے ملا، اور جو ہم سے تو نے وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں عطا کر، اور کافروں کی روحیں سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں جہنم کے اندر کھاتی پیتی ہیں۔ جہنم کے سوراخوں میں رہتی ہیں، اور کہتی ہیں اے ہمارے پروردگار ہمارے بھائیوں کو ہم سے نہ ملانا اور نہ ہی ہمیں وہ چیز دینا جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔

طبرانی فرماتے ہیں کہ منذر بن جبیب سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مومنوں کی روحوں کے متعلق پوچھا گیا آپؐ نے فرمایا۔ وہ سبز پرندوں میں جنت کے اندر جہاں چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ اور کافروں کی روحیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ سجین میں قید ہیں

ابو عبداللہ بن مندہ نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوں کی روحیں پرندوں کی شکل میں زرازیر (ایک قسم کے پرندے ہیں) کی مانند جنت کے پھل کھاتی پھرتی ہیں، لوگوں نے اس حدیث کو موقوف الروایت کہا ہے،

یزید رقاشی انس سے اور ابو عبداللہ شامی تمیم داری سے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب ملک الموت مومن کی روح لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں تو جبرائیلؑ ستر ہزار فرشتوں کی جماعت کو لے کر اُن کے استقبال کے لئے آتے ہیں اور ان تمام فرشتوں میں سے ہر فرشتہ اسے الگ الگ بشارت دیتا ہے پھر جس وقت اسے عرش کے نیچے پہنچاتے ہیں۔ تو یہ سجدہ میں گر جاتی ہے، اور اللہ تعالےٰ ملک الموت سے فرماتے ہیں، میرے بندے کی روح کو لے جا کر سدرۃ المنتہیٰ و طلح منضود و ظل ممدود و ماء مسکوب میں رکھو، اس حدیث کو بکر بن

خنیس نے ضرار بن عمرو سے اس نے یزید سے اور ابو عبداللہ سے روایت کیا ہے

فصل ۳۳

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ روحیں اپنی قبروں کے اوپر رہتی ہیں

اگر ان کا یہ مقصد ہے کہ روح کسی وقت بھی قبر سے جدا نہیں ہو سکتی تو یہ خطا ہے۔ کتاب و سنت کی نصوص اور بہت سی وجوہات اس کی تردید کرتی ہیں۔ جن میں سے کچھ تو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور کچھ اب بیان کرتے ہیں اور اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ کسی کسی وقت قبر پر آتی ہے یا اسے اپنی قبر کے ساتھ خصوصیت اور لگاؤ ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے ٹھکانے ہی میں ہوتی ہے تو یہ قول حق ہے، لیکن اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ روحوں کا ٹھکانا قبروں کے اوپر ہے، اس مذہب کی طرف ایک جماعت گئی ہے۔ جن میں سے ابو عمر بن عبدالبر بھی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی دونوں کتابوں کے اندر اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، حدیث یہ ہے، کہ تم میں سے جب کوئی مرتا ہے تو اس کا ٹھکانا صبح و شام اسے دکھایا جاتا ہے، اس حدیث سے ان لوگوں نے حجت لی ہے جو کہتے ہیں کہ روحیں قبروں پر رہتی ہیں۔

یہ حدیث طریق اثر کے اعتبار سے اُن حدیثوں میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ جن کی جانب یہ لوگ گئے ہیں۔ دیکھئے اس پر بہت سی حدیثیں شاہد و متواتر ہیں اور اسی طرح قبروں پر سلام کرنے کی حدیثیں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ابن عمر اور براء بن عازب کی گذشتہ متواتر حدیث سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اور یہی مراد لیتے ہیں جن میں آتا ہے کہ یہ تیرا ٹھکانا ہے

حضرت انس رضؓ کی حدیث میں ہے کہ بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھی واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز کو سنتا ہے۔ اسی حدیث

کے اندر آیا ہے کہ اس کا ٹھکانا جنت یا دوزخ میں اسے دکھا دیا جاتا ہے اور مومن کی قبر کو ستر گز کشادہ کر دیا جاتا ہے اور کافر کی قبر تنگ ہو جاتی ہے۔

حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ یہ امت قبروں میں امتحان کی جاتی ہے۔ جس وقت مومن قبر کے اندر داخل کیا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ والے واپس لوٹتے ہیں، فرشتہ اس کے پاس آتا ہے، پھر اس کا مکان جنت یا دوزخ میں اسے دکھا دیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑو تاکہ میں اپنے لوگوں کو اس کی بشارت دوں۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تو یہیں رہ یہی تیرا ہمیشگی کا ٹھکانا ہے،

ان کے علاوہ جو حدیثیں قبر کے عذاب یا ثواب کے بارے میں گذر چکی ہیں اور وہ احادیث جن میں قبر پہ سلام کرنے، مردوں سے خطاب کرنے اور مردوں کو زندوں کے آنے کی خبر کا بیان بھی گذر چکا ہے۔ اس قول کی تردید کرتی ہیں۔ اور جو دلائل انہوں نے پیش کئے ہیں۔ یہ ان روحوں کو شامل ہیں جو رفیق اعلیٰ اور جنت میں ہیں۔ ہم اس بات کو ذکر کر چکے ہیں کہ میت پر اس کے ٹھکانے کا پیش کرنا اس بات پر ہرگز دلالت نہیں کرتا کہ روح قبر کے اندر یا قبر کے اوپر ہے اور ہمیشہ رہتی ہے۔ ہاں ایک بات ممکن ہے وہ یہ کہ روح کو قبر کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اسی مقدار کے موافق اس کا ٹھکانا بھی اسے دکھایا جاتا ہے۔

روح ایک ایسی چیز ہے۔ جو رفیق اعلیٰ میں ہوتی ہے اور بدن سے بھی اس کا اتصال ہوتا ہے، بایں معنی کہ جب مسلمان قبر پہ سلام کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو وہاں بھیج دیتا ہے، اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتی ہے۔ حالانکہ وہ ملائے اعلیٰ میں ہوتی ہے۔

اس جگہ پہ بہت سے حضرات نے غلطی کھائی ہے وہ سمجھے ہیں کہ روح بھی جسموں کی طرح سے ہے کہ جب وہ ایک جگہ مشغول ہوتی ہے تو دوسری جگہ نہیں جا سکتی۔ یہ بالکل غلط ہے، بلکہ روح ساتوں آسمانوں کے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوتی ہے اور وہیں سے سلام کا جواب دیتی ہے۔ اور قبر پہ آتی ہے، حالانکہ وہ اپنی اسی جگہ ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مطہر و منور ہمیشہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے

اور جب کوئی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ آپ کی روح مبارک کو قبر پر بھیجتا ہے اور وہ سلام کا جواب دیتی ہے۔ اور اس کی بات کو سنتی ہے۔

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسےٰ کو ان کی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اور ان سے چھٹے یا ساتویں آسمان پر ملاقات بھی فرمائی تو اس سے دو باتیں ظاہر ہوئیں ایک تو یہ کہ روح نہایت تیزی سے حرکت کرتی ہے کہ چشم زدن میں یہاں سے وہاں جا پہنچی۔ یا یہ بات ہے کہ قبر کے ساتھ اس کا اتصال ایسا ہے جیسے سورج کی شعاع کا اتصال سورج کے ساتھ کہ اس کا جسم تو چوتھے آسمان پر ہے۔ اور اس کی شعاع زمین پر ہے

یہ بات بھی ثابت ہے کہ سونے والے آدمی کی روح ساتویں آسمان پر جا کر بارگاہِ ایزدی میں عرش کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ اور پھر بہت ہی قلیل عرصے میں اپنے جسم کے اندر واپس لوٹ آتی ہے

ایسے ہی مردے کی روح کو فرشتے لے کر ساتوں آسمانوں پر جاتے ہیں۔ اور اللہ کے سامنے کھڑا کرتے ہیں تو یہ روح اللہ تعالےٰ کو سجدہ کرتی ہے اور فرشتے اسے جنت کے اندر وہ مکان دکھاتا ہے جو اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے تیار فرمایا ہے پھر یہ روح زمین پر آ کر اپنے غسل و کفن میں شریک ہوتی ہے۔

براء بن عازب کی حدیث میں بیان آ چکا ہے کہ روح کو فرشتے لے جا کر اللہ کے حضور میں کھڑا کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں لکھو، اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ، چنانچہ وہ قبر میں لائی جاتی ہے یہ ساری کارروائی اس کی تجہیز و تکفین تک ہو جاتی ہے، ابن عباسؓ کی حدیث نے اس کی تصریح فرما دی ہے۔ یعنی غسل اور کفن سے فراغت تک اسے زمین پر لے آتے ہیں اور اسے کفن کے اندر جسم میں داخل کرتے ہیں۔

ابو عبداللہ بن مندہ نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ فرماتے ہیں کہ میں مقام غابہ پر اپنے مال کے لئے جایا کرتا تھا۔ راستے میں رات ہو گئی۔ تو میں عبداللہ

بن عمرو بن حرام کی قبر کے پاس سو گیا اور میں نے مجھے ایسی خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنے کی آواز سنائی دی کہ میں نے ایسی آواز کبھی نہ سنی تھی۔ پھر میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور یہ واقعہ سنایا، حضورؐ نے فرمایا۔ وہ عبداللہ کے پڑھنے کی آواز تھی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو قبض کر کے انہیں زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھا ہے اور انہیں جنت کے اندر لٹکایا ہے۔ اور جب رات آتی ہے تو روحیں واپس کر دی جاتی ہیں۔ یہ فجر کے نکلنے سے پہلے ان قندیلوں میں جنت کے اندر جا پہنچتی ہیں۔

اس حدیث کے اندر روحوں کی تیزیٔ انتقال کا ذکر ہے کہ ایک آن کے اندر عرش سے فرش پر اور فرش سے عرش پر پہنچ جاتی ہیں، اسی لئے امام مالک وغیرہ اماموں نے فرمایا ہے کہ روح آزاد ہے۔ جہاں چاہتی ہے جاتی ہے،

عام طور پر جو مُردوں کی روحوں کو خواب میں دیکھتے ہیں تو ان روحوں کا دور دراز کی مسافت طے کر کے آنا ایک ایسی بات ہے۔ جسے عام لوگ جانتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کرتے۔

اب رہی مردوں سے سلام و خطاب کرنے کی بات تو یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ روحیں جنت میں نہیں ہیں، بلکہ قبروں پر ہیں، دیکھیے حضورؐ و آدم علیہ السلام کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہے۔ لیکن جو کوئی آپ کی قبر مبارک پر سلام کرتا ہے۔ تو آپؐ کی روح مبارک اسے جواب دیتی ہے۔

ابو عمرؒ اس بات میں تو مرا فق ہیں کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اسی کی قبروں پر ایسے ہی سلام کیا جاتا ہے۔ جیسے دوسروں کو اور اسی طرح ہمیں حضورؐ نے سلام کرنے کی تعلیم دی ہے۔ اور ایسے ہی صحابہ کرام احد کے شہیدوں پر سلام کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ بات ثابت کی جا چکی ہے کہ ان کی روحیں جنت میں کھاتی پھرتی ہیں۔

آپ اس بات کو سن کر تنگ دل نہ ہوں کہ روح جنت کے اندر کھاتی پھرتی بھی ہے۔ اور سلام کرنے والے کو جواب بھی دیتی ہے۔ وجہ یہ کہ روح کی حالت بدن کی حالت

سے جدا گانہ ہے،

جبرائیلؑ کو حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ اُن کے چھ سو پر ہیں۔ اور انہوں نے اپنے دو پروں سے مشرق و مغرب کو ڈھانپ رکھا ہے۔ پھر آنحضرتؐ کے سامنے آپؐ کے زانوؤں کے ساتھ زانو ملا کر بیٹھ بھی جاتے تھے، اور اپنے ہاتھ آپؐ کے زانو پر رکھ دیا کرتے تھے۔

دیکھئے جبرائیلؑ کا مقام ساتوں آسمانوں کے اوپر ملائے اعلیٰ میں تھا۔ اور پھر حضور علیہ السلام سے بھی اتنے قریب ہو کر بیٹھتے تھے،

اس امر کی تصدیق وہی دل کرتے ہیں۔ جو اس کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اس کی معرفت کا مادہ اُن کے اندر ہے اور جن دلوں کے اندر اس امر کی تصدیق کی گنجائش نہیں ہے۔ تو اُن میں ایمان کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ حالانکہ اس کی ذات تمام آسمانوں کے بلکہ عرش کے اوپر ہے اور اس کے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔ اور علو اور بلندی اُس کی ذات کے لوازمات سے ہے،

اسی طرح یہ لوگ اس بات کو بھی نہیں مانتے ہونگے کہ عرفہ کی شام کو اللہ تعالےٰ اہل موقف سے نزدیک ہوتا ہے، اور اسی طرح وہ قیامت میں مخلوق کے حساب کے لئے تشریف لائیگا، اور زمین اس کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔

اسی طرح یہ لوگ اس بات کو بھی نہ مانتے ہونگے کہ اللہ تعالےٰ اس وقت آیا جبکہ اس نے زمین کو پیدا فرمایا ہموار اور مہیا کیا، اسی طرح قیامت کے دن اس کا آنا ہوگا۔ جس وقت کہ وہ زمین پر رہنے والی تمام چیزوں کو مار ڈالے گا۔ اور کوئی چیز اس پر نہ رہے گی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ پھر تیرا رب زمین پر پھریگا۔ اس وقت تمام شہر خالی ہو گئے ہونگے۔ حالانکہ وہ ساتوں آسمانوں پر اپنے عرش پر ہوگا۔

فصل ۳۴

اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے، کہ روح طاقت، کمزوری، چھوٹے اور بڑے ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں

یعنی جو بات بڑی اور بزرگ روح کے لئے میسر ہو گی۔ چھوٹی اور ادنیٰ روح کو میسر نہ ہو گی۔

تم دنیا کے اندر روحوں کے احکامات کو دیکھتے ہو کہ ان میں بڑا فرق ہوتا ہے بلحاظ تفاوتِ کیفیات قوتی، سرعت، اور بطور کے، چنانچہ جو روح بدن کے علائق اور جسیم کی قیدوں سے آزاد ہو گئی۔ اُسے وہ قوت، تصرف، ہمت اور اللہ کے دربار میں حاضر ہو جانا نصیب ہوتا ہے، جو اُس روح کو نصیب نہیں جو بدنی علائق میں مقید ہے، پھر جس وقت یہ روح بدن سے مجرد ہوئی تو اس سے بدن کی جدائی کے بعد کچھ اور ہی کام صادر ہونگے اور اس کی شان ہی کچھ اور ہو گی۔ کیونکہ یہ روح دراصل تھی بھی پاک اور بلند و بزرگ۔

ہر نوع اور ہر طبقے کے لوگوں سے ایسے خواب تواتر سے ثابت ہیں۔ جن میں انہوں نے مرنے کے بعد روحوں کو ایسے کام کرتے ہوئے دیکھا۔ جنہیں وہ زندگی میں نہیں کر سکتی تھیں۔ جیسے مثلاً ایک دو روحوں کا لشکر جرار کو شکست دے دینا وغیرہ، کئی دفعہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ خواب میں دیکھا ہے۔ کہ آپ کی ارواح نے کافروں اور ظالموں کے لشکروں کو شکست دی۔ پھر جب یہ لوگ جاگے تو انہوں نے کافروں اور ظالموں کے لشکروں کو شکست خوردہ [illegible] کی تعداد دشمنانہ بہ نسبت مسلمانوں کے بہت زیادہ تھی۔ اور مسلمان اُن کے مقابلے میں کمزور اور قلیل تھے۔

حیرانی کی بات یہ ہے کہ مومن دوستوں کی روحیں آپس میں ملتی ہیں۔ اور ایک

دوسرے کو پہچان کر سلام کرتی ہیں گویا ان کا کوئی رشتہ دار ہے۔ حالانکہ ان کے اندر کے اندر بہت بعد اور مسافت ہوتی ہے۔ پر جب ان میں سے ایک دوسرے کو دیکھتا ہے تو ان کے اندر اسی روحانی ملاقات کی بدولت دوستی پیدا ہو جاتی ہے

عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں۔ مومنوں کی ارواح ایک منزل طے کر کے آپس میں ملنے کے لئے جاتی ہیں، حالانکہ ان میں سے کسی نے دوسری کو کبھی نہیں دیکھا ہوتا

بعض لوگوں نے یہ حدیث حضورؐ سے روایت کی ہے

عکرمہ اور مجاہد فرماتے ہیں۔ جس وقت انسان سوتا ہے تو اس کی روح بدن سے نکلتی ہے۔ لیکن اس روح کی اصل جسم سے وابستہ رہتی ہے، جہاں تک اللہ تعالےٰ کو منظور ہوتا ہے۔ یہ روح سیر کرتی پھرتی ہے، اور پھر جس وقت بدن میں واپس آتی ہے تو انسان بیدار ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جس طرح سورج، کہ اس کا جسم تو آسمان میں ہے، اور اس کی شعاع زمین پر ہے، یہی حالت روح کی ہے۔ کہ اس کا جسم بدن میں ہوتا ہے۔ اور اس کی شعاع باہر نکلتی ہے

ابو عبداللہ بن مندہ بعض اہل علم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا۔ کہ روح انسان کے نتھنوں کے راستے سے باہر نکل کر دراز ہوتی ہے پر اس کی اصل بدن میں رہتی ہے۔ اگر روح بدن سے بالکل خارج ہو جائے تو انسان فوت ہو جائے جیسے دیئے کی بتی پر لو روشن ہوتی ہے۔ اور بتی لو کی اصل ہے، اور لو کی روشنی تمام گھر میں ہوتی ہے۔ اسی طرح روح نتھنوں کے راستے سے نکل کر آسمان پر جاتی ہے، اور تمام شہروں میں گھومتی ہے، اور مردوں کی روحوں سے ملتی ہے، فرشتہ جو بندوں کی روحوں کو سیر کرانے اور دکھانے پر مقرر ہے۔ وہ اسے دکھاتا ہے اور سیر کراتا ہے اگر یہ روح نیک، عاقل اور صالح ہوتی ہے اور عالم بیداری میں شیطانی افعال اور شیطانی وساوس کی جانب راغب نہیں ہوتی۔ تو خواب کے اندر بھی یہ شیطانی افعال و وساوس کی طرف رجوع نہیں کرتی، اور اپنے دل کو پچھلے واقعات سے جنہیں وہ دیکھتی ہے۔ مطلع کرتی ہے۔ اور اگر یہ روح نیک اور صالح نہیں ہے تو پھر خواب کے اندر جہاں

یہ کسی شیطانی شعبدے کو دیکھتی ہے۔ وہیں رُک جاتی ہے۔ اور اپنے دل کو حق بات سے مطلع نہیں کر سکتی، بلکہ حق اور باطل کو ملا دیتی ہے

یہ قول بہت اچھا ہے جو قائل کی بصیرت اور روحوں کے حالات سے معرفت پر دلیل ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ جس وقت کوئی آدمی علم و حکمت کی باتیں سنتا ہے پھر اُس کا گذر کسی لہو و لعب کی جگہ سے ہوتا ہے۔ اور اُس کے اندر یہ آدمی بھی مشغول ہو جاتا ہے۔ تو اس کو وہ علم و حکمت کی بات پھر ٹھیک ٹھیک یاد نہیں رہتی۔ یہی حالت خواب میں روحوں کی ہوتی ہے۔

بدن سے جدائی کے بعد اعتقاداتِ فاسدہ رکھنے کی بنا پر روحوں کو عذاب ہوتا ہے۔ جن سے وہ بدن سے اتصال کی حالت میں رکھتے تھے، جو انہوں نے بدن کے ساتھ شریک ہو کر کئے۔ یہی چیز عالم برزخ کی ذلیل معیشت ہے اور یہی چیز زادِ راہ اور بھروسہ وغیرہ ہے۔ جسے روح لے کر یہاں آتی ہے۔

جو روح پاکیزہ، بلند مرتبے والی، حق کو پسند کرنے والی اور باطل سے منہ موڑنے والی ہوتی ہے۔ وہ اپنے صحیح اعتقادات، علوم و معارف کی بنا پر جنہیں اُس نے چراغ نبوت اور پاک ہستیوں سے حاصل کیا ہے، نعمتیں پاتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے لئے ان کے اعمال کی بدولت ایسی نعمتیں پیدا فرماتا ہے۔ جو اُن کے لئے عالم برزخ کا باغیچہ ہو جاتی ہیں۔ اور فاسق کے لئے جہنم کا گڑھا ہو جاتی ہیں،

فصل ۳۵

مومنوں کی رُوحیں اللہ تعالیٰ کے پاس رہتی ہیں

جو لوگ اس امر کے قائل ہیں وہی قرآن حکیم کے ان الفاظ کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں،

بل أحیاءٌ عند ربھم ط | بلکہ وہ (شہید) زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس

اس کے سوا یہ لوگ اور بھی بہت سی دلیلیں دیتے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ جسے محمد بن اسحاق صنعانی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت کسی اُس آسمان (یعنی عرش) کے قریب لایا جاتا ہے جس پر اللہ تعالےٰ ہے تو اگر وہ بدکار ہے تو اس کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا اور اسے آسمان سے گرا دیا جاتا ہے۔ پھر یہ روح قبر کی جانب چلی آتی ہے۔ اس حدیث کی صحت کے ارسال کے متعلق نہ پوچھیے، مسند احمد وغیرہ کے اندر بھی یہ حدیث آئی ہے۔

ابوداؤد طیالسی ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ مومن کی روح جس وقت جسم سے نکلتی ہے تو وہ مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتی ہے اور جو ملائکہ اسے قبض کرتے ہیں وہ اسے لے کر جاتے ہیں تو آسمان کے نیچے والے فرشتے اس سے ملتے ہیں، تو وہ فرشتے جو اس روح کے ساتھ ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اور یہ اس طرح کے عمل کرتا تھا، یعنی اس کے نیک اعمال کا ذکر کرتے ہیں۔ تو پھر وہ فرشتے کہتے ہیں، مرحبا، ہو تمہیں بھی اور اس روح کو بھی تو پھر اس روح کو یہ فرشتے پہلے فرشتوں سے لے کر آسمان پر جاتے ہیں۔ جس دروازے سے اس کے نیک اعمال جایا کرتے تھے اُسی دروازے سے اسے داخل کرتے ہیں، اس وقت یہ روح سورج کی طرح روشن ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ عرش کے قریب پہنچتی ہے۔

اور کافر کی روح کو جس وقت فرشتے قبض کر کے لے جاتے ہیں تو دوسرے فرشتے پوچھتے ہیں یہ کیا ہے، یہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور اس طرح کے عمل کیا کرتا تھا، یعنی اس کے برے اعمال بتاتے ہیں، تو وہ فرشتے کہتے ہیں اس کے واسطے مرحبا نہیں ہے مرحبا نہیں ہے، اسے واپس کر دو۔ تو اس روح کو تحت الثریٰ کی طرف پھینک دیا جاتا ہے

ملی بن ابراہیم حذیفہ بن یمان سے بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا روحیں اللہ تعالےٰ کے نزدیک اپنے موجودہ وقت کی منتظر ہیں کہ کب انہیں اُن کے جسم میں ڈالا جاتا ہے

سفیان بن عیینہ منصور بن صفیہ سے اور وہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر اس دن مسجد کے اندر آئے جس دن کہ ابن زبیر قتل کر کے سولی پر چڑھائے گئے تھے۔ تو حضرت ابن عمر تعزیت کے لئے اسماءؓ کے پاس آئے، اور فرمایا تیرے لئے تقویٰ اور صبر لازم ہے یہ اجسام کوئی چیز نہیں ہیں (یعنی کوئی چیز ہیں تو وہ روحیں نہیں) روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ حضرت اسماءؓ نے جواب دیا میں صبر کیوں کر نہ کروں گی، حضرت یحییٰ بن زکریا پیغمبر کا سر مبارک ایک فاحشہ عورت کو نبی اسرائیل نے بطور ہدیہ کے بھیجا تھا،

حضرت جریر نے سند کے ساتھ بلال بن یساق سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم کعب اور ربیع بن خیثم اور خالد بن عرعرہ کے پاس چند لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت ابن عباسؓ تشریف لائے اور اپنی نسبت خطاب کر کے کہنے لگے کیا یہ تمہارے نبی کے چچا زاد برادر ہیں، تو لوگوں نے آپؓ کے لئے جگہ کشادہ کر دی۔ آپؓ نے فرمایا۔ اے کعب میں قرآن حکیم کی تمام باتوں کو سمجھ گیا ہوں لیکن چار باتیں میری سمجھ میں نہیں آئیں، تم مجھے یہ بتاؤ۔ کہ سجین کیا چیز ہے، علیین کیا ہے، سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریسؑ کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے،

ورفعناہ مکاناً علیاً — ہم نے اسے اٹھایا ایک بلند مقام کی طرف

اس کا کیا مطلب ہے۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ علیین ساتواں آسمان ہے۔ جہاں مومنوں کی روحیں رہتی ہیں اور سجین ساتویں زمین ہے جو سب سے نیچے ہے۔ وہاں پہ کافروں کی روحیں شیطان کے ساتھ رہتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو حضرت ادریسؑ کی شان میں فرمایا ہے ورفعناہ مکاناً علیاً اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریسؑ کو وحی کی کہ میں ہر روز تمہارے نیک اعمال کو تمام بنی آدم کے نیک اعمال کے برابر (اپنی طرف) بلند کروں گا۔

تو حضرت ادریسؑ نے اپنے ایک دوست فرشتے سے کہا تو ملک الموت سے کہہ کر وہ

میری روح کو اس وقت تک قبض نہ کرے۔ جب تک کہ میرے اعمال زیادہ نہ ہو جائیں تو اس فرشتے نے حضرت ادریسؑ کو اپنے پروں کے اندر بٹھا لیا اور لے کر اڑا حتیٰ کہ وہ چوتھے آسمان پر پہنچے، ملک الموت سے اس کی ملاقات ہوئی، تو اس نے ملک الموت سے حضرت ادریسؑ کے بارے بات چیت کی۔ ملک الموت نے کہا اس وقت ادریسؑ کہاں ہیں؟ فرشتے نے کہا کہ میرے پروں کے اندر ہیں۔ ملک الموت نے کہا تعجب ہے مجھے حکم ہوا ہے کہ اس کی روح چوتھے آسمان پر قبض کروں، پھر وہیں ملک الموت نے حضرت ادریسؑ کی روح قبض کر لی۔

سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جو ساتویں عرش کے سر کے اوپر ہے۔ مخلوق کا علم اس درخت تک منتہیٰ ہوتا ہے۔ اور اس کے ماوراء کا علم سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے اسے سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہیں۔

ضحاک سے مروی ہے، فرماتے ہیں۔ جس وقت مومن آدمی کی روح قبض کی جاتی ہے تو فرشتے اسے آسمانِ دنیا کی طرف لے جاتے ہیں، اور مقرب فرشتے ایک آسمان سے دوسرے پر پھر تیسرے پر حتیٰ کہ اسی طرح ساتویں آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اور وہاں سے پھر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچاتے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ میں نے ضحاک سے دریافت کیا کہ سدرۃ المنتہیٰ اس درخت کا نام کس لئے رکھا گیا ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ امر الٰہی سے ہر چیز کی انتہا اس کی طرف ہے اس سے آگے کوئی چیز بھی نہیں بڑھتی پھر وہاں پر پہنچ کر یہ روح کہتی ہے اے میرے رب میں تیرا فلاں بندہ ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے حال کو بخوبی جانتے ہوتے ہیں تو وہاں سے پھر ایک سربمہر فرمان اس بندے کے پاس پہنچتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ روح اللہ کے عذاب سے محفوظ رہتی ہے، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

کلا ان کتاب الابرار لفی علیین ط	یقیناً سچ ہے کہ نیک لوگوں کے اعمالنامے بڑے
وما ادراک ما علیون کتاب	اونچے مکان میں ہیں تجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ
مرقوم یشھدہ المقربون ط	اونچا مکان کیا ہے وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے

اور اس پر مقرب فرشتے متعین ہیں ۔

یہ قول ان لوگوں کے مخالف نہیں ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ روحیں جنت کے اندر رہتی ہیں، کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے، اور جنت کے اندر رہتی ہیں۔ کیونکہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے، اور جنت اللہ تعالےٰ کے پاس ہے، اس بات کا قائل اس مضمون اور عبارت کو بڑے اچھے طریقے سے سمجھا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے بتایا ہے کہ شہداء کی روحیں اس کے پاس نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ جنت کے اندر جس جگہ چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں۔

فصل ۳۶

اُن لوگوں کے قول کے ذکر میں جو یہ کہتے ہیں کہ مومنوں کی روحیں جابیہ میں اور کافروں کی روحیں حضرموت کے کنوئیں برہوت میں رہتی ہیں

ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ یہ قول رافضیوں کا ہے۔ لیکن ابن حزم کا یہ فرمانا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اہل سنت سے بھی ایک جماعت اسی کی قائل ہے۔

ابو عبداللہ بن حزم کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام اور تابعین کے ایک گروہ سے ہمارے پاس یہ روایت پہنچی ہے کہ مومنوں کی ارواح جابیہ میں رہتی ہیں۔ پھر سند کے ساتھ عبداللہ بن عمرو سے انہوں نے روایت کی ہے۔ آپؓ نے فرمایا ہے کہ مومنوں کی روحیں مقام جابیہ میں جمع ہوتی ہیں اور کافروں کی ارواح حضرموت کے کنوئیں برہوت میں اکٹھی ہوتی ہیں۔

پھر دوسرے طریقے پر بھی اسے روایت کیا ہے۔ کہ حضرت کعب نے عبداللہ بن عمرو کو دیکھا ایسی حالت میں کہ لوگ ان کے گرد جمع تھے اور باتیں پوچھ رہے تھے ایک آدمی نے اُن سے کہا کہ تم ان سے پوچھو۔ کہ مومنوں اور کافروں کی روحیں

کس جگہ رہتی ہیں تو حضرت کعب نے ابن عمر سے پوچھا۔ ابن عمر نے جواب دیا کہ مومنوں کی روحیں جابیہ میں اور کافروں کی روحیں برہوت کے اندر رہتی ہیں۔

پھر ابو عبداللہ بن مندہ نے حضرت علیؓ سے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ زمین کے تمام کنوؤں سے بہتر کنواں زمزم ہے اور تمام سے برا اور بدترین کنواں حضرموت میں برہوت ہے اور زمین کے تمام جنگلوں سے بہتر جنگل مکہ کا ہے اور ملک ہند کا وہ جنگل ہے جہاں حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اتارے گئے تھے اسی سے تمہاری خوشبو (یعنی عود ہندی) آتی ہے، اور زمین کے تمام جنگلوں سے برا جنگل حضرموت میں احقاف ہے۔ جہاں کافروں کی روحیں آتی ہیں۔

ابن مندہ نے حضرت عباسؓ سے اور وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ زمین کے اندر تمام عالم میں بدترجگہ حضرموت کا جنگل ہے جسے برہوت کہتے ہیں اور اس کے اندر کافروں کی روحیں رہتی ہیں۔ اس کنوئیں کا پانی دن کو سیاہ معلوم ہوتا ہے، اور موذی جانور اس کے اندر رہتے ہیں۔

پھر ابن مندہ نے ابان بن تغلب سے روایت کی ہے وہ فرماتے تھے ایک آدمی بیان کرتا تھا۔ میں نے برہوت کے جنگل میں دیکھا گویا لوگوں کی طرح طرح کی آوازیں آرہی ہیں، اور وہ کہہ رہے ہیں، یا دومہ یا دومہ، ابان کہتے ہیں۔ مجھے ایک اہل کتاب نے بتایا کہ دومہ اس فرشتے کا نام ہے جو کافروں کی روحوں پر مقرر ہے

سفیانؒ فرماتے ہیں ہم نے اس جنگل کی بابت حضرموت میں رہنے والوں سے پوچھا تو انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہاں پر رات کو کوئی آدمی نہیں رہ سکتا۔

یہ بیان اس قول کے بارے میں ہے جو مجھے معلوم ہوا اور میں نے ذکر بھی کر دیا ہے تو اگر عبداللہ بن عمرو نے جابیہ کے ساتھ تمثیل و تشبیہ کا ارادہ کیا ہے یعنی بایں معنی مومنوں کی روحیں مثل جابیہ کے ایک کھلے اور کشادہ میدان میں اکٹھی ہوتی ہیں۔ بسبب اس کی وسعت اور عمدہ آب و ہوا کے اور اچھی غذا کے تو پھر اس کا یہ قول قریب قیاس ہے اور اگر انہوں نے جابیہ سے مراد خاص اسی میدان کو لیا ہے جو کہا جاتا ہے۔ تو یہ بات

بات پوری واقفیت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی، شاید عبداللہ بن عمرو رضؓ نے اس روایت کو کسی اہل کتاب سے سنا ہوگا۔

فصل ۳۷

روحیں زمین میں جمع ہوتی ہیں

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ روحیں اس زمین کے اندر اکٹھی ہوتی ہیں جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون ۵	بیشک ہم نے زبور میں لکھا ہے کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے۔

اگر یہ لوگ اس قول کو اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ تو یہ اس کی تفسیر نہیں ہو سکتی نیز لوگوں نے اس زمین کے بارے میں اختلاف بھی کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ جنت کی زمین ہے، اکثر مفسرین بھی یہی کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے ایک اور قول بھی مروی ہے۔ وہ یہ کہ اس زمین سے دنیا کی زمین مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر مفتوح فرمائی یہی قول صحیح ہے اور اسی کے مثل سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلکم:۔	اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں زمین میں حاکم بنائیگا جس طرح کہ ان سے پہلوں کو اس نے حاکم بنایا تھا"

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میرے سامنے زمین کے مشارق و مغارب پیش کئے گئے۔ میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی۔ جہاں تک

کہ میرے سامنے زمین پیش کی گئی تھی۔

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس زمین سے مراد بیت المقدس کی زمین ہے لیکن آیت خاص نہیں ہے۔

فصل ۳۸

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مومنوں کی روحیں علیین میں ہیں اور کافروں کی سجین میں

علیین ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے، اور سجین ساتوں زمینوں کے نیچے ہے یہ قول بہت سے اگلے اور بہت سے پچھلے لوگوں کا ہے۔ اور آنحضرت کا یہ فرمانا۔ اللھم الی الرفیق الاعلیٰ بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث گذر چکی ہے۔ جس میں آتا ہے کہ مومن کی روح کو ساتوں آسمانوں کے اوپر اللہ تعالےٰ کے حضور میں لے جاتے ہیں۔

ابوموسیٰ کا یہ قول کہ روح عرش کے قریب پہنچتی ہے، حضرت حذیفہ کا یہ قول کہ روح اللہ کے قریب ٹھہرتی ہے۔ عبداللہ بن عمرو کا یہ قول کہ روحیں اللہ کے قریب ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کا یہ فرمان کہ شہیدوں کی روحیں عرش کے نیچے قندیلوں کے اندر آرام کرتی ہیں۔ یہ سب اقوال گذر چکے ہیں۔

براء بن عازب کی حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ روح ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر چڑھتی ہے، حتیٰ کہ وہ عرش کے نیچے پہنچتی ہے، اور ہر آسمان کے ملائکہ اس کی مشایعت کرتے ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ وہ اس آسمان کے نیچے پہنچتی ہے جس پر اللہ تعالےٰ ہے یعنی عرش کے نیچے۔

لیکن ان تمام اقوال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ روح اس جگہ قرار پکڑ لیتی ہے بلکہ وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے لئے جاتی ہے۔ تو اس کا نام اہل علیین یا اہل سجین میں لکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر وہ سوال و جواب کے لئے قبر میں واپس

آتی ہے۔ پھر یہاں سے اپنی قرارگاہ کی طرف جاتی ہے۔
تو مومنین کی ارواح اپنے مرتبہ کے لحاظ سے علیین میں اپنے مکانوں میں ہیں اور کافروں کی اپنے مرتبہ کے موافق سجین میں اپنے مکانوں میں ہیں۔

فصل ۳۹

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مومنین کی ارواح چاہ زمزم میں جمع ہوتی ہیں

اس قول پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے اسے تسلیم کیا جائے، اور نہ ہی یہ کسی معتبر آدمی کا قول ہے اور نہ ہی یہ کسی طریقے سے صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ چاہ زمزم بہت تنگ ہے۔ اس میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ تمام مومنین کی روحیں اس میں سما سکیں، اور یہ قول حدیث صریح کے بھی مخالف ہے آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں کھاتی پھرتی ہے۔

غرضیکہ یہ قول تمام اقوال سے زیادہ فاسد اور بیہودہ ہے، اور اس آدمی کے قول سے بھی زیادہ برا ہے جو یہ کہتا ہے کہ مومنین کی ارواح جابیہ میں رہتی ہیں، کیونکہ جابیہ تو ایک کھلا ہوا اور وسیع میدان ہے بخلاف ایک تنگ و تاریک کنوئیں کے۔

فصل ۴۰

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مومنین کی روحیں زمین کے برزخ میں رہتی ہیں اور جس جگہ چاہتی ہیں پھرتی ہیں

ان کی دلیل حضرت سلمان فارسی کا قول ہے، برزخ اسے کہتے ہیں جو دو چیزوں کے

مابین حائل ہو۔ حضرت سلمان نے اپنے قول میں برزخ سے وہ زمین مراد لی ہے جو دنیا و آخرت کے درمیان ہے۔ وہاں روح آزاد ہے، جہاں چاہے چلے پھرے، یہ قول بہت قوی ہے، کیونکہ روح دنیا سے تو جدا ہو گئی اور آخرت میں ابھی نہیں پہنچی۔ بلکہ وہ اس جگہ پر ہے جو دنیا و آخرت کے درمیان ہے، اسی کو برزخ کہتے ہیں، تو مومنین کی ارواح کشادہ اور وسیع برزخ میں ہیں۔ ان کے لئے وہاں پر نعمتیں ہیں۔ روح و ریحان ہے اور کافروں کی ارواح تاریک و تنگ برزخ میں ہیں۔ اور ان کے لئے اس کے اندر غم و عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۔ ان کے آگے برزخ ہے حشر کے دن تک

تو برزخ سے مراد وہ عالم ہے جو دنیا و آخرت کے درمیان ہے۔ اور دراصل برزخ اسی چیز کو کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان ہو۔

فصل ۱۲

بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مومنین کی ارواح آدم علیہ السلام کی دائیں جانب اور کافروں کی بائیں جانب ہیں

بیشک اس قول کی صحیح حدیث تائید کرتی ہے۔ یعنی معراج کی رات میں حضور نے اس طرح دیکھا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دائیں جانب اور بائیں جانب ہونے میں برابر ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دائیں جانب والے بلندی اور کشادگی میں ہیں اور بائیں جانب والے پستی اور قید میں ہیں۔

ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں، یہی عالم برزخ ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں آسمانِ دنیا کے نزدیک دیکھا تھا اور فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں کہ عناصر منقطع ہوتے ہیں۔

ابو محمد بن حزم ہمیشہ ان لوگوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ جن کے اقوال بلا دلیل ہوتے ہیں، تو کوئی ان سے یہ پوچھے کہ تم اپنے اس قول کے لئے کتاب و سنت سے کیا دلیل لاتے ہو۔

جب ہم اس قول پر آئیں گے تو اس کے متعلق پوری گفتگو کرینگے۔

پھر اگر یہ کہا جائے کہ نیک لوگوں کی ارواح آدم علیہ السلام کی دائیں جانب ہیں۔ اور آدم علیہ السلام آسمانِ دنیا پہ ہیں۔ حالانکہ یہ بات پہلے ثابت ہو چکی ہے کہ شہیدوں کی روحیں عرش کے نیچے رہتی ہیں اور عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے، تو پھر یہ ارواح حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب کس طرح تھیں۔ اور حضور علیہ السلام نے انہیں آسمانِ دنیا پہ کس طرح دیکھا تھا۔

اس کا جواب کئی طریقوں سے ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ روحوں کا حضرت آدمؑ کے دائیں جانب بلندیٔ مرتبہ کے لحاظ سے ہونا کوئی ممتنع نہیں۔ جیسا کہ کافروں کی روحیں ذلت اور پستی میں ان کی بائیں جانب میں ہیں۔

دوسرے یہ بات ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مومنین کی ارواح کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہو اور وہ حضورؐ کے سامنے آسمانِ دنیا پہ پیش کی گئی ہوں۔

تیسری بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں بتایا۔ کہ آپؐ نے تمام نیک لوگوں کی روحوں کو دیکھا تھا، بلکہ آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ ناگہاں آدم علیہ السلام کے دائیں جانب کچھ جماعتیں تھیں۔ اور بائیں جانب بھی کچھ گروہ تھے۔ اسی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسےٰؑ کی روحیں چھٹے، اور ساتویں آسمان پر تھیں۔ اور اسی طرح جو روحیں رفیقِ اعلےٰ میں تھیں۔ تو وہ بھی اس مقام سے بلند تھیں، نیک لوگوں کی ارواح اپنے مرتبے کے موافق ایک دوسری سے بلند ہوتی ہیں۔ جیسا کہ بدکار لوگوں کی روحیں ایک دوسری سے پست اور ذلیل مقاموں میں ہوتی ہیں

فصل ۴۲

ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ موت کے بعد روحوں کا ٹھکانا وہیں ہے جہاں وہ جسموں کے پیدا ہونے سے پہلے تھیں

یہ اُن کے مذہب کی اصل ہے، یعنی ان لوگوں کا مذہب یہ ہے کہ ارواح اجسام سے پہلے پیدا ہوئی تھیں۔

اس مسئلہ میں لوگوں کے دو قول ہیں۔ جمہور یہ کہتے ہیں کہ روح جسم کے بعد ہوتی ہے، اور لوگ یہ کہتے ہیں کہ روحیں جسموں سے پہلے پیدا ہوئی ہیں، ان کے نزدیک اس قول پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے، اور ان کے ساتھ اجماع ہے یہ حضرات نصوص سے کچھ ایسی باتیں سمجھ گئے ہیں۔ جن پر وہ دلالت نہیں کرتیں۔ نیز بعض غیر صحیح حدیثوں کو بھی انہوں نے اپنی حجت بنایا ہے، چنانچہ ابو محمد بن حزم اس آیت کریمہ کو اپنے قول کی دلیل لاتے ہیں

واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم واشهدهم علیٰ انفسهم الست بربكم قالوا بلیٰ شهدنا۔	جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشتوں سے اولاد کو نکالا اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ بنا کر پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں۔

اور اس آیت کو بھی دلیل کے طور پر لاتے ہیں۔

ولقد خلقناکم ثم صورناکم ثم قلنا للملئکة اسجدوا لآدم فسجدوا ط	ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تصویر گری کی۔ پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

محمد بن حزم کہتے ہیں کہ یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو ایک ہی دفعہ پیدا کیا ہے۔ اور روحیں ہی نفوس ہیں۔ جس طرح کہ حضرت علیہ السلام نے بتایا ہے

کہ روحیں گروہ کے گروہ ہیں، جن میں وہاں جان پہچان ہو گئی، اُن میں دنیا کے اندر بھی الفت ہو گئی۔ اور جن میں جان پہچان نہیں ہوئی۔ وہ انجان رہتی ہیں۔

کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے روحوں سے گواہی لی تھی۔ اور روحیں ملائکہ کے سجود آدم سے پہلے اور جسموں میں داخل ہونے سے پہلے ہی مصور و عاقل تھیں، حالانکہ جسم اُس وقت مٹی میں تھے کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آیت ولقد خلقنا کم ثم صورناکم ثم قلنا للملئکۃ اسجدوا لآدم، میں ثم کا لفظ فرمایا ہے جو کہ تعقیب اور مہلت کا متقاضی ہے، پھر اس عہد کے لینے کے بعد اللہ تعالےٰ نے جس جگہ چاہا روحوں کو رکھا، اور یہی مقام برزخ ہے، اور اسی میں مرنے کے بعد ارواح چلی جاتی ہیں۔

ہم اس بارے میں مکمل بات چیت سائل کے اس سوال کے جواب میں بیان کریں گے۔ جو کہتا ہے کہ روحیں بدنوں کے ساتھ پیدا ہوئی ہیں، یا ان سے پہلے پیدا ہوئی ہیں۔ کیونکہ یہاں پر تو ہمیں مرنے کے بعد روحوں کے مستقر اور قرارگاہ کے متعلق بات چیت کرنی ہے

اس شخص کا یہ کہنا کہ روحیں مرنے کے بعد اسی برزخ میں قرار پکڑتی ہیں جہاں وہ جسموں میں داخل ہونے سے پہلے تھیں۔ یہ قول اُن کے اسی عقیدے پر مبنی ہے اور اُس کا یہ کہنا کہ نیک لوگوں کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب ہیں یہ اُس کا قول صحیح اور درست ہے، جیسا کہ حدیث کے اندر بھی آیا ہے۔

اور اس کا یہ کہنا کہ یہ مقام عناصر کے منقطع ہونے کی جگہ ہے۔ اس قول پر اس کے نزدیک کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں ہے، اور نہ ہی یہ قول اہل اسلام کے قول کے مشابہ ہے۔

صحیح حدیثیں اس بات پر دال ہیں کہ روحیں، عناصر کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے نزدیک جنت میں ہیں، اور یہ بات بھی جانی جا چکی ہے کہ صدیقوں کا رتبہ تمام سے افضل ہے تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عبداللہ

بن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور حذیفہؓ بن یمان وغیرہم رضی اللہ عنہم کی ارواح انقطاع عناصر کے مقام پر ہوں، جو آسمان دنیا کے بھی نیچے ہے۔ جبکہ ہمارے زمانے کے شہداء کی روحیں جنت میں ساتوں آسمانوں کے اوپر ہوں۔

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں کہ محمد بن نصر مروزی نے اسحاق سے نقل کی ہے۔ کہ انہوں نے بعینہٖ اسی بیان کے متعلق جو ہم نے دیا ہے۔ کہا ہے کہ اسی پر تمام اہل علم نے اجماع کیا ہے، اور یہی قول تمام اہل اسلام کا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ محمد بن نصر مروزی نے کتاب الرد علی ابن قتیبہ میں اس آیت واذ اخذ ربك کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ سلف سے جو اقوال منقول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے نکالا۔ اور پھر اُن سے عہد لے کر انہیں آدم علیہ السلام کی پشت میں واپس کر دیا۔ جس وقت اُس ذریات کو نکالا تو وہ مانند ذرّوں کے تھی اور اسی وقت اللہ تعالےٰ نے شقی و سعید کی طرف اُن کی تقسیم کر دی تھی۔ اُن کی عمر، رزق اور اُن کے اعمال، اور برائی، بھلائی جو انہیں پہنچنے والی تھی۔ سب کچھ مقدر کر دی تھی۔

نیز محمد بن نصر کہتے ہیں کہ اسحاق نے کہا ہے کہ تمام اہل علم نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ارواح، اجسام کے پیدا ہونے سے پہلے تھیں۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں بلوایا اور خود انہیں انہیں کے اوپر گواہ کیا، چنانچہ فرمایا ہے۔

الست بربکم قالوا بلیٰ شھدنا	کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ انہوں نے
ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا	کہا کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں یہ اس لئے کہ تم
عن ھذا غٰفلین۔ او تقولوا	قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے
انما اشرک اٰبآؤنا من قبل	یا کہو کہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا

اس آیت کریمہ کو یہ لوگ اپنے قول کی دلیل بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس آیت کے اندر ابو درداءؓ کے قول کی روحوں کے مستقر کی بابت کوئی دلیل نہیں

ہے، اور یہ آیت اس بات پر بھی دلالت نہیں کرتی کہ روحیں جسموں سے پہلے پیدا ہوئی ہیں۔

ہاں اس آیت سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو نکال کر اُن سے خطاب کیا اور پھر انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں واپس کر دیا۔

ابو محمد کے قول کے مطابق سلف، وخلف میں سے اگرچہ بہت سے لوگوں کا یہی قول ہے۔ لیکن صحیح قول دوسرا ہے، جس سے تم جلدی ہی واقف ہو جاؤ گے کیونکہ یہاں تو صرف روحوں کے مستقر کی بابت گفتگو کرنا مقصود ہے۔ اس مسئلہ سے سروکار نہیں ہے کہ روحیں جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ یا اُن سے پہلے، اس مسئلے کو اس کی جگہ پر بیان کیا جائیگا۔

اگر ابو محمد بن حزم کا یہ بیان مان بھی لیا جائے پھر بھی اس سے اس بات پر دلالت نہیں ہو سکتی کہ روحوں کا مستقر، منقطع عناصر کے قریب ہے۔ یا جسم میں داخل ہونے سے پہلے یہ اُن کا مستقر تھا۔

فصل ۴۳

بعض لوگ کہتے ہیں کہ روحوں کا مستقر عدم محض ہے

یہ اُن لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ روح بھی بدن کے اعراض سے اور یہی زندگانی ہے۔ اس کے قائل ابن الباقلانی اور اُن کے متبعین ہیں۔ اور ابو ہذیل اعلاف بھی اسی کا قائل ہے کہ نفس بھی اعراض میں سے ایک عرض ہے۔ لیکن انہوں نے اس بات کا تعین نہیں کیا کہ یہی زندگانی ہے۔ جس طرح کہ ابن الباقلانی نے تعین کیا ہے پھر کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی جسم کے دوسرے اعراض کی طرح ایک عرض ہے، یہ لوگ گویا اس بات کے قائل ہیں کہ جسم جس وقت مر جاتا ہے۔ تو اس کی روح بھی معدوم ہو جاتی

بن مسعودؓ، ابو درداءؓ اور حذیفہؓ بن یمان وغیرہم رضی اللہ عنہم کی ارواح انقطاع عناصر کے مقام پر ہوں، جو آسمان دنیا کے بھی نیچے ہے۔ جبکہ ہمارے زمانے کے شہداء کی روحیں جنت میں ساتوں آسمانوں کے اوپر ہوں۔

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں کہ محمد بن نصیر مروزی نے اسحاق سے نقل کی ہے۔ کہ انہوں نے بعینہٖ اسی بیان کے متعلق جو ہم نے دیا ہے۔ کہا ہے کہ اسی پر تمام اہل علم نے اجماع کیا ہے، اور یہی قول تمام اہل اسلام کا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ محمد بن نصر مروزی نے کتاب الرد علی ابن قتیبہ میں اس آیت واذ اخذ ربك کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ سلف سے جو اقوال منقول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو ان کی پشت سے نکالا۔ اور پھر ان سے عہد لے کر انہیں آدم علیہ السلام کی پشت میں واپس کر دیا۔ جس وقت اس ذریات کو نکالا تو وہ مانند ذروں کے تھی اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے شقی و سعید کی طرف ان کی تقسیم کر دی تھی۔ ان کی عمر، رزق اور ان کے اعمال، اور برائی، بھلائی جو انہیں پہنچنے والی تھی۔ سب کچھ مقدر کر دی تھی۔

نیز محمد بن نصر کہتے ہیں کہ اسحاق نے کہا ہے کہ تمام اہل علم نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ارواح، اجسام کے پیدا ہونے سے پہلے تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بلوایا اور خود انہیں انہیں کے اوپر گواہ کیا، چنانچہ فرمایا ہے۔

الست بربکم قالوا بلیٰ شھدنا	کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ انہوں نے
ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا	کہا کیوں نہیں ہم گواہی دیتے ہیں میں اس لئے کہ تم
عن ھذا غٰفلین۔ او تقولوا	قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہم اس سے غافل تھے
انما اشرک اٰباؤنا من قبل	یا کہو کہ ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے شرک کیا

اس آیت کریمہ کو یہ لوگ اپنے قول کی دلیل بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس آیت کے اندر ابو درداءؓ کے قول کی روحوں کے مستقر کی بابت کوئی دلیل نہیں

ہے، اور یہ آیت اس بات پر بھی دلالت نہیں کرتی کہ روحیں جسموں سے پہلے پیدا ہوئی ہیں۔

ہاں اس آیت سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحوں کو نکال کر اُن سے خطاب کیا اور پھر انہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں واپس کر دیا۔

ابو محمد کے قول کے مطابق سلف، وخلف میں سے اگرچہ بہت سے لوگوں کا یہی قول ہے۔ لیکن صحیح قول دوسرا ہے، جس سے تم جلدی ہی واقف ہو جاؤ گے کیونکہ یہاں تو صرف روحوں کے مستقر کی بابت گفتگو کرنا مقصود ہے۔ اس مسئلہ سے سروکار نہیں ہے کہ روحیں جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ یا اُن سے پہلے، اس مسئلے کو اس کی جگہ پر بیان کیا جائیگا۔

اگر ابو محمد بن حزم کا یہ بیان مان بھی لیا جائے پھر بھی اس سے اس بات پر دلالت نہیں ہو سکتی کہ روحوں کا مستقر، منقطع عن الجسد کے قریب ہے۔ یا جسم میں داخل ہونے سے پہلے یہ اُن کا مستقر تھا۔

فصل ۴۳

بعض لوگ کہتے ہیں کہ روحوں کا مستقر عدم محض ہے

یہ اُن لوگوں کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ روح بھی بدن کے اعراض سے اور وہی زندگانی ہے۔ اس کے قائل ابن الباقلانی اور اُن کے متبعین ہیں۔ اور ابو ہذیل اعلاف بھی اسی کا قائل ہے کہ نفس بھی اعراض میں سے ایک عرض ہے۔ لیکن انہوں نے اس بات کا تعین نہیں کیا کہ یہی زندگانی ہے۔ جس طرح کہ ابن الباقلانی نے تعین کیا ہے پھر کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی جسم کے دوسرے اعراض کی طرح ایک عرض ہے، یہ لوگ گویا اس بات کے قائل ہیں کہ جسم جس وقت مر جاتا ہے۔ تو اس کی روح بھی معدوم ہو جاتی

ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اور زندگی کے تمام اعراض اس کے ساتھ ہی مشروط ہیں۔

انہیں لوگوں میں سے بعض اس بات کے قائل ہیں کہ ایک عرض دو زمانوں کے اندر قائم نہیں رہ سکتا۔ اور اکثر اشعریہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان کی روح ہر وقت بدلتی رہتی ہے یہ وہ روح نہیں جو پہلے تھی۔ اسی طرح ہر وقت ایک نئی روح پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور پہلی روح متغیر ہو جاتی ہے۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ ایک ساعت میں ایک ہزار سے زیادہ روحیں بدل جاتی ہیں پھر جس وقت انسان مرتا ہے تو روح باقی نہیں رہتی کہ آسمان پر جائے یا قبر کے اندر واپس لوٹے۔ فرشتے اسے قبض کریں۔ آسمانی دروازے اس کے لئے کھلوائیں اور اس پر عذاب یا ثواب ہو عذاب یا ثواب فقط جسم کے لئے ہے جس وقت اللہ تعالیٰ اسے عذاب یا ثواب دینا چاہتا ہے تو جسم کو زندگانی بخشتا ہے، اور روح وہاں نہیں ہوتی جو جسم کا قائم ہو۔

انہیں میں سے کچھ لوگ اس بات کے معتقد ہیں کہ جسم میں صرف ریڑھ کی ہڈی کی نوک ہے جو کہ مقعد کے اوپر ہے زندگی بخشی جاتی ہے، اور اسی پر نعمت یا عذاب ہوتا ہے، اس قول کی کتاب، سنت، اجماع صحابہ اور عقلی و فطرتی دلیلیں تردید کرتی ہیں۔ یہ قول اس شخص کا ہے جو دوسرے کی روح کو تو کیا جانے گا خود اپنی روح کو بھی نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ نے ارواح کے ساتھ، رجوع، دخول، اور خروج سے خطاب کیا ہے۔ اور صحیح صریح نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ روح اوپر جاتی ہے۔ نیچے آتی ہے قبض کی جاتی ہے، چھوڑی جاتی ہے۔ آسمان کے دروازے اس کے لئے کھلتے ہیں، سجدہ کرتی ہے، بولتی بھی ہے۔ جسم سے اس طرح نکل آتی ہے جیسے پانی کا قطرہ مشک سے نکل آتا ہے۔ جنت کی خوشبو اسے لگا کر جنت کا کفن پہنایا جاتا ہے، جہنم کے لئے جہنمی کفن اور بدبو آتی ہے۔ پہلے ملک الموت روح کو قبض

کرتا ہے۔ پھر دوسرے فرشتے ملک الموت سے اسے لے لیتے ہیں۔ اور نیک آدمی کی خوشبو انہیں مشک سے بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے، اور کافر کی مردار سے بدتر بدبودار معلوم ہوتی ہے۔ پھر ہر آسمان کے فرشتے اسکی مشایعت کرتے ہیں۔ قرآن حکیم اس بات پر شاہد ہے کہ روح نزع کے وقت ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ حلق کے قریب پہنچتی ہے۔ ہم متبنی روایات روحوں کے باہم ملنے اور ان کے گروہ گروہ ہونے کے بارے میں بیان کر آئے ہیں، وہ تمام اس قول کی تردید کرتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے معراج کی رات میں روحوں کو حضرت آدم کے دائیں اور بائیں طرف دیکھا ہے، اور آپ نے بتایا ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں میں کھاتی پھرتی ہے، اور شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ فرعونیوں کی روحیں صبح و شام دوزخ پر پیش کی جاتی ہیں۔

جس وقت یہ محکم دلائل باتلانی کے بیٹے کے سامنے رکھے گئے تو وہ ان کا جواب دے سکا کہنے لگا کہ اس میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جسم کے اجزاء میں سے پہلے جزو کے اندر زندگی رکھی جاتی ہے۔ اور اسی کے سبب سے ثواب یا عذاب ہوتا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اس زندگی اور ثواب یا عذاب کے لئے دوسرا جسم پیدا کیا جاتا ہوگا۔

یہ بات بھی تمام وجوہات سے فاسد اور بیہودہ ہے۔ اور اس آدمی کے قول سے بڑھ کر اور کونسا قول فاسد ہو سکتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ ایک گھڑی کے اندر بدن انسانی میں ہزاروں روحیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور معدوم ہو جاتی ہیں۔ اور روح بدن کے اعراض سے ایک عرض ہے، جس وقت یہ عرض اس سے جدا ہوتا ہے۔ تو پھر کوئی روح باقی نہیں رہتی جس پر عذاب یا ثواب ہو، اور روح نہ اوپر جاتی ہے۔ نہ نیچے آتی ہے۔ اور نہ قبض کی جاتی ہے نہ چھوڑی جاتی ہے۔

یہ قول عقل، نقل، کتاب و سنت، تمام کے مخالف ہے، اور یہ ایسے شخص کا قول

ہے۔ جو اپنے نفس کی معرفت سے بے بہرہ ہے۔ اس قول کے بطلان کے دلائل اس کے موقعہ پر انشاء اللہ بیان کرینگے اور یہ قول سلف سے نہ صحابہ کا ہے۔ نہ تابعین کا نہ ائمۂ اسلام کا کسی کا بھی نہیں ہے۔

فصل ۴۴

بعض لوگ کہتے ہیں کہ موت کے وقت رُوحوں کا مستقر دوسرا ہے اور ان میں

اس قول کے اندر کچھ حق بھی ہے اور کچھ باطل بھی۔ حق تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی خبر دی ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں عرش کے نیچے قندیلوں میں لٹکی ہوئی ہیں۔ اور یہ قندیلیں ان کے لئے ایسی ہیں۔ جس طرح کہ پرندوں کے گھونسلے ہوتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی ارواح کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں کر دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے۔ جو جنت کے درختوں میں کھاتی پھرتی ہے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پرندہ روح کا مرکب ہو۔ جس طرح کہ بدن پہلے اس کا مرکب تھا۔ اور یہ بات دونوں یعنی شہیدوں اور مومنوں دونوں کو حاصل ہو۔ نیز یہ احتمال بھی ہے کہ روح بغیر جسم کے پرندہ کی صورت کی ہو جاتی ہے۔ اسی قول کو ابو محمد بن حزم اور ابو عمر بن عبد البر نے اختیار کیا ہے ابو عمر بن عبد البر کا قول اور اس کے متعلق بحث ہم اوپر بیان کر چکے ہیں ابن حزم کہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ فرمان کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ جنت کے اندر اڑتی پھرتی ہے

کہتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ لفظ نَسَمَۃ جو حدیث میں آیا ہے اور جس کے معنی روح کے ہیں۔ یہ لفظ مؤنث ہے۔ اور طائر کا لفظ مذکر ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ عرب کے ایک ادیب فصیح سے منقول ہے کہ اس نے ایک آدمی سے کہا آنتدقَ کتابی فاستخفت

بھا۔ کسی آدمی نے اس سے پوچھا کہ آپ کتاب کو مؤنث بولتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ کیا یہ صحیفہ کے اندر شامل نہیں ہے۔ ایسے ہی لفظ نسمہ کو مذکر بولا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ حدیث کے اندر یہ جو زیادتی ہے کہ روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں۔ تو یہ اُن قندیلوں کی صفت ہے۔ جن کے اندر جاکر وہ آرام کرتی ہیں۔ اور یہ دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔

ابن حزم کا قول لفظاً اور معنی نہایت فساد والا قول ہے، کیونکہ یہ حدیث کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے، علیحدہ حدیث ہے۔ اور ابن حزم نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس کا احتمال پہلی حدیث کے اندر تو ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری حدیث کے اندر جس میں شہیدوں کا ذکر ہے کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضورؐ نے خود بتایا ہے کہ شہیدوں کی روحیں جو اصل طیر میں ہیں اور دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ اجواف طیر میں ہیں۔ ایک دوسری حدیث کے اندر ان پرندوں کا رنگ، سبز و سفید بھی فرمایا ہے، اور یہ پرندے جنت میں پھل کھاتے اور نہروں کے پانی پیتے پھرتے ہیں۔ پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں جا کر آرام کرتے ہیں۔ جو اُن کے لئے اس طرح ہیں جیسے پرندوں کے لئے گھونسلے۔

ابن حزم کا یہ کہنا کہ حواصل طیر قندیلوں کی صفت ہے بالکل خطا ہے۔ بلکہ قندیلیں ان پرندوں کے لئے رہنے کی جگہ ہیں۔ تو اس جگہ پر حدیث نے تین باتوں کی وضاحت کی ہے۔ ایک روحوں کی اور دوسرے پرندوں کی جن کے اندر پرندے رہتے ہیں۔ قندیلیں عرش کے نیچے قائم ہیں۔ وہ جنت میں کھانے پینے نہیں جاتے پرندے ہی کھانے پینے جاتے ہیں جن کے پوٹوں میں یہ روحیں ہیں اور پھر وہ اِن قندیلوں کے اندر آجاتی ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ احتمال بھی ممکن ہے کہ روح کو پرندہ کی شکل میں کر دیا گیا ہو نہ یہ کہ پرندہ کا جسم اُسے دیا گیا ہو۔ جس طرح کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

فی ای صورۃ ما شاء رکبک ط | جس صورت میں چاہا تجھے بنا دیا۔

اور حدیث کا یہ لفظ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُن کی ارواح مانند سبز پرندے کے ہیں، ایسے ہی ابن ابی شیبہ نے سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے۔

ابو عمر کہتے ہیں کہ میرے نزدیک اُس شخص کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ روحیں مثل پرندوں کے ہیں یا پرندوں کی شکل میں ہیں، کیونکہ یہ قول ہماری حدیث یعنی کعب بن مالک کی حدیث کے مطابق ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں دو لفظوں کے ساتھ حدیث مروی ہے۔ اپنی صحیح کے اندر مسلم نے جو اعمش کی حدیث سے اور جو اس نے مسروق سے روایت کی ہے اس کے اندر اجواف طیر خضر کے الفاظ ہیں۔ تو یہ حدیث اس سے مختلف نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بھی اعمش سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی حدیث یہ ہے کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے جو بھائی جنگ احد میں شہید ہوئے ان کی ارواح کو اللہ تعالیٰ نے اجواف طیر خضر یعنی سبز پرندوں کے پوٹوں میں کر دیا ہے جو بہشت کی نہروں سے پانی پیتے ہیں۔ اور جنت کے پھل کھاتے ہیں اور عرش کے نیچے سونے کی لٹکی ہوئی قندیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ پھر جب انہوں نے اپنی یہ خوشی، عیش اور مزہ دیکھا تو بولے ایسا کون ہے جو ہمارے بھائیوں کو ہمارے اس عیش و عشرت کی خبر دے کہ ہم جنت کے اندر زندہ ہیں اور بہترین رزق کھاتے ہیں۔ تاکہ ہمارے بھائی جہاد میں سستی نہ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے انہیں پیغام پہنچائے دیتا ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی	مت خیال کرو ان لوگوں کو جو راہ خدا میں
سبیل اللہ امواتا الی آخرہ	مر گئے ہیں کہ مردے ہیں۔

کعب بن مالک کی حدیث مسند احمد اور سنن اربعہ میں ہے اور اس کے الفاظ ترمذی کے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں اور جنت کے پھل کھاتی پھرتی ہیں۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

یہ کوئی خدشے کی بات نہیں اور نہ ہی کسی شریعت کے قاعدے کو باطل کرتی ہے۔ اور نہ ہی کتاب و سنت کی نص کے مخالف ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

یہ شہیدوں کے لئے ایک بہت بڑی بزرگی ہے۔ کہ جب انہوں نے اپنے جسموں کے راہ خدا میں ٹکڑے کروا دیئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے جسم عطا کر دیئے ہیں اُن کے پہلے جسموں سے کئی درجے بہتر ہیں۔ تاکہ ان کی ارواح ان مراکب پر سوار ہو کر نعمتوں کی لذتیں کمال درجے پر حاصل کریں۔ جب قیامت کا دن ہوگا۔ تو یہ روحیں اپنے پرانے قدیمی جسموں کی طرف واپس کر دی جائیں گی جن کے اندر یہ دنیا میں رہتی تھیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس کا نام تو تناسخ ہے یعنی ارواح کا اپنے اجسام سے نکل کر دوسرے بدن میں حلول کرنا ہی تناسخ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول جس پر صریح سنت دلالت کر رہی ہے۔ اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور جو آدمی اسے تناسخ کا نام دیتا ہے۔ اس کے کہنے سے یہ قول باطل نہیں ہو سکتا جس طرح کہ صفات الٰہیہ اور اسمائے حسنیٰ کے عقائد جنہیں عقل و نقل نے ثابت کیا ہے۔ وہ تمام حق ہیں معطلین کے اُن کا نام تجسیم رکھنے سے وہ باطل نہیں ہو سکتے

اسی طرح جن باتوں پر عقل و نقل نے دلالت کی ہے۔ مثلاً اثبات افعال کلام مشیت ہر رات کو اس کا آسمان دنیا پر نازل ہونا، اور قیامت میں بندوں کے فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لانا وغیرہ یہ تمام باتیں حق ہیں۔ معطلین کا ان کو حلول حوادث نام کہہ دینا انہیں باطل نہیں کر سکتا۔

اسی طرح جن باتوں پر عقل و نقل دلالت کرتی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بلند ہونا اس کا عرش پر قائم ہونا، فرشتوں اور روح کا اس کی طرف عروج کرنا اور پھر اس کے قریب سے نازل ہونا پاکیزہ کلمات کا اس کی جانب چڑھنا رسولؐ کو اس کی طرف معراج ہوتی اور اس کے اتنا قریب ہونا جس کی شان میں وہ فرماتا ہے

فکان قاب قوسین او ادنیٰ[1] وہ قریب تھا دو قوس کے برابر یا اس سے کم

---

[1] امام ابن قیم کو یہاں غلطی ہوئی۔ حضور نے فرمایا ہے کہ اس قرب سے میری مراد میرے رب کا قرب ہے خدا کا نہیں یہی حال ثم دنی فتدلی کا ہے اور فرمایا دنیا میں رب سے بڑے تین جھوٹ ہیں۔ ایک یہ کہنا کہ میں نے خدا کو

ان کے علاوہ جتنی دلیلیں ہیں۔ وہ تمام حق ہیں۔ جہمیہ کا ان کو جہت اور جسم نام رکھ دینا انہیں باطل نہیں کرتا

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بدگمانوں کے کہنے سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں کسی صفت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بدعتیوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اہل سنت کو ایسے القاب سے نوازتے ہیں۔ جنہیں سنکر عوام اور جاہل لوگ ان سے متنفر ہوں۔ چنانچہ جن اہل بدعت کا اوپر بیان گزرا یہ لوگ حشو ترکیب اور تجسیم نام رکھتے ہیں۔ اور عرش الٰہی کو جہت کہتے ہیں تاکہ اس کے توسط سے ذات ایزدی سے اس کی مخلوق پر بلندی و علو کی نفی کریں جس طرح کہ رافضی لوگ تمام صحابہ سے محبت کرنے کا نام نصب رکھتے ہیں اور فرقہ قدریہ مجوسیہ کے لوگ تقدیر کے ثابت کرنے کو جبر کہتے ہیں۔ ناموں سے کیا ہوتا ہے مطلب تو حق ہے۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کہ سنت سے یہ بات پر دلالت کرتی ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی۔ لہذا اس کا نام تناسخ رکھ دینا اسے باطل نہیں ٹھیراتا۔ تناسخ باطل وہ ہے۔ جس کے قائل مرسلین کے دشمن، ملحد وغیرہ ہیں۔ جو معاد کے منکر ہیں۔ ان کا یہ قول ہے کہ روح ان اجسام سے جدا ہونے کے بعد حیوانات یا حشرات یا پرندوں کے جسموں میں جو بھی ان کے مناسب ہوتا ہے داخل ہو جاتی ہے اور اس جسم کے ذریعے عذاب یا ثواب ہوتا ہے۔ پھر اس جسم سے نکل کر اپنے اعمال کے مناسب کسی اور جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک یہی جنت اور جہنم ہے اس کے علاوہ روح کے لئے اور کوئی معاد نہیں ہے۔ یہ تناسخ باطل ہے۔ اول سے لے کر آخر تک تمام انبیاء اور رسولوں کے عقیدے کے خلاف ہے اور یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے ساتھ کفر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۵) دیکھا ہے میں نے خدا کو کبھی نہیں دیکھا۔ دوسرا یہ کہ میں کہ مجھے غیب کا علم ہے مجھے غیب کا علم نہیں۔ تیسرا یہ کہ مجھے قیامت کا علم ہے۔ مجھے قیامت کا علم نہیں (بخاری)

یہ لوگ بھی کہتے ہیں کہ روح کے جسموں سے جدا ہونے کے بعد قرارگاہ ان حیوانوں کے بدن ہیں جو اُن کے مناسب ہیں۔ یہ قول تمام اقوال سے زیادہ خبیث اور بے ہودہ ہے۔ اسی کے قریب قریب یہ قول بھی ہے کہ انسان کے مرنے ہی روح باقی نہیں رہتی بلکہ عذاب یا ثواب جسم کے اجزاء میں ایک جزو پر ہوتا ہے، چاہے وہ ریڑھ کی ہڈی کی نوک ہو یا کوئی دوسرا جزو ہو۔ اُسی کے اندر اللہ تعالیٰ تکلیف یا راحت پیدا کر دیتا ہے اس زندگی کے واسطے سے جو اس جزو کو عطا کرتا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ثواب یا عذاب جسم میں بغیر زندگی ڈالے ہوئے ہوتا ہے تو ان لوگوں کے نزدیک عذاب برزخ فقط جسم کے لئے ہے، ان کے مقابل وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جدائی کے بعد پھر روح جسم کے اندر مطلقاً واپس نہیں کی جاتی عذاب یا ثواب صرف روح ہی کو ہوتا ہے۔

متواتر اور صحیح احادیث ان اقوال کی تردید کرتی ہیں، اور ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عذاب روح و جسم دونوں پر اجتماعی و انفرادی دونوں حالتوں میں ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے روحوں کے مستقر کے بارے میں اتنے اقوال مع اُن کے ماخذ کے نقل کئے ہیں تو ان تمام اقوال میں سے راجح کونسا قول ہے جس پر ہم اعتقاد رکھیں اس کا جواب یہ ہے کہ برزخ کے اندر ارواح کے مستقر ان کی حیثیت اور مرتبہ کے لحاظ سے بہت متفاوت ہیں چنانچہ بعض ارواح علیین اور ملاء اعلیٰ میں رہتی ہیں یہ رسولوں اور نبیوں کی روحیں ہیں۔ اُن کے منازل و مقامات میں بھی بڑا فرق ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معراج کی رات دیکھا تھا۔

بعض ارواح جنت کے اندر سبز پرندوں کے پوٹوں میں جس جگہ چاہتی ہیں کھاتی پھرتی ہیں۔ یہ روحیں تمام شہداء کی نہیں ہیں کیونکہ بعض شہداء کی روحیں بسبب قرض کے جو اُن کے ذمہ واجب الادا تھا جنت میں جانے سے روک دی گئیں۔ چنانچہ مسند میں محمد بن عبداللہ بن جحش سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضورؐ کی خدمت

میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ اگر میں اللہ کے راستے میں شہید ہو جاؤں تو میرے لئے کیا ثواب ہے؟ آپؐ نے فرمایا جنت، جب وہ آدمی واپس لوٹنے لگا تو حضورؐ نے اس سے فرمایا بشرطیکہ قرض نہ ہو۔ کیونکہ یہ بات ابھی جبرائیلؑ نے میرے کان میں کہی ہے۔

بعض ارواح جنت کے دروازے پر رکی رہتی ہیں جس طرح کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں۔ میں نے تمہارے ایک آدمی کو جنت کے دروازے پر رکا ہوا دیکھا ہے۔ کچھ آدمی قبر کے اندر روک دیئے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں اس آدمی کا ذکر آیا ہے۔ جس نے ایک شملہ چرا لیا تھا۔ پھر وہ شہید ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس کی تعریف کرنی شروع کر دی تھی۔ تو حضورؐ نے کہا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جو شملہ اس نے چرایا تھا وہ آگ کی طرح اس کی قبر میں مشتعل ہے۔

کچھ روحوں کا مستقر جنت کا دروازہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ شہدا جنت کے دروازے پر ایک نہر کے کنارے سبز گنبد کے اندر ہیں۔ جنت سے روزانہ صبح و شام ان کے لئے کھانا آتا ہے

احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے البتہ حضرت جعفر بن ابی طالب اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کے دونوں ہاتھوں کے عوض اللہ تعالیٰ نے انہیں دو پر عطا کئے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں

کچھ ارواح زمین پر قائم رہتی ہیں۔ وہ ملائے اعلیٰ کی طرف نہیں جا سکتیں کیونکہ یہ سفلی روحیں ہیں، اور سفلی ارواح علوی ارواح کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں جس طرح کہ وہ دنیا کے اندر ان سے جدا رہتی ہیں۔ مرنے کے بعد بھی ان کا قرب انہیں نصیب نہیں ہوتا۔

جس روح نے دنیا میں اپنے پروردگار کی معرفت، اس کا قرب، اس کی محبت، اور اس کا ذکر حاصل نہیں کیا۔ وہ دنیا میں بھی ذلیل اور سفلی رہی۔ اور بدن سے جدا ہونے

کے بعد بھی سفلی ہی رہے گی۔ اور جو روح دنیا میں علوی تھی۔ یعنی خدا کی محبت اور اس کے قرب میں مشغول تھی۔ اگر یہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی علوی روحوں کے ساتھ رہتی ہے۔ اور جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے برزخ میں اسی کے ساتھ رہتا ہے اور قیامت میں بھی اسی کے ساتھ رہیگا۔ اللہ تعالےٰ قیامت و برزخ میں روحوں کو ان کے دوستوں کے ساتھ کر دیگا۔ جس طرح کہ حدیث کے اندر بیان ہو چکا ہے۔ مومن کی روح کو اللہ تعالےٰ نسیم طیب یعنی ارواح طیبہ کے ساتھ جو اس کے مناسب اور ہم شکل نہیں رکھتا ہے۔ تو روح بدن کی جدائی کے بعد اپنے ہم جنسوں بھائیوں اور اپنے جیسے اعمال والوں کے ساتھ جا ملتی ہے۔ اور انہیں کے ساتھ رہتی ہے۔

کچھ روحیں ایسی ہیں جو زناکاروں کے تنوروں میں رہتی ہیں اور کچھ روحیں خون کی نہروں میں ڈبکیاں لگاتی ہیں۔ جب وہ نکلنا چاہتی ہیں تو ان پر پتھر برسائے جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نیکوکاروں اور بدکاروں کی روحوں کا مستقر ایک نہیں ہے، کوئی روح اعلیٰ علیین میں ہے، اور کوئی اسفل السافلین میں ہے۔ اس باب میں جو حدیثیں اور آثار آئے ہیں۔ جب آپ انہیں غور سے دیکھیں گے۔ تو آپ پر یہ بات روشن ہو جائیگی، آپ اس بات کا خیال نہ کریں کہ ان حدیثوں میں باہم تعارض ہے۔ تو ایسا نہیں ہے۔ تمام حدیثیں حق ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ ساری بات ان کا صحیح طور پہ سمجھنا ہے۔ روح اور اس کے جاننے میں ہے! اور اس بات کے جاننے میں کہ روح کی حالت بدن کی حالت سے علیحدہ ہے اور وہ جنت کے اندر ہے، اور پھر آسمان پر بھی ہے اور قبر اور بدن میں بھی ہے دراصل روح بہت تیزی کے ساتھ حرکت، انتقال، صعود اور ہبوط کرنے والی ہے

روحوں کی کئی قسمیں ہیں۔ مرسلہ، محبوسہ، علویہ، سفلیہ بدن سے جدا ہو جانے کے بعد ان کی حالتیں بھی جدا ہو جاتی ہیں، مثلاً انہیں صحت و مرض، لذت و نعیم رنج و الم وغیرہ لگتے ہیں۔ جیسا کہ یہ حالتیں روح کی بدن کے اتصال کے وقت تھیں

ایسے ہی برزخ میں بھی بعض روحوں کے لئے آزادی راحت، لذت و نعمت ہے، اس کی مثال اس طرح سمجھنی چاہیئے کہ روح بدن سے جدا ہونے کے بعد ایسی ہوتی ہے جیسے ماں کے پیٹ سے اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے۔

پہلی منزل ماں کا پیٹ ہے یہ نہایت ہی تنگ و تاریک جگہ ہے، دوسری منزل وہ ہے جس میں وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پرورش پائی۔ نیکی اور بدی کمائی، اور سعادت و شقاوت کے اسباب کو حاصل کیا۔

تیسری منزل برزخ ہے۔ یہ ان پچھلی دونوں منزلوں سے زیادہ کشادہ اور وسیع ہے، جیسا کہ دنیا ماں کے پیٹ سے زیادہ کشادہ ہے۔

چوتھی منزل دار القرار ہے۔ یعنی جنت یا جہنم، ان کے بعد اور کوئی منزل نہیں ہے ان منزلوں میں اللہ تعالیٰ روح کو منتقل کرتا ہوا بالآخر اس منزل میں پہنچا دیتا ہے۔ جو اس کے شایان شان ہوتی ہے۔ یہ روح اسی کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ اور اس سے وہی اعمال کرائے گئے جو اسے اس منزل میں پہنچانے والے تھے۔

ان مقاموں میں ہر ایک مقام کے اندر ارواح کی علیحدہ علیحدہ شانیں اور جدا جدا حکم ہیں جو دوسرے مقاموں میں نہیں ہیں۔ بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے روح کو پیدا کیا، وہی اس کا مارنے والا اور زندہ کرنے والا ہے۔ وہی سعید و شقی بنانے والا ہے اور وہی دونوں کی سعادت و شقاوت کے درجات میں فرق کرنے والا ہے۔ جس طرح کہ اس نے علوم، اعمال، قوی، اور اخلاق کے درجات میں دنیا کے اندر فرق کیا تھا جس شخص نے جس طرح کر روحوں کو پہچاننا چاہیئے تھا۔ اس نے اس بات کی گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے، اسی کے لئے تمام ملک ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے، اسی کے دست قدرت میں تمام خیر ہے، تمام امر اسی کی جانب لوٹتے ہیں، تمام قوت، قدرت، عزت، حکمت، اور کمال مطلق اسی کو حاصل ہے۔ اپنے نفس کی معرفت سے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے تمام رسول سچے ہیں جو احکام وہ اس کی طرف سے لائے ہیں۔ وہ تمام سچے ہیں۔ عقلیں اس کی تصدیق ہیں اور فطرتیں

اس کی شاہد ہیں، اور جو اس کے خلاف ہے، وہ سب باطل ہے۔ وباللہ التوفیق۔

فصل ۴۵

سولہواں سوال یہ ہے کہ مُردوں کی ارواح کو زندوں کے کسی عمل سے فائدہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اہل سنت، فقہاء محدثین و مفسرین کے نزدیک روحیں زندوں کی کوششوں سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ جس کی ایک صورت تو یہ ہے۔ کہ روح کو اُن اعمال سے فائدہ ہوتا ہے۔ جو اس نے اپنی زندگی کی حالت میں کئے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ روح کو مسلمانوں کی دعا، صدقہ، استغفار اور حج وغیرہ سے بھی نفع پہنچتا ہے

علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ مردے کو جو ثواب ملتا ہے۔ وہ انفاق کا ثواب ہے یا عمل کا تو جمہور کے نزدیک تو نفسِ عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اور بعض حنفیہ کے نزدیک انفاق کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ اور عبادات بدنیہ، مثلاً، نماز، روزہ اور قرآن کا پڑھنا وغیرہ کے اندر بھی علماء نے اختلاف کیا ہے کہ ان کا ثواب بھی مردے کو ملتا ہے یا نہیں۔ تو امام احمد اور جمہور سلف کا تو یہ مذہب ہے کہ مردے کو ثواب پہنچتا ہے۔ اور یہی قول ابو حنیفہؒ کے بعض اصحاب کا بھی ہے۔

امام احمدؒ نے محمد بن یحییٰ کمال کی روایت میں اس قول پر نص پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں، ابو عبداللہ سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی نماز، صدقہ وغیرہ کے اقسام سے نیک اعمال کرتا ہے۔ اور پھر اُن کا آدھا اپنے والدین کو بخش دیتا ہے (یہ ٹھیک ہے یا نہیں) تو حضرت ابو عبداللہ نے فرمایا کہ مردے کو صدقہ وغیرہ ہر ایک عمل کا ثواب ملتا ہے پھر فرمایا، تین مرتبہ قل ھو اللہ احد اور آیۃ الکرسی پڑھو اور کہو اے اللہ اس کا ثواب اس قبرستان کے مردوں کو پہنچاوے۔

امام شافعیؒ اور مالکؒ سے مشہور یہی روایت ہے کہ مردے کو ثواب نہیں ملتا اور اہلِ کلام سے بعض بدعتی لوگ بھی اسی کی طرف گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مردے کو زندے کی دعا وغیرہ عمل سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اس بات کی دلیل کہ مردے کو اپنی زندگی میں کئے ہوئے کاموں سے نفع پہنچتا ہے یہ حدیث ہے۔ جسے مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت آدمی مرتا ہے تو اس کے تمام اعمال اُس سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ ماسوائے تین عملوں کے، ایک صدقہ جاریہ، دوسرے وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ تیسرے ولد صالح یعنی نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔ ان تینوں عملوں کے مستثنیٰ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں بھی مردے ہی کے اعمال سے ہیں۔ کیونکہ وہی ان کے وجود کا باعث و سبب بنا ہے۔

سُنن ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مومن کے مرنے کے بعد اس کے اعمال اور نیکیوں میں سے اسے اُس علم کا ثواب پہنچتا رہتا ہے جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا یا نیک اولاد اپنے پیچھے چھوڑی یا اپنے ورثہ میں قرآن حکیم چھوڑا (یعنی لوگ اُسے پڑھتے ہیں اور اُسے ثواب ملتا ہے) یا کوئی مسجد بنائی، یا نہر کھودی یا اپنی زندگی و صحت میں اپنے مال سے صدقہ نکالا، ان تمام اعمال کا ثواب مرنے کے بعد ملتا ہے

صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا۔ اس کو خود اس پر عمل کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور اُن لوگوں کا ثواب بھی ملتا ہے جو اس کے بعد اُس پر عمل کرتے ہیں۔ اس طرح کہ ان لوگوں کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوتی، اور جس آدمی نے اسلام میں برا طریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس کا گناہ ہوگا۔ اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کرینگے ان کا گناہ بھی اسی کو ہوگا۔ بغیر اس بات کے کہ اُن کے گناہوں میں سے کچھ کمی ہو۔ یہی

مضمون بہت ساری وجوہات حسنہ اور صحیحہ سے حضور سے ثابت ہے۔

سند میں حضرت حذیفہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے سامنے ایک سائل نے سوال کیا کسی نے بھی اسے کچھ نہ دیا۔ پھر ایک آدمی نے اُسے کچھ دیا۔ پھر دوسرے لوگوں نے بھی اسے دیکھ کر کچھ دینا شروع کیا، تو حضورؐ نے فرمایا۔ جس آدمی نے نیک بات کی اور پھر لوگوں نے اس کا اتباع کیا تو اس آدمی کو اپنی نیکی اور ان لوگوں کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا جنہوں نے اُس کی پیروی کی بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے ثواب سے کچھ کم ہو۔ اور جس آدمی نے کوئی بری بات کی اور لوگوں نے اس کا اتباع کیا تو اس آدمی پر اپنا اور اُن متبعین کا گناہ ہوگا۔ جنہوں نے اس کا اتباع کیا، بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں سے کچھ کمی ہو۔

اس قول پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو آدمی ظلم سے قتل کیا جاتا ہے۔ اُس کا گناہ آدم کے فرزند (قابیل) پر ہوتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے اس نے قتل کے طریقے کو ایجاد کیا تھا۔ تو جب عذاب اور عقاب میں یہ بات ہے تو پھر فضل و ثواب میں تو بطریق اولیٰ ہوگی۔

فصل ۴۶

اُن اشیاء سے فائدہ اُٹھانے کی دلیلیں جن کا سبب خود مردہ نہیں ہوا ہے، اور جو قرآن، حدیث، اجماع اور قواعدِ شرع سے ثابت نہیں

قرآن حکیم کے اندر اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ط

جو لوگ ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جنہوں نے ایمان کے ساتھ ہم سے سبقت کی"

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے گذرے ہوئے بھائیوں کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، اور اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مردوں کو زندوں کے استغفار سے نفع پہنچتا ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اُن گذرے ہوئے لوگوں کو ان لوگوں کے استغفار سے اس وجہ سے فائدہ پہنچا کہ وہ ایمان میں سبقت کرنے والے تھے تو گویا ان لوگوں نے ایمان لانے میں اُن لوگوں کی پیروی کی۔

مردہ کو زندہ لوگوں کی دعا سے نفع حاصل کرنے پر نماز جنازہ کے بارے میں امت کا اجماع کرنا بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ نماز جنازہ کے اندر بھی مُردوں کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔

سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضورؐ علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی اور یہ دعا پڑھی جسے میں نے حفظ کر لیا ہے۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وزوجا خیرا من زوجہ وادخلہ الجنۃ واعذہ من عذاب القبر و عذاب النار ط	اے اللہ اسے بخش دے اس پر رحم فرما عافیت دے معاف فرما دے۔ اچھی جگہ عطا کر اُس کی قبر کو کشادہ فرما دے اُسے پانی، اولوں اور برف کے ساتھ دھو دے خطاؤں سے صاف کر جس طرح کہ سفید کپڑا میل سے صاف کیا جاتا ہے، اس کے گھر سے اچھا گھر دے اس کے اہل سے بہتر اہل، اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما۔ اُسے عذاب قبر اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔

سنن میں واثلہ بن الاسقع سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضورؐ علیہ السلام نے ایک مسلمان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ میں نے آپؐ کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا۔

اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتک	اے اللہ فلان بن فلان تیرے ذمہ اور تیرے

وحبل جوارك فقه من فتنة القبر وعذاب النار وانت اهل الوفاء والحق فاغفر له وارحمه انك انت الغفور الرحيم ط

پڑھ دس میں ہے تو اسے قبر کے فتنے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ، تو اہل وفا اور حق کا ساتھی ہے تو اسے بخش دے اور رحم فرما بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس قسم کی بہت سی دعائیں حدیثوں میں آئی ہیں۔ لیکن نماز جنازے سے بھی دعا ہی مقصود ہے، اور اسی طرح دفن کے بعد مردے کے لئے دعا کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مردے کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

سنن میں حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ میت کے دفن سے فارغ ہوا کرتے تھے تو قبر پہ کھڑے ہو کر فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کے لئے ثابت رہنے کی دعا کرو۔ کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح قبروں پہ زیارت کے لئے جانے کے وقت بھی ان کے لئے دعا کرنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مردوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں بریدہ بن الحصیب سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے کہ جب قبرستان میں جائیں تو اس طرح سلام کیا کریں

السلام علیکم یا اھل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون نسأل الله لنا ولکم العافیة ط

تم پر سلامتی ہو اے مومنین و مسلمین بیشک اگر اللہ نے چاہا تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے تمہارے لئے اور اپنے لئے عافیت کا سوال کرتے ہیں"

صحیح مسلم میں مروی ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ اہل قبور کے لئے کس طرح بخشش مانگنی چاہیئے تو حضورؐ نے فرمایا اس طرح کہا کرو

السلام علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم الله المستقدمین منا والمستاخرین وانا ان شاء الله

سلامتی ہو اے مومن و مسلم اہل قبور اللہ تعالیٰ ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں پر رحم کرے۔ بے شک ہم انشاء اللہ ملنے

والے ہیں"

تلاحقون۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضورؐ ایک مرتبہ رات کے آخری حصہ میں بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور اہل قبور کو خطاب کر کے فرمایا

السلام علیکم دار قوم مؤمنین واتاکم ما توعدون غداً ما تعجلون و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون، اللھم اغفر لاھل ابیقیع الزرقد ؎	تم پر سلام ہو اے مسلمانو تمہیں تمہارا وعدہ پہنچ گیا۔ ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ بقیع والوں کو بخش دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مُردوں کے لئے دعا کرنا قولاً و تعلیماً ہے۔ صحابہ کرام تابعین اور ہر زمانہ کے مسلمانوں سے مُردوں کے لئے دعا کرنے کی اتنی روایات ہیں جن کا بیان نہیں ہو سکتا اور اتنی مشہور ہیں کہ اُن کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

روایت ہے کہ بندے کے درجے کو اللہ تعالےٰ جنت کے اندر بلند فرماتے ہیں، بندہ پوچھتا ہے کہ میرا یہ درجہ کس لئے بلند ہوا، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ تیرے بیٹے کے تیرے لئے دعا کرنے کی وجہ سے۔

فصل ۴۷

"صدقہ کا ثواب ملنے کے بارے میں"

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور عرض کی یا رسول اللہ میری والدہ مر چکی ہے۔ لیکن اُس نے کوئی وصیت نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ بولتی تو ضرور صدقہ کرنے کے لئے ہی وصیت کرتی تو اگر میں صدقہ دوں تو اُسے ثواب ملے گا یا نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، ہاں ملے گا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ کہ سعد بن عبادہ کی والدہ جس وقت فوت ہوئیں۔ تو وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ جب وہ آئے تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی حضور میری والدہ مرگئی ہے اور موجود نہ تھا۔ اگر میں صدقہ کروں تو میری والدہ کو اس سے فائدہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں، تو حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ میں آپؐ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا مخراف نامی باغ میری والدہ کی طرف سے صدقہ ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضور علیہ السلام سے عرض کی یا رسول اللہ میرا والد مرگیا ہے اور اس نے مال بہت چھوڑا ہے لیکن اس نے کوئی وصیت نہیں کی تو کیا یہ بات کافی ہے کہ میں اس کی جانب سے صدقہ دوں؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں۔

سنن اور مسند احمد میں حضرت سعدؓ بن عبادہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ مرگئی ہے تو کونسا صدقہ بہتر ہے! حضورؐ نے فرمایا پانی کا، تو حضرت سعدؓ نے ایک کنواں کھدوایا اور کہا کہ یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے (یعنی اس کی جانب سے وقف کیا گیا ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے۔ کہ عاص بن وائل نے زمانۂ جاہلیت میں ایک نذر مانی تھی۔ کہ ایک سو اونٹ ذبح کرونگا (لیکن وہ اس کو پورا کرنے سے پہلے مرگیا) اس کے دو بیٹے تھے عمرو اور ہشام سو ہشام بن عاص نے اپنے باپ کی جانب سے پچیس[۲۵] اونٹ ذبح کر دیئے اور عمروؓ نے حضورؐ سے اس کی بابت دریافت کیا تو حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا اگر تیرے والد نے توحید کا اقرار کیا تھا تو اس کے لئے تیرا روزہ رکھنا اور صدقہ دینا فائدہ دیگا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے

فصل ۴۸

"روزہ کا ثواب ملنے کے بارے میں"

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو آدمی مر گیا اور اس کے ذمے کچھ روزے ہیں تو اس کا ولی اس کی جانب سے روزے رکھ لے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میری والدہ فوت ہو گئی ہے اور اس پر ایک مہینے کے روزے ہیں۔ کیا میں اس کی جانب سے روزے رکھ لوں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ کا قرضہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک عورت حضورؐ کی خدمت اقدس میں آئی اور کہنے لگی کہ حضورؐ! میری والدہ فوت ہو گئی ہے، اس پر نذر کا روزہ تھا تو کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ لوں حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا تو یہ بتا کہ اگر تیری والدہ پر قرض ہوتا اور تو اسے ادا کرتی تو وہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس نے عرض کی کہ کیوں نہیں، حضورؐ نے فرمایا تو اسی طرح تو اپنی والدہ کی طرف سے روزے بھی رکھ لے۔ یہ الفاظ بخاری کے تعلیقاً مروی ہیں۔

حضرت بریدہ رضؓ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم ایک دن حضورؐ کی خدمت اقدس میں موجود تھے۔ ایک عورت آئی کہنے لگی۔ حضورؐ میں نے ایک لونڈی اپنی والدہ کی نذر کی تھی۔ اب میری والدہ مر گئی ہے۔ اب اس کے لئے کیا حکم ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تیرا تو اب ثابت ہو گیا اور اب وراثت نے اسے پھر تیرے پاس واپس لوٹا دیا ہے اس عورت نے پھر عرض کی حضورؐ میری والدہ پر ایک مہینے کے روزے تھے تو کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں رکھ لے، اس عورت نے پھر عرض کی کہ حضورؐ میری والدہ نے کبھی حج نہیں کیا تھا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں کرے، اسے مسلم نے روایت کیا ہے، ایک دوسری

روایت میں دو مہینوں کے روزوں کا ذکر بھی آیا ہے

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے دریا کا سفر کیا اور یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالےٰ اسے اس سفر سے نجات دلا دیگا تو وہ ایک مہینے کے روزے رکھے گی۔ اللہ تعالےٰ نے اسے نجات دی، لیکن اس نے روزے نہ رکھے اور وہ مر گئی۔ اس کی بیٹی یا بہن حضورؐ کے پاس آئی۔ آپؐ نے اسے اس کی طرف سے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اسے اہل سنن اور امام احمدؒ نے روایت کیا ہے

اسی طرح حضور علیہ السلام سے روزے کے بدلے میں کھانا کھلانے کے ثواب کے متعلق بھی آیا ہے، چنانچہ سنن میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جو آدمی مر گیا اور اس کے ذمہ روزے ہیں تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے، اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ترمذی فرماتے ہیں۔ ہم اس حدیث کو مرفوع نہیں جانتے۔ مگر اس وجہ سے کہ حضرت ابن عمر سے صحیح روایت موقوف ہے۔

سنن ابو داؤد میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی آدمی رمضان شریف میں بیمار ہو اور وہ روزے نہ رکھ سکے تو اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا جائے روزوں کے قضا رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر نذر کا روزہ ہے تو ولی اس کی طرف سے قضا رکھے۔

فصل ۴۹

"حج کا ثواب ملنے کے بارے میں"

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت قبیلہ جہینہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی۔ لیکن وہ حج نہیں کر سکی اور مر گئی تو کیا میں

اُس کی طرف سے حج کرلوں فرمایا تھا کہ اگر تیری والدہ پہ قرضہ ہوتا تو، تو اُسے ادا کرتی یا نہیں اللہ تعالےٰ کے قرض کو ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرض ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔

حضرت بریدہ کی حدیث میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک عورت نے عرض کی میری والدہ نے حج نہیں کیا تھا۔ تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کرلے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سنان بن سلمہ کی بیوی نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ میری والدہ مرگئی ہے اور اس نے حج نہیں کیا، تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں اُس کی طرف سے حج کرلوں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں، بتا اگر تیری والدہ پر قرض ہوتا اور تو اسے ادا کرتی تو کیا وہ ادا نہ ہو جاتا اسے نسائی نے روایت کیا ہے

حضرت ابن عباس ہی کی روایت میں ہے کہ ایک عورت نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ اس کا بیٹا بغیر حج کئے مرگیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تو اپنے بیٹے کی طرف سے حج کرے۔

انہی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا نبی اللہ میرا والد فوت ہو گیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا تو کیا میں اس کی جانب سے حج کرلوں؟ آپؐ نے فرمایا بتا اگر تیرے والد پر قرض ہوتا تو اسے ادا کرتا یا نہیں۔ اس نے عرض کی کیوں نہیں آپؐ نے فرمایا تو خدا کا قرض اس بات کا زیادہ مستحق ہے۔ کہ اسے ادا کیا جائے۔

مسلمانوں کا اس بات پہ اجماع ہے کہ مرد کی جانب سے جو کوئی اس کے قرضے کو ادا کر دیگا۔ تو قرض کا ذمہ اس مُردے سے ساقط ہو جائیگا۔ چاہے یہ ادا کرنے والا کوئی غیر ہی کیوں نہ ہو۔ اور چاہے وہ اس قرضے کو خاص اپنے مال سے دے ابو قتادہ کی حدیث اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے ایک مردے کے قرضے کے دو دینار اپنے ذمہ لے لئے۔ جب انہیں قرض خواہ کے حوالے کر دیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اب اس میت کی کھال اس پہ ٹھنڈی ہوئی ہے

نیز مسلمانوں کا اس بات پہ بھی اجماع ہے کہ اگر کسی زندے کا حق مردہ کے ذمہ ہے

اور اس نے اپنے حق کو مردے سے معاف کر دیا۔ تو وہ مردہ اس سے بری ہو جاتا ہے جس طرح کہ زندہ معاف کر دینے سے بری ہو جاتا ہے۔

جب نص و اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ معاف کر دینے سے زندہ آدمی بری ہو جاتا ہے باوجودیکہ اُسے ادا کرنے کی قدرت و طاقت بھی ہو تو وہ مردہ جو کسی طرح بھی اُس حق کو ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ عقدار کے معاف کر دینے سے بکدوش ہو جائے تو جس طرح حق ساقط کرنے اور معاف کرنے سے مردے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی طرح ہبہ اور ابراء سے بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ ان دونوں کے اندر کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ ہر عمل اُس کے کرنے والے کے لئے ہے۔ اور اُسی کا حق ہے پھر جب وہ اپنے اسی حق یعنی ثواب کو مردے کو بخش دے گا تو یہ ثواب اُس کی طرف منتقل ہو جائیگا۔ جس طرح کہ میت کے ذمہ میں جو حقوق وغیرہ زندوں کے ہیں وہ صرف زندوں ہی کا حق ہیں۔ جب زندوں نے مردے کو اُن حقوق سے بری کر دیا تو یہ بری کرنا مردے کو پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ حق مردہ کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

یہ دونوں یعنی قرض و عمل کا ثواب زندہ کا حق ہیں۔ اس نے اپنے اس حق کو مردہ کی طرف منتقل کر دیا۔ تو کونسی ایسی نص، قیاس یا شریعت کا کوئی ایسا قاعدہ ہے جو ان میں سے کسی ایک کو مردے کے پاس جانے کو تو واجب کرے۔ اور دوسرے کے پہنچنے سے مانع ہو۔

یہ تمام نصوص اس بات کی معاون ہیں کہ مردے کو زندے کے عمل کا ثواب ملتا ہے۔ جبکہ زندہ مردے کو اُس کا ثواب بخش دے۔ یہ صرف قیاسی دلیل ہے کیونکہ ثواب حق تو عامل کا ہے۔ لیکن جب اس نے اپنا یہ حق اپنے مسلمان بھائی کو بخش دیا۔ تو ایسی کوئی وجہ نہیں ہے جس سے یہ ثواب اُسے نہ ملے۔ بلکہ جس طرح ایک زندہ آدمی کسی زندہ شخص کو اپنا مال بخش سکتا ہے تو مردہ کو بھی وہ اپنے حق سے بری کر سکتا ہے۔ اسی طرح اپنے ہر ایک عمل کا ثواب اُسے پہنچا سکتا ہے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ روزے کا ثواب مُردے کو پہنچتا ہے، اور روزہ صرف دل کی نیت اور اُن چیزوں سے پرہیز کرنے کا نام ہے جن سے روزہ افطار ہو جاتا ہے۔ اور ایسی عبادت ہے جس پر سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا، یعنی اس کے اندر جوارح کا عمل نہیں ہے۔

پھر قرآن پڑھنے کا ثواب جو صرف زبان کا عمل ہے۔ کان اُسے سنتے ہیں اور آنکھیں اُسے دیکھتی ہیں۔ بطریق اولیٰ پہنچنے کا مستحق ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ روزہ نام ہے نیت اور مفطرات سے بچنے کا، جب اس کا ثواب اللہ تعالےٰ نے مردے کو پہنچا دیا، تو پھر قرآن کا ثواب کیوں نہیں پہنچے گا۔ جو ایک عمل بھی ہے اور نیت بھی، بلکہ اس کے اندر تو نیت کی ضرورت بھی نہیں ہے تو مردے کو روزے کا ثواب ملنے میں تمام اعمال کا ثواب ملنے پر تنبیہ ہے۔

عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک مالی اور دوسرے بدنی، شارع علیہ السلام نے صدقہ اور دوسری تمام عبادات مالیہ کے پہنچنے کے متعلق خبر دی ہے اور روزہ کے ثواب ملنے سے تمام بدنی عبادات پر مطلع فرمایا ہے۔ اور حج کے ثواب ملنے کی بھی خبر دی ہے جو کہ مالی و بدنی دونوں عبادتوں سے مرکب ہے۔ تو یہ تین قسمیں نص اور اعتبار سے ثابت ہیں وباللہ التوفیق

اب اُن لوگوں کے دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ مردوں کو زندوں کے کسی عمل کا ثواب نہیں ملتا۔

یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

وان لیس للانسان الا ما سعیٰ	"انسان کے لئے اس کی کوشش ہی ہے"

اور دوسری جگہ فرمایا ہے

ولا تجزون الا ما کنتم تعملون ۝	

ایک اور جگہ فرمایا ہے

لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت	ہر نفس کے لئے ان نیک کاموں کا ثواب ہے جو اس نے

کئے اور ان بُرے اقوال کا اس پر گناہ ہے جو اس نے کئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آدمی جب مرتا ہے تو اس کے تمام عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین عملوں کے ایک صدقہ جاریہ دوسرے ولد صالح جو اس کے لئے دعا کرتا ہے، اور تیسرے علم جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے تو اس حدیث میں حضورؐ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ مردہ ان سے فائدہ حاصل کرتا ہے جن کا سبب خود وہ اپنی زندگی میں بنا ہے۔ اور جن کا سبب وہ نہیں بنا۔ وہ اس سے منقطع ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث بھی گذر چکی ہے کہ مردے کو جن نیکیوں اور عملوں کا ثواب ملتا ہے وہ علم ہے جسے اس نے لوگوں میں پھیلایا، حدیث کی اس بات پر دلالت ہے کہ مرنے کو انہیں اعمال کا ثواب ملتا ہے جن کا وہ اپنی زندگی میں سبب بنا ہے (الی آخرہ)

اسی طرح حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ سات عملوں کا ثواب مردے پر جاری رہتا ہے۔ جبکہ وہ اپنی قبر میں ہوتا ہے۔ جس نے علم سکھایا، یا نہر کھدوائی۔ انداں کھدوایا یا درخت لگایا۔ مسجد بنائی یا قرآن حکیم ترکہ میں چھوڑا۔ یا ولد صالح اپنے پیچھے چھوڑا جو اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتا ہے۔

اس حدیث کے اندر اس بات پر دلالت ہے کہ ان اعمال کے سوا کسی اور عمل کا ثواب مردے کو نہیں پہنچتا، ورنہ اس حدیث میں جو حصر ہے اس کے کوئی معنی نہ ہونگے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اہداء یعنی ہدیہ دینا یا ثواب وغیرہ بخشنا حوالہ ہے۔ اور حوالہ حق لازم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اعمال ثواب کو لازم نہیں کرتے، ثواب تو صرف فضل ایزدی اور اس کے احسان پر موقوف ہے تو پھر بندہ صرف خالی فضل ایزدی کو جو خدا پر لازم نہیں ہے۔ کس طرح حوالہ کر سکتا ہے۔ بلکہ ثواب تو ایک ایسی چیز ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ چاہے تو دے اور نہ چاہے تو نہ دے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھئے جیسے ایک فقیر کو کسی امیر سے کچھ ملنے کی امید ہو، اور وہ اپنی اس امید کو کسی دوسرے کے حوالے کر دے

تو ایسی بے وجود چیز کا ہبہ کرنا صحیح نہیں ہے۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ثواب کے اسباب کا بخشش کرنا مکروہ ہے۔ تو پھر نفسِ ثواب کی بخشش کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا، اسی لئے حضرت امام احمدؒ نے اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ کوئی آدمی پہلی صف میں سے اپنی جگہ سے ہٹ کر دوسرے آدمی کو وہاں کھڑا کرے اور خود پچھلی صف میں چلا جائے۔ کیونکہ اس بات سے ثواب کی طرف سے بے رغبتی کا ثبوت ہوتا ہے

حضرات امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی آدمی پہلی صف سے ہٹ کر اپنے باپ کو وہاں کھڑا کر دے تو کیسا ہے؟ آپؒ نے فرمایا مجھے حیرانی ہے کہ کیا یہ آدمی اور کسی جگہ پر اپنے باپ کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب مردے کو ثواب بخشنا جائز ہوگا تو پھر زندہ کو بخشنا بھی جائز ہوگا، تو یہ بھی جائز ہوگا کہ اس میں سے آدھا، چوتھائی یا ایک رتی بخشے۔ اور یہ بھی جائز ہوگا کہ پہلے ثواب کا کام اپنے لئے کرے اور اس کا ثواب پھر دوسرے کو بخش دے حالانکہ تم یہ کہتے ہو کہ عمل کرنے کے لئے نیت کرنی بھی لازمی ہے کہ میں یہ عمل فلاں آدمی کے لئے کرتا ہوں، اور اگر یہ نیت نہیں کریگا۔ تو ثواب نہیں ملے گا تو عمل سے پہلے یا اس کے بعد نیت کرنے میں کیا فرق ہوگیا۔

جب اسی طرح سے ثواب کی بخشش کرنی جائز ہوگی تو پھر نفلی عبادت کی طرح فرض عبادت کے ثواب کا بخشنا بھی جائز ہوگا۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تکالیف شرعیہ انسان کے لئے امتحان ہیں، ان کا بدلہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ ان سے خاص وہی آدمی مقصود ہے جو ان کا مکلف بنایا گیا ہے اور احکامات کا پابند کیا گیا ہے۔ تو جس آدمی کا امتحان لیا جاتا ہے۔ دوسرا آدمی اس کا نائب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس امتحان سے مقصود اس آدمی کی اطاعت و عبودیت کی آزمائش ہے۔ اور اگر وہ آدمی جس کا امتحان لیا گیا ہے۔ دوسرے کی کوشش سے فائدہ حاصل کر سکتا۔ جس کے اندر اس کا کچھ بھی دخل نہیں ہے تو اکرم الاکرمین ارحم الراحمین

اسے ضرور بیان فرماتا، حالانکہ وہ فرماتا ہے کہ انسان اپنی ہی کوشش سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اور اسی طریقے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں جاری فرمایا ہے۔ یہی اس کا اصول، امر و شرع کے بارے میں ہے۔ دیکھئے بیمار کے عوض کوئی اور آدمی دوا نہیں پی سکتا اور بھوکے پیاسے کے بدلے کوئی دوسرا آدمی نہیں کھا پی سکتا۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنا ممکن ہو تو پھر ایک شخص دوسرے کی جانب سے توبہ بھی کر سکے گا۔ اور یہ توبہ اسے فائدہ بھی پہنچائیگی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کا اسلام دوسرے کی جانب سے قبول نہیں کرتا، اور نہ ہی ایک کی نماز دوسرے کی طرف سے قبول فرماتا ہے۔ جو کہ تمام عبادتوں کی سردار ہے تو جب اس کے ثواب کا بخشنا صحیح نہیں تو پھر فروعات کا بخشنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ دعا اس بات کا سوال ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت ہے۔ کہ مردہ پر وہ فضل اور تجشش فرمائے اور اس کی خطاؤں سے درگذر فرمائے اور معاف کر دے کیا یہ بھی زندہ کے عمل کے ثواب کا مردہ کو پہنچتا ہے۔

اب ہم اُن حضرات کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں۔ جو عبادتوں کے ثواب کے پہنچنے کے قائل ہیں۔ جس میں نیابت کو دخل ہے۔ جیسے صدقہ اور حج وغیرہ۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ عبادت ہے جس میں نیابت کو دخل نہیں ہے۔ جیسے اسلام لانا، نماز، قرآن پڑھنا اور روزہ رکھنا تو ان عبادتوں کا ثواب ان کے کرنے والے ہی کے لئے ہے۔ دوسرے کی جانب منتقل نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ان اعمال کو زندہ زندے کے لئے نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مردہ زندہ کے لئے بھی نہیں کر سکتا۔

دوسری عبادت کی قسم وہ ہے۔ جس میں نیابت کو دخل ہے جیسے انتیس اور قرضہ ادا کرنا زکوٰۃ یا صدقہ دینا تو ان عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، کیونکہ

اِن عبادات میں نیابت کو دخل ہے اور ایک آدمی اِن کو دوسرے کی طرف سے اُس کی زندگانی میں بھی کر سکتا ہے تو اُس کے مرنے کے بعد بھی بطریق اولیٰ کر سکے گا۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ حدیث کے اندر جو آیا ہے کہ اگر کوئی آدمی مر جائے۔ اور اُس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا ولی اُس کی طرف سے روزے رکھے اس کا جواب کئی وجہوں سے ہے۔

ایک جواب تو یہ ہے جو امام مالکؒ نے موطا میں لکھا ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھ سکتا ہے۔ فرماتے ہیں یہ بات ہمارے نزدیک اجماعی ہے۔ کسی کو بھی اس کے اندر اختلاف نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ مرفوعہ کی جانب سے روزے رکھنے کی حدیث کے راوی ہیں اُن سے نسائی نے سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی اسناد کے اندر اختلاف ہے۔ یہ قول مفہم شرح صحیح مسلم کا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بات (یعنی ایک کا دوسرے کی طرف سے روزے رکھنا) نص قرآنی کے خلاف ہے، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

وَاَن لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعیٰ ۔ نہیں ہے انسان کے لئے مگر اس کی کوشش

پانچواں جواب یہ ہے کہ یہ اس حدیث کے بھی معارض ہے جسے نسائی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ کوئی کسی کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور نہ ہی کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے۔ لیکن ہر روزہ کی طرف سے ایک مُد گیہوں دے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ اسلام، نماز، اور توبہ وغیرہ پر قیاس کرنا غلط ہے۔ کیونکہ اِن اعمال کو کوئی کسی کی جانب سے نہیں کر سکتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے سعد بن عبادہ کی ماں کی نذر کا نام نہیں لیا کہ وہ نذر کیا تھی۔ تو یہ احتمال ہے کہ وہ حج یا عمرہ کی نذر ہو یا صدقہ کی

جس کے پورا کرنے کا حضور نے ان کی طرف سے حکم دیا ہو لیکن جو آدمی نماز یا روزہ کی نذر کرے اور ان کو پورا کئے بغیر مر جائے تو اس کی طرف سے روزہ کا کفارہ دیا جائے گا۔ روزہ کے عوض روزہ نہیں رکھا جائیگا۔ نہ ہی نماز کے بدلے نماز پڑھی جائیگی اور نہ اس کا کفارہ دیا جائیگا۔

پھر حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ حضورؐ سے روایت کی گئی ہے ایک آدمی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھے۔ تو کہا جائے گا ہاں یہ روایت حضرت ابن عباسؓ سے ہے اور انہوں نے حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ پھر تم اسے کیوں نہیں لیتے۔ تو ہم کہینگے کہ زہری نے عبید اللہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے حضورؐ علیہ السلام سے، لیکن اس روایت کے اندر انہوں نے نذر کا نام نہیں لیا ہے۔ کہ وہ کیا تھی۔ حالانکہ زہری بڑے زبردست حافظہ والے تھے اور حضرت عبید اللہ بن عباس کے بڑے مصاحب تھے اور بڑی مدت تک ان کے ہمنشین رہے۔ پھر اگر ایک غیر آدمی حضرت ابن عباسؓ سے ایسی بات روایت کرے جو حضرت عبید اللہ کی حدیث میں نہیں ہے تو اس کی حدیث غیر محفوظ ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ تم اس آدمی کو جانتے ہو۔ جس نے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے غلط روایت کی ہے تو ہم جواب دیں گے ہاں، حضرت ابن عباسؓ کے ساتھیوں نے ابن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن زبیرؓ سے کہا کہ زبیر حج کے متعہ سے حلال ہوئے تھے تو ابن عباس سے لوگوں نے یہ روایت کر دی کہ یہ عورتوں کے متعہ کے متعلق انہوں نے کہا تھا حالانکہ یہ ایک بہت فاحش غلطی ہے

یہ جواب روزہ کے ثواب ملنے کا ہے، اور حج کا ثواب پیسے کے خرچ کرنے کا پہنچتا ہے، افعالِ مناسک جو کہ نماز کی طرح ہیں یعنی طواف وغیرہ ان کا ثواب نہیں پہنچتا ان کا ثواب ان کے کرنے والے ہی کو ملتا ہے۔

اب ان لوگوں کا جواب بیان کیا جاتا ہے۔ جو زندوں کی ہر ایک عبادت کا ثواب

مردوں کے پاس پہنچنے کے قائل ہیں۔

ثواب کے قائل لوگ مانعین ثواب سے کہتے ہیں کہ جو اعتراض تم لوگ ہم پر کرتے ہو۔ وہ درست نہیں، اور ہمارا قول کتاب وسنت اجماع سلف وامت اور شریعت کے مقتضیٰ کے خلاف نہیں ہے۔ ہم تمہارے سوالوں کے جوابات عدل وانصاف سے تفصیل کے ساتھ دیتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى اس آیت کی مراد کے اندر لوگوں نے بہت اختلاف کیا ہے، ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ یہاں پر انسان سے مراد کافر ہے۔ کیونکہ مومن کے لئے جو اس نے خود کوشش کی وہ بھی ہے اور اس کے لئے جو کسی دوسرے مسلمان نے کوشش کی وہ بھی ہے۔ جیسا کہ ہماری گذشتہ دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے۔

کہتے ہیں اس چیز کی انتہا جو اس تخصیص کے اندر ہے یہ ہے کہ یہ تخصیص اس وقت جائز ہے۔ جب اس پر کوئی دلیل دلالت کرے لیکن یہ جواب بہت کمزور ہے۔ کیونکہ انسان جیسا عام لفظ خاص نہیں ہو سکتا کہ اس سے مراد کافر لیا جائے۔ بلکہ یہ مسلمان اور کافر دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ اس عام کی طرح ہے۔ جو اس سے پہلے ہے۔ یعنی یہ آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى آیات کا سیاق اول سے لے کر آخر تک عموم پر ہی دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ

وان سعیہ سوف یُرٰی ثم یجزاہ الجزاء الاوفیٰ	اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر پوری پوری جزا ملے گی۔

کہ یہ خیر وشر نیک وبد کافر ومسلم تمام پر مشتمل ہے اور یہ آیت بھی اسی آیت کی طرح ہے۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ، ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔	جو ذرہ بھر بھلائی کرے گا وہ اسے پائے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ بھی پائے گا۔

حدیث قدسی میں کیا ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں۔ میں ان کو تمہارے لئے جمع کرتا ہوں اور پھر تمہیں پورے پورے دے دونگا تو جو نیکی اور بھلائی پائے وہ اللہ کا شکر کرے اور جو اس کے سوا پائے وہ اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے

یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً فملاقیہ — اے انسان تو محنت کرنے والا ہے اپنے پروردگار کی طرف پھر اس سے ملنے والا ہے۔

آپ ان مفسرین کے دھوکے میں نہ آجائیں۔ جنہوں نے لکھا ہے کہ یہاں پر انسان سے مراد ابوجہل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ انسان سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے، اور بعض نے کہا کہ ولید بن مغیرہ مراد ہے۔ قرآن اس سے برتر ہے۔ انسان سے مراد وہی عام انسان ہے بغیر کسی ایک فرد کی تخصیص وغیرہ کے جس طرح کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔ ان الانسان لفی خسر (۲) ان الانسان لربہ لکنود (۳) ان الانسان خلق ھلوعاً (۴) ان الانسان لیطغیٰ ان رآہ استغنیٰ (۵) ان الانسان لظلوم کفار (۶) وحملھا الانسان انہ کان ظلوماً جھولا۔ ان تمام آیات کے اندر انسان کی شان کا بیان ہے بجائے اس کی ذات اور حیثیت کے، اور ان صفات مذکورہ سے فضل ربانی اور توفیق سبحانی سے انسان کے نکلنے کا نہ انسان کی اپنی ذات سے کیونکہ انسان کی ذات ایسی ہے جیسی کہ بیان کی گئی۔ اور یہی اس کی صفات ہیں تو انسان کے پاس جو نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی طرف سے ہے وہی ہے جس نے اپنے بندوں کی طرف ایمان کو محبوب کیا، اس کی زینت اس کے دل میں ڈالی، کفر و فسق و فجور کو اس کے ناپسند خاطر کیا۔ وہی پاک ذات ہے جس نے اپنے بندوں کے دل میں ایمان کو لکھ دیا، وہی اپنے نبیوں، رسولوں اور دلیلوں کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھتا ہے۔ وہی ان سے برائی اور ناشائستہ کو دور فرماتا ہے۔

حضور علیہ السلام کے سامنے یہ رجز پڑھی گئی ؎

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا	ولا تصدقنا ولا صلینا
قسم ہے اللہ کی اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے	نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وما کان لنفس ان تومن الا باذن اللہ	کسی نفس کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے

فرمایا ہے۔

وما یذکرون الا ان یشاء اللہ	اور نصیحت کو نہیں مانتے اور نہیں یاد
وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ	کرتے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے

رب العالمین ۵

اور تم ہدایت کو اختیار نہیں کر سکتے۔ مگر یہ کہ تمام عالموں کا پروردگار چاہے۔ وہ تمام عالم کا رب ہے اس کی ربوبیت عالم کی تمام چیزوں ذوات، افعال، اور احوال پر شامل ہے

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ آیت کریمہ وان للانسان الا ما سعیٰ ۵ میں صرف پہلے لوگوں کی شریعت کے بارے میں بتایا ہے ورنہ ہماری شریعت میں تو نہ کورہ بالا دلائل سے ثابت ہے کہ انسان کو اپنے اور دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے۔

یہ قول پہلے قول سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور ہے اور اسی کی جنس سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تقریر وحجت پکڑنے والے کی طرح سے خبر نہیں دی۔ اسی لئے فرمایا ہے۔ ام لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ۔ اگر یہ بات اس شریعت میں باطل ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی خبر تقریر کرنے والے اور حجت بیان کرنے والے کی طرح سے کیوں دیتا۔

کچھ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں لام بمعنی علیٰ ہے۔ یعنی لیس علی الانسان الا ما سعیٰ۔ یہ قول پہلے دونوں قولوں سے بدتر اور باطل تر ہے کیونکہ اس کہنے والے نے تو آیت کو بالکل پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ اور اس کے معنی ومفہوم کو برعکس بنا دیا ہے۔ یہ بات نہیں۔ نہ لغت میں اس کا استعمال ہے۔ اور بعض آیات

کے اندر جو یہ آیا ہے ولھم اللعنۃ تو اس سے مراد ان کا حصہ اور نصیب ہے، اہل عرب اپنی زبان میں الی ذھب بجائے علی ذھب کے بولتے ہیں۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ آیت کے اندر حذف ہے جس کی اس آیت میں تقدیر ہے۔ وان لیس للانسان الا ما سعیٰ او سعیٰ لہ | انسان کے لئے نہیں ہے۔ مگر وہ جو اس نے کوشش کی یا اس کیلئے کوشش کی گئی۔

یہ قول بھی پہلے قول کی طرح ہے۔ کیونکہ اس کے قائل نے جو تقدیر نکالی ہے اس پر کسی طرح سے بھی سیاق دلالت نہیں کرتا۔ یہ تو اللہ اور اس کی کتاب پر بغیر علم کے بات کہنا ہے۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے

والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم | جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان لانے میں ان کی پیروی کی، ہم اُن کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیتے ہیں

یہ قول حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ لیکن یہ قول بھی بہت ضعیف ہے صرف حضرت ابن عباس یا اور کسی کے کہنے سے آیت کریمہ کا حکم مرفوع نہیں ہو سکتا اُن دونوں آیتوں کا جمع کرنا بھی کچھ مشکل نہیں ہے، کیونکہ ذریت نے اپنے باپوں کی پیروی کی، جس طرح کہ وہ دنیا کے اندر اُن کے پیرو تھے۔ یہ اتباع آباء کی بزرگی سے ہے، اور جو ثواب انہیں ملا ہے وہ ان کی کوشش کا ہے۔ اولاد جو اپنے آباء و اجداد سے ان کے درجوں میں بغیر اپنی کوشش و اعمال کے عالی تو یہ اولاد کی بزرگی کے سبب سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ بزرگی ان کے باپ دادے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کے ساتھ اُن کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا اور جنت میں ان کے پاس پہنچا دیا۔ اور اولاد کے اوپر ان کے کسی عمل کے بغیر فضل کیا۔ جس طرح کہ اس نے حور و غلمان اور تمام اُن لوگوں پر جنہیں بغیر عمل کے جنت کے لئے پیدا فرمایا ہے اپنا فضل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ اور یہ فرمان وان

لیس للانسان الا ما سعیٰ یہ دونوں آیات محکم ہیں، اللہ تعالیٰ کا عدل اور اسکی حکمت اور اُس کا مقدس کمال ان دونوں کا مقتضی ہے۔ اور عقل و فطرت ان دونوں کی شاہد ہیں۔

پہلی آیت اس بات کی مقتضی ہے کہ کوئی آدمی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جا سکتا، اور دوسری یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان اپنے ہی عمل اور کوشش سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

تو پہلی آیت بندے کو کسی دوسرے کے جرم کے اندر پکڑے جانے سے بیخوف کرتی ہے۔ جس طرح کہ دنیا کے بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ ایک آدمی کو دوسرے کے جرم میں پکڑ لیتے ہیں، اور دوسری آیت اُن لوگوں کے لالچ کو منقطع کرتی ہے۔ جو اپنے اعمال کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا یا بزرگوں کے نیک اعمال پر بھروسہ کرتے ہیں اور اپنی نجات کا سبب جانتے ہیں۔

اب آپ ان دونوں آیتوں کے اجماع کی خوبی کو دیکھئے۔ ان ہی کی طرح یہ آیت بھی ہے

من اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہ	جو ہدایت کو پاتا ہے اس کی ہدایت کا فائدہ
ومن ضل فانما یضل علیھا ولا	اُسی کے لیئے ہے اور جو گمراہ ہوا اس کی گمراہی
تزر وازرۃ وزر اُخریٰ وما کنا	کا وبال اُسی پر ہے کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ
معذبین حتی نبعث رسولا ۝	نہیں اٹھاتا اور ہم کسی کو نہیں عذاب کرتے بغیر رسول کے بھیجے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے انتہائی عدل و حکمت سے چار حکم فرمائے ہیں۔

پہلا حکم یہ ہے کہ بندہ کا ایمان ایمان کے ساتھ ہدایت پانا اور نیک عمل کرنا خاص اسی کی ذات کے لئے ہے۔ دوسرے کے لئے نہیں ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ بندے کے گمراہ ہونے اور نیک اعمال کے پیچھے رہنے کا وبال اور گناہ اسی کے اوپر ہے دوسرے پر نہیں۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ کوئی کسی کے جرم میں نہیں پکڑا جا سکتا۔ اور چوتھا حکم یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی کو بغیر اس کے کہ اس پر اپنے رسولوں کی حجت قائم کر کے عذاب نہیں کرتا۔ غور سے دیکھئے کہ ان چاروں احکامات کے ضمن میں اس کی کس قدر حکمتیں اور عدل و فضل ہے۔ نیز اُن لوگوں کی تردید بھی ہے جو بھوٹی طمع رکھتے ہیں اور اسمائے الٰہی اور اس کی صفات سے جاہل مطلق ہیں۔

ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد زندہ انسان ہے نہ کہ مردہ یہ قول بھی پہلے قولوں کی طرح فساد میں اُن کا ہم جنس ہے۔ اور یہ تمام باتیں ایک عام لفظ کے اندر سوئے تصرف سے پیدا ہوئی ہیں۔ مگر اس تصرف کرنے والے کا تصرف دلالات الفاظ میں نہیں چل سکتا، نہ یہ اُن کو اُن کے موضوع کے خلاف پر محمول کر سکتا ہے۔ نہ یہ تصرف ذہن کو چپکتا ہے۔ بلکہ یہ تصرف نہایت فاسد ہے، سیاق، اعتبار، اور قواعد شرعیہ سب کے سب اسے باطل کرتے ہیں۔ ایسے تصرفات کا سبب یہ ہے کہ جب یہ لوگ کسی بات پر اپنا عقیدہ جما لیتے ہیں تو پھر اس کے خلاف جو بات ہوتی ہے، جس طرح بھی ان سے ہو سکتا ہے اس کا جواب گھڑ لیتے ہیں

جو دلائل ان کے اعتقاد کے خلاف ہوتے ہیں۔ وہ ان کے نزدیک باب صائل سے ہیں، اُن کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ اس نے اُس کو کسی چیز سے دفع کیا۔

حق کی جو دلیلیں ہیں وہ نہ تو متعارض ہیں اور نہ متناقض بلکہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔

ایک گروہ کا یہ قول ہے اور جواب ابوالوفا رین مقبل کا ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ثواب کے مانعین کا بہترین جواب یہ ہے کہ اُن سے کہا جائے کہ انسان نے اپنی جد و جہد اور حسن معاشرت سے دوست بنا لیے۔ ان دوستوں نے اس پر مہربان ہو کر اپنی عبادتوں کا ثواب اسے بخشا تو یہ تمام اس کی اپنی کوشش کا اثر ہے، جس طرح کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمام کھانوں سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جسے انسان اپنے ہاتھوں سے کمائے اور کھائے اور اس کا بیٹا بھی اس کی کمائی سے ہے۔ دوسری حدیث کے یہ الفاظ بھی اس بات پر

دلالت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب انسان مرتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین عملوں کے، ایک علم جس سے اس کے بعد فائدہ اٹھایا جائے، دوسرے صدقہ جاریہ، تیسرے نیکسا ولاد جو اس کے لئے بخشش کی دعا مانگے، اسی سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب بیٹا اپنے باپ کے لئے حج کے اندر طاقت کو صرف کرے گا تو یہ خود اس پر حج کے واجب ہونے کا موجب ہوگا۔ یہاں تک کہ گویا اس کے مال میں زادِ راہ اور سواری ہو گی بخلاف ایک اجنبی آدمی کے طاقت صرف کرنے کے

یہ جواب متوسط درجے کا ہے، اور یہ زیادہ وضاحت اور تمام کا محتاج ہے آدمی نے جب اپنے ایمان، خدا اور رسولؐ کی فرماں برداری کے ساتھ اپنے مسلمان بھائی کے اعمال سے مع اپنے عمل کے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، تو یہ کوشش ایسی ہے جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ جن اعمال کو مسلمان شریک ہو کر بجا لاتے ہیں۔ اُن میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جیسے نماز جماعت کے ساتھ کہ اس میں ہر آدمی کو ستائیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور یہ ثواب صرف شرکت کی بنا پر ہے تو غیر کا عمل اپنے فائدے کا سبب ہوا۔ یعنی جب دوسرے آدمی نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی تو ہمارا ثواب اور بڑھ گیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جماعت میں جتنے نمازی ہوتے ہیں ان کی تعداد کے مطابق نمازوں کا ثواب ہر نمازی کو ملتا ہے۔ یہی حال جہاد کی شرکت کا ہے۔ حج امر بالمعروف، نہی عن المنکر، نیکی اور تقویٰ پر مدد کرنے میں شرکت کرنے کا ہے حضورؐ فرماتے ہیں مومن مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے کہ ایک اینٹ دوسری کو مضبوط کرتی ہے، پھر آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالا اور فرمایا اس طرح۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ مضبوطی اور ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانا دین کے کاموں میں بہ نسبت دنیا کے امور کے اولیٰ اور بہتر ہے

مسلمان کا مسلمانوں کے ساتھ عقدِ اسلام میں داخل ہونا اس بات کی بڑی وجہ وجیہ ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے اس کی زندگی میں یا اس کے مرنے کے

بعد فائدہ پہنچے اور مسلمانوں کی دعوت اپنے پھلوں کا احاطہ کئے ہوئے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حاملین عرش کے متعلق بتایا ہے کہ وہ مومنوں کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں، اور رسولوں کی دعائے مغفرت کے متعلق بھی بتایا ہے۔ جو انہوں نے مؤمنین کے لئے مانگی تھی۔ جیسے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ بندہ اپنے ایمان کی بدولت اس دعا کے وصول ثواب کا مستحق ہوا۔ اور یہ ثواب گویا اس کی کوشش سے اسے ملا تفصیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو مؤمنوں کی دعا اور اُن کی کوشش سے فائدہ اٹھانے کا صاحب ایمان کے لئے سبب بنایا ہے تو جب یہ اس سبب کو بجا لایا تو گویا اُس نے اس ثواب کے حاصل کرنے کی کوشش کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے عمرو بن عاص سے فرمایا کہ اگر تیرے والد نے توحید کا اقرار کیا ہے۔ پھر تو اُسے یہ فائدہ دیگا (یعنی غلام کا آزاد کرنا جو اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے لڑکوں نے کیا تھا) یہ طریق استدلال بہت ہی لطیف اور عمدہ ہے۔

ایک جماعت کہتی ہے کہ قرآن حکیم نے ایک کے دوسرے کی کوشش سے فائدہ اٹھانے کی نفی نہیں کی، بلکہ قرآن نے تو دوسرے کی نیکی کے مالک ہونے کی نفی کی ہے یعنی ہر آدمی اپنی نیکیوں کا مالک ہے، ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے جو ظاہر ہے یعنی فائدہ اٹھانا اور بات ہے اور مالک ہونا اور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر آدمی اپنی نیکی کا مالک ہے چاہے اسے اپنے پاس رکھے یا دوسرے کو بخش دے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ کوئی کسی کی کوشش سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ہمارے شیخ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ اور اسے دوسرے طریقوں پر ترجیح دیتے تھے۔

فصل ۵۱

"آیات کا مفہوم

اسی طرح یہ آیت

لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت — اس کے فائدے کیلئے ہے جو اس نے کمایا اور نقصان کے لئے ہے جو اس نے کیا"

اور یہ آیت

ولا تجزون الا ما کنتم تعملون — "نہیں بدلہ دیئے جاؤ گے تم مگر جو کچھ کہ کرتے ہو"

ان آیات کا سیاق وضاحت کے ساتھ دوسرے عمل کی وجہ سے عذاب ہونے کی وجہ ہے ..... دوسرے کے گناہ میں پکڑے جانے کی نفی کرتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں صاف فرمایا ہے،

فالیوم لا تظلم نفس شیئاً ولا تجزون الا ما کنتم تعملون ۔ — اس دن کسی نفس پر ظلم نہیں کیا جائے گا اور تمہیں نہیں بدلہ دیا جائیگا مگر اُن اعمال کا جنہیں تم کیا کرتے تھے۔

تو ان آیات میں ظلم کی نفی ہے بایں معنی کہ کسی کی برائیوں کو بڑھا دیا جائے یا کسی کی نیکیوں کو کم کر دیا جائے یا دوسرے کے اعمال میں گرفتار کر لیا جائے، اس بات کی نفی نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے عمل سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور یہ فائدہ اٹھانا عمل کی جزاء کے طور پر نہیں ہے کیونکہ جو فائدہ اُسے اپنے عمل سے پہنچتا ہے۔ وہ تو اس کے عمل کی جزاء ہوتی ہے اور جو دوسرے کے عمل سے اُسے پہنچتا ہے وہ صرف اللہ کی طرف سے صدقہ ہے، جو اُسے عنایت فرماتا ہے بغیر اس کی کوشش کے، بلکہ اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کی معرفت اس پر بغیر اس کی سعی کے بخشش فرماتا ہے

فصل ۵۱

"باطل استدلال"

یہ حدیث جسے تم حجت لاتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ یہ استدلال ساقط ہے کیونکہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس کا انتفاع بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے کے اعمال کے منقطع ہونے کی خود خبر دی ہے دوسرے شخص کا عمل اس کے لئے ہے اگر وہ اپنے عمل کا ثواب مردے کو بخش دے گا۔ تو مردے کو اس آدمی کے عمل کا ثواب ملیگا نہ کہ میت کو اپنے عمل کا، مردے کا عمل منقطع ہونا اور چیز ہے۔ اور دوسرے آدمی کا اسے ثواب پہنچانا اور چیز ہے۔

یہی مضمون اس دوسری حدیث کا بھی ہے کہ میت کو اس کی نیکیوں اور اعمال میں سے مرنے کے بعد اچھے اعمال کا ثواب پہنچتا ہے۔ اس میں بھی اس بات کی نفی نہیں ہے، کہ غیر کے اعمال اور نیکیوں سے میت کو فائدہ نہیں پہنچ سکے گا۔ بلکہ خود میت کے اعمال کا ذکر فرمایا ہے تو وہ یقیناً اس کے مرنے سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ سوائے ان اعمال کے جنہیں حدیث نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔

فصل ۵۲

"قیاس مع الفارق"

تم جو یہ کہتے ہو کہ ثواب کا بخشنا حوالہ کرنا ہے اور حوالہ حق لازم کے ساتھ ہوتا ہے تو یہ مخلوق کا حوالہ مخلوق پر ہے، اور مخلوق کا خالق پر حوالہ کرنا دوسری بات ہے۔ کیا یہ قیاس جسے تم نے کیا ہے باطل اور فاسد نہیں۔ دیکھو تمہارے اس قیاس کو اجماع امت باطل کرتا ہے، یعنی تمام امت اسی بات کو مانتی ہے کہ میت کا قرضہ اور جو حقوق اس کے ذمہ ہیں

کسی زندہ کے اس کی طرف سے ادا کر دینے سے ادا ہو جاتے ہیں۔ صدقہ و حج کا مردے کی طرف سے ادا کرنا بھی نص سے ثابت ہے جسے تم کسی طرح بھی نہیں ٹھکرا سکتے، اسی طرح روزے کا ادا کرنا بھی ثابت ہے۔ تمہارے یہ فاسد قیاس نصوص و شریعت کے قواعد کے معارض نہیں ہو سکتے۔

فصل ۵۳

"ایک سوال اور اس کا جواب"

تمہارا یہ کہنا کہ جب ثواب کے سبب کا بخشنا مکروہ ہے اور یہ مسئلہ ایثار بالقربہ ہے تو پھر نفس ثواب کیونکر جائز ہو کہ انتہاء مقصد ہے۔ کیوں نہیں مکروہ ہوگا۔ اس کا جواب کئی طور سے ہے ایک تو یہ کہ زندگانی کی حالت ایسی نہیں ہے جس میں عاقبت بالخیر ہونے کا بھروسہ کیا جا سکے کیونکہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک آدمی اس وقت مسلمان ہے اور پھر وہ مرتد ہو کر مر جائے تو دوسرے آدمی کا اسے اس کی زندگی کی حالت میں بخشنا نااہل کو بخشنا ہوا۔ اور جو آدمی مر گیا ہے وہ اس فکر سے بے خوف ہو گیا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ جو آدمی مر گیا ہے۔ اور کسی زندہ آدمی نے اسے ثواب بخشا ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ مرنے والا منافق ہو اور دلی طور پر اسلام کا مخالف ہو تو پھر اس کا ثواب اسے کیا فائدہ دیگا اور اسے کس طرح ملے گا۔

یہ سوال بہت ہی بے ہودہ ہے۔ کیونکہ ثواب کا بخشنا ایسا ہے جیسے دعا استغفار کرنا، اگر مردہ اس کا اہل ہے تو اسے ثواب پہنچے گا۔ اور اگر وہ اہل نہیں ہے تو دعا کرنے والے ہی کو ثواب ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ایثار بالقربہ نیک کاموں میں کم رغبتی اور ان سے پیچھے رہنے پر دلالت کرتا ہے۔ اگر اسے جاری کیا جائے گا۔ تو اس سے نیک اعمال میں سستی پیدا ہوگی بخلاف ثواب بخشنے کے کیونکہ نیک کام کا کرنے والا نیک کام پر اس کے ثواب

ہی کی وجہ سے حرص کرتا ہے۔ تاکہ خود اس سے فائدہ اٹھائے یا کسی اپنے مسلمان بھائی کو فائدہ پہنچائے، تم دیکھو کہ تمہارے قول میں اور اس میں کیسا ظاہر فرق ہے

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اطاعت و عبادت میں کوشش کرنے والے کو بہت پسند فرماتا ہے۔ کیونکہ اسی سے حسنِ عبودیت کا ثبوت ہوتا ہے جس طرح کہ دنیا کے بادشاہ اپنی خدمت و اطاعت کو پسند کرتے ہیں، تو بندہ کا اس خدمت کو دوسرے شخص کو بخش دینا شانِ بندگی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے بندے کو جو اس کا حکم فرمایا ہے یہ حکم واجب ہوگا یا مستحب۔ پھر بندہ جب اس خدمت کو دوسرے کے سپرد کرے گا۔ تو اس نے اس حکمِ خداوندی کو ترک کیا جس کا وہ پابند کیا گیا تھا اور جب اس نے اس حکم کو دوسرے کے حوالے کیا تو اس نے اس حکم الٰہی کو ترک کیا۔ جس کا کہ وہ پابند کیا گیا تھا۔ اور جب اس نے اس خدمت کو خود کیا اور اس کا ثواب اپنے کسی مسلمان بھائی کو بخشا تو یہ دوسری بات ہے

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے،

سابقوا الی مغفرۃ من ربکم	سبقت کرو اپنے پروردگار کی مغفرت
وجنۃ عرضھا کعرض السماء	کی طرف جو زمین و آسمان کی برابر ہے۔
والارض ط	

اور فرمایا ہے فاستبقوا الخیرات ط نیک کام کے کرنے میں دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینا اور خود دوسرے کی خاطر اس کام سے باز رہنا یقیناً اس مسابقت و مسارعت کے خلاف ہے۔ جس کا اس آیت کے اندر حکم دیا گیا ہے۔ صحابۂ کرام نیک کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کیا کرتے تھے اور اپنے بدلے دوسرے کو اسی کام پر نہ چھوڑتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر چند حضرت ابوبکرؓ سے سبقت کرنے میں کوشش کی لیکن نہ کر سکا، بیشک اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان ہے وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون چاہیئے کہ اسی میں رغبت کرنے والے رغبت کریں" یہ تمام آیات اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ نیک کام کو دوسرے کے حوالے نہیں کرنا چاہیئے۔

کیونکہ اس سے اس کام میں بے رغبتی کا ثبوت ہوتا ہے

فصل ۵۴

"ایک سوال کا جواب"

تم جو یہ کہتے ہو کہ جب میت کو ثواب کا بخشنا جائز ہوگا۔ تو پھر زندہ کو بخشنا جائز ہوگا۔ تو پھر زندہ کو بخشنا بھی جائز ہوگا، اس کا جواب دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اس قول کی طرف بعض فقہا یعنی امام احمدؒ کے اصحاب وغیرہ گئے ہیں۔

قاضی کہتے ہیں کہ امام احمدؒ کے کلام میں مردہ یا زندہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی نیک آدمی کام کرے اور اس کا آدھا ثواب ماں، یا باپ کو بخش دے تو جائز ہے، اس کلام کے اندر انہوں نے ماں باپ کے مرنے یا زندہ ہونے کی تفریق نہیں کی۔

ابوالوفا بن عقیل نے اس قول پر اعتراض کیا ہے وہ کہتا ہے کہ اس قول میں بعد ہے شریعت کے ساتھ کھیل کرنا ہے اور اللہ تعالےٰ کی امانت میں تصرف کرنا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مرنے کے بعد ثواب کا بخشنا تو وہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے ایک طریقہ ایصال نفع کا مقرر کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم مردوں کے لئے استغفار و دعا کرتے ہیں۔

اس کے بعد ابوالوفا نے ایک اعتراض خود اپنے اوپر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ قرض کا ادا کرنا جب کہ کسی آدمی کی طرف سے ہو اس کی زندگی اور موت دونوں حالتوں میں ہو سکتا ہے، تو پھر ثواب کا بخشنا دونوں حالتوں میں کیونکر نہ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ بات صحیح ہو تو پھر زندہ آدمی کے گناہ اس کی طرف سے دوسرے کی توبہ کرنے سے معاف ہو جائیں گے اور دوسرے کے عمل سے آخرت کا گناہ اس کے سر سے دفع ہو جائیگا۔

میں کہتا ہوں اس سے یہ بات لازم نہیں آتی جو ابوالوفا نے نکالی ہے۔ کیونکہ زندہ

آدمی کا غیر کی دعا و استغفار سے جو وہ اس کے لئے کرے یا اس کی طرف سے صدقہ دے۔ یا اس کے قرض کو ادا کرے فائدہ اٹھانا حق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فریضۂ حج کے لئے، عاجز اور اپاہج کی طرف سے ادا کرنے کی اجازت فرمائی ہے حالانکہ وہ عاجز زندہ تھا۔

بعض آدمی یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ زندہ آدمی کو ثواب کا بخشنا اس لئے جائز نہیں ہے۔ کہ اس کی عاقبت بالخیر ہونے کا یقین نہیں، یعنی اگر وہ اس ثواب کے بخشنے کے بعد مرتد ہو گیا تو پھر وہ اس ثواب سے جو اسے بخشا گیا ہے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

ابن عقیل کہتا ہے کہ یہ عذر بالکل باطل ہے کیونکہ ثواب کا بخشنے والا بھی اس بات سے بے غم نہیں ہے کہ موت سے پہلے وہ مرتد ہو جائیگا اور اس کے تمام اعمال ضبط کر لئے جائیں گے، انہیں میں سے اس کا وہ عمل بھی ضبط ہو جائے گا جس کا ثواب اس نے دوسرے کو بخشا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن عقیل کا یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے، نص اور اجماع اسے باطل ٹھیراتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے کی طرف سے روزے رکھنے اور حج کرنے کی اجازت دی ہے، اور تمام لوگوں کا اجماع ہے کہ جب مردے کی طرف سے زندہ آدمی قرضہ ادا کر دے تو مردہ اس سے بری ہو جاتا ہے، حالانکہ اس کے اندر وہی احتمال موجود ہے جسے ابن عقیل نے ذکر کیا ہے، یعنی اگر یہ آدمی جس نے میت کی طرف سے حج کیا ہے۔ پھر حج کے بعد مرتد ہو گیا تو اس کے حج کا ثواب بھی باطل ہو جائے گا۔

اس احتمال کا جواب یہ ہے کہ زندہ آدمی نے جس نیک عمل کا ثواب مردے کو بخش دیا وہ اس کی ملکیت سے نکل کر مردے کی ملکیت میں داخل ہو گیا۔ پھر اگر یہ بخشنے والا مرتد ہو جائے تو وہ ثواب باطل نہیں ہوگا۔ ہاں وہ اعمال جو اس نے اپنے لئے کئے ہیں ان کا ثواب باطل ہو جائے گا۔ مثلاً اگر کسی آدمی نے اپنی مسلمانی کی حالت میں غلام آزاد کیا، یا کسی کا قرضہ اس کی زندگی میں ادا کر دیا، یا کسی اپاہج آدمی کی طرف سے حج کر آیا اور پھر مرتد ہو گیا تو اپاہج کے لئے ضروری نہیں کہ دوبارہ حج کرائے۔ کیونکہ

اُس شخص کے بارے میں بھی یہی احتمال ہے اور تیسرا بھی اس سے خالی نہ ہوگا۔ زندہ اور مردے میں فرق یہ ہے کہ زندہ کسی کے عمل کا محتاج نہیں ہے۔ وہ خود ہر ایک عمل کو کر سکتا ہے۔ اس کے لئے لازمی ہے کہ ہر ایک عمل خود کرے۔ بخلاف مردے کے کہ وہ کوئی عمل بھی نہیں کر سکتا۔ اگر زندوں کے لئے بھی ثواب کا بخشنا جائز ہو تو پھر زندہ لوگ ایک دوسرے کے عملوں پر بھروسہ کر لینگے اور اس سے بہت بڑا فساد پیدا ہوگا۔ یعنی جب امیر آدمی ان باتوں کو سمجھیں گے تو وہ کچھ دے دلا کر لوگوں سے اپنے لئے عمل کرا لیا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعات و عبادات معاوضات بن کر رہ جائیں گی۔ جن چیزوں سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے ان سے بندوں کا قرب حاصل کیا جائے گا اور دلوں سے اخلاص نکل جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں میں سے ایک کو بھی ثواب نہیں ہوگا۔

اسی لئے ہم ہر نیک کام پر اجرت لینے کو منع کرتے ہیں جیسے فیصلہ کرنا، فتویٰ دینا، علم سکھانا، نماز پڑھانا یا قرآن پڑھنا وغیرہ ان کاموں کا ثواب اللہ تعالیٰ اسے دیتا ہے جس کے دل میں اخلاص ہو اور ان اعمال کو خلوص کے ساتھ کرے۔ جو وقت یہ کام مزدوری پر ہونگے تو نہ کرنے والے کو ثواب ہوگا نہ کروانے والے کو۔ اس لئے ضروری ہے کہ عبادات کو معاوضات نہ بنائیں اور ان کے ذریعے سے دنیا نہ کمائیں۔

ترشے کا ادا کرنا انسانوں کے حقوق میں داخل ہے اسی لئے اسے ایک دوسرے کی جانب سے اس کی زندگی اور مرنے کے بعد ادا کر سکتا ہے۔

فصل ۵۵

"ایک سوال کا جواب"

تم جو یہ کہتے ہو کہ اگر کسی عمل کے ثواب کا بخشنا جائز ہوگا تو پھر اس کے آدھے یا چوتھائی حصے کا بخشنا بھی درست ہوگا۔ اس کا جواب دو وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ ہم لزوم کو تسلیم نہیں

کرتے کیونکہ تم نے اس پہ کوئی دلیل پیش نہیں کی صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت امام احمدؒ نے محمد بن یحییٰ کمال کی روایت میں اس کے متعلق ایک نص بیان کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ثواب بخشنے والے کی ملکیت ہے چاہے سارا بخشے یا آدھا یا چوتھائی، اور یہ بات ظاہر ہے، کہ اگر بخشنے والا چار آدمیوں کو اپنے عمل کا ثواب بخشے گا۔ تو ہر ایک کو اس سے چوتھائی چوتھائی ملے گا۔ اسی طرح اگر یہ چوتھائی ثواب کسی کو بخش دے اور باقی اپنے لئے چھوڑ دے تو جائز ہوگا۔

فصل ۵۶

"ایک سوال کا جواب"

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ جب ثواب کا بخشنا جائز ہے

تو پھر اس عمل کے ثواب کا بخشنا بھی جائز ہوگا جیسے اس نے خاص اپنے لئے کیا تھا حالانکہ تم لوگ یہ کہتے ہو کہ عمل کرنے کے وقت ثواب کے بخشنے کی نیت لازمی ہے۔ ورنہ ثواب نہ ملے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ حضرت امام احمدؒ سے غیر منصوص ہے اور نہ ہی یہ شرط اُن کے متقدمین اصحاب کے کلام میں پائی جاتی ہے، ہاں متاخرین میں سے قاضی اور اس کے متبعین وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

ابن عقیل کہتے ہیں کہ جب کسی آدمی نے نماز، روزہ، یا قرآن پڑھا غرضیکہ کوئی نیک کام کیا اور اس کا ثواب کسی مردے کو بخشا تو وہ اسے پہنچے گا اور فائدہ دیگا بشرطیکہ بھیجنے والے نے بھیجتے وقت اس کی نیت کی ہو۔

ابو عبداللہ بن حمدان کہتے ہیں کہ جس آدمی نے کوئی نفلی کام کیا جیسے صدقہ، نماز، روزہ حج، عمرہ، قرآن پڑھنا یا علام وغیرہ آزاد کرنا یا عبادات بدنیہ سے جس میں نیابت داخل ہوتی ہے یا عبادات مالیہ سے کچھ کیا اور اس کا تمام ثواب یا بعض حصہ مرد مسلمان کو بخشا یا حضور کی نذر کیا، اور مردے کے لئے دعا استغفار کی یا کوئی شرعی

حق جو مردے کے ذمہ تھا اُسے ادا کیا جس میں کہ نیابت داخل ہو سکتی ہے تو یہ مردے کو فائدہ دیگا۔ اور اس کا ثواب اسے ملے گا۔ بعض آدمی یہ کہتے ہیں کہ عمل کرنے سے پہلے یا عمل کرتے وقت نیت کرنی لازمی ہے۔ ورنہ ثواب نہیں پہنچے گا۔

اس مسئلہ میں راز یہ ہے کہ حصول ثواب کے وقت اس آدمی کے لئے نیت کرے جسے ثواب بخشنا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ پہلے ثواب کرنے والے کو ملے پھر جب اس نے بخشنے کی نیت کی تو وہ ثواب اس سے منتقل ہو کر مردے کو پہنچ گیا۔

جو لوگ عمل کرتے وقت نیت کو شرط قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک نیت کے بغیر عمل کا ثواب عمل کرنے والے ہی کو ہوگا۔ مردے کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمل پہ ثواب اسی طرح مرتب ہوتا ہے جیسا کہ اثر اپنے مؤثر پہ مرتب ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی کی طرف سے کوئی غلام آزاد کرے تو اس کی ولاء اسی کے لئے ہوگی اور آزاد کرنے کے بعد اگر یہ اس ولاء کو دوسرے کی طرف منتقل کرنا چاہیگا تو منتقل نہ ہو سکے گی بخلاف اس کے کہ جب کسی دوسرے کی طرف سے غلام آزاد کریگا۔ تب اس کی ولاء اسی کے لئے ہوگی۔ جس کی طرف سے آزاد کیا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے اپنا فریضہ ادا کیا۔ پھر ادا کرنے کے بعد اُسے دوسرے کے قبضے میں منتقل کرنا چاہا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر اپنی طرف سے حج کیا یا روزے رکھے یا نماز پڑھی اور پھر اس کا ثواب دوسرے کو بخشا تو یہ ثواب اسے نہیں پہنچے گا۔

یہ بات بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جن آدمیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تھا اور عمل کرنے کے بعد اس کے ثواب بھیجنے کے متعلق پوچھا تھا انہوں نے مردے کے لئے نہیں پوچھا تھا، چنانچہ حضرت سعدؓ نے عرض کی کیا یہ بات میری ماں کو فائدہ دے سکتی ہے کہ میں اس کی طرف سے صدقہ دوں؟ یہ نہیں کہا کہ اپنے صدقے کا ثواب اسے بخشوں۔ جیسے میں نے اپنے لئے دیا تھا۔ اسی طرح ایک عورت نے پوچھا تھا کیا میں اپنی والدہ کی طرف سے حج کروں۔ تو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کو کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ نہ کہ ان ثوابوں کے بخشنے کی جنہیں یہ اپنے لئے کر چکے تھے۔

یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی نے حضورؐ سے اپنے کئے ہوئے عمل کا ثواب بخشنے کے بارے میں پوچھا ہو، اور پھر کہا ہو کہ اے اللہ اس کا ثواب جسے میں اپنے لئے کر چکا ہوں۔ فلاں آدمی کو بخش دے۔

اسی جگہ سے یہ بات بھی نکلی۔ کہ عمل کرنے کے وقت نیت کرنی ضروری ہے اور اور یہ بہتر ہے۔ اور جو آدمی نیت کو شرط نہیں ٹھہراتے وہ کہتے ہیں ثواب، عمل کرنے والے کا حق ہے۔ جب وہ اسے دوسرے کو بخشے گا تو یہ ایسا ہوگا جیسا کہ اپنے مال سے کسی نے کسی کو ہدیہ دیا ہو۔

فصل ۵۷

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ جب نفلوں کا ثواب بخشنا جائز ہوگا تو واجبوں کے ثواب کا بخشنا بھی جائز ہوگا"

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الزام ان لوگوں کے اصول کے مطابق جو عمل کے لئے نیت کو شرط کہتے ہیں محال ہے۔ کیونکہ واجب کے اندر غیر کے لئے نیت کرنا درست نہیں ہے یہ عمل خود اس کے کرنے والے پر واجب ہے، اس لئے اسے ضروری ہے کہ اس عمل کے اندر صرف قرب الٰہی کی نیت کرے۔

اور جو لوگ دوسرے کو ثواب بخشنے میں عمل کے وقت نیت کو شرط نہیں کہتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ کیا کسی فرض عبادت کے ثواب کا بخشنا بھی جائز ہے یا نہیں اس کے اندر دو وجہیں ہیں۔

ابو عبداللہ بن حمدان فرماتے ہیں۔ اگر نماز، روزہ، یا کسی اور فرائض وغیرہ کا ثواب بخشے گا۔ تو جائز ہے اور کرنے والے سے بھی وہ فرض ساقط ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ بہت سے لوگوں سے یہ بات منقول ہے کہ انہوں نے اپنے تمام فرائض

وزائل کا ثواب مسلمانوں کو بخش دیا تھا اور یہ کہتے تھے کہ ہم چاہتے ہیں۔ ہم فقر و افلاس کی حالت میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں

شریعت مطہرہ بھی اسے منع نہیں کرتی۔ کیونکہ ثواب عامل کی ملکیت ہے چاہے وہ اُسے اپنے پاس رکھے یا کسی کو بخش دے۔

فصل ۵۸

تکالیف شرعیہ امتحان ہیں

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ شرعی تکالیف، امتحان ابتلا ہیں۔ جو کہ دل کو قبول نہیں کرتیں۔ کیونکہ ان سے مقصود خاص وہی آدمی ہے جو ان کا مکلف کیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات کچھ ممنوع نہیں ہے۔ شارع علیہ السلام نے اس بات کی اجازت عطا کی ہے کہ ہر مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو اپنے کسی کام سے فائدہ پہنچائے یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان اور بندوں پر اُس کی رحمت ہے۔ اور اس شریعت کے کمال کی دلیل ہے کہ جس کی بنیاد اس نے، عدل و انصاف اور احسان و تعارف پر رکھی ہے اللہ نے اپنے فرشتوں اور حاملین عرش کو حکم دیا ہے کہ وہ مومنین کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے رہیں کہ مومنوں کو بُرے کاموں سے محفوظ رکھے۔ اس نے اپنے خاتم الرسلؐ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کریں، اور قیامت کے دن انہیں مقام محمود میں کھڑا کریگا تاکہ گنہ گاروں کی شفاعت کریں۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنے مردہ اور زندہ اصحاب پر درود پڑھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی قبروں پر جا کر اُن کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔

شریعت مطہرہ نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے۔ کہ جو احکام فرض کفایہ ہیں وہ ایک آدمی

کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتے ہیں۔ اور تمام سے اس کے نہ کرنے کا گناہ دور ہو جاتا ہے اور جب ایک بھی انہیں نہ کرے تو تمام گنہ گار ہوتے ہیں، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس آدمی سے عذاب کو دفع کر دیا جس کا قرض دوسرے نے اپنے اوپر لے لیا تھا اگرچہ یہ قرض اس کے ذمہ واجب الادا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے کی طرف سے حج کرنے اور روزے رکھنے کی اجازت دی ہے۔ اگرچہ وہ مردے پر ہی واجب تھے ایسے ہی مقتدی سے سجدۂ سہو امام کی نماز صحیح ہونے کی وجہ سے ساقط کر دیا، دیکھو امام کی قرأت اور سترہ مقتدی کے لئے کافی ہوتا ہے امام کے ساتھ اسے سترے اور قرأت کی ضرورت نہیں ہے

مردے کو ثواب نہ بخشنا خدا کی رحمت و احسان سے ناامید ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں۔ مخلوقات اللہ تعالیٰ کی عیال ہے اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا اور عزیز وہی ہے جو اس کی مخلوقات کو بہت فائدہ پہنچاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ ایسے آدمیوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی مخلوق کو ایک گھونٹ پانی یا روٹی کے ایک ٹکڑے سے فائدہ پہنچاتے ہیں جو بالکل ضعیف و عاجز ہیں۔ اور کوئی بھی عمل نہیں کر سکتے۔ اور ثواب کے ایسے محتاج ہیں۔ کہ کوئی بھی اس درجہ کسی چیز کا ایسا محتاج نہ ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو تمام سے پیارا وہ ہے جو اللہ کی مخلوق کو ایسی حالت میں فائدہ پہنچائے۔

اسی لئے بعض بزرگان سلف سے منقول ہے کہ جو آدمی ستر بار روزانہ یہ دعا پڑھا کرے اسے تمام مردوں اور عورتوں کی تعداد کے مطابق ثواب ہوگا۔ وہ دعا یہ ہے

رب اغفرلی ولوالدی وللمسلمین والمسلمات والمؤمنین والمومنات — اے پروردگار مجھے، میرے والدین، مسلمان عورتوں اور مردوں مومنین و مومنات کو بخش دے"

اس ثواب کو تم کچھ بعید نہ سمجھو۔ کیونکہ جب ایک آدمی نے اپنے بھائیوں کے لئے بخشش مانگی تو اس پر احسان کیا اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتا۔

فصل ۵۹

"کیا کسی کی طرف سے توبہ کی جا سکتی ہے؟"

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ اگر کسی دوسرے کے عمل سے فائدہ پہنچے گا، تو پھر یہ بھی چاہیئے کہ اگر وہ اس کے لئے توبہ کرے تو اس سے بھی اسے فائدہ پہنچے۔ یا دوسرے کی طرف سے اسلام لے آئے تو وہ بھی فائدہ پہنچائے۔

یہ اشکال دو وجہوں سے ہوتا ہے۔ جن میں سے ایک صورت تو تلازم کی ہے۔ جو دونوں امروں کے اندر لزوم چاہتی ہے پھر جب لازم کا انتفاء ظاہر ہوتا ہے۔ تو ملزوم کی بھی نفی ہو جاتی ہے، اس کی صورت یہ ہے۔ کہ اگر مردے کو غیر کا عمل فائدہ دے تو لازم ہے کہ اس کا اس کی طرف سے اسلام لانا اور توبہ کرنا بھی فائدہ دے۔ چونکہ اسلام اور توبہ نفع نہیں دیتے لہذا عمل بھی فائدہ نہیں دیتا۔ یہ ظاہری بات ہے کہ یہ تلازم قطعاً باطل ہے ایک تو اس لئے کہ یہ نصوص اور اجماع کے بالکل خلاف ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ یہ اُن باتوں کو جمع کرنا ہے۔ جنہیں اللہ تعالےٰ نے جدا جدا قرار دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے دوسرے کی جانب سے اسلام لانے اور اُس کی طرف سے صدقہ دینے۔ حج وغیرہ ادا کرنے میں تفریق کی ہے۔ جو لوگ ان باتوں سے ایک کو دوسری پر قیاس کرتے ہیں اُن لوگوں کا قیاس ان آدمیوں کے قیاس کی طرح ہے جو مرد ار کو ذبیحہ پر اور سود کو بیع پر قیاس کرتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اسلام لانے کو دوسرے سے فائدہ حاصل کرنے کا سبب بنایا ہے۔ زندگی کے اندر بھی اور موت کے بعد بھی تو جس آدمی نے یہ سبب حاصل نہ کیا۔ جس کے سبب سے اُسے فائدہ پہنچ سکتا تھا اُسے فائدہ نہیں پہنچیگا۔ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن عاصؓ سے فرمایا تھا۔ کہ اگر تیرے باپ نے توحید کا اقرار کیا تھا۔ پھر تو اسے تیرے صدقہ اور روزے سے فائدہ پہنچے گا، ورنہ نہیں اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اسلام کو ہر آدمی کے لئے اس کو اپنے اعمال سے فائدہ پہنچانے کا سبب بنایا ہے اور جس کے پاس یہ سبب ہو گا اُسے اپنے کسی

عمل سے نفع نہیں پہنچے گا۔ اُس نے اخلاص و متابعت کو قبولِ اعمال کا سبب بنایا ہے اور جب یہ سبب نہیں ہوگا تو عمل بھی قبول نہیں ہوگا، جیسا کہ وضو وغیرہ تمام نماز کے شرائط کو نماز کی صحت کا سبب بنایا ہے کہ ان کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوگی، یہی حال تمام اسباب کا اپنے مسببات شرعیہ، عقلیہ اور حسیہ کے ساتھ ہے، تو جو شخص دونوں حالوں کو برابر کرتا ہے، یعنی سبب کے ہونے اور نہ ہونے کو وہ باطل پر ہے۔ اُس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی آدمی یہ قیاس کرے کہ جب گنہ گاروں کی شفاعت ہوگی تو مشرکین کی بھی ہوگی، اور جب گناہ کبیرہ کے مرتکب مؤمن جہنم سے نجات پا جائیں گے تو کافروں کی نجات بھی ہو جائیگی، اِن کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے قیاس ہیں جو اِن قیاس کرنے والوں کے معدوں کی نجاست سے پیدا ہو کر اُن کے لبوں سے باہر نکلے ہیں۔

الغرض میرے نزدیک تو بہتر یہ ہے کہ اہل علم حضرات ایسے ہذیانوں کے دور کرنے میں اپنے قیمتی وقت کو ضائع نہ کریں۔ مگر چونکہ اُن لوگوں نے ایسے ہذیانوں سے اپنے اعمال ناموں کو سیاہ کر لیا ہے، اور اپنی کتابوں کے اندر درج کر کے لوگوں میں ایسے مسائل کو پھیلا دیا ہے۔ لہٰذا ان کی تردید کرنی پڑتی ہے

فصل ۶۰

"عبادت نیابت و غیر نیابت"

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک عبادت وہ ہے جس کے اندر نیابت کو دخل ہے اُس کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے۔ اور دوسری عبادت وہ ہے، جس کے اندر نیابت کو دخل نہیں ہے اُس کا ثواب نہیں پہنچتا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہی تو تمہارا مذہب ہے اور یہی تمہارا دعویٰ ہے۔ پھر اس دعوے کو تم دلیل کیسے بنا سکتے ہو۔

اور عبادات کے اندر یہ تقسیم تمہارے ہاتھ کہاں سے لگی، کونسی کتاب یا کونسی سنت یا کونسے اعتبار نے اس پر دلالت کی ہے۔ جس کے سبب سے یہ مذہب اختیار کرنا پڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مردے کی طرف سے روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے، حالانکہ روزہ ایسی چیز نہیں ہے جس کے اندر نیابت کو دخل ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ حکم دیا ہے کہ فرض کفایہ کو ایک دوسرے کی طرف سے ادا کرنا کافی ہے جب ایک آدمی اسے ادا کر دیتا ہے تو تمام کے سر سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور وہ بچہ جو ابھی تک سن تمیز کو نہیں پہنچا ہے۔ اس کے مربی کو اس کی طرف سے حج میں احرام باندھنے اور حج کے ارکان ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کے لئے نیابت کرنے سے ثواب کی خبر دی ہے۔

امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں: بیہوش آدمی کی طرف سے اس کے رفیق احرام باندھ سکتے ہیں تو اس کے رفقاء کا احرام بمنزلہ اس کے اپنے احرام کے ہوا

شارع علیہ السلام نے ماں باپ کا اسلام بمنزلہ ان کے چھوٹے بچوں کے اسلام کے قرار دیا ہے

پس تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ اس کامل شریعت نے کس طرح ایک کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچایا۔ لہٰذا تمہیں کس طرح یہ بات زیبا ہے کہ تم اللہ کے بندوں کو اس بات سے روکو کہ وہ اپنے والدین اور اپنے مسلمان بھائیوں کو نہایت محتاجی کے عالم میں بھی فائدہ نہ پہنچائیں۔ تم کشادہ راستے کو کس طرح تنگ کرتے ہو۔ اس آدمی پر تنگی کرتے ہو۔ جس پر شارع علیہ السلام نے تنگی نہیں کی۔ بلکہ اسے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب جسے چاہے بخش دے۔

جو آگ، حج، صدقہ اور غلام آزاد کرنے کے ثواب کے پہنچنے کا اقرار کرتے ہیں وہ نماز، روزہ اور قرآن خوانی کے ثواب پہنچنے کے بھی قائل ہیں۔ اس ثواب کے پہنچنے کا سبب مردے کا مسلمان ہونا اور بخشنے والے کا اس پر احسان کرنا ہے اور شارع علیہ السلام نے احسان کو منع نہیں فرمایا ہے بلکہ یہ حکم فرمایا ہے۔ کہ جس طرح سے بھی ہو سکے احسان کرو۔

مسلمانوں کے بے شمار متواتر خواب اس بات کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ مردوں کو

زندوں کی طرف سے ثواب پہنچتا ہے، قرآن خوانی کرنے، نماز پڑھنے، صدقہ دینے، حج وغیرہ کرنے غرض ہر ایک نیک کام کے کرنے کا ثواب پہنچتا ہے۔

اگر ہم اپنے زمانے کے لوگوں اور ہم سے پہلے جو گذرے ہیں اُن لوگوں کے خوابوں کو اس بحث کے بارے میں بیان کریں تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی حضرتؒ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بات پر موافق ہیں کہ وہ آخر کے عشرہ میں ہے (یعنی لیلۃ القدر) تو اس سے معلوم ہوا کہ مومنوں کے خوابوں کا مطابق ہونا ایسا ہی معتبر ہے جیسا کہ ان کی روایتوں کا موافق ہونا معتبر ہے۔

مومن نہ اپنی روایت کے اندر جھوٹ بولتے ہیں نہ اپنے خوابوں میں جھوٹے ہوتے ہیں۔ جبکہ وہ ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔

فصل ۶۱

مردے کی طرف سے ولی کے روزہ رکھنے کی بحث

تم لوگوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو کہ

من مات وعلیہ صیام صام عنہ ولیہ۔ — جو کوئی مر گیا اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزہ رکھ لے۔"

ان وجوہات سے جنہیں تم بیان کر چکے ہو رد کیا ہے۔ تو ہم حضورؐ کی حدیث کی مدد کرتے ہیں۔ اور صحیح وجہ کے ساتھ اس کی موافقت کی وجہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو وجہ بطل ہے۔ اس کے باطل قرار پانے کے لئے صریح و صحیح حدیث کے ساتھ اس کا تعارض و تخالف ہونا ہی کافی ہے۔ حدیث بھی ایسی جس کا مقابلہ بجز سننے اور اطاعت کرنے کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اس کے سننے کے بعد ہمیں بجز اس کے تسلیم کرنے کے اور کچھ اختیار نہیں ہے۔ اگرچہ مشرق سے لے کر مغرب تک کے تمام لوگ اس میں ہمارے برخلاف ہوں، ہمیں اُن کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ ہم اس حدیث کو امام مالکؒ کے قول کے ساتھ جسے انہوں نے اپنی کتاب مؤطا میں لکھا ہے رد کرتے ہیں اور ہم تمہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم امام مالکؒ کے قول کو اس حدیث پاک کے ساتھ رد کرتے ہیں تو اب آپ بتلائیں کہ فریقین میں سے کس کے دلائل قوی ہیں اور کس کا جواب صحیح ہے، حدیث شریف پر عمل کرنے والوں کا یا مالکؒ کے قول کو لینے والوں کا ؟

امام مالکؒ نے مؤطا میں جو یہ کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس بات پر اجماع ہے اور کسی کا بھی اس کے اندر اختلاف نہیں ہے۔ تو مالکؒ رحمۃ اللہ علیہ نے شرق سے لے کر غرب تک تمام امت کے اجماع کو نقل نہیں فرمایا، فقط اہل مدینہ کی جو کچھ روایات انہیں پہنچی ہیں ان کے اعتبار کی وجہ سے یہ کہہ دیا ہے۔ مالکؒ رحمۃ اللہ علیہ کو اس اختلاف کی مطلق خبر نہیں ہوئی اور ان کا اس بارے میں خبردار نہ ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ساقط نہیں کرتا بلکہ اگر تمام اہل مدینہ امام مالکؒ کے قول پر متفق بھی ہوتے پھر بھی حدیث پر عمل کرنا لازمی ہوتا، کیونکہ اہل مدینہ کوئی معصوم نہیں ہیں، نہ خود اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قول کو جھگڑے کے وقت دلیل گردانا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے

فان تنازعتم فی شیئ فردوہ	اگر تم آپس میں کسی بات میں جھگڑا کرو تو اسے
الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون	اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں پیش کرو
باللہ والیوم الاخر	اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

اگرچہ مالکؒ اور اہل مدینہ اس کے قائل ہیں کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے لیکن حکم بن عتبہ اور سلمہ بن کہیل نے سعید بن جبیر سے اور اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے، انہوں نے فرمایا کہ رمضان شریف کے روزوں کی قضا کے بدلے میں کھانا کھلایا جائے، اور نذر کے روزوں کی قضا رکھی جائے، امام احمد اور بہت سے ارباب حدیث کا یہی مسلک ہے۔ اسی کے قائل ابو عبید اور ابو ثور ہیں کہ نذر کے روزوں کی قضا رکھی جائے۔ اور حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ نذر کے روزے اس کی طرف سے اس کا ولی رکھے۔

فصل ۶۲

ابن عباسؓ کہتے ہیں کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ حضرت ابن عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ خود یہ فرماتے ہیں کہ کوئی بھی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے۔

ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ صحابی نے روایت کے خلاف فتویٰ دیا ہے، اس سے ان کی روایت کے اندر کوئی فرق نہیں پڑے گا، کیونکہ اُن کی روایت معصوم ہے اور اُن کا فتویٰ غیر معصوم ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فتویٰ دیتے وقت اس حدیث کو بھول گئے ہوں یا اس حدیث کی کوئی تاویل کر لی ہو یا اپنے تخیل میں اس کا کوئی راجح معارض خیال کر لیا ہو۔ یا اور کوئی اور وجہ ہو۔ غرضیکہ حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ کسی طرح بھی حدیث کا معارض نہیں ہو سکتا، کیونکہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ رمضان شریف کے روزے کسی کی طرف سے نہ رکھے جائیں تو یہ حدیث کے مخالف ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث کو بھی نذر پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

پھر دوسری یہ بات ہے حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی مر گیا اور اس پر روزے ہیں تو اس کا ولی اس کی جانب سے روزے رکھے۔ یہ حدیث حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضرت ابن عباسؓ کا اس کے خلاف فتویٰ دینا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو رد نہیں کر سکتا۔ بلکہ ام المومنین کی روایت اسے بدرجۂ اولیٰ رد کر سکتی ہے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ ابن عباس کا قول اس مسئلہ کے بارے میں مختلف ہے۔ اُن سے دو روایتیں آئی ہیں تو حدیث کو ان کی ایسی روایت سے رد کر دینا کہ خود اُن کی اپنی دوسری روایت اس کے مخالف ہو۔ کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ

روایت ان کی اپنی دوسری روایت اور حضرت ام المومنین کی حدیث سے رد ہو جاتی ہے

فصل ۶۳

ابن عباسؓ کی حدیث کے متعلق بحث

تمہارا یہ کہنا کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے اندر اسناد میں اختلاف ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح و ثابت ہے اور اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ بخاری اور مسلم نے اسے روایت کیا ہے اس کی اسناد میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا اگر کوئی مرا اور اس پر روزے تھے، تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔ امام احمدؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ مردے کی طرف سے روزہ رکھنے کے بارے میں حضورؐ سے روایت کی گئی ہے، اگر وہ روایت صحیح ہے تو مردے کی طرف سے روزہ رکھا جائے جیسا کہ اس کی جانب سے حج کیا جاتا ہے۔ یہ روایت یقیناً حضورؐ سے ثابت ہے تو امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہوئے، اور ان کا بھی یہی مذہب ہوا۔ یہ قول شافعیؒ کے اصحاب سے بہت سے لوگوں کا بھی ہے

بیہقیؒ امام شافعیؒ کی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ روزوں کی قضا رکھنے کا جواز سعید بن جبیر، مجاہد، عطاؒ اور عکرمہ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ثابت ہے

بہت سے لوگوں کی روایات کے اندر اس طرح ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والی عورت سعد کی ماں۔ نہیں بلکہ کوئی اور تھی۔

اور بعض کی روایت میں ہے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اپنی والدہ کی طرف سے روزہ رکھ لے۔

اس کا مکمل جواب امام شافعیؒ کے قول کے جواب میں لکھا جائے گا۔

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ ثواب کا مردے کو پہنچنا قرآن کی نص یعنی وان لیس للانسان الا ما سعیٰ کے معارض و مخالف ہے تو تمہارا یہ کہنا بہت گستاخی سخت بے ادبی اور بہت بڑی خطا ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے بھی اور معنی کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے کلام کو اس بات سے محفوظ رکھا ہے کہ اُن کی احادیث قرآن کی نصوص کے معارض یا مخالف ہوں۔ بلکہ وہ تو قرآن کی مدد اور تائید کرتی ہیں۔ افسوس تعصب و تقلید کا کیا علاج کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی ایسے لوگوں پر رحم فرمائے اور ان کی اصلاح کرے، اس آیت کریمہ کے متعلق ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں وہی کافی ہے اور ہم یہ بھی ذکر کر آئے ہیں کہ آیت کریمہ اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں، جو لوگ ان میں تعارض یا تخالف کا خیال کرتے ہیں یہ صرف ان کی سوئے ظنی ہے۔ اور یہ بہت بُرا اور غلط طریقہ ہے کہ سنن ثابتہ کو ظاہر قرآن یعنی اس کے لفظی معنوں سے رد کر دیا جائے کمال علم تو یہ ہے کہ احادیث کو قرآن کے مطابق کیا جائے۔ کیونکہ وہ قرآن سے ہی مشتق ہیں اور اسی بزرگ و بالاتر ہستی سے ماخوذ ہیں جو قرآن لیکر آئے ہیں وہ قرآن حکیم کی تفسیر اور اُس کا بیان ہیں نہ یہ کہ اُس کی معارض و مخالف ہیں۔

تم جو یہ کہتے کہ یہ حدیث اُس حدیث کے معارض و مخالف ہے جسے نسائی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے جس میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے۔ نہ نماز پڑھے بلکہ ہر روزے کے بدلے صاع گیہوں دے دے۔

یہ تم لوگوں کی بہت ہی ناپاک اور بہت ہی قبیح خطا ہے۔ نسائی نے اس حدیث کو اس طرح ذکر کیا ہے۔ کہ ہمیں خبر دی محمد بن عبد الاعلیٰ نے اس نے کہا کہ مجھ سے یزید بن زریع نے کہا اس نے کہا کہ مجھ سے حجاج احول نے بیان کیا، اس نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا ایوب بن موسیٰ نے عطاء بن ابی رباح سے اس نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:

کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے، نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے۔ بلکہ ہر روزے کے عوض ایک مد گیہوں دیئے ہے۔ یہ قول نسائی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ مرکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ ابن عباسؓ کا قول حضورؐ کے قول سے کس طرح معارض ہو سکتا ہے یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کلام کبھی نہیں فرمایا۔ صحیحین سے ثابت ہے آپؐ نے فرمایا اگر کوئی آدمی مر گیا اور اس پر روزے ہیں تو ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں بریدہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے حضورؐ سے عرض کیا کہ میری ماں مر گئی ہے اور اس پر ایک ماہ کے روزے ہیں حضورؐ نے فرمایا تو ماں کی طرف سے روزے رکھ لے۔

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر کی اس حدیث کے مخالف ہے کہ جو آدمی مر گیا اور اس پر رمضان شریف کے روزے ہیں تو اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے روایت کرنا باطل ہے۔

بیہقی فرماتے ہیں کہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے جس حدیث کو نافعؓ سے اور اس نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی فوت ہو گیا۔ اور اس پر رمضان شریف کے روزے ہیں تو اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ محمد بن عبدالرحمٰن بہت ہی وہمی آدمی ہے۔ نافعؓ کے شاگردوں نے اسے نافع سے اور انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے بطور ان کے قول کے اسے روایت کیا ہے محمد بن عبدالرحمٰن نے غلطی سے اسے حضورؐ تک پہنچا دیا (حالانکہ یہ ابن عمرؓ ہی کا قول ہے۔)

تم لوگ جو یہ کہتے ہو کہ یہ اسلام، نماز اور توبہ کے بارے میں بالکل روشن اور ظاہر قیاس کے خلاف ہے، کیونکہ ان امور کو کوئی کسی کی طرف سے نہیں کر سکتا۔ قسم بخدا تمہارا یہ قیاس بالکل فاسد اور باطل ہے۔ حضورؐ پاک کی صحیح حدیث کی تردید کرتا ہے اور حدیث پاک اس کے بطلان پر شاہد ہے۔ ہم کافر کی جانب سے اسلام قبول کرنے اور مسلمان مردے کو ثواب پہنچانے کے بارے میں فرق کا ذکر کر چکے ہیں۔ قسم بخدا یہ فرق

ایسا ظاہر ہے کہ ذرہ بھر بھی مخفی نہیں رہ سکتا۔

اس قیاس سے بڑھ کر اور کونسا فاسد و بے ہودہ قیاس ہوگا کہ مسلمان مردے کو ثواب بخشنے پر کافر کی طرف سے اسلام قبول کرنے کو قیاس کر لیا جائے یا گنہگار کے مرنے کے بعد اس کی طرف سے توبہ کرنے پر قیاس کر لیا جائے۔

فصل ۶۴

ابن عباسؓ کی حدیث اور امام شافعیؒ

امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس کی اُس حدیث کے بارے میں راوی کی غلط بیانی کے متعلق جو کلام کیا ہے (حدیث یہ ہے کہ سعد کی والدہ کی روزہ کی نذر تھی) اس کا جواب بیہقی نے جو کہ امام شافعی کے بڑے معاون ہیں بہت اچھا دیا ہے۔ اور ہم اسے انہیں کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں، بیہقی کتاب المعرفت میں امام شافعی کا یہ کلام نقل کر کے فرماتے ہیں کہ مردے کی طرف سے روزے کی قضا رکھنے کا جواز، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء اور عکرمہ کی احادیث سے جو انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہیں ثابت ہے، اُن کی اکثر روایات میں آیا ہے کہ ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سعد کی والدہ کا قصہ دوسرا ہے البتہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تو اپنی والدہ کی طرف سے روزہ رکھ لے۔ بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت کے لئے یہ حدیث بھی شاہد ہے جسے عبداللہ بن عطاء مزنی نے عبداللہ سے اور اُس نے اپنے والد بریدہ اسلمی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت آئی۔ اُس نے عرض کی یا رسول اللہ میں نے ایک لونڈی بطور صدقہ کے اپنی والدہ کو دی تھی۔ اب میری والدہ مر گئی ہے، آپؐ نے فرمایا کہ تجھے ثواب مل گیا۔ اب وہ لونڈی میراث میں تیرے پاس پھر آ گئی، اس نے عرض کی کہ میری والدہ پر ایک مہینے کے روزے تھے اور

وہ انہیں بغیر ادا کئے فوت ہو گئی ہے آپؐ نے فرمایا تو اپنی والدہ کی طرف سے حج بھی کر لے۔ اسی حدیث کو مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عطاء سے کئی وجوہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ابوبکر بن شیبہ نے حضرت ابن عباسؓ سے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضورؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ میری والدہ مر گئی ہے۔ اور اس کے ذمے ایک مہینے کے روزے ہیں کیا میں وہ روزے اس کی طرف سے ادا کر سکتا ہوں؟ حضورؐ نے فرمایا اگر تیری والدہ پر قرض ہوتا تو، تو اسے ادا کرتا یا نہ کرتا اس نے عرض کی بیشک ادا کرتا، آپؐ نے فرمایا کہ خدا کا قرض ادا کئے جانے کا زیادہ مستحق ہے

ابن خثیمہ نے بھی اسے سند کے ساتھ اعمش سے روایت کیا ہے۔ اور نسائی نے اسے قتیبہ بن سعید سے اس نے زائدہ سے اس نے اعمش سے روایت کی ہے۔ یہ حدیث سعدؓ کی ماں کی حدیث سے جدا ہے اسناد کے اندر بھی اور متن کے لحاظ سے بھی کیونکہ سعدؓ کی والدہ کے قصے کو مالکؒ نے زہری سے اور انہوں نے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ سعد بن عبادہ نے حضورؐ سے پوچھا یا رسول اللہ میری والدہ مر گئی ہے۔ اور اس پر نذر ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تم اس کی طرف سے اس نذر کو پورا کر دو۔ صحیحین کے اندر یہ حدیث اسی طرح ہے۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کے محفوظ الفاظ یہی ہیں کہ سعد کی والدہ کی نذر معلوم نہ ہوئی کہ وہ کیا تھی تو یہ بات اعمش کی حدیث میں کیسے ہو سکتی ہے جسے اس نے مسلم بطین سے اور اس نے سعید بن جبیر سے اور اس نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ حضورؐ کا سعدؓ بن عبادہ سے یہ نہ پوچھنا کہ تمہاری والدہ پر کیا نذر تھی۔ اور یہ فرما دینا کہ تم اس کی طرف سے پورا کر دو۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام نذریں مردے کی طرف سے ادا کرنے میں برابر ہیں، چاہے وہ نماز کی نذر ہو یا روزہ اور حج وغیرہ کی کیونکہ نذر کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جو مردے کی طرف سے ادا ہو سکتی ہے اور دوسری وہ جو مردے کی طرف سے ادا نہیں ہو سکتی حضورؐ ضرور پوچھتے کہ وہ کیا نذر تھی

فصل ۶۵

اہل علم کا اختلاف مردے کی طرف سے روزہ رکھنے کے بارے میں

اب ہم مردے کی طرف سے روزے رکھنے کے بارے میں اہل علم حضرات کے اقوال بیان کرتے ہیں۔ تاکہ کوئی آدمی یہ گمان نہ کرے کہ اجماع اس کے خلاف ہوگا۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نذر کے روزے مردہ کی طرف سے رکھے جائیں اور رمضان کے روزوں کا کفارہ دیا جائے۔ یہی مذہب امام احمدؒ کا ہے۔ ابو نور فرماتے ہیں کہ نذر کے بھی اور فرض کے بھی روزے اس کی طرف سے رکھے جائیں۔ اسی کے قائل داؤد بن علی اور ان کے متبعین ہیں کہ فرض اور نذر دونوں کے روزے رکھے جائیں۔

اوزاعی فرماتے ہیں کہ ہر روزہ کے عوض مردے کا ولی صدقہ دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو روزہ رکھے اور سفیان ثوری کی مذکورہ روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔

ابو عبید قاسم بن سلام فرماتے ہیں کہ نذر کا روزہ رکھے اور فرض کے عوض کھانا کھلائے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگر مردے پر ایک مہینے کے روزے ہیں اور تیس آدمی اس کی طرف سے ایک ہی دن روزہ رکھ لیں تو جائز ہے۔

فصل ۶۶

جو لوگ کہتے ہیں کہ حج کے اندر روپیہ خرچ کرنے کا ثواب ہوتا ہے حج کے ارکان ادا کرنے کا ثواب نہیں ہوتا، غلطی پر ہیں

ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ سنت نبوی اس کی تردید کرتی ہے کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تو اپنی والدہ کی طرف سے حج کر۔ آپؐ نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارا حج اس کی

طرف سے ہوتا ہے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ فقط روپیہ خرچ کرنے کا ثواب ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور نے اس آدمی کو فرمایا تھا۔ جس سے آپ نے سنا تھا کہ وہ حج میں کہہ رہا تھا کہ یہ حج شبرمہ کی طرف سے ہے۔ تو حضورؐ نے اسے فرمایا کہ پہلے تو اپنی طرف سے حج کر پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔ اور جب ایک عورت نے آپؐ سے ایک بچہ کی بابت پوچھا جو اُس کے ساتھ تھا۔ کہ کیا اس کے لئے بھی حج ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے لئے خرچ کرنے کا ثواب ہے۔ بلکہ یہ فرمایا اس کے لئے حج ہے باوجود اس کے کہ اس بچے نے کوئی کام نہیں کیا تھا اور اس کا ولی اُس کے ہر کام میں اس کا نائب ہوتا تھا۔

اکثر آدمی جو مردے کی طرف سے حج کرتے ہیں وہ حج میں کچھ بھی خرچ نہیں کرتے سوائے اس کھانے پینے کے خرچ کے جو وہ اپنے گھر میں خرچ کیا کرتے تھے۔ پھر اس کے اس حج سے مردہ کو کیا ثواب پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خاص حج کے لئے تو کچھ نہیں کیا۔ اور جو کچھ کھانے وغیرہ میں کیا وہ تو ہمیشہ ہی کرتے ہیں۔ اس کی تردید سنت و قیاس دونوں کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل ۶۷

اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ تم ثواب کے پہنچنے میں اس بات کی شرط لگاتے ہو کہ بھیجنے والا اُسے زبان سے کہے یا صرف اُسے دل سے نیت کر لینی کافی ہے؟

تو ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ کسی بھی حدیث میں ثواب بھیجنے کے لئے زبان کے ساتھ کہنے کی شرط نہیں آئی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق فعل کر دوسرے کی طرف سے جیسے روزہ، صدقہ اور حج وغیرہ کسا دا کرنے کی اجازت دی ہے اور اُس فعل کے ادا کرنے والے کو یہ نہیں فرمایا کہ تو اس طرح کہنا کہ اے میرے اللہ یہ عمل فلاں کی طرف سے ہے، اللہ تعالےٰ بندے کی نیت کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اور

بندے نے جو ارادہ اپنے عمل سے کیا ہے اُسے بھی وہ خوب جانتا ہے۔ اگر وہ عمل کرتے وقت زبان سے کہے تو بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ اپنی نیت اور ارادے پر اکتفا کرلے گا تو بھی مردے کو ثواب پہنچ جائیگا۔ اس بات کے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ یہ کہے۔ کہ اے اللہ میں کل کو فلان بن فلان کی طرف سے روزہ رکھونگا۔ اسی لئے بعض آدمیوں نے دوسرے کی طرف سے عمل کرنے کے لئے عمل سے پہلے نیت کو شرط کہا ہے۔ تاکہ یہ فعل ارادے کے ساتھ مردے ہی کی جانب سے واقع ہو۔ اگر یہ آدمی اسی فعل کو پہلے اپنی طرف سے کریگا اور پھر اس کا ثواب دوسرے کو بخشے گا تو ان لوگوں کے نزدیک جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اگر کوئی ہبہ کرنے، یا آزاد کرنے یا صدقہ کرنے کی نیت کرے تو یہ صرف اس کی نیت سے حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی زیادہ وضاحت یوں سمجھ لیجئے کہ اگر کسی آدمی نے اس نیت سے مکان بنایا کہ اسے مسجد یا مدرسہ یا سبیل بنا دے گا۔ تو وہ مکان اس کی نیت سے وقف ہو جائے گا۔ زبان سے کہنے کی اُسے ضرورت نہ ہوگی، اسی طرح اگر کسی فقیر کو بارادۂ زکوٰۃ کچھ مال دیگا۔ تو اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی چاہے زبان سے کہے یا نہ کہے، اسی طرح اگر کسی زندہ یا مردہ کی طرف سے قرضہ ادا کریگا۔ تو وہ قرضہ اس مردے یا زندے سے ساقط ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ زبان سے یہ نہ کہے کہ یہ فلان آدمی کی طرف سے ہے۔

اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ ثواب بخشنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے یا نہیں، کہ وہ یہ کہے اے اللہ اگر تو نے اس عمل کو میری طرف سے قبول فرمالیا ہے اور اس پر مجھے ثواب عطا کیا ہے۔ تو اس کا ثواب فلان آدمی کو بخش دے۔

ہم اس کا یہ جواب دینگے، کہ لفظاً بھی اور ارادتاً بھی کسی طرح یہ کہنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ یہ شرط بالکل بے سود ہے، کیونکہ اللہ تعالےٰ خود ایسا فرمائیگا۔ اس کی اس شرط لگانے یا نہ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالےٰ اس شرط کے لگائے بغیر کچھ اور کردیتا تو پھر ضرور یہ شرط فائدے سے خالی نہ ہوتی۔

اور یہ جو اس نے کہا کہ اے اللہ اگر تو نے اس پر مجھے ثابت رکھا ہے تو اس کا ثواب

فلاں آدمی کو بخش دے، تو یہ معنی ہے اس بات پر کہ ثواب پہلے عامل کے لئے واقع ہوا اور پھر اس سے منتقل ہو کر اسے پہنچا جسے بخشا گیا۔

حالانکہ بات ایسی نہیں ہے۔ بلکہ اس نے جب عمل کرنے کے وقت یہ نیت کی کہ یہ فلاں آدمی کی جانب سے ہے تو یہ ثواب اسی کو ہوگا۔ جس کے لئے عمل کیا گیا ہے مثلاً اگر کسی آدمی نے دوسرے کی طرف سے غلام آزاد کیا تو ہم یہ ہرگز نہیں کہینگے کہ ولاء پہلے آزاد کرنے والے کے لئے تھی۔ پھر اس سے منتقل ہو کر اسے پہنچی۔ جس کی طرف سے غلام آزاد کیا ہے۔ ایسی حال ثواب کا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ تمام اعمال سے افضل کونسا عمل ہے۔ جس کا ثواب مردے کو بخشنا چاہیئے؟

تو ہم یہ جواب دینگے کہ تمام سے افضل وہ عمل ہے جو فی نفسہ زیادہ نافع ہو مثلاً غلام کا آزاد کرنا اور صدقہ دینا مردے کی طرف سے بہ نسبت روزے رکھنے کے زیادہ افضل ہے۔ اور صدقوں میں سے افضل وہ صدقہ ہے جو کہ متصدق علیہ کی ضرورت کے مطابق ہو اور دائمی بھی ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانی کا پلانا افضل صدقہ ہے۔ یہ حکم اس جگہ کے لئے ہے۔ جہاں پر پانی کی قلت ہو۔ جہاں پیاس بہت ہو۔ وہاں نہروں اور کنوؤں پر پانی پلانا کھانا کھلانے سے افضل نہیں ہے۔ جبکہ کھانا کھلانے کی ضرورت ہو۔

اسی طرح دعا و استغفار اخلاص، صدق و عاجزی کے ساتھ ہو تو وہ اپنی جگہ پر صدقے سے بھی افضل ہے۔ جس طرح کہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا یا قبر پر دعا کرنے کے لئے ٹھہر جانا فرضیکہ بہتر اعمال جو مردے کے لئے کئے جائیں وہ یہ ہیں غلام آزاد کر دینا۔ صدقہ دینا، استغفار کرنا دعا کرنا اور اس کی طرف سے حج وغیرہ کرنا۔

اگر قرآن حکیم اجرت کے بغیر خلوص کے ساتھ پڑھا جائے اور اس کا ثواب مردے کو بخش دیا جائے تو اس کا ثواب بھی حج اور روزے کی طرح مردے کو پہنچے گا

اگر کوئی یہ کہے کہ ثواب کا بخشنا بزرگان سے منقول نہیں حالانکہ وہ حضرات

نیک سلوک کے بہت ہی حریص تھے، اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بات کی تعلیم فرمائی۔ حالانکہ آپؐ نے انہیں، دعا و استغفار وغیرہ کی تعلیم دی اگر قرآن کے پڑھنے کا ثواب بھی مردوں کو پہنچتا تو حضور پاک صحابہ کرام کو اس بات کی تعلیم فرماتے اور صحابہ کرام میں اس کا رواج ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سائل اس بات کا مقر ہے۔ کہ حج، روزہ، دعا و استغفار وغیرہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ تو اس سے کہا جائے گا کہ جب تو ان اعمال کے ثواب کے پہنچنے کا اقرار کرتا ہے تو پھر قرآن کے پڑھنے کے ثواب کا کس وجہ سے انکار کرتا ہے، نیز ایہ انکار کرنا، تفرق بین المماثلات نہیں تو اور کیا ہے۔

اگر یہ سائل کسی بھی عمل کے ثواب کے پہنچنے کا اقرار نہیں کرتا۔ تو وہ کتاب و سنت، اور اجماع امت اور تواتر شریعت کا منکر ہے۔ رہا یہ سوال کہ یہ رسم بزرگان سلف میں جاری کیوں نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے قرآن پڑھنے کے لئے اوقات مقرر تھے۔ جس سے معلوم ہوتا کہ وہ مردوں کے لئے قرآن پڑھتے ہیں۔ نہ وہ اس بات کو شہرت دیتے تھے۔ کہ ہم میتوں کے لئے پڑھتے ہیں اور نہ وہ پڑھنے کے لئے قبر پر جانے کو ضروری سمجھتے تھے۔ جیسا کہ زمانہ حال کے لوگ کرتے ہیں۔ اور نہ ان میں سے کوئی آدمی اپنے جلیس کو اس بات پر شاہد کرتا تھا۔ کہ میں نے یہ قرآن شریف جو پڑھا ہے اس کا ثواب فلان مردے کو بخشا، بلکہ وہ حضرات تو صدقے اور روزے کے ثواب بخشنے کو بھی کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے۔

اس معترض سے کہنا چاہیئے کہ تو بزرگان سلف میں سے کسی ایک سے یہ ثابت کر دے کہ اس نے یہ فرمایا ہو کہ اے اللہ میرے اس روزہ کا ثواب فلان مردے کو بخش دے، یقیناً وہ اس کے جواب سے عاجز ہو جائیگا اور کبھی بھی یہ ثابت نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ لوگ نیک کاموں کے پوشیدہ رکھنے میں بہت کوشش کرتے تھے۔ وہ ایسے لوگ نہ تھے۔ جو اللہ کے بندوں پر ثواب کے بخشنے میں کسی کو شاہد بناتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حج، صدقہ اور روزے

کے ثواب بخشنے کا تو حکم بتا دیا مگر قرآن کے پڑھنے کے ثواب کا کیوں نہ بتایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس حکم میں ابتدا نہیں کی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے جواب میں فرمایا۔ یعنی کسی نے اپنی ماں کے لئے حج کرنے کو پوچھا تو آپ نے اُسے اجازت دے دی اور کسی نے روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے اُسے بھی اجازت دے دی اور کسی نے صدقہ دینے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اسے بھی حکم دے دیا اور ان کے سوا دوسرے اسی قسم کے اعمال سے انہیں منع فرمایا۔ روزہ رکھنے کے ثواب کے پہنچنے میں جو کہ محض نیت کے ساتھ مفطرات سے رکنے کا نام ہے۔ اور قرآن کے پڑھنے اور ذکر کرنے کے ثواب کے پہنچنے میں کیا فرق ہے۔ یعنی ان دونوں ثوابوں کے پہنچنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ بزرگان سلف میں سے کسی نے بھی ایسے نہیں کیا تو وہ ایسی بات کا قائل ہے جس کا علم اسے سلفاً نہیں ہے۔ کیونکہ اُس کی یہ شہادت اس چیز کی نفی پر ہے جس سے وہ لاعلم ہے۔ اسے کیا معلوم کہ بزرگان سلف اسے کرتے تھے اور کسی بھی اپنے جلیس کو اس پر مطلع نہ فرماتے تھے۔ بلکہ علام الغیوب کا ان کی نیتوں اور ان کے مقصدوں پر مطلع ہونا کافی تھا۔ خصوصاً جبکہ زبان سے نیت کرنا بھی شرط نہیں ہے۔ اس مسئلے کا سارا راز یہ ہے کہ ثواب جو ہے یہ عامل کی ملکیت ہے۔ جب وہ اپنے اس ثواب کو اپنے کسی مسلمان بھائی کو بخشتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ اسے پہنچا دیتا ہے۔ تو وہ کونسی وجہ اور سبب ہے۔ جس نے قرآن کے پڑھنے کے ثواب کو روک لیا۔ اور مسلمان کی روح تک نہ پہنچنے دیا۔ اسی پر ہر زمانہ میں ہر شہر میں تمام لوگوں کا عمل رہا ہے۔ حتیٰ کہ منکرین کا بھی اور کوئی بھی عالم اس کا منکر نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک پر فتوح پہنچانے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض متاخرین فقہاء نے اسے مستحب کہا ہے اور بعض نے مستحب کی بجائے بدعت کہا ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ

ایسا نہیں کیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی امت کے ہر آدمی کی نیکی کا ثواب ملتا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ اس آدمی کے ثواب سے کچھ کمی ہو۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو ہدایت فرمائی ہے اور ہر ایک نیکی کا طریقہ انہیں سکھایا ہے۔ جو آدمی لوگوں کی ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ اُسے ان تمام لوگوں کا ثواب ملتا ہے بغیر اس بات کے کہ اُن لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کمی ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نے جو علم یا ہدایت پائی ہے۔ وہ حضورؐ ہی کی بدولت پائی ہے۔ تو حضورؐ کو ان کے تمام نیک کاموں کا ثواب ہوتا ہے۔ چاہے حضورؐ نے اس آدمی کو وہ نیک کام نہ بتایا ہو، ہر حالت میں اس کا ثواب حضورؐ کو ضرور ملے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل ۶۸

"روح قدیم ہے یا محدث و مخلوق ہے"

ستر ہواں مسئلہ یہ ہے کہ روح قدیم ہے یا محدث و مخلوق ہے اگر محدث و مخلوق ہے تو یہ کیسے کیونکہ وہ امر الٰہی سے ہے، اور امر الٰہی کیسے مخلوق و محدث ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی۔ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی طرف روح کی اضافت کی ہے یہ تو بتاتی ہے کہ روح قدیم ہے۔ ورنہ اس اضافت کا کیا مطلب، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہم نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح پھونکی تو روح اور ہاتھ کی اپنی طرف اضافت کی ہے۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ایک عالم گمراہ ہو گیا ہے۔ اور بہت سے گمراہ فرقے بن گئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے رسول کے متبعین کو سیدھی راہ دکھائی۔ رسولوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ روح مخلوق و محدث ہے پیدا کی گئی ہے اور تربیت دی گئی ہے۔ یہ بات تمام انبیاء کے ادیان سے ظاہر ہوتی ہے، جس طرح کہ اس امر کا ثبوت تمام ادیان سے ملتا ہے کہ عالم حادث ہے اور معاد ابدان ہوتا ہے۔ اللہ ہی قدیم ہے اور اس کے سوا سب مخلوق ہے۔

صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے ادوار میں جو کہ بہترین زمانوں سے ہیں۔ بلا کسی اختلاف کے یہ بات مسلم رہی ہے۔ کہ روح حادث ہے۔ اور مخلوق ہے۔ حتیٰ کہ ایک نئی جماعت پیدا ہوئی۔ جو کتاب وسنت کے سمجھنے سے کوتاہی۔ اس نے کہا کہ، روح غیر مخلوق ہے۔ اور دلیل میں یہ بات پیش کی کہ وہ امر الٰہی ہے، اور امر الٰہی غیر مخلوق ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اضافت اپنی طرف کی ہے۔ جس طرح کہ اپنے علم، کتاب، قدرت سمع و بصر اور ہاتھ کی اضافت کی ہے۔

بعض لوگوں نے اس بارے میں توقف کیا اور کہہ دیا کہ ہم اس بارے میں کچھ نہیں کہتے کہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق حافظ اصفہان ابو عبداللہ بن مندہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا ایک سائل نے مجھ سے روح کے بارے میں پوچھا ہے۔ جو خلق کے اجسام و نفوس کا قوام ہے۔ بہت سے لوگوں نے روح کے بارے میں گفتگو کی ہے اور کہا ہے کہ وہ غیر مخلوق ہے اور بعض نے ارواح قدس کی تخصیص کی ہے اور کہا ہے کہ یہ اللہ کی ذات سے ہیں۔ ابن مندہ نے مزید کہا کہ میں ان کے مختلف اقوال کا ذکر کرونگا۔ اور کتاب وسنت اقوال صحابہ و صحیح مسلک کا ذکر کرونگا اور مخالفین کی تردید کرونگا۔ اور اس کے بعد قرآن وسنت کے مطابق صحیح مسلک کا ذکر کرونگا اور مخالفین کی تردید کرونگا۔ لہٰذا ہم اللہ کی توفیق و اعانت سے کہتے ہیں کہ لوگوں نے روحوں کے پہچاننے اور نفس میں اس کی جائے قرار کے بارے میں اختلاف کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ روحیں تمام فانی ہیں اور یہی مذہب اہل سنت وجماعت کا ہے۔ انہوں نے حضور کے قول کو دلیل بنایا ہے کہ ارواح آراستہ و پیراستہ لشکر ہیں۔ جن میں وہاں تعارف ہو گیا۔ ان میں محبت ہو گئی۔ اور جن میں وہاں اختلاف ہو گیا ان میں دشمنی ہو گئی" ایک آراستہ لشکر کو ظاہر ہے کہ فانی و عارضی ہی کہا جا سکتا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ روح اللہ کا ایک حکم ہے۔ جس کی حقیقت اور علم کو اللہ نے مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اور دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں" قل الروح من امر ربی" آپ فرما دیجئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ روح اللہ کے حکم سے ہے"

اور بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ روح خدا کے نور سے ایک نور ہے اور اس کی زندگیوں سے ایک زندگی ہے۔ ان لوگوں نے حضورؐ کے اس قول کو دلیل بنایا ہے "اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا اور اس کو اپنے نور سے ڈھانپ دیا۔

فصل ۹

"روح مرتی ہے یا نہیں"

اس میں اختلاف ہے کہ ارواح پر موت طاری ہوتی ہے یا نہیں؟ روحیں بھی موت کے بعد اجسام کے ساتھ عالم برزخ اور جائے قرار میں عذاب دیجاتی ہیں یا نہیں کیا روح نفس کا نام ہے یا کوئی دوسری چیز ہے۔ محمد بن نصر مروزی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ زندیقوں اور شیعوں کے ایک گروہ نے آدم کی روح میں ربی تاویل کی ہے جو نصرانیوں نے عیسیٰؑ کی روح کے بارے میں کی ہے۔

ایک قوم نے تاویل اس طرح کی ہے کہ روح خدائے تعالےٰ کی ذات سے جدا ہو کر مومن میں داخل ہو گئی۔ عیسیٰؑ اور مریمؑ کے مجموعہ کو نصرانیوں کی ایک جماعت فرد واحد تسلیم کرتی ہے اور ان کی عبادت کرتی ہے اس لئے کہ عیسیٰؑ ان کے نزدیک اللہ کی روح ہیں۔ جو مریمؑ میں داخل ہو گئی۔ لہذا وہ ان کے نزدیک غیر فانی یعنی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اسی طرح شیعوں اور زندیقوں کے ایک فرقہ نے کہا ہے کہ آدم کی روح بھی عیسیٰؑ کی روح کی مانند غیر فانی ہے اور اس تاویل کے لئے یہ دلیل لاتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے "میں نے آدمؑ میں اپنی روح پھونکی" اور دوسری جگہ فرمایا "میں نے آدمؑ کے ڈھانچے کو درست کیا اور اس میں اپنی روح میں سے روح پھونکی" اس سے انہوں نے خیال کیا کہ آدم بھی غیر مخلوق یعنی ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جیسا کہ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ رب کا نور دائم و غیر فانی ہے۔ اور آدمؑ کے بعد وہ وصی میں داخل ہوا۔ اور پھر ہر نبی اور وصی میں علیٰ ہذا القیاس داخل ہوتا گیا۔

یہاں تک کہ حضرت علیؓ نہیں آیا۔ پھر حسنؓ و حسینؓ ہیں اور ہر وصی و امام ہیں۔ اسی نور کے ذریعہ امام ہر چیز کا علم حاصل کر لیتا ہے۔ وہ کسی دوسرے سے تعلیم پانے کا محتاج نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کا اس میں تو بلاشک و شبہ کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تمام روحیں جو آدم اور اس کی اولاد، عیسیٰؑ، اور ان کے علاوہ تمام بنی آدم میں ہیں۔ سب اللہ کی مخلوق یعنی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو پیدا کیا۔ ان کی نشو و نما کی، ان کو درست کیا۔ اور ان میں اصلاح فرمائی، اور پھر اپنی ذات کی طرف انہیں منسوب کیا۔ جیسا کہ اس نے اور جملہ مخلوقات کی پیدائش کو بھی اپنی طرف منسوب کیا ہے" اے بنی آدم ہم نے تمہارے ہی لئے پیدا کیا ہے جو کچھ بھی زمینوں اور آسمانوں میں ہے"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ انسان کی روح پیدا کی ہوئی اور ایجاد کردہ ہے، امت کے تمام ائمہ و اسلاف اس پر متفق ہیں، بیان کیا گیا ہے کہ علماء میں صرف امام محمد بن نصر مروزی ایک ایسے شخص ہیں۔ جو متفق نہیں ہیں۔ وہ موافقین و غیر موافقین سب کے یہاں بڑے علماء میں شمار کئے جاتے ہیں، ابو محمد بن قتیبہ نے اپنی تصنیف، کتاب اللفظ، میں لکھا ہے کہ نسمہ روح کو کہتے ہیں۔ اور لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بیج کو نشو و نما دیتے ہیں۔ اور وہی روح کے پیدا فرمانے والے ہیں

ابو اسحاق شاقلانی نے کہا ہے کہ مجھ سے روح کے متعلق پوچھا گیا ہے کہ یہ فانی ہے یا غیر فانی؟ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں کسی حق شناس کو شک ہوا ہو جسے خدائے تعالیٰ نے حق پہچاننے کی توفیق دی ہو۔ اور وہ یہ خیال نہ کرتا ہو کہ روح پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے ایک چیز ہے۔ یعنی فانی ہے۔ اس مسئلہ میں بڑے بڑے علماء و مشائخ کی ایک جماعت نے گفتگو کی ہے، اور انہوں نے اس کا رد کیا ہے کہ روح غیر مخلوق یعنی ہمیشہ رہنے والی ہے، حافظ ابو عبداللہ بن مندہ نے اس پر ایک بہت بڑی کتاب لکھی ہے جس کو امام محمد بن نصر وغیرہ نے پسند کیا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ابو سعید الخراز، ابو یعقوب النہر جوری اور قاضی ابو یعلیٰ بھی تائید کرنے والوں میں سے ہیں۔ بڑے بڑے

اماموں نے اس شخص پر شدید نکتہ چینی کی ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی روح کے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ غیر مخلوق ہے۔ تو حضرت عیسیٰؑ کی روح کے علاوہ دوسری ارواح کو کیسے غیر مخلوق مانا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ امام احمد نے اس کی اپنی اس تصنیف میں وضاحت کی ہے۔ جو انہوں نے فرقۂ جہمیہ اور زندیقوں کے رد میں لکھی تھی۔

ایک مجھی کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایسی آیتیں پاتا ہوں۔ جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن مخلوق یعنی فنا ہونے والی چیز ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے بیشک مسیح، عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف بھیجا ہے اور عیسیٰؑ روح اللہ ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عیسیٰؑ مخلوق ہیں۔ تو جس کلمہ کو خدائے تعالیٰ نے عیسیٰ قرار دیا ہے۔ وہ بھی مخلوق ہونا چاہیئے۔ ہم جواباً یہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری فہم کو قرآن کے معاملہ میں سلب کر لیا ہے۔ کیونکہ عیسیٰ ایک ایسی ذات ہے کہ اس پر ایسے الفاظ کا اطلاق ہوتا ہے جو قرآن کے لئے استعمال نہیں کئے جا سکتے جیسے ہم عیسیٰؑ کو مولود یعنی بچہ وغیرہ کے الفاظ سے نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ کھاتے ہیں پیتے ہیں اور احکام خداوندی کے مخاطب ہیں، ان سے خطاب کیا جاتا ہے اور وعدہ وعید بھی ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں وہ حضرت نوح اور ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم قرآن کے لئے بھی وہی کلمات استعمال کریں۔ جو عیسیٰؑ کے لئے کرتے ہیں۔ افسوس ہے آپ نے خدائے تعالیٰ کا وہ قول جو قرآن میں اس نے عیسیٰؑ کے بارے میں ذکر کیا ہے نہیں سمجھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، عیسیٰؑ بن مریمؑ اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ کہ ان کو اللہ نے مریمؑ کی طرف بھیجا، اور عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمہ جس کو خدا نے مریمؑ کی طرف بھیجا۔ وہ لفظ کُن تھا، اس کلمہ کُن سے عیسیٰؑ وجود میں آئے، نہ کہ عیسیٰؑ خود کلمہ کُن تھے۔ اور کلمہ کُن خدائے تعالیٰ کا قول ہے اور یہ مخلوق نہیں ہے۔ بلکہ غیر مخلوق اور ہمیشہ رہنے والا ہے

نصاریٰ اور اصحاب فرقہ جہمیہ کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ روح اللہ ہیں اور اس کا کلمہ ہیں

تاکہ روحِ عیسیٰؑ کو بھی مثل کلمہ کے مخلوق ثابت کریں۔ نصاریٰ کا یہ قول ہے کہ عیسیٰؑ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ یعنی اس کی ذات میں سے ایک حصہ ہیں، جیسے کہا جاتا ہے ھذہ الخرقۃ من ھذا الثوب، یہ پارچہ اس کپڑے سے ہے۔ یعنی اس کا ایک حصہ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ کلمہ سے وجود میں آئے وہ کہ عیسیٰ ہی خود کلمہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا کلمہ تو لفظِ کن ہے، روحٌ منہ "یعنی خدا کی روح سے ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حکم سے ہے۔ جیسے اس سے قبل ایک آیت پیش کی گئی ہے۔

"اے لوگو! خدا نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ کہ زمین و آسمان میں ہے اپنے حکم سے" یہاں بھی لفظ منہ ہے جس کے معنی "حکم سے ہے" کئے جاتے ہیں۔ یہ قول کہ عیسیٰؑ خدائے تعالیٰ کا کلمہ ہیں اور اس کی روح ہیں۔ اس کے معنی ایسے ہی ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے وھذا عبداللہ ہے، یعنی اللہ کا بندہ ہے۔ اسی طرح مثلاً کہتے ہیں اللہ کی زمین اور اس کا آسمان اس قسم کی جتنی بھی نسبتیں ہوتی ہیں۔ وہ حقیقی معنی پر محمول نہیں کی جاتیں یہی صورت روح اللہ اور کلمتہ اللہ کی ہے

اب یہ بات واضح ہو گئی کہ عیسیٰؑ کی روح مخلوق یعنی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی پر قیاس کر لیا جائے کہ دوسری ارواح کیسی ہونگی، گذشتہ آیت میں جو خدائے تعالیٰ نے اس روح کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ جس کو فرمایا ہے کہ ہم نے بھیجا مریمؑ کی طرف اپنی روح کو اور اپنے بندے کو" اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ یہ روح غیر مخلوق اور قدیم تھی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی یہ بھی الفاظ زیادہ کئے ہیں۔

فتمثل لھا بشراً سویاً "وہ ایک انسان کی صورت میں متمثل ہو گیا"

اس آیت سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ وہ روح ہے جس کو خدائے تعالیٰ نے اپنی روح بیان فرمایا ہے، ہم عنقریب بیان کرینگے کہ جو اسم مضاف ہو اللہ تعالیٰ کی طرف وہ اس کی صفت قدیم یعنی ہمیشہ رہنے والی صفت کب قرار دیا جا سکتا ہے اور مخلوق و عارضی صفت کب بنتا ہے۔ اور اس کا طریقہ کیا ہے

فصل ۶

"روحوں کی پیدائش کے متعلق دلائل"

روحوں کے پیدا ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں (۱) اللہ تعالےٰ کا قول ہے

اللہ خالق کل شیئ — خدا ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے

یہ الفاظ عام ہیں ان میں کسی قسم کی تخصیص کسی اعتبار سے نہیں پائی جاتی ہر شئی اس میں داخل ہے، البتہ خدائے تعالےٰ کی صفات اس میں داخل نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ اس کے مسمی، یعنی اسم "اللہ" میں داخل ہیں۔ کیونکہ لفظ "اللہ" کی اصل "الٰہ" ہے جس کے معنی معبود کے ہیں: اور "اللہ" اپنی تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے۔ پس اس کا علم، اس کی قدرت، اس کی زندگی، اس کا ارادہ، اس کا سننا، اور اس کا دیکھنا یہ تمام صفتیں اس کے مسمّٰی "اللہ" میں داخل و موجود ہیں۔ اور مخلوقات سے علیحدہ ہیں، جیسا کہ ذاتِ خداوندی تمام عالم کی چیزوں سے جدا اور برتر و بالا ہے۔ پس ذاتِ خداوندی اپنی جملہ صفات کے ساتھ تمام اشیاء کی پیدا کرنے والی ہے۔ اور اس ذات کے علاوہ تمام چیزیں مخلوق اور اس کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ روح نہ تو بالکل ذات خداوندی ہے اور نہ اس کی صفتوں میں سے کوئی صفت ہے۔ یہ تو اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے ایک چیز ہے۔ اس کے ساتھ پیدا کرنے کی نسبت ایسی ہی ہے۔ جیسے فرشتوں، جنات اور انسانوں کے پیدا کرنے کی نسبت خداوند تعالےٰ کے ساتھ ہے۔

(۲) خداوند تعالےٰ نے حضرت زکریاؑ کو خطاب فرمایا۔"

وقد خلقتك من قبل ولم تك شيئاً۔ — اے زکریا میں نے تجھے پیدا کیا اور تو اس سے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔"

یہ خطاب خداوندی بھی حضرت زکریا کی روح اور جسم دونوں کو ہے۔ صرف جسم کو نہیں ہے۔ اس لئے کہ تنہا جسم نہ تو سمجھ سکتا ہے نہ پہچان سکتا ہے۔ اور نہ ہی اسے خطاب کیا جا سکتا ہے۔ روح ہی سمجھتی ہے پہچانتی ہے اور مخاطب کی جاتی ہے

(۳) ایک جگہ قرآن شریف میں خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

واللہ خلقکم وما تعملون — اے لوگو! ہم نے تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ پیدا کیا ہے۔

(۴) ایک اور جگہ ارشاد ہے، ہم نے تمہیں وجود بخشا پھر شکل و صورت بنائی اور فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اس آیت میں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اس میں ارواح و اجسام دونوں کو خطاب ہے، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ خطاب ارواح کو اجسام کی پیدائش سے قبل ہوا۔ بہر صورت دونوں خیالات بھی ثابت کرتے ہیں کہ روح مخلوق ہے۔

(۵) وہ دلیلیں جن سے خدائے تعالیٰ کا سہارا، ہماری گذشتہ نسلوں بلکہ ہر چیز کا رب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انہی سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صفت ربوبیت صرف ہمارے جسموں ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ اجسام و ارواح دونوں کے ساتھ وابستہ ہے لہٰذا روح بھی اجسام کی طرح پرورش یافتہ اور ملکیت خداوندی ہوئی، اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز تربیت یافتہ اور مملوک ہو، وہ مخلوق ہی ہو گی۔

(۶) قرآن مجید میں سب سے پہلی سورہ، سورۂ فاتحہ ہے، اس میں متعدد دلیلیں روح کے مخلوق ہونے کی موجود ہیں ۱ الحمد للہ رب العٰلمین، منجملہ عالموں کے ایک عالم ارواح کا بھی ہے۔ لہٰذا ذات خداوندی روحوں کی بھی رب ہوئی۔

۲ ایاک نعبد وایاک نستعین — ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں روحیں بھی عبادت گذار اور طالب امداد ہیں اور جس چیز میں طلب مدد پائی جائے گی وہ غیر مخلوق نہیں ہو سکتی اُسے مخلوق ہی کہنا پڑیگا۔

۳ روح اپنے خالق اور رب سے ہدایت طلب کرتی ہے۔ اور ہدایت پانے میں

اس کی محتاج ہے۔ یہ محتاج ہونا ہی اس کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے (۷) روح پر خداوند تعالےٰ کے انعامات اور رحمتیں ہوتی ہیں۔ کبھی یہی روح خدائے تعالیٰ کے قہر و غضب کا ذائقہ چکھتی ہے۔ اور بدبخت و شقی کہلاتی ہے۔ نیک بخت یا بدبخت ہونا ایک غیر مخلوق یعنی قدیم کی صفت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے روح کو بھی قدیم یعنی ہمیشہ قائم رہنے والی نہیں کہا جا سکتا۔

(۷) دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان بندہ ہے اور مطلب اس کا یہ ہے کہ انسان کا مجموعۂ بدن و روح بندہ ہے نہ کہ صرف جسم، بلکہ اس کی عبدیت کا تعلق اصل میں اس کی روح کیساتھ ہے۔ بدن تو عبدیت حاصل کرنے میں روح کے ایسا ہی تابع ہے جیسے احکام و افعال وغیرہ۔ روح بدن کو حرکت دیتی ہے۔ تو وہ متحرک ہوتا ہے۔ اور روح ہی عمل کا تقاضا کرتی ہے تو یہ عمل کرتا ہے

(۸) اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں "کیا نہیں گذرا انسان پر ایک ایسا وقت جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھا" یعنی کوئی چیز ہی نہیں تھا، نہ روح کے اعتبار اور نہ بدن کے اعتبار سے۔ اگر روح قدیم یعنی ہمیشہ سے قائم رہنے والی ہوتی تو انسان کو خدائے تعالیٰ لم یکن شیئاً مذکوراً نہ فرماتے اس لئے کہ انسان صرف بدن کا نام نہیں۔ بلکہ روح بھی اس کا ایک حصہ ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے "اے جسم کی خدمت کرنے والے انسان! تو اس کی خدمت سے کتنا ذلیل و خوار ہو گیا ہے جسم کا خادم بننا تیرے لئے سزاوار نہیں اس لئے کہ تو روح کی بدولت انسان بنا ہے نہ کہ جسم کی بدولت" معلوم ہوا کہ جب کسی چیز کا کوئی حصہ موجود ہو تو وہ قابل ذکر ہوتی ہے، اسے ناقابل ذکر "لم یکن شیئاً مذکوراً" اللہ تعالےٰ کا روح کو ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمانا اس کے مخلوق ہونے پر دلیل ہے

(۹) حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ایک وقت ایسا گذرا ہے کہ خداوند تعالےٰ موجود تھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز عالم وجود میں نہ تھی۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمران بن حصین سے روایت منقول ہے، کہ اہل یمن حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے

اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ سے دین کی سمجھ سیکھنے آئے ہیں۔ اب اس میں جو چیز سب سے مقدم ہے وہ ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس وقت موجود تھے۔ کہ جس وقت ان کے ساتھ کوئی نہ تھا اور ان کا عرش پانی پر متمکن تھا۔ اس وقت اُن کے ساتھ نہ ایسی روحیں تھیں۔ اور نہ قدیم نفوس تھے۔ جنہیں اس کی معیت میں وجود حاصل ہوتا، خداوند تعالےٰ کا وجود ان تمام چیزوں سے ورا الورا ہے۔ وہ تنہا وجود رکھتے ہیں۔ ان کا شریک پایا ہی نہیں جاتا۔ ابتدا و انتہا میں وہ یکتا ہیں۔

(۱۰) فرشتے بھی خدا کی ایک مخلوق ہیں اور ان کا وجود اجسام کے وجود سے بالکل علیحدہ ہے۔ وہ محض روحیں ہیں۔ اور انسان کی پیدائش سے پہلے پیدا ہو چکے ہیں۔ حکم خداوندی سے ایک فرشتہ بنی آدم میں روح پھونکتا ہے۔ جو ذات خود مخلوق ہو گی وہ جس میں روح پھونکے گی وہ بھی مخلوق ہو گی اور اس کی روح بھی مخلوق ہو گی۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ شکمِ مادر میں جب بچہ میں روح ڈالی جاتی ہے تو فرشتہ کو وہ روح قدیم دے کر بھیجا جاتا ہے جو بچہ کے وجود سے پہلے موجود تھی۔ جیسے خلعت دیکھ بھیجا جاتا ہے۔ جیسے لوگ پہنتے ہیں

فرشتہ حکم ربی سے اپنی روح کی استعداد کے مطابق بچہ میں روح پھونکتا ہے۔ فرشتہ کے اس پھونکنے سے بچہ میں روح پیدا ہو جاتی ہے۔ پس فرشتہ کی یہ پھونک بچہ میں روح پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے۔ جیسا کہ جماع اور انزال بچہ کے جسم کا سبب بنتا ہے، اور غذا اس جسم کی نشوونما کا سبب ہوتی ہے۔ مادۂ روح فرشتہ کی پھونک ہے اور مادۂ جسم رحم میں نطفۂ منی ہے۔ پہلا مادہ سماوی ہے اور دوسرا مادہ ارضی ہے بعض ایسے ہیں جن پر سماوی مادہ غالب آجاتا ہے۔ ان کی روحیں اعلےٰ مقام کو پہنچ جاتی ہیں۔ اور وہ فرشتوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں۔ کہ جن میں مادۂ ارضیہ یعنی مٹی کے اجزا غالب ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی روح کم درجہ اور ذلیل ہو جاتی ہے۔ پس فرشتہ کو روح انسانی کا باپ اور مٹی کو جسم انسانی کا باپ

کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

(۱۱) صحیح بخاری اور دوسری حدیث کی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہؓ۔ حضرت عائشہؓ، سلمان فارسیؓ، عبداللہ بن عباسؓ، وغیرہ سے یہ روایت ہے۔ "کہ روحیں آراستہ و پیراستہ لشکر ہیں۔ جن میں وہاں تعارف ہو گیا ان میں محبت ہو گئی اور جن میں وہاں اختلاف ہو گیا ان میں یہاں نفرت ہو گئی"

(۱۲) روح کو وفات، قبض، امساک، اور ارسال کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے ایک مخلوق و عارضی و تربیت یافتہ چیز ہی کی یہ شان ہو سکتی ہے۔ کہ اسے ان مذکورہ بالا چیزوں کے ساتھ متصف کیا جائے۔ جیسے خداوند تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

اللہُ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّیٰ، الی آخرہ	اللہ تعالیٰ نفسوں کو ان کی موت کے وقت وفات دیتے یعنی اٹھا لیتے ہیں۔ وہ نفوس جن پر موت طاری نہیں ہوئی۔ وہ نیند کی حالت میں ہیں۔ پھر جس کے لئے موت کا فیصلہ سنا دیا گیا ہے اسے اٹھا لیتے ہیں اور ایک دوسرا نفس جس کے لئے ابھی فیصلہ موت نہیں صادر ہوا۔ اسے وقت معین تک مہلت دے دیتے ہیں"

اس کلام میں فکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں، اس آیت میں انفس کے لفظ سے ارواح ہی مراد ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور علیہ السلام کے ہمراہ رات کے وقت سفر میں تھے۔ ہم نے درخواست کی، یا رسول اللہ کیا ہی اچھا ہو اگر آپؐ ہمارے ساتھ ہی رات کو آرام فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم سب سو گئے تو پھر ہمیں نماز کے لئے کون اٹھائیگا، حضرت بلالؓ بھی ان میں موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اس خدمت کے لئے بندہ حاضر ہے، نبی کریمؐ نے اس رات وہیں قیام فرمایا جب سب لوگ سو گئے تو حضرت بلالؓ جو جاگ رہے تھے۔ اور نماز کے لئے جگانے کی ذمہ داری

ں نے اپنی سواری سے ذرا ٹیک لگائی۔ نیند اس قدر غالب ہوئی کہ وہیں
حضور علیہ السلام خود ہی بیدار ہو گئے۔ اس وقت سورج بالکل طلوع
ہونے کو تھا۔ آپؐ نے فرمایا، اے بلال! ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اس کا کیا ہوا
حضرت بلالؓ نے جواب دیا۔ اے اللہ کے رسول مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے آپؐ
کو حق دے کر بھیجا ہے۔ آج تک ایسی نیند کبھی مجھ پر نہیں طاری کی گئی۔ حضور علیہ السلام
نے فرمایا، خداوند تعالےٰ جب چاہتے ہیں تمہاری روحوں کو قبض کر لیتے ہیں۔ اور جب
چاہتے ہیں واپس بھیج دیتے ہیں"

یہی وہ روح ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ کہ "روح قبض کی گئی" اور
یہی وہ نفس ہے جس کو خدائے تعالےٰ وفات دیتے ہیں اور یہ وفات اس کے مقررہ
وقت یعنی موت کی حالت میں ہوتی ہے۔ نیند کی حالت میں بھی اس کو جسم سے جدا کیا
جاتا ہے۔ یہی وہ روح ہے جس کو ملک الموت انسان کے جسم سے جدا کرتا ہے۔ اور
اسی کو عالم بالا کی طرف دوسرے فرشتے لے جاتے ہیں۔ اسی روح کے بارے میں ہے
کہ فرشتہ مرنے والے کے سر کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اور روح کو جسم سے زبردستی
جدا کرتا ہے۔ اور اس کو جنت یا جہنم کے کفنوں میں سے ایک کفن پہنا کر آسمان کی
طرف لے جاتا ہے۔ آسمان کے فرشتے اس پر سلامتی بھیجتے یا لعنت کرتے ہیں حتیٰ
کہ یہ روح اپنے رب کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ خدائے تعالےٰ اس کے ثواب یا
عذاب کا فیصلہ فرما کر اسے زمین کی طرف لوٹا دیتے ہیں پھر یہ روح میت میں اور
اس کے کفن میں داخل کی جاتی ہے۔ اور اس میت سے دین، رب، اور رسول کے
بارے میں سوالات کئے جاتے ہیں۔ اس کے اعمال و عقاید کے مطابق اس پر انعامات
یا سزائیں کی جاتی ہیں۔ اسی روح کو سبز رنگ کے پرندوں میں ڈالا جاتا ہے۔ جو
جنت کے میوہ وغیرہ کھاتے اور اس کی نہروں سے پانی پیتے پھرتے ہیں۔ اسی روح
کے بارے میں ذکر ہے کہ نافرمان کی روح بطور سزا کے صبح و شام جہنم کے سامنے
لائی جاتی ہے

دراصل ایمان و کفر کا تعلق بھی اسی روح کے ساتھ ہے۔ ورنہ تنہا جسم مکلف نہیں ہوتا۔ فرمانبرداری نافرمانی، یہ اور تمام برائیوں کا مرکز اگر ہے تو یہی روح ہے تو حق سبحانہٗ و تعالےٰ، اور اس کے احکام و ذکر سے بھی یہی وابستہ ہے۔ اسی کو عذاب ہوتا ہے اور اسی پر انعامات ہوتے ہیں۔ نیک بختی و بدبختی کا تعلق بھی اسی کے ساتھ ہے، قید اور رہائی، صحت و مرض، لذت و تکلیف، حزن و ملال، یہ سب اسی کے اوصاف ہیں، مذکورہ بالا تمام اوصاف فانی، پیدا شدہ، اور ایجاد کردہ ہیں، اسی طرح مذکور احکام یعنی ثواب و عذاب وغیرہ بھی پیدا کردہ اور اپنے خالق و مالک کے تصرفات کے ماتحت ہیں۔

حضور علیہ السلام سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے "اے اللہ تو نے ہی میرے نفس کو پیدا کیا، اور تو ہی اس کو جسم سے جدا کریگا۔ اس کی زندگی اور موت تیرے ہی قبضۂ قدرت میں ہے۔ اگر تو اس کو زندہ سلامت رکھے تو اس پر اپنا رحم و فضل فرما، اور اگر تو اس کو دنیا سے اٹھائے تو اس کی حفاظت اس طرح کر جیسے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے" اللہ تعالےٰ ہی نفس کو پیدا فرماتے ہیں۔ جس طرح وہ جسموں کے خالق ہیں۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے "تمہیں اور تمہارے نفوس کو کوئی تکلیف ایسی نہیں پہنچتی۔ جسے خدائے تعالےٰ نے تمہارے نوشتۂ تقدیر میں نہ لکھ دیا ہو، اور یہ تقدیر اس کے عالم وجود میں آنے سے قبل ہی مرتب کی جا چکی ہوتی ہے۔ ذاتِ خداوندی جو خالقیت میں ایسی یکتا ہے۔ اس کے لئے یہ کام کچھ دشوار نہیں" بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "

من قبل ان نبرأ ھا — اس عالم وجود میں آنے سے پہلے۔

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اس مصیبت کے ظاہر ہونے سے پہلے۔ اور بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ روئے ارض کے وجود سے پہلے۔ ان سے علاوہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں، کہ نفوس یا ارواح کے پیدا ہونے سے پیشتر ہر چیز کی تقدیر بنائی جا چکی ہے ایسی معنی زیادہ مناسب ہیں۔ اس لئے کہ صرفی اعتبار سے

ضمیر کا مرجع "یعنی نبیرا اُھا" میں جو "ھا" ہے اس کا تعلق انفس کے ساتھ ہی زیادہ بہتر ہے۔ لیکن اگر اس "ھا" کا تعلق تینوں چیزوں یعنی مصیبت، روئے ارض اور نفوس سے کر دیا جائے یعنی مصیبت، روئے زمین اور نفوس ان تمام سے پہلے اللہ تعالےٰ نے تمام چیزوں کی تقدیر بنا دی تھی تو مطلب اور واضح ہو جاتا ہے۔

جس روح کی شان یہ ہو جس کا اوپر ذکر ہوا وہ کیونکر قدیم یعنی ازلی ہو سکتی ہے اور اپنے پیدا کرنے والے اور وجود بخشنے والے سے بے پرواہ ہو سکتی ہے۔ ضرورت و احتیاج کا کسی چیز میں پایا جانا تو اور بھی بڑا ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ وہ مخلوق یعنی پیدا کی ہوئی، تربیت یافتہ اور بنائی ہوئی ہے۔ ارواح کا وجود صفات اور ان کے افعال سب کے سب رب ہی کی طرف سے ہیں۔ اپنی ذات سے تو ان میں سوائے عدم کے اور کچھ بھی نہیں پایا جاتا۔ روحوں کے قبضہ میں نہ اپنی ذات کا ضرر ہے نہ نفع اور یہ نہ اپنی موت پر قابو پا سکتی ہیں نہ حیات پر۔ ان میں خود سے نہ خیر حاصل کرنے کی اور نہ شر سے بچنے کی صلاحیت ہے۔ خدائے تعالےٰ ہی جو چیز عطا فرمائیں وہی انہیں ملتی ہے۔ دنیا و آخرت کی بھلائیوں میں سے انہیں وہی چیز ملتی ہے جس کی طرف خداوند تعالےٰ ہی خود ان کی راہنمائی فرماتے ہیں۔ ان کا علم بھی اسی حد تک ہے جو خدائے تعالےٰ نے ان کو سکھایا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی نے انہیں پیدا کیا ہے اور سنوارا ہے پھر ان کو ان کی برائیوں اور بھلائیوں پر مطلع کیا۔

خدائے تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ میں ان کا خالق ہوں۔ اور ان کو عدم سے وجود میں لانے والا ہوں۔ ان کے تمام افعال اچھے یا برے سب میرے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے بعض لوگ پھر بھی یہی کہتے ہیں کہ روحیں غیر مخلوق ہیں یعنی ہمیشہ سے قائم ہیں۔ بعض حضرات اس میں کچھ ترمیم کر کے یوں کہتے ہیں کہ روح خود تو مخلوق، یعنی خدائے تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی ایک چیز ہے مگر اپنے الفاظ اور اپنی صفات کی یہ خود خالق ہے۔ یہ دونوں قول گمراہ لوگوں کے ہیں۔ یہ بات تو خوب اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ اگر روح قدیم یا غیر مخلوق ہوتی

روح اپنی ذات و وجود اور اپنی صفات و کمالات کے لئے کسی دوسرے کی محتاج نہ ہوتی حالانکہ اس کی ضرورت اور اس کی احتیاج ہم مشاہدہ سے معلوم کر چکے ہیں۔ اس لئے اس کو قدیم یا غیر فانی کہنا سراسر باطل ہوا۔ روح کا اپنے وجود و کمالات میں ذات خداوندی کی طرف محتاج ہونا بوجہ اُس کی ذات کے۔ نہ کہ کسی علت یا سبب کے ہے۔ اس لئے کہ یہ حالات سب اس کی ذات ہی کے ہیں۔ جیسے خدائے تعالےٰ کی ذات کے ساتھ بغیر کسی علت کے اس کا غنی ہونا اور خالق و موجد ہونا متحقق ہے پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے غنی ہیں اور روح اپنی ذات کے اعتبار سے فقیر ہے۔ خدائے تعالےٰ کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی غنا و بے پرواہی بے مثیل ہے وہ اپنی ربوبیت، سلطنت و کمالِ بزرگی میں بھی لاشریک یعنی منفرد ہے

روح کے مخلوق اور حادث ہونے کی ایسی ہی مسلّم دلیلیں ہیں۔ جیسے جسم کے حادث ہونے کی دلیلیں مسلّم ہیں۔ خدائے تعالےٰ نے ایک جگہ انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، اے لوگو! تم خدا کے فقیر و محتاج ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو سراسر غنی اور قابل ستائش ہے،، اس آیت میں فقیر و محتاج ہونا صرف بدن کے لئے نہیں کہا گیا۔ بلکہ روح اور بدن دونوں اس کے مخاطب ہیں اور جس غنا کا اس میں ذکر ہے وہ صرف اللہ ہی کی ذات کے لئے ہے۔ خدائے تعالےٰ نے اپنے بندوں کو بڑی واضح دلیلوں کے ساتھ رہنمائی فرمائی ہے۔ کہ اس بارے میں کوئی پیچیدگی نہیں چھوڑی۔ چنانچہ اُن کا ارشاد ہے

فلولا اذا بلغت الحلقوم و انتم حینئذٍ تنظرون ۔ و نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون فلولا ان کنتم غیر مدینین ترجعونہا ان کنتم صادقین

آیت کی تشریح یہ ہے:۔

اے لوگو! اگر تم کسی کی تربیت سے نشوونما نہ پاتے یا کسی کے حکم کے تابع نہ ہوتے اور اپنے تصرفات میں خود مختار ہوتے تو تمہاری رگیں اگر جسموں سے جدا بھی کر لیتیں تو تم ارواح کو پھر جسم میں داخل کر دیتے۔

مگر جیسا کہ ظاہر ہے انسان خود مختار نہیں ہے۔ اس کی روح اور اس کا جسم دونوں

احکامِ خداوندی کے تابع ہیں جس طرح وہ چاہتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے۔ اس کی روح بھی خدا کی پیدا کی ہوئی اور اُسی کی تربیت یافتہ ہے۔ موت کے بعد بھی خدا ہی کی مشیت سے جہاں وہ چاہے گی رہے گی۔

یہ دلیل جو روح کے بارے میں ابھی بیان ہوئی اس سے بھی اس کا مخلوق اور فانی ہونا ہی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ جس کی یہ شان ہو کہ زندگی میں اور بعد الموت بہر حال تابع فرمانِ خداوندی ہو۔ خود جو چاہت نہ کر سکے۔ وہ مخلوق کہلانے ہی کی مستحق ہوگی۔ تمام دلائل کو مطالعہ کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جو لوگ کتاب و سنت کے بارے میں علم ہی نہیں رکھتے اور اہلِ بدعت ہیں۔ ان کی بنیاد گمراہی پر ہے۔ اس لئے کہ ان کے پاس کوئی قابلِ تسلیم دلیل تو ہے نہیں۔ بس ہی اپنی روحوں اور اجسام کے بارے میں خیالات دوڑاتے رہتے ہیں۔ ان کے اس غلط طریقہ سے ان کی جہالت اور زیادہ ثابت ہو جاتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ جس کو ادنیٰ سی بھی سمجھ حاصل ہو وہ ایسی چیز کا انکار کرے کہ جس پر اس کا نفس اور اس کے حواس گواہی دے رہے ہوں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ آسمان و زمین بھی اس کے شاہد ہیں۔

اللہ تعالےٰ کی ایک نہیں بیسیوں نشانیاں موجود ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ روح مخلوق اور حادث ہے اور حق تعالےٰ اس کے پیدا کرنے والے اُس کو وجود عنایت فرمانے والے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کا انکار بھی کر دے۔ تب بھی بہت سی دلیلیں ایسی ہیں جنہیں عقلی طور پر ماننا ہی پڑتا ہے۔

فصل ۱۷

سلف و خلف میں روح کے بارے میں اختلاف

وہ گروہ جو روح کے غیر فانی اور ازلی ہونے کا قائل ہے وہ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ کو اپنی دلیل بناتا ہے جو معانیٔ قرآن اور اس کے منشاء سے بالکل دور ہے۔ اور یہ

سراسر گمراہی و بدعت ہے، قرآن شروع سے اخیر تک یہی ثابت کرتا ہے کہ حق سبحانہ روحوں کے پیدا فرمانے والے اور اُسے عدم سے وجود میں لانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے قول قل الروح من امر ربی "لفظ امر سے مراد ہر گز وہ حکم نہیں ہے جو نحویوں کی اصطلاح میں بولا جاتا ہے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ روح اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا نتیجہ ہے کہ جس میں اس نے صیغہ امر کن، فرمایا تھا۔ یہ روح امر نہوئی بلکہ مامور ہوئی اس طرح کا استعمال لغت عرب میں بہت سی جگہ پایا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن شریف میں بھی موجود ہیں۔ جیسا ایک جگہ آتا ہے"

اتیٰ امر اللہ فلا تستعجلوہ	امر الٰہی آ پہنچا پس اسے جلدی نہ کرو"

یہاں بھی امر سے مراد مامور ہے۔ جسے خدائے تعالیٰ نے مقرر فرمایا اور جس کا فیصلہ رکن کے لفظ کے ساتھ فرمایا اور حکم ملتے ہی وہ موجود ہو گیا، دوسری آیت ہے

لما جاء امر ربک	جب پہنچا تیرے پروردگار کا حکم

یہاں نبی کریم کو خطاب ہے کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبود بنائے ہوئے ہیں کہ جب خدائے تعالیٰ کا امر آئیگا تو تمہیں تمہارے یہ معبودان باطل نجات نہ دلا سکیں گے۔ امر کے معنی مامور ایک اور جگہ بھی قرآن میں موجود ہیں

وما امر الساعۃ الا کلمح البصر	قیامت کا معاملہ تو بس یہی پل بھر کا ہے

بالکل اسی طرح خلق بمعنی مخلوق بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے جنت کے لئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "انت رحمتی" غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قول "قل الروح من امر ربی" سے مراد بھی روح کو قدیم اور غیر فانی کہنے کی کوئی دلیل نہیں نکلتی۔ بعض بزرگوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مخلوقات کے اجسام میں اللہ تعالیٰ کا امر جاری ہوا اور اسی کی قدرت سے وہ قائم ہوا۔ یہ جب ہے کہ آیت مذکورہ بالا میں روح سے روح انسانی مراد لی جائے۔ گو اس میں سلف صالحین کا اختلاف ہے۔ مگر اکثر بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ تمام ہی اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں روح سے مراد روح بنی آدم

نہیں ہے۔ بلکہ وہ روح ہے۔ جس کے متعلق خدائے تعالےٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ کہ وہ روح قیامت کے روز فرشتوں کے ساتھ ایک بڑا فرشتہ ہوگا۔ ایک صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ ایک دن میں نبی کریم کے ہمراہ مدینہ کے نواحی میں جا رہا تھا۔ آپ خرمائی چھڑی پر ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے ہمارا گذر ہوا۔ ان میں بعض لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ ان سے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں دریافت کرو، بعض کی رائے یہ تھی۔ کہ ان سے کوئی بات نہ پوچھی جائے کیونکہ ممکن ہے وہ ایسا جواب دیں جو ہمارے خلاف ہو تو اس سے بہتر یہ ہے، کہ ان سے کچھ پوچھا ہی نہ جائے۔ مگر چند آدمیوں نے اُن میں سے طے کر لیا کہ ضرور پوچھا جائے۔ چنانچہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا "اے ابوالقاسم (یہ حضورؐ کی کنیت ہے) روح کیا چیز ہے۔ آپؐ نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی، حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ جناب کو وحی کا انتظار ہے لہذا میں اسی وقت آپ کے پاس سے اٹھ گیا، جب آپ پر وحی نازل ہو چکی تو آپ نے وحی سنائی:۔

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔	اے نبی کریمؐ یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ ان سے فرمادیجئے کہ روح اللہ کے حکم سے ہے اور تمہیں اس کے بارے میں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسی بات دریافت کرنا چاہتے تھے جس کا علم وحی سے ہی ہو سکتا تھا۔ پس یہ روح جو آیت میں مذکور ہے۔ وہی روح ہے جو اللہ کے پاس ہے اور اس کا علم صحیح طور پر خدا ہی کو ہے۔ بنی آدم کی روحوں کے بارے میں ان کا سوال نہ تھا۔ کیونکہ وہ کوئی غیبی امور سے نہیں ہیں۔ بہت سے فرقوں نے ان کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ایسی بات کا جواب دینا نبوت کی نشانیوں سے کیسے ہو سکتا تھا اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ یہود مدینہ کے پاس قریش کے

عقبہ بن ابی معیط اور عبداللہ بن ابی اُمیّہ بن مغیرہ کو بھیجا کہ اُن سے نبی کریمؐ کے متعلق دریافت کریں تو انہوں نے کہا کہ ہمارے اندر ایک آدمی ظاہر ہوا ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ وہ نہ تو ہمارے دین پر ہے اور نہ ہی تمہارے دین پر ہے۔ اس پر یہود نے کہا کہ ان کا اتباع کون لوگ کرتے ہیں۔ کہنے لگے کم درجے کے لوگ، کمزور، غلام اور وہ جنہیں کوئی مال و دولت حاصل نہیں۔ جہاں تک شریف لوگوں کا تعلق ہے۔ انہوں نے اس کا اتباع نہیں کیا ہے۔ یہود نے کہا کہ نبی کے خروج کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ وہ انہی صفات سے متصف ہوگا جو تم نے بیان کیں۔ پس جاؤ اور اُن سے ان تین چیزوں کے متعلق پوچھو جو ہم تمہیں بتاتے ہیں۔ اگر وہ تمہیں ان کی خبر دیں تو وہ سچے نبی ہیں۔ اور اگر وہ نہ بتلا سکیں تو وہ جھوٹے ہیں۔ اُن سے اس روح کے متعلق پوچھو۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے اندر پھونکی تھی۔ اگر وہ کہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تو اُن سے کہو کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیز کو کیسے عذاب دیتا ہے جو اسی کی طرف سے ہے۔ پس حضور اکرمؐ نے حضرت جبرائیلؑ سے روح کے متعلق پوچھا اسی پر حضرت باری تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی	لوگ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرے پروردگار کی طرف سے ایک امر ہے

مراد یہ کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں ہے۔ پھر انہوں نے یقیدحدیث ذکر کی اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے اسناد کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ یہ حضرت سدی کی تفسیر میں سے ہے۔ جسے وہ ابو مالک سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں نا مانوس وغیر مشہور باتیں ہیں۔ تمام مسندوں اور صحاح ستہ میں اس قصہ کا سیاق حضرت سدی کے بیان کردہ سیاق کے خلاف ہے

یہی قصہ اعمش اور مغیرہ بن مقسم نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ یہود کے سرداروں کے پاس سے گزرے جبکہ میں بھی اُن کے ساتھ ساتھ تھا۔ یہود نے حضور اکرمؐ سے روح کے متعلق پوچھا۔ آپؐ خاموش ہو گئے میں نے یہ گمان کیا کہ آپؐ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ تو اس کے بعد یہ آیت اُتری:-

ویسئلونک عن الروح - قل	آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں
الروح من امر ربی وما اوتیتم	کہ دیجئے کہ یہ امر ربی ہے۔ اور تمہیں اس کا
من العلم الا قلیلا	بہت کم علم دیا گیا ہے۔

اسی طرح سے حضرت عبداللہ کی قرارت میں ہے۔ اس پر یہود نے کہا کہ اسی طرح سے ہم توراۃ میں لکھا پاتے ہیں۔ کہ روح اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ اس کو حضرت مغیرہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ فرمایا کہ یہود آنحضرتؐ کے پاس آئے اور روح کے متعلق آپؐ سے پوچھا۔ آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت اتاری۔ یہ بیان حضرت سدی کی حدیث کے منعف پر اور اس بات کے کمزور ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ کہ یہ سوال مکہ میں ہوا تھا۔ کیونکہ یہ حدیث اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث دونوں اس بارے میں صریح ہیں کہ سوال مدینہ میں ہوا تھا۔ اور یہود نے کیا تھا۔ اگر یہ سوال مکہ میں پیش ہوتا تو حضورؐ اکرم خاموش نہ رہتے۔ اور منزل من اللہ کے ساتھ جواب دینے میں جلدی کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایات اس آیت شریفہ کی تفسیر میں بڑی الجھی ہوئی اور مضطرب ہیں۔ یا تو ایسا راویوں سے ہوا ہے۔ یا حضرت ابن عباسؓ کے ان اقوال ہی میں تردد گی ہے۔ کیونکہ سدی اور داؤد کی روایتوں میں اضطراب ہے۔

۱۔ زکریا سے روایت ہے۔ کہ یہود حضرت رسول اکرمؐ کے پاس آئے الحدیث۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے محمد بن نصر المروزی کے واسطہ سے روایت ہے۔ کہ قریش نے یہود سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی چیز بتاؤ۔ کہ ہم اس کے متعلق اس آدمی سے دریافت کریں۔ انہوں نے کہا کہ ان سے روح کے متعلق پوچھو۔ اس پر یہ آیت اتری یہ روایت ان کی اپنی ایک دوسری روایت اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے مخالف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے تیسری روایت یوں ہے۔ کہا جائے کہ روح اللہ کے امور سے ہے۔ اسکی مخلوق ہے۔ اور بنی آدم کی صورتوں کی طرح صورت ہے۔ ہر فرشتہ آسمان سے ایک روح لیکر آتا ہے"

یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بنی آدم کی روح کے علاوہ یہ کوئی اور روح ہے۔ چوتھا طریقہ روایت اس طرح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ویسئلونک عن الروح الی آخرہ یہ آیت قرآن بمنزلہ کن کے نازل ہوئی ہم بھی اسی طرح سے کہتے ہیں جس طرح اللہ نے فرمایا

ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں روح کے متعلق۔ فرما دیجئے کہ وہ میرے رب کا ایک امر ہے۔

ضحیف کی اس روایت کا سیاق جسے وہ حضرت عکرمہ سے روایت کرتے ہیں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ چار چیزوں کی تفسیر نہیں کیا کرتے تھے۔ الرقیم۔ الغسلین۔ الروح اور اللہ کے اس قول:۔

وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً	اللہ نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کیا۔

حضرت ابن عباسؓ سے پانچویں روایت یوں ہے۔ کہ یہود نے رسول اکرمؐ سے روح کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

قل الروح من امر ربی یعنی خلقا من خلقی وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً	آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے (یعنی اسکی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے) اور تمہیں اس کا بہت کم علم دیا گیا ہے

یعنی اگر تم سے اپنے نفسوں (ذوات) کی پیدائش، کھانے اور پینے کے مدخل اور اور ان کے مخرج کے متعلق پوچھا جائے تو اسکی صحیح تعریف بیان نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی اس کے بیان کرنے کی صحیح راہ پا سکتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کے بارہ میں چھٹی روایت اس طرح سے ہے۔ کہ قریش اکٹھے ہوئے، ایک دوسرے سے کہنے لگے بخدا حضرت محمدؐ جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ وہ ہم میں صدق و امانت کے ساتھ بڑھے اور پلے ہیں سو ایک جماعت کو یہود کی طرف بھیجو۔ کہ وہ ان سے (محمدؐ کے بارہ میں پوچھیں کیونکہ وہ ان کے متعلق خوشخبری دیا کرتے تھے۔ وہ ان کا ذکر اکثر کرتے تھے۔ ان کی بعثت

کا دعویٰ کرتے تھے اور ان کی نصرت کی اُمید رکھتے تھے۔ اس بات کا یقین رکھتے کہ وہ (محمد) ان کی طرف ہجرت کریں گے اور یہ کہ یہود ان کے انصار ہوں گے۔ قریش نے یہود سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تم ان سے تین باتیں پوچھو۔ ایک تو روح کے متعلق کہ تورات میں اس کا قصہ اور تفسیر نہیں ہے۔ مگر صرف روح کا نام ہے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت اُتاری ویسئلونک عن الروح ... الخ جس سے مراد اللہ کی مخلوق ہے

قرآن میں اسکی متعدد توجیہات ہیں

۱ الوحی جیسا کہ اللہ نے فرمایا

وکذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا۔	ہم نے اسی طرح اپنے امر سے آپ کی طرف وحی نازل کی۔

ایک دوسری جگہ فرمایا ہے

یُلقی الروح من امرہٖ علیٰ من یشاء من عبادہٖ	اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں اپنے امر سے وحی اتارتے ہیں

وحی کو روح اس لئے کہا گیا ہے کہ اس سے دلوں اور روحوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے

۲ قوت، ثبات اور نصرت جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں میں سے جس کو چاہے طاقت بخشتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ	یہ وہی لوگ ہیں جنکے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ڈالا اور انہیں اپنی طرف سے قوت بخشی

۳ جبرائیلؑ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک	جبرائیل امین قرآن لے کر آپکے دل پر اترا

اور ایک جگہ فرمایا ہے

من کان عدواً لجبریل فانہ نزلہ علیٰ قلبک باذن اللہ	جبرائیل کا جو کوئی بھی دشمن ہو۔ اس نے تو اللہ کے حکم سے قرآن آپکے دل میں اتارا۔

جبرئیل روح القدس ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

قل نزّلہ روح القدس	آپ کہدیجئے اسے روح القدس نے تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا۔

۴ الرّوح - وہی روح جس کے بارے میں یہود نے دریافت کیا تھا اور انہیں جواب دیا گیا تھا - کہ وہ اللہ کا ایک امر ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ آیت مذکورہ ذیل میں وہی روح مراد ہے

یوم یقوم الرّوح والملٰئکۃ صفًا لا یتکلّمون	اس دن روح اور فرشتے صف میں کھڑے ہوں گے۔ بات نہیں کر سکیں گے۔

اور

تنزّل الملٰئکۃ والرّوح فیھا باذن ربّھم	لیلۃ القدر میں فرشتے اور روح اپنے رب کی اجازت سے اترتے ہیں۔

۵ حضرت عیسٰی بن مریم

انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ	حضرت مسیح عیسٰی بن مریم تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں۔ اور اسی کی طرف سے روح ہیں۔ جو اللہ نے حضرت مریمؑ کو دیا۔

باقی جہاں تک بنی آدم کی ارواح کا تعلق ہے۔ تو انہیں قرآن میں نفس کا نام دیا گیا ہے فرمایا ہے۔

یٰایتھا النفس المطمئنۃ	اے مطمئن نفس
ولآ اقسم بالنفس اللوّامۃ	میں ایسے نفس کی قسم کھاتا ہوں جو اپنے اوپر ملامت کرے
انّ النفس لامّارۃ بالسّوء	بے شک نفس برائی کی طرف اکسانے والا ہے
اخرجوا انفسکم	اپنے نفسوں کو نکال ڈالو۔
ونفس وّما سوّٰھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا	قسم ہے جان کی اسکی اور جس نے اسے درست بنایا پھر بدکرداری اور پرہیزگاری کا اسکو القا کیا
کلّ نفس ذائقۃ الموت	ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے۔

باقی رہیں احادیث تو اُن میں نفس اور روح دونوں لفظ آئے ہیں۔ اور مقصود ان

دونوں سے یہ ہے کہ یہ اللہ کا ایک امر ہے۔ قدیم اور غیر مخلوق نہیں ہے

فصل ۲۷

"ونفخت فیہ من روحی سے استدلال"

جہاں تک اس آیت:-

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي — اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی

سے استدلال کرنے کا تعلق ہے۔ تو جاننا چاہیئے کہ اللہ سبحانہٗ کی طرف سے اضافتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جو بذاتِ خود قائم نہیں ہوتیں۔ مثلاً علم، قدرت، کلام، سمع اور بصر وغیرہ تو یہ اضافتِ صفت الی المتصف ہے۔ لہٰذا اس کا تکلم و کلام، اس کا ارادہ۔ اس کی زندگی یہ صفات غیر مخلوق ہیں۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا چہرہ اور ہاتھ بھی

دوسری قسم اضافت ایسے ارکان کی ہے۔ جو اس سے جدا ہیں مثلاً گھر، اونٹنی، غلام، رسول، روح وغیرہ۔ تو یہ مخلوق کی اضافت اپنے خالق کی طرف ہے۔ اور صفت کی اضافت اپنے صانع کی طرف ہے۔ یہ اضافت تخصیص و تشریف کی مقتضی ہے۔ جس سے مضاف دوسروں سے متمیز ہو جاتا ہے۔ مثلاً اللہ کا گھر۔ اگرچہ تمام گھر اس کی ملک ہیں۔ اسی طرح سے اللہ کی اونٹنی۔ حالانکہ تمام اونٹنیاں اس کی مخلوق ہیں۔ لیکن یہ اضافت ایک خاص قسم کی ہے۔ جو محبت، تکریم و تشریف کی مقتضی ہے۔ بخلاف ربِ تعالیٰ کی طرف اس عام اضافت کے جس سے اس کے مخلوق ہونے کا پتہ چلتا ہے

پس عام اضافت ایجاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور خاص اضافت اختیار اور پسند کے معنی کی حامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ — اور تیرا رب جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند کرتا ہے

اور روح کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت بھی اسی خاص اضافت سے ہے نہ کہ عام اضافت

سے اور نہ ہی یہ صفات کی اجازت کے بارے ہے۔ پس اس جگہ غور و فکر کرو کیونکہ یہ تمہیں بہت سی گمراہیوں سے نجات دیگا۔ جن میں تمام وہ لوگ پڑے ہیں۔ جنہیں اللہ نے چاہا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي | اور میں نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔

جہاں اللہ نے نفخ روح کو اپنی طرف منسوب و مضاف کیا ہے اور یہ امر اللہ تعالیٰ سے اتصال کا متقاضی ہے۔ جیسا کہ اس ٹکڑے میں بھی فرمایا ہے

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ | جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

سو اس کا فرق حضورؐ کی اس حدیث صحیح میں موجود ہے۔ کہ لوگ حضرت آدمؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ آدم ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے اس نے آپ میں اپنی طرف سے روح ڈالی ہے، ملائکہ نے آپ کو سجدہ کیا۔ اور اس نے آپ کو ہر چیز کا نام سکھایا۔ پس یہاں حضرت آدمؑ کے چار خصائص کا انہوں نے ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔ اگر ان کی روح وہ ہوتی جسے فرشتہ کسی میں ڈالتا ہے۔ تو وہ ان صفات کی وجہ سے ممتاز نہ ہوتے اور وہ حضرت مسیحؑ بلکہ ساری اولاد (بنی آدم) کی طرح، اور انہی کے مساوی ہوتے کیونکہ تمام بنی آدم میں فرشتہ کی روح پھونکنے کی وجہ سے روح موجود ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي | پھر جب میں اسے درست کر چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح ڈال دی۔

سو یہ وہی ذات ہے جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی۔ کہا گیا ہے۔ کہ یہ وہی مقام ہے۔ جہاں سے اس گروہ نے روح کے قدیم ہونے کا معنیٰ لیا ہے، اور دوسروں نے یہاں توقف کیا اور قرآن کی مراد نہ سمجھ سکے باقی رہا روح کا رب تعالیٰ کی طرف مضاف ہونا تو یہ وہی روح مخلوق ہے جس کو اللہ نے اپنی طرف اضافت تخصیصی اور تشریفی کے طور پر مضاف کیا جیسا کہ ہم نے کھول

کہ بیان کر دیا اور جہاں تک نفخِ روح کا تعلق ہے۔ تو دیکھئے اللہ نے حضرت مریمؑ کے بارے میں فرمایا ہے۔

اَلَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔	وہ مریم جنہوں نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا۔ تو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنی روح پھونک دی

اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر اس کی خبر دے چکا ہے۔ کہ اس نے حضرت مریمؑ کی طرف ایک فرشتہ بھیجا تھا۔ جس نے ان کے چاک گریبان میں روح پھونک دی تھی۔ تو یہاں نفخ اللہ کی طرف حکم اور اجازت کے طور پر مضاف ہے۔ اور فرستادہ کی طرف براہِ راست مضاف ہے۔

یہاں دو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر یوں کہا جائے کہ جب حضرت مریمؑ میں اس فرشتے کی جہت سے نفخِ روح ہوا جو سارے آدمیوں میں روح پھونکتا ہے تو حضرت مسیحؑ کو رُوح اللہ کہنے کی کیا وجہ ہے۔ اور جب تمام لوگوں کی روحیں اس روح کی جگہ لے سکتی ہیں تو حضرت مسیحؑ کی کیا خصوصیت ہے؟ دوسری بات یہ ہے، کہ اگر کہا جائے کہ کیا حضرت آدمؑ سے روح کا تعلق اس روح پھونکنے کے واسطہ سے ہے۔ جیسے فرشتہ نے اللہ کے حکم و اجازت سے اس میں ڈالا جیسا کہ مریمؑ کے اندر روح ڈالی، یا رب تعالیٰ ہی نے بنفسِ نفیس روح پھونکی۔ جس طرح کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ کہا گیا ہے۔ کہ یہ دونوں سوال بہت اہم ہیں۔ پہلے کا جواب یہ ہے۔ کہ جو روح حضرت مریمؑ میں پھونکی گئی۔ وہ وہی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب و مضاف روح ہے۔ جسے اللہ نے اپنے لئے مخصوص کر دیا اور اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ یہ روح تمام ارواح سے خاص ہے۔ یہ وہ نہیں ہے۔ جسے ایماندار اور کافر اور تمام حاملہ عورتوں کے پیٹوں میں ڈالنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے کیونکہ اللہ نے ایک فرشتہ مقرر کیا ہے۔ جو رحم کے اندر بچوں میں روح ڈالتا ہے پھر وہ پیدا ہونے والے کا رزق۔ اس کی موت، عمل بدبختی و سعادت لکھتا ہے۔ لیکن یہ روح جو حضرت مریمؑ کی طرف بھیجی گئی تھی۔ یہ اللہ کی روح تھی۔ جسے اس نے

اپنے لئے چن لیا تھا۔ یہ نفخ باپ کی مانند تھا۔ کیونکہ اس کے چاکِ گریبان میں روح کا پھونکنا بغیر وطی کے جماع کے بمنزلہ تھا۔ اور جہاں تک حضرت آدمؑ کے اختصاص کا تعلق ہے تو انہیں حضرت مسیح کی طرح ماں کے ذریعے پیدا نہیں کیا۔ نہ باقی ساری مخلوق کی طرح ماں اور باپ دونوں سے پیدا کیا اور نہ ہی یہ وہ روح ہے۔ جسے اُس فرشتہ نے جو اُس کی ساری اولاد (بنی آدم) میں روح ڈالتا ہے۔ اس میں اللہ کی اجازت سے ڈالا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر حضرت آدمؑ کو دوسروں پر کوئی خصوصیت حاصل نہ ہوتی۔ اس چیز کا ذکر حدیث میں ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہیں۔ اور وہ چار چیزیں ہیں۔ اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا (پیدا کیا) اپنی جانب سے اس میں روح ڈالی۔ فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا۔ اور اللہ نے انہیں تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے۔ سو اللہ تعالیٰ کا اس میں اپنی روح پھونکنا تین چیزوں کو مستلزم ہے۔ نافخ (روح پھونکنے والا) نفخ (روح پھونکنے کا عمل) اور منفوخ (جس روح پھونکی گئی) سو پھونکی جانے والی چیز وہی روح ہے۔ جو اللہ کی طرف مضاف ہے۔ پھر نفخ روح حضرت آدمؑ کے پتلے میں سرایت کر گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی اس پتلے میں وہ روح ڈالی۔ یہی ہے جس پر نص قرآن دلالت کرتی ہے۔ اور باقی رہا اس نفخ روح کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست عمل میں آنا تو یہ اسی طرح ہے۔ جس طرح اس نے آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ یا یہ کہ روح اس کے حکم سے ان کے جسم میں حاصل ہوئی۔ جس طرح کہ حضرت مریمؑ کے شکم میں حاصل ہوئی تھی۔ مگر اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اپنے ہاتھ سے پیدا کرنے اور اس میں اپنی روح پھونکنے میں فرق یہ ہے کہ ہاتھ غیر مخلوق ہے، اور روح مخلوق ہے، اور پیدا کرنا اللہ کے افعال میں سے ایک فعل ہے جہاں تک نفخ روح کا تعلق ہے۔ تو کیا یہ اس کے ان افعال میں سے ہے۔ جو اس کے ساتھ قائم ہیں۔ یا اس کے اُن مفعولات میں سے ہے۔ جو اس کے بغیر قائم ہیں۔ اور اس سے جدا ہیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں یہ نفخ حضرت مریمؑ کے اندر روح ڈالنے کے برخلاف ہے کیونکہ یہ اس کے

مفعولات میں سے ہے اور اسے اسی لئے اپنی طرف مضاف کیا ہے کہ یہ اس کے حکم اور اجازت سے ہوا ہے۔ تو کیا حضرت آدمؑ میں نفخ روح اللہ کا فعل ہے یا مفعول ہے۔ بہر تقدیر وہ روح جو اس نے آدمؑ میں ڈالی مخلوق غیر قدیم اور حادث ہے۔ اور حضرت آدمؑ کی روح عیسیٰؑ کی روح کا مادہ ہے۔ پس اُن کی روح بدرجۂ اولیٰ حادث و مخلوق ہوگی اور یہی ہمارا مقصود تھا۔

فصل ۲۳

اٹھارھواں مسئلہ یعنی روح کا جسم سے پہلے پیدا ہونا یا بعد میں پیدا ہونا

اس میں دو مشہور قول ہیں۔ جنہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ان لوگوں میں سے جو روح کی پیدائش کے لحاظ سے مقدم ہونے کے قائل ہیں۔ محمد بن نصر مروزی اور ابو محمد بن حزم ہیں۔ ہم یہاں دونوں فریقوں کے دلائل بیان کرتے ہیں۔ اور ان میں سے جو راجح ہے۔ اس کو بھی ذکر کرتے ہیں۔ جو لوگ روح کے مقدم ہونے کے قائل ہیں اُن کی دلیل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا	بالتحقیق ہم نے تمہاری تخلیق کی۔ پھر صورت بخشی اسکے بعد ہم نے فرشتوں کو سجدہ کیلئے کہا سو انہوں نے سجدہ کیا

وہ کہتے ہیں۔ کہ ثُمَّ کا لفظ ترتیب اور مہلت کے لئے ہے۔ تو اس طرح سے آیت اس معنیٰ کو متضمن ہے۔ کہ فرشتوں کو حکم دینے سے روح کی تخلیق مقدم ہے۔ اور یہ یقینی طور پر معلوم ہے۔ کہ اس کے بعد ہمارے بدن پیدا ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ ارواح ہی ہیں جن کی تخلیق پہلے ہوئی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اس دعویٰ پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دال ہے

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ	اور جب کہ رب نے اولادِ آدمؑ کی پشت سے اُن کی اولاد کو نکالا اور اُن کے متعلق اقرار لیا۔ کہ کیا

عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے برابر یا کیوں نہیں
اس قرآنی دلیل سے نتیجہ کے طور پر وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ زبانی اقرار اور شہادت طلبی روحوں
سے ہی تو ہوئی تھی۔ کیونکہ اس وقت اجسام وابدان تو موجود بھی نہ تھے۔ مؤطا میں ہے
کہ حضرت عمر بن خطاب سے اس آیت مذکورہ بالا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا
کہ میں نے حضرت رسول اکرمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا۔ اپنا
دایاں ہاتھ اس کی کمر پر پھیرا اور اس سے اس کی اولاد کو نکالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ انہیں میں نے (جہنم کی) آگ کے لئے پیدا کیا ہے۔ یہ جہنمی لوگوں کا عمل کریں گے۔
اور ان دوسروں کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے، اور جنتی لوگوں کا عمل کریں گے۔ اس
پر ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہؐ پھر عمل کاہے کے لئے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ
نے جس کسی کو جنت کے لئے پیدا کیا تو اس سے عمل بھی اہل جنت والے کرائے گا۔ یہاں
تک کہ وہ شخص اہل جنت کے اعمال ہی پر فوت ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ اسے جنت میں
داخل کریں گے۔ اور جس کسی کو دوزخ کے لئے پیدا کیا تو اس سے اہل دوزخ کے سے
اعمال کرائے گا۔ حتیٰ کہ اس کی موت انہی اعمال پر ہوگی۔ اور وہ اسے دوزخ میں داخل کریگا۔
حاکم فرماتے ہیں۔ کہ یہ حدیث امام مسلمؒ کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ امام حاکمؒ نے
حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً ہشام بن زید کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے۔ کہ جب
اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو ان کی پشت
سے تمام روحیں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ ذرات کی مانند گر پڑیں
پھر اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی ایک کرن بنائی
اس کے بعد انہیں حضرت آدمؑ کے سامنے پیش کیا تو آدمؑ نے پوچھا کہ یا الٰہی یہ کون ہیں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد ہے۔ انہوں نے ایک آدمی دیکھا جس کی دونوں
آنکھوں کے درمیان کی روشنی انہیں بہت بھائی اور خوش لگی۔ پوچھا یہ کون ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرا بیٹا داؤدؑ ہے۔ جو آخری امتوں میں ہوگا۔ حضرت آدمؑ نے پوچھا کہ اس
کی کتنی عمر مقرر کی ہے۔ فرمایا ساٹھ سال۔ حضرت آدمؑ نے عرض کی کہ میری عمر میں سے چالیس

سال اس کی عمر میں زیادہ کر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ایسا لکھ دیا گیا اور پختہ کر دیا گیا تو اس میں تبدیلی نہیں ہو گی۔ پس جب حضرت آدمؑ کی عمر پوری ہو گئی۔ تو ملک الموت آن پہنچا۔ حضرت آدمؑ نے پوچھا کیا میری عمر میں سے چالیس سال ابھی باقی نہیں رہ گئے۔ تو فرشتے نے کہا کہ کیا آپ نے اپنے بیٹے داؤدؑ کو نہیں دیدیئے تھے؟ اس کے بعد راوی کہتا ہے۔ کہ حضرت آدمؑ نے انکار کر دیا۔ پس ان کی اولاد بھی انکار کرنے لگی۔

وہ بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھولنے لگی۔ وہ چوک گئے تو ان کی اولاد بھی بھول چوک کرنے لگی۔ یہ حدیث امام مسلمؒ کی شرط پر ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح بتایا ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت دین اتری تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت آدمؑ نے انکار کیا۔ محمد ابن سعد نے اس روایت میں اور زیادہ کیا ہے۔ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کیلئے ہزار سال اور حضرت داؤدؑ کے لئے سو سال مکمل کر دیئے۔ حضرت اُبی بن کعبؓ۔ آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ ... الآیۃ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والی تمام مخلوق کو جمع کیا۔ پھر انہیں روحیں بنایا۔ اس کے بعد انہیں جسم بخشا۔ انہیں گویائی عطا کی تو وہ باتیں کرنے لگے۔ ان سے عہد اور میثاق لیا۔ اور اُن سے ان کے اپنے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کیوں نہیں ہم سب گواہ ہیں۔ تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یہ نہ کہنے لگو کہ ہم تو محض بے خبر تھے۔ فرمایا کہ میں تم پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں اور تمہارے باپ آدمؑ کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں یہ عہد اور میثاق یاد دلاتے رہیں گے۔ اور تم پر اپنی کتابیں بھیجوں گا۔ سب نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور الٰہ ہے۔ اور تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ پھر حضرت آدمؑ کو ان کے سامنے لایا گیا۔ تو انھوں نے ان میں فقیر دیکھے۔ غنی دیکھے خوش شکل اور اس کے برعکس دیکھے حضرت آدمؑ نے عرض کی کیا ہی اچھا ہوتا اگر اپنے تمام بندوں کو آپ برابر اور ایک جیسا بنا دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے یہ پسند ہے۔ کہ میرا شکر ادا کیا جائے۔

حضرت آدمؑ نے ان میں انبیاء کو چراغ کی مانند دیکھا۔ جنہیں ایک دوسرے سے مہد سے مخصص کیا گیا تھا۔ یہ عہد رسالت و نبوت کا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ	اور ہم نے تمام پیغمبروں سے اقرار لیا اور آپؐ سے اور حضرت نوحؑ سے بھی۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔	تو تم یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی طرف رکھو اللہ کی دی ہوئی قابلیت و صلاحیت کا اتباع کرو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کے لئے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا تبدیلی نہیں ہے

فرماتے ہیں:۔

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰی	یہ بھی پہلے پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر ہیں ڈرانے والے

فرماتے ہیں۔

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَا اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ۔	اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم و نافرمان ہی پایا۔

حضرت عیسیٰؑ کی روح بھی ان ارواح میں سے ہے۔ جن سے اللہ نے عہد لیا۔ پس اللہ نے یہ روح حضرت مریمؑ کے پاس بھیجی۔

اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا	جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ایک مشرقی مکان میں گئیں اور وہاں ان میں یہ روح داخل ہو گئی۔

ہشام بن حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت رسول مکرمؐ سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ! کیا اعمال شروع ہوں گے یا تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو ان کی پشت سے نکالا تو اُن سے اپنے متعلق عہد لیا۔ پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں میں روحیں لے کر کہا۔ یہ جنتی ہیں۔ اور یہ دوزخی ہیں۔ پس اہل جنت کو جنتیوں کا عمل میسر ہے اور اہل دوزخ کیلئے دوزخیوں

کا عمل آسان ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی تخلیق کا ارادہ کیا تو پھر اس سے کہا کہ تیرے نزدیک میرا کونسا ہاتھ زیادہ محبوب ہے جس میں تیری اولاد کو تجھے دکھاؤں۔ عرض کی۔ میرے رب کا دایاں ہاتھ اور میرے رب تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلایا تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ اس میں حضرت آدمؑ کی ساری اولاد ہے جسے اللہ تعالیٰ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ تندرست اپنی حالت میں ہے مصیبت زدہ اپنی صورت پر اور انبیاء اپنی ہیئت پر۔ عرض کی کہ ان سب کو تو نے عافیت کیوں نہیں بخشی، فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے۔ کہ میں شکر کیا جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو لپیٹ کر کہا اے آدم تو چن لے۔ عرض کی کہ میں نے اپنے رب تعالیٰ کا داہنا ہاتھ چن لیا اور تیرے تو دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ پس جب اُسے پھیلایا تو اس میں ذریت آدمؑ تھی۔ حضرت آدم نے عرض کی یہ لوگ کون ہیں۔ فرمایا یہ وہ ہیں۔ جنہیں تیری اولاد میں قیامت برپا ہونے تک پیدا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور انہیں جنتی ٹھیرایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو کمر پر ہاتھ پھیرا جس سے تمام روحیں جنہیں حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ پشت سے نیچے گر پڑیں۔

حضرت ابن عباس نے آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ ..... الآیۃ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پیٹھ کو چھوا۔ جس سے ان کی کمر سے وہ تمام روحیں نکل پڑیں۔ جنہیں قیامت تک اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے۔ اس وادی نعمان میں جو عرفہ کے پیچھے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کیوں نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ نے انہیں اس طرح پکڑا جس طرح کہ سر میں کنگھی پکڑی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے دائیں کندھے

پر ایک ضرب لگائی تو تمام نفوس جو جنت کے لیے پیدا ہونے والے تھے۔ سفید چیونٹیوں کے ساتھ نکل پڑے۔ فرمایا یہ جنتی لوگ ہیں۔ پھر بائیں کندھے پر ضرب لگائی تو اس سے کالے رنگ کے نفوس جنہیں دوزخ کے لیے پیدا کیا گیا تھا نکل پڑے۔ فرمایا یہ دوزخی لوگ ہیں۔ پھر ان تمام سے اس بات کا اقرار لیا کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں گے۔ اس کی معرفت حاصل کریں گے۔ اس کا حکم مانیں گے۔ اس کی تصدیق کریں گے۔ اور اُن سے اُن کے اپنے متعلق گواہی لے لی۔ پس تمام بنی آدم ایمان لے آئے۔ تصدیق کی۔ پہچانا اور اقرار کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ متعدد صحابہ سے اس آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ ..... الایۃ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جنت سے نکالا تو اس سے قبل کہ وہ آسمان سے نیچے اتریں اُن کی کمر کی سطح کے دائیں حصہ پر ہاتھ پھیرا اور اس سے اُن کی اولاد مؤنثوں کی طرح سفید چیونٹیوں کی طرح نکل پڑی اُن سے کہا تم میری مہربانی سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اور اُن (حضرت آدمؑ) کی پشت کے بائیں حصہ کو چھو کر اس سے چیونٹیوں کی صورت میں کالی اولاد نکال ڈالی پھر اُن سے کہا تم دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ مجھے اسکی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اصحاب الیمین (دائیں والے) اور اصحاب الشمال (بائیں والے) کہا جاتا ہے۔ پھر ان سے عہد لیا۔ فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کیوں نہیں۔

تو کچھ لوگوں نے تو خوشی خوشی یہ عہد کر لیا۔ اور ایک گروہ نے تقیہ کے پیش نظر بادلِ ناخواستہ وعدہ کر لیا۔ اللہ نے اور اُسکے فرشتوں نے کہا کہ ہم شاہد ہیں۔ تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔ یا یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے قبل ہمارے آباد مشرک تھے اور اُن کے بعد ہم اُن کی اولاد تھے۔ پس آدمؑ کی اولاد میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ اور جو مشرک ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ ہم نے اپنے آباؤ کو اسی دین پر پایا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ ... الآیۃ اور جبکہ اللہ نے بنی آدم سے وعدہ لیا ... الآیۃ

اور :-

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

زمین و آسمان میں جس قدر بھی ہیں۔ سب خوشی سے یا بادلِ ناخواستہ جھک گئے اور اللہ کے مطیع ہیں

اور:-

فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ

پس اللہ کے لئے زبردست و غالب دلیل ہے سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت بخشتا

ابن مسعودؓ نے کہا یعنی اس دن جبکہ عہد لیا تھا۔

محمد بن کعب القرظی آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ ۔۔۔ الخ کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ جسموں کی پیدائش سے پہلے روحوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور معرفت کا اقرار کیا، حضرت عطاءؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے نکالا گیا۔ جبکہ اُن سے اللہ نے عہد لیا۔ پھر اُس کی صلب میں انہیں واپس لوٹا دیا گیا۔

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کی پیدائش کے دن اُن کی پشت سے وہ تمام مخلوق جو قیامت برپا ہونے کے وقت تک ہوتی رہیگی۔ چیونٹیوں کی مانند نکالی۔ پھر اُن سے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے کہا کیوں نہیں فرشتوں نے کہا اس پر ہم گواہ ہیں۔ تاکہ قیامت کے روز تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم تو اس سے غافل و بے خبر تھے۔ پھر اپنے دائیں ہاتھ میں مٹھی بھری اور فرمایا کہ یہ جنت میں جائیں گے۔ دوسری مٹھی بھر کر فرمایا کہ یہ دوزخ میں جانے والے ہیں

حضرت یحییٰ (وہ نہیں جو سعید کے بیٹے ہیں) فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ابن المسیبؒ سے کہا کہ عمر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ فرمایا اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے ایک حدیث بیان کر دوں جو حق ہے بے شک اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو انہیں ایک ایسی کرامت دکھائی۔ جو اپنی مخلوق میں سے کسی اور کو نہ دکھائی تھی وہ یہ کہ حضرت آدمؑ کو تمام روحیں جنہیں اُن کی اولاد میں سے یوم قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ دکھا دیں۔ راوی کہتا ہے۔ کہ جو کوئی تمہیں یہ حدیث سنائے اور اس

میں کوئی کمی بیشی کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ اگر میرے ستر بچے ہوتے تو میں پرواہ نہ کرتا

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا زمین و آسمان کی تمام مخلوق طوعاً و کرہاً اسکی مطیع ہو گئی

ابو العالیہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ اس دن ہوا جس دن کہ اللہ نے عہد لیا تھا۔

اسحاق فرماتے ہیں۔ کہ اس وقت تمام لوگ مقر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس نے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں تو سب نے کہا کیوں نہیں۔

اللہ تعالیٰ اُسی سے خطاب کرتے ہیں۔ جو اس کا خطاب سمجھے۔ اور وہی جواب دیتا ہے۔ جو سوال سمجھے۔ سو اُن کا جواب (قالوا بلیٰ) اس بات کی دلیل ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوال کو سمجھا، اور اللہ کے قول (اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ) پر اُن سے شہادت طلبی کی گئی اور انہوں نے اس کو سمجھا۔ سو تخاطب کو سوچنے اور سمجھنے کے بعد انہوں نے (بلیٰ کہکر) جواب دیا یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔

فصل ۴۲

عمرو بن عیینہ کی روایت سے استدلال

آپ نے عمرو عیینہ کی اس روایت سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں

میں نے رسول اکرم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا

کہ اللہ تعالےٰ نے بندوں کی روحوں کو بندوں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ سو ان میں سے جو ایک دوسرے کو پہچان گئیں۔ وہ آپس میں مالوف ہو گئیں۔ اور جو ایک دوسرے سے اجنبی اور ناآشنا رہیں۔ وہ ایک دوسرے کی مخالف ہو گئیں۔ یہ ہے ان دلائل کا کچھ حصہ جس سے ان لوگوں نے حجت پکڑی ہے۔ فریق مخالف کہتا ہے کہ تمہارے ساتھ دو مقاموں پر ہمیں کلام ہے۔ ان میں سے ایک تو روحوں کی اجسام کے بعد تخلیق پر دلیل کا ذکر ہے۔ دوسرے اس کا جواب جسے تم نے دلیل ٹھہرایا ہے۔ اب جہاں

تک پہلے مقام کا تعلق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی	اے لوگو! تمہیں ہم نے نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے

یہ اس انسان کو خطاب ہے۔ جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ والدین کے پیدا ہونے کے بعد اس (انسان) کا مجموعہ پیدا کیا گیا۔ اس سے بھی واضح اللہ کا یہ قول ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ	اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ پھر اس سے جوڑا پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اللہ سے ڈرو۔

یہ آیت اس معنی میں صریح ہے کہ مجموعہ بنی نوع انسان اصل کی تخلیق کے بعد پیدا کیا گیا۔ یہاں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ آیت اس بات کی نفی نہیں کرتی کہ ارواح جسموں سے پہلے پیدا کی گئیں۔ اگرچہ حضرت آدم ابوالبشر کی تخلیق کے بعد پیدا کی گئیں۔ جیسا کہ وہ احادیث جو پہلے ذکر کی گئی ہیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا ہے (ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے) کہ مذکورہ احادیث بے شک روحوں کی جسموں پر مستقل اور ثابت و قائم سبقت پر دلالت نہیں کرتیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ صحت اور ثبوت کے بعد یہ آثار اس پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ روحوں کے پیدا کرنے والے اور فاطر سبحانہٗ وتعالیٰ نے روحوں کو ایک صورت دی۔ ان کی پیدائش، موت اور اعمال کو مقدر کیا۔ اور ان صورتوں کو ان کے مادہ سے نکالا۔ پھر اس میں لوٹا دیا۔ پھر ان کے افراد میں سے ہر فرد کے مقدر وقت میں نکلنے کو اندازہ کر لیا۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ مستقل طور پر پیدا کی گئیں۔ پھر تمام وہاں ہی ایک جگہ پر ہمیشہ زندہ جیتی اور بولتی رہیں۔ اور اس کے بعد انہیں ابدان میں گروہ گروہ کر کے بھیجا گیا۔ جیسا کہ ابو محمد بن حزم نے کیا ہے۔ تو کیا یہ آثار اس معنی کو متضمن ہیں۔ جس کا احتمال مشکل ہے۔

کیا خوب ہے وہ رب تعالیٰ جو پہلے ان ارواح کو گروہ گروہ کر کے اس طور پر جس کی تقریر پیچھے گزر چکی ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی خارجی تخلیق عین اس تقدیر سابق کے مطابق کے مطابق پڑتی ہے۔ جیسے کہ باری تعالیٰ کی تمام مخلوقات کے سلسلہ میں یہی شان ہے کیونکہ وہ ان کے لئے ان کی اقدار اُن کی اموات، اور اُن کی صفات و ہیئات مقدر کر دیتا ہے۔ پھر انہیں ان کے وجود میں عین اس تقدیر کے مطابق ظاہر کرتا ہے۔ جو ان کے لئے مقدر کر رکھی تھی۔ اس میں کمی بیشی نہیں کرتا۔ پس آثار مذکورہ قدر سابق کے اثبات پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اس کا ثبوت و دلیل ہیں۔ کہ حق سبحانہٗ نے ان کی مثالی صورتیں نکالیں۔ انہیں صورت بخشی اور اہل سعادت کو اہل شقاوت سے ممیز کر دیا، اور باتی رہا اُن سے خطاب کرنا، بلوانا۔ ان سے اپنی ربوبیت کا اقرار لینا۔ اور اُن سے اس کی شہادت لینا کہ وہ عبادت کریں گے۔ سلف میں سے جنہوں نے کہا ہے۔ کہ یہ آیت سمجھنے پر مبنی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں تو آیت میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ بلکہ آیت تو اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔ اور جہاں تک مالک کی حدیث کا تعلق ہے۔ تو ابو عمرو نے کہا ہے۔ کہ وہ حدیث منقطع ہے۔ کیونکہ مسلم بن یسار حضرت عمر بن الخطاب سے کبھی نہیں ملے۔ اور ان دونوں کے درمیان نعیم بن ربیعہ ہے۔ جس پر باوجود اس اسناد کے حجت نہیں کی جا سکتی۔ مسلم بن یسار مجہول ہے۔ کہا گیا ہے۔ کہ وہ مدنی ہے۔ اور وہ مسلم بن یسار البصری نہیں ہے۔ ابو خثیمہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے یحییٰ بن معین کے سامنے مالک کی یہ حدیث عن زید بن ابی انیسہ پڑھی تو انہوں نے مسلم بن یسار کے متعلق لکھا کہ وہ مجہول ہے۔ پھر نسائی کی حدیث میں بھی ابو عمرو ہے۔ ابو عمرو کہتے ہیں کہ نعیم بن ربیعہ نے اس حدیث میں جو کچھ زیادہ کیا ہے۔ وہ حجت نہیں ہے۔ جن لوگوں نے زیادتی نہیں کی وہ قوی الحفظ ہیں اور زیادتی تو قوی الحفظ انسان سے قبول کی جاتی ہے۔ اس حدیث کے بارے میں خلاصۂ قول یہ ہے۔ کہ اس حدیث کی اسناد قائم نہیں ہیں۔ کیونکہ مسلم بن یسار اور نعیم بن ربیعہ دونوں غیر معروف ہیں۔ لیکن اس کے معنی کئی اور وجوہ ثابتہ

سے حضور اکرمؐ سے ثابت ہیں۔ جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ وغیرہ اور ایک بڑی جماعت نے اسے روایت کیا ہے۔ ابو عمرو کی مراد وہ احادیث ہیں جو قدر سابق پر دلالت کرتی ہیں۔ پس حضرت عبداللہ بن عمر سے قدر کے بارہ میں حدیث ذکر کی اور آخر میں کہا۔ کہ قبیلہ مزینہ اور جہینہ میں سے ایک آدمی نے رسول اکرمؐ سے پوچھا پھر عمل کس لئے ہے؟ تو فرمایا کہ اہل جنت کو جنتیوں کا عمل میسر ہے۔ اور اہل دوزخ کو دوزخیوں کا کہا۔ قدر کے یہی معنی حضرت رسول اکرمؐ سے علی بن ابی طالب، ابی بن کعبؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ۔ ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعیدؓ ابو ذر غفاریؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ۔ عبداللہ بن عمروؓ۔ عمران بن حصینؓ، عائشہؓ انس بن مالکؓ۔ سراقہ بن جعشمؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبادۃ بن صامتؓ نے بیان کئے ہیں۔ ان حضرات کی اکثر احادیث متفرق طرق والی ہیں۔ پھر ان میں سے اکثر کا سیاق اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حضرت ابو صالح کی حدیث جسے وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ذریت آدمؑ کے نکلنے اور چیونٹیوں کی صورت میں متشکل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جن میں سے کچھ سمجھدار تھے اور کچھ تاریک اس حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کیا اور انہیں ایک جگہ پر قرار دیا۔ پھر وہ ہر روح کو اس کے بدن کے حادث ہو جانے کے بعد اس کی طرف بھیج دیتا ہے۔ ہاں یہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ ہر بدن کو اس روح کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہے۔ جس کو اس کے لئے خلق ارواح کے وقت مقدر کر دیا تھا۔ یا یوں ہے۔ کہ اس نے اس وقت ہر بدن کا نفس پیدا کیا پھر انکی پیدائش سے فارغ ہونے کے بعد بدن سے الگ ایک مکان میں ان نفوس کو بھیج دیا۔ یہاں تک کہ جب بدن حادث ہو گیا۔ تو اس نفس کو اس مکان سے اسکی طرف بھیج دیا ان احادیث میں سے کوئی حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی۔ البتہ رہی ابی بن کعب کی حدیث سو وہ حضور اکرمؐ سے مروی نہیں ہے۔ خواہ وہ صحیح ہو یا نہ ہو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ابی بن کعب کا کلام ہے نیز اس اسناد کے ساتھ بڑی بڑی

عجیب و غریب چیزیں بیان کی جاتی ہیں۔ مرفوع بھی اور موقوف بھی۔ ابو جعفر رازی کو ثقہ بھی کہا گیا ہے۔ اور اسکی تضعیف بھی کی گئی ہے۔ علی بن المدینی نے اسے ثقہ کہا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے۔ کہ وہ غلط ملط کرتا تھا۔ ابن معین نے اسے ثقہ کہنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا ہے۔ کہ وہ لکھنے میں خطا کرتا تھا۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ کہ وہ قوی نہیں ہے، اور یہ بھی کہا ہے۔ کہ وہ حدیث اچھی بیان کرتا ہے فلاس نے اس کے سوءِ حفظ کی نشاندہی کی ہے۔ ابو زرعہ نے کہا ہے۔ کہ وہ کثرت سے وہم کرتا تھا۔ ابن حبان نے کہا ہے۔ کہ وہ مشاہیر سے کٹ کر منکرات لاتا ہے میں (مصنف) کہتا ہوں کہ اس حدیث میں منکر چیز یہ ہے۔ کہ وہ کہتا ہے۔ کہ عیسیٰؑ کی روح بھی ان ارواح میں ایک ہے۔ جن سے اللہ نے عہد لیا تھا۔ اس کے بعد حضرت مریم کے پاس اس روح کو بھیجدیا۔ جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک مشرقی مکان میں چلی گئی تھیں۔ پس وہ روح ان میں داخل ہو گئی، حالانکہ یہ مسلّم ہے۔ کہ جو روح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی طرف بھیجی تھی وہ حضرت عیسیٰ کی روح نہ تھی۔ بلکہ وہ روح ایک فرشتہ تھا۔ جس نے ان میں روح پھونکی تھی۔ تو وہ حاملہ ہو گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔

پس ہم نے ان کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا۔ جو ان کے سامنے پورا آدمی بنکر ظاہر ہوا۔ کہنے لگیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو خدا ترس ہے فرشتے نے کہا میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔

سو اس طرح سے حضرت عیسیٰؑ مریم کے ساتھ اس خطاب کے ساتھ اپنی ذات سے متعلق قطعاً خطاب نہیں کر سکتے۔ حدیثِ ابی جعفر کے بعض طریقوں میں ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کی روح وہی ہے۔ جس نے حضرت مریمؑ سے خطاب کیا۔ اور وہ وہی ہے۔ جو ان کی طرف بھیجی گئی۔ یہاں چار مقامات ہیں۔ پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صورتوں اور شمائل

صورتوں کو نکالا۔ اور ان میں سے شقی کو سعید سے اور تندرست کو مبتلائے مصائب و آلام سے ممیز کیا۔ دوسرے اللہ نے اُن پر اس وقت حجت قائم کی اور اپنی ربوبیت کا اُن سے اقرار لیا۔ اور اپنے ملائکہ سے اُن پر گواہی لی۔ تیسرے یہ کہ یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ — جب تیرے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو نکالا۔

چوتھے یہ کہ ساری روحوں نے اقرار کیا۔ اس کے بعد اُن کو ایک مکان سے نکالا گیا اور اللہ تعالیٰ اُن کی پیدائش سے فارغ ہو گئے۔ صرف انہیں گروہ در گروہ ابدان کی طرف بھیجنے کا کام مختلف طور پر ہوتا رہتا ہے۔ جہاں تک پہلے مقام کا تعلق ہے تو آثار جو اس کے موید ہیں۔ مرفوع بھی ہیں۔ اور موقوف بھی۔ دوسرے مقام کو جن مفسرین نے لیا ہے تو آیت ہی سے لیا ہے اور اُن کا گمان یہ ہے۔ کہ یہی اسکی تفسیر ہے۔ اصحاب آثار میں سے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے۔ ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چیونٹیوں کی مثال پر بنایا ہو۔ جن میں عقل ہو۔ جس طرح کہ اس نے فرمایا۔

قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ — چیونٹی نے کہا اے چیونٹیو اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ

اور

سَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ — حضرت داؤدؑ کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا جو اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ اور پرندوں کو بھی ان کے لئے مسخر کر دیا تھا۔

ابن انباری فرماتے ہیں۔ کہ محدثین اور اہل علم حضرات میں سے بڑے بڑے لوگ اس آیت کے معنی میں اس طرف گئے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی اولاد کو حضرت آدم کی پشت سے اور اولادِ آدمؑ کی پشت سے چیونٹیوں کی طرح نکالا۔ پھر ان سے عہد پیمان لیا کہ وہ ان کا خالق ہے۔ اور وہ اس کی مخلوق ہیں۔ انہوں نے اس کا اعتراف کیا اور اسے قبول کیا۔ لیکن یہ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں عقل رکھی تھی۔ اس عقل سے

انہوں نے ہر اس چیز کو جو اُن پر پیش کی گئی پہچان لیا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ میں سمجھ رکھی کہ جب اس کو خطاب کیا اور جس طرح کہ اُس اونٹ کے لئے کیا جس وقت کہ اُس نے سجدہ کیا۔ اور اسی طرح شہد کی مکھی کے لئے کہ جب اُسے بلایا گیا تو اُس نے سُنا اور اطاعت کی۔ جرجانی فرماتے ہیں۔ کہ بحمد اللہ حضور اکرمؐ کے اس قول "بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ پس اس سے اُن کی اولاد نکالی" اور آیت کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ جب اللہ عزّ وجل نے اُنہیں حضرت آدمؑ کی پشت سے نکالا تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ انہیں حضرت آدمؑ کی اولاد کی پشتوں سے نکالا۔ کیونکہ حضرت آدمؑ کی ذریّت، حضرت آدمؑ کی اولاد کی اولاد ہے۔ اور وہ بعض بعض کی اولاد ہیں اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہو کہ ہم اس سے محض بے خبر تھے

یعنی اس میثاق و عہد سے بے خبر تھے جو اُن سے لیا گیا۔ جب انہوں نے یہ کہا تو ملائکہ عہد لینے پر گواہ تھے۔ جرجانی کہتا ہے کہ یہ اس تفسیر کی دلیل ہے۔ جو اس روایت سے متضاد ہے کہ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ۔ پس انہوں نے کہا کہ ہم نے گواہی دی۔ بعض اہل علم کا گمان یہ ہے۔ کہ میثاق تو صرف جسم کے بغیر روحوں سے لیا گیا کیونکہ روحیں ہی ہیں۔ جو عقل رکھتی ہیں۔ انہی کو ثواب و عقاب ہوگا رہے اجسام سو وہ مُردہ ہیں نہ عقل رکھتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ جرجانی نے کہا ہے کہ اسحاق بن راہویہ اسی معنی کی طرف گئے ہیں۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہی حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے۔ اسحاق نے کہا ہے کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔ کہ وہ روحیں۔ اجسام سے قبل کی ہیں۔ جنہیں اللہ نے بلوایا اور اُن سے گواہی لی۔ جرجانی نے کہا ہے کہ اُنہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد سے دلیل پکڑی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ تم اللہ کی راہ میں مقتول حضرات کو مُردہ نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔

اجسام مصائب میں مبتلا ہو جاتے۔ اور زمین میں گم ہو جاتے ہیں۔ لیکن روحیں رزق

دی جاتی اور خوش کی جاتی ہیں - اور وہی تو ہیں - جو لذت حاصل کرتی - خوش ہوتی غمگین ہوتی - پہچانتی اور بے گانہ اور ناآشنا ہوتی ہیں - خوابوں سے ظاہر ہے - کہ انسان صبح کو اٹھتا ہے - تو اس کے اندر خوشی کی لذت کا اثر اور غم کا دکھ باقی ہوتا ہے - جو دراصل روح میں ہوتا ہے جسم میں نہیں ہوتا - جرجانی کہتے ہیں - کہ خلاصہ اس بحث کا یہ ہے - کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہر بالغ و نابالغ پر اس میثاق کے ذریعہ ایک حجت قائم کر دی ہے پھر ان میں سے جو حد بلوغ کو پہنچے انہیں مزید آیات و دلائل عطا کیں - یہ نشانیاں روئے زمین پر قائم کیں

اس نے رسولوں کی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر ان کی طرف بھیجا - اور واقعاتِ عقوبت کے ساتھ انہیں موعظت و نصیحت کی - اللہ رب العزت کسی کو استطاعت و قدرت سے زیادہ اپنی اطاعت کی تکلیف نہیں دیتا - ان میں قدرت رکھی - انہیں دلائل دیئے اور اوامر و نواہی کو کھول کھول کر بیان کر دیا - رہا غیر مکلف کا معاملہ سو یہ صیغہ راز میں ہے - مگر ہم جانتے ہیں کہ وہ عادل ہے - اپنے حکم میں جور و ظلم سے کام نہیں لیتا - وہ دانا ہے - اپنی صنعت میں تفاوت نہیں کرتا - وہ قادر مطلق ہے - جو کچھ وہ کرتا ہے - اس سے نہیں پوچھا جائیگا - کہ کیوں کیا - اسی کے لئے خلق و امر ہے - وہ بر کت والا اللہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے -

---

فصل ۷۵

واذا خذ ربك والی آیت سے استدلال

ان لوگوں نے آیت شریفہ کے اس معنی میں بھی نزاع کیا ہے - اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد

واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم -	اور جب اللہ نے حضرت آدم کی اولاد کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا

کا یہ مطلب ہے۔ کہ انہیں بنا لا بعد ازاں کہ وہ اپنے آباء کی صلبوں میں نطفے تھے اور انہیں دنیا میں وجود پذیر ہونے کی ترتیب کے مطابق ظاہر کیا پھر اُن سے اپنے متعلق گواہی لی کہ وہ اُن کا رب ہے۔ اس مقصد کے لئے باری تعالیٰ نے اُن پر اپنی نشانیاں ظاہر کیں اور دلائل و براہین قائم کئے۔ جو انہیں اس امر کے جاننے پر مجبور کر دیں وہ ان کا خالق ہے۔ سوا ایسا کوئی نہیں۔ جسمیں اس کے رب کی صنعت و کاریگری نہ ہو جو اس پر گواہی دیتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور اس میں محکم نافذ کرنے والا ہے۔ جب انہوں نے یہ جان لیا اور ہر چیز نے جسے کہ وہ دیکھتے ہیں۔ اور مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کی تصدیق کی طرف دعوت دی تو اب یہ بمنزلہ شاہدین و مشہدین کے ہو گئے اور صحت کے ساتھ اپنے متعلق گواہی دینے والے ہو گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔

شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمُ بِالْكُفْرِ — وہ خود اپنے اوپر کفر کا اقرار کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں بمنزلہ شاہدین کے خیال کرتا ہے۔ اگرچہ وہ یہ نہیں کہتے کہ ہم کافر ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں کہ میرے اعضاء آپ کی بات کے گواہ ہیں جس سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ اگر میرے اعضاء بول سکتے اور گواہی دے سکتے تو اس امر کے ضرور گواہی دیتے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ — اللہ نے گواہی دی کہ بجز اس کی ذات کے اور کوئی معبود نہیں

اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ مقصد ہے۔ کہ میں نے اس قدر واضح کر دیا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی حاکم کے سامنے گواہی دیتا ہے۔ یہ ابن الانباری کا کلام ہے۔ مجرجانی نے اس قول پر ایک بات اور زیادہ کی ہے اور اپنے اصحاب سے حکایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا اور اپنے علم ماکان و مایکون کو ان میں جاری کیا تو جو کچھ ہونے والا تھا اس کو بمنزلہ اس چیز کے شمار کیا جو ہو چکا ہو۔ جیسا کہ عربی میں عموماً بطور محاورہ کے ایسا کرتے ہیں کہ یقین ہونے والی بات کو واقع شدہ بات کی طرح بیان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات میں مستقبل میں ہونے والی بات کو بصیغہ ماضی

ذکر کر دیا ہے

وَنَادٰی اَصْحٰبُ النَّارِ	جہنمی لوگوں نے آواز دی۔
وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	اہل جنت پکارے
وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ	دوزخ و جنت کے درمیانی مقام اعراف کے لوگوں نے آواز دی

وہ کہتا ہے کہ آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ معنی میں

وَاِذْ یَاْخُذُ رَبُّكَ	اور جس وقت کہ تیرا رب (وعدہ) لے گا۔

کے ہے اسی طرح

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ	اور ان سے ان کے اپنے متعلق گواہی لی۔

یعنی ان سے اس عقل کے ذریعے گواہی لے گا۔ جسے اس نے ان کے اندر ودیعت کیا ہے اور اسی فہم پر ثواب و عقاب مرتب ہوگا۔ لہٰذا ہر وہ مولود (بچہ) جو سن شعور کو پہنچا۔ نقصان و نفع کو سمجھنے لگا۔ وعدہ وعید اور ثواب و عقاب کی فہم اسے میسر ہو گئی تو گویا اللہ تعالیٰ نے اس سے توحید کے بارے میں اس کی عقل کے ذریعے وعدہ لے لیا۔ اسے نشانیاں دکھائیں اور دلائل عطا فرمائے کہ انسان حادث ہے۔ اور یہ کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان نے اپنے آپ کو خود پیدا کیا ہو۔ اور جب یہ جائز نہ ہوا۔ تو انسان کے علاوہ کسی اور ہستی کا خالق ہونا ضروری ہوا۔ جو بے مثال ہے۔ اس امر کے سمجھنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ کہ جب اس پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ آسمان کی طرف سر اٹھاتا ہے۔ اور اللہ عزوجل سے پناہ کا طالب ہوتا ہے۔ اپنی انگلی کے ساتھ آسمان کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہے۔ جب عقل جس سے کہ فہم و افہام ہوتا ہے۔ اس نہج پر تربیت و تادیب کرے۔ اور اس کی طرف رہبری کرنے لگے تو جو کوئی اس سطح پر پہنچ گیا۔ گویا اس سے وعدہ لے لیا گیا۔ کیونکہ اس میں اللہ نے دو ایسے اسباب پیدا کر دیئے۔ جن کے ذریعے وعدہ و میثاق لیا جاتا ہے۔ اگر یہ کہدیا جائے کہ اس نے اقرار کیا۔ سنا اور تسلیم کیا۔ تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق خوشی و ناخوشی سجدہ کرتی ہے۔ اللہ کے لئے۔

جرجانی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے رسول اکرم کے اس قول سے بھی دلیل پکڑی ہے۔ کہ تین قسم کے لوگوں سے قلم روک دیا گیا ہے۔ وہ بچہ جو ابھی سن رشد کو نہ پہنچا ہو یعنی بالغ نہ ہوا ہو۔ مجنون جسے ابھی تک افاقہ نہ ہوا ہو۔ یعنی ہوش و حواس میں نہ ہو۔ اور سونے والا جب تک کہ جاگ نہ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ۔

بے شک ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی۔ مگر انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ امانت کا بوجھ برداشت کر لیا۔

یہاں امانت کا مطلب عہد و میثاق ہے۔ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے بار امانت برداشت کرنے سے انکار کر دینے کا مطلب یہی ہے۔ کہ وہ اس عقل سے خالی ہیں۔ جس میں فہم و افہام کا مادہ ہوتا ہے۔ اور انسان نے اسی لئے برداشت کیا کہ اس میں عقل ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول:۔

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن کہو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے۔ یا کہو کہ شرک تو ہمارے آباء نے پہلے سے کیا تھا۔ اور ہم اُن کی اولاد تھے۔

اس بات پر دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جتایا کہ یہ ان سے اقرار لینے کی خاطر ہے تاکہ وہ قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ یہاں غفلت سے مراد۔ یا تو عہد سے غفلت ہے یا قیامت کے دن سے بے خبری ہے۔

جہاں تک قیامت کے دن سے بے خبری کا تعلق ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بعث اور حساب کی معرفت کے لئے ان سے عہد لینے کا ذکر قرآن میں نہیں کیا۔ بلکہ صرف اپنی معرفت

کا تذکرہ کیا ہے۔ باقی رہا عہد و میثاق کے متعلق غفلت تو اگر بچوں اور ساقط شدہ عمل سے بھی عہد لیا گیا ہے۔ جیسا کہ مخالف نے کہا ہے تو وہ اس مقام اور اس دور ہی کو نہیں سمجھے کہ اس عہد سے غافل ہو سکیں اور انکار کر سکیں تو بتائیے ان سے یہ غفلت کہاں ہو گی۔ حالانکہ اللہ عزّ و جل اس چیز پر جو اُن سے صادر ہی نہ ہو سکے مؤاخذہ نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ۔	یا کہو کہ ہمارے آباء نے شرک کیا تھا اور ہم اُن کی اولاد تھے۔

تو یہ شرک جس پر اُن سے مؤاخذہ کیا جا رہا ہے۔ دو وجہوں سے خالی نہیں یا تو انہوں نے بذاتِ خود کیا تھا۔ یا اُن کے آباء نے کیا تھا اب اگر یہ شرک اُن سے ہوا تو یہ بلوغ کی عمر کو پہنچنے کے بعد ہی ہو گا۔ اور اُن پر حجت قائم ہونے کے بعد ہی ہو گا۔ کیونکہ طفل سے تو نہ شرک معتبر ہے۔ اور نہ ہی عصیاں۔ اور اگر بچوں کے علاوہ کسی اور سے یہ شرک ہوا تو امت کا اس پر اجماع ہے۔ کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائیگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے اور یہ بات اس حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ اس سے ان کی اولاد کو نکالا۔ پس اُن سے اُن کے متعلق وعدہ لیا۔ کیونکہ رسول اکرمؐ نے تو اللہ تعالیٰ کے قول ہی کو حکایت کیا ہے سو ترتیبِ الفاظ اُسی طرح کی ہے اور مستقبل کی جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ جرجانی کہتا ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس بیان کے بالکل مشابہ ہے

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ	اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت سے دوں۔ پھر تمہارے پاس معزز رسول اس کی تصدیق کرتے ہوئے آئے جو تمہارے پاس ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انبیاء پر کتاب و حکمت اتاری اسے ایک میثاق کی صورت ٹھیرایا۔ چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ	پھر تمہارے پاس پیغمبر آیا۔ جو اس کا مصدق ہے جو تمہارے پاس ہے۔ کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس کی طرف داری بھی کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے امتوں سے کہا۔

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝	کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد قبول کیا؟ وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی اس پر تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے نازل کردہ کتاب کے پالینے ہی کو اُن پر حجت ٹھہرایا۔ گویا اس نے ان سے وعدہ لے لیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے مشابہ یہ قول باری تعالیٰ بھی ہے

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ	اللہ کے اس انعام کو جو تم پر ہوا۔ یاد کرو اور اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے جب کہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔

سو یہ اس کا وہ وعدہ ہے۔ جو اس نے ان پر اپنے رسول بھیجنے کے بعد لیا کہ وہ اس پر ایمان لائیں اور اسکی تصدیق کریں۔ اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ	اور جو لوگ اللہ کے وعدہ کو پورا کرتے ہیں۔ اور میثاق کو نہیں توڑتے

اور

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ	اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرنا۔ یہی سیدھا رستہ ہے

پس یہ وعدہ اُن سے اپنے رسولوں کی زبانی لیا۔ اس کے مثل اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک ہے:۔ جبکہ بنی اسرائیل سے فرمایا۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ	تم میرا عہد پورا کرو۔ میں تمہارا عہد پورا کرونگا

اسی طرح سے

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ	اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ وعدہ لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کرکے دینا اور اسکو پوشیدہ مت رکھنا۔

اور یہ قول۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا۔	اور جبکہ ہم نے تمام پیغمبروں سے اقرار لیا اور آپ سے بھی اور نوحؑ و ابراہیمؑ اور موسیٰؑ و عیسیٰ بن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے خوب پختہ عہد لیا۔

سو یہ وہ میثاق ہے جو اس نے انہیں بھیجنے کے بعد ان سے لیا۔ جیسا کہ انتقال سے انہیں ڈرانے کے بعد لیا۔ یہی میثاق ہے۔ جسے توڑنے پر رحمت سے دوری اور سزا کی دھمکی دی۔ چنانچہ فرمایا:۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً	تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں صرف اسی وجہ سے سزا دی کہ انہوں نے اپنا وہ عہد جو اللہ نے ان سے اپنے رسولوں کی زبانی قائم کیا تھا۔ توڑ دیا۔ اس کی صراحت اس قول میں کی ہے

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔	اور جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تم پر معلق کر دیا۔ جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ قبول کرو اور اس کے احکام کو یاد کرو جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ

اب جبکہ یہ اور اس کی مثل آیات مدنی سورتوں میں واقع ہیں۔ تو ان سے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو یہ وعدہ یاد دلانے کیلئے خطاب کیا ہے۔ لہٰذا یہ ایسا عہد ہے۔ جس کے لیے

ان سے اس پر ایمان لانے اور اپنے رسولوں پر ایمان لانے کے لئے وعدہ لیا ہے۔ اور جبکہ اس معنی کی آیت سورۂ اعراف میں اناری جو مکی سورت ہے، تو وہاں ایک عام میثاق اور شہادت کا ذکر کیا جس کے ذریعہ انہوں نے اس کی ربوبیت و وحدانیت کا اقرار کیا اور شرک کا ابطال کیا۔ یہ ایسا معاہدہ ہے جس کے ذریعے اُن پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ اُن کا عذر ختم ہو جاتا ہے اور سزا اُن کے لئے روا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی مخالفت کرنے پر وہ برباد کر دیئے جانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ پس اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ وہ اسے یاد رکھیں۔ اور اسے پہچانیں۔ کہ وہ اُن کا رب ہے۔ اُن کا خالق ہے۔ وہ اس کی مخلوق ہیں۔ اور اُس کے زیر تربیت ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے رسول بھیجے جو انہیں اُن کی فطرت و عقول کے ذریعے میثاق یاد دلاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو حق ان پر ہے۔ اُسے جتلاتے رہے۔ اور اس کے وعدہ و وعید یاد کراتے رہے۔ آیت کی ترتیب کئی وجوہ سے اس پر دلالت کرتی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ آدم سے، ظاہر ہے آدم کی اولاد آدم سے نظیر ہے، دوسری یہ کہ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ فرمایا اور ظُهُوْرِهِمْ نہیں فرمایا، یہ بدل بعض ہے یا بدل اشتمال ہے۔ یہی احسن ہے، تیسری یہ کہ ذُرِّيَّتَهُمْ فرمایا اور ذُرِّيَّتَ کہکر واحد کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ اَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فرمایا یعنی انہیں اُن کے اپنے متعلق گواہ بنایا تو اب اس کے سوا چارۂ کار نہیں۔ کہ شاہد اُس چیز کو کہ جس کی گواہی دی ہے۔ یاد رکھے۔ اور وہ صرف اس دنیا کی طرف آنے کے بعد ہی یاد کر سکتا ہے پانچویں یہ کہ سبحانہ نے خبر دی ہے۔ کہ گواہی لینے کی حکمت یہ ہے کہ اُن پر حجت قائم کر دے تاکہ قیامت کے دن وہ یہ نہ کہیں کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ اور حجت اپنے رسولوں کو بھیجکر اور اس فطرت کے ذریعے جو پیدا کیا۔ قائم کی۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا — خوشخبری دینے والے اور خوف دلانے والے
يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ — پیغمبر اس لئے بھیجے تاکہ لوگوں کے پاس اللہ

الرُّسُلِ ط۔ کے سامنے پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے

چھٹی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کے ذریعے یاد دلاتا ہے۔ تاکہ قیامت کے دن وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے۔ اور یہ معلوم ہے۔ کہ وہ حضرت آدمؑ کی صلب سے نکالے جانے سے تمام کے تمام بے خبر ہیں۔ اور اس سے بھی ان تمام سے اُس وقت گواہی لی گئی تھی۔ یہ گواہی تو ان میں سے کسی کو یاد نہیں ہے۔ ساتویں یہ کہ وہ یہ نہ کہیں کہ ہمارے آباء ہم سے قبل شرک کیا تھا۔ اور ہم اُن کے بعد ان کی اولاد سے تھے۔ اس تعریف یعنی معلوم کرانے اور گواہی لینے میں دو حکمتیں ذکر کیں۔ ایک تو یہ کہ وہ غفلت کا دعویٰ نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ وہ تقلید کا دعویٰ نہ کریں۔ غافل کو شعور نہیں ہوتا اور تبع دوسرے کی تقلید کرتا ہے۔ آٹھویں وجہ یہ ہے کہ فرمایا

افتهلكنا بما فعل المبطلون — (وہ لوگ کہیں گے کیا تو ہمیں غلط راہ والوں کے فعل پر ہلاکت میں ڈالتا ہے۔

یعنی اگر اس نے انہیں ان کے انکار اور شرک پر عذاب دیا تو وہ یہ کہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ تو انہیں انبیاءؑ کو جھٹلانے اور ان کی مخالفت کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے۔ پس اگر وہ انہیں انبیاء بھیجکر حجت تمام کرنے کے بغیر صرف آباؤ اجداد کی اشراک میں تقلید کی وجہ سے ہلاک کرتا تو گویا وہ غلط راہ چلنے والوں کے بدلے ہلاک کرتا۔ یا انہیں لاعلمی کی بنا پر ہلاک کرتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خبر دی ہے۔ کہ:۔

لَمْ يَكُنْ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ — (اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے وہ بستی والوں کو بے خبری میں ظالمانہ طور پر ہلاک کرے۔

بلکہ وہ تو انہیں ڈرانے اور دھمکانے کے بعد ہلاک کرتا ہے۔

نویں وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے اس کے متعلق گواہی لی کہ وہ اس کا رب اور خالق ہے۔ اپنی کتاب (قرآن مجید) میں دوسرے موقعے پر اُن کی اس گواہی کو حجت ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ - فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	اگر آپ اُن سے دریافت کریں۔ زمین و آسمانوں کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے تو پھر کس طرف بہکے جا رہے ہیں۔

یعنی یہ اقرار کر لینے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اُن کا رب اور خالق ہے۔ کہاں توحید سے منہ موڑے جا رہے ہیں۔ اور یہ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے۔ پس یہی وہ حجت ہے۔ جس کی بنا پر باری تعالیٰ نے اسی مفہوم کی اُن کے اپنے متعلق گواہی لی۔ اور اُس کے رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے انہیں وعدہ یاد دلایا فرمایا ہے

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	کیا اللہ تعالیٰ کی ذات میں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے شک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی یہ اقرار یاد دلایا اور معلوم کرایا۔ سابقہ وعدہ کا ذکر نہیں کیا۔ دسویں وجہ یہ ہے کہ اس کو حق تعالیٰ نے ایک نشانی بنایا ہے۔ اور نشانی اُسے کہتے ہیں۔ جو سیدھی مدلول تک پہنچا دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی آیات کی یہی شان ہے کہ وہ مطلوب معین کے متعین دلائل ہوتے ہیں۔ اور اس کے علم کو مستلزم ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ	اور اسی طرح سے ہم آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں

یعنی اس تفصیل کی طرح ہم آیات کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ وہ شرک سے توحید کی طرف اور کفر سے ایمان کی طرف لوٹ آئیں۔ اور یہ آیات و نشانیاں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تفصیل بیان کی ہے۔ کئی قسم پر ہیں۔ کچھ اُفقی آیات ہیں۔ یعنی آسمان وغیرہ کے متعلق اور کچھ نفسی آیات و نشانیاں ہیں جو ان کے اندر اُن کی ذات اور پیدائش میں ہیں۔ اور بعض آیات اقصائے عالم و گرد و نواح میں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وجود۔ اسکی وحدانیت۔ اُس کے رسولوں کے سچا ہونے معاد اور قیامت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس نے ہر ایک سے اس کے اپنے متعلق گواہی لی۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب، خالق و مبدع ہے

اور یہ کہ انسان اس کا تربیت یافتہ۔ اُسکی مخلوق اس کی کاریگری ہے۔ اور حادث ہے جبکہ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اور یہ محال ہے۔ کہ بغیر کسی محدث کے حدوث ہو۔ یا یہ کہ وہ خود اپنے آپ کو حادث کرنے والا ہو۔ سو ضروری ہے کہ کوئی موجد ہو جس نے اسے وجود بخشا ہے اور جو بے مثل و بے مثال ہے۔ یہ اقرار اور مشاہدہ وہ فطرت ہے۔ جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ یہ کوئی اکتسابی چیز نہیں ہے اور یہ ایک بڑی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ	اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کی پیٹھوں سے اُن کی ذریت کو نکالا۔

یہ آیت حضور اکرمؐ کے اس قول کے مطابق ہے۔ کہ ہر بچہ فطرت صحیحہ و سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ کے قول کے بھی مطابق ہے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ	تو تم یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس دین کی طرف رکھو اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہے۔ یہی سیدھا دین یہی ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ مگر تم خدا کی طرف رجوع کر کے فطرت الٰہیہ کا اتباع کرو

مفسرین میں سے بعض ایسے بھی ہیں۔ جنہوں نے سوائے اس قول کے اور کچھ ذکر نہیں کیا۔ جیسے علامہ زمخشریؒ اور بعض ایسے ہیں۔ جنہوں نے صرف قول اول کو ذکر کیا ہے اور بعض نے دونوں قول ذکر کئے ہیں۔ مثلاً ابن الجوزی۔ واحدی اور ماوردی وغیرہ حسن بن یحییٰ جرجانی کہتے ہیں۔ اگر کوئی معترض حضورؐ کی اس حدیث کو لے کر اعتراض کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا پس اس سے ان کی ذریت کو نکالا۔ اُن سے عہد لیا پھر انہیں ان کی پشت میں واپس لوٹا دیا۔ کہ یہ حدیث اس تاویل و تفسیر کے خلاف ہے۔ جس کی طرف میں گیا ہوں

یعنی یہ کہ انہیں واپس پشت میں لوٹایا نہیں گیا۔ جبکہ یہ صورت ہو کہ ان سے عہد بلوغ اور عقل کے پورا ہو جانے کے بعد لیا گیا ہو تو میں اُن سے یہ کہونگا کہ اس کے معنیٰ کہ پھر انہیں حضرت آدمؑ کی پشت میں لوٹا دیا، یہ ہیں کہ لوٹا دے گا جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ کہ اَخَذَ رَبُّکَ کے معنیٰ یہ ہیں۔ کہ تیرا رب نکالے گا اس اس طرح سے معنیٰ یوں ہونگے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اُن کی وفات کے بعد حضرت آدمؑ کی پشت میں واپس لوٹا دے گا۔ کیونکہ جب وہ مر جائیں گے۔ تو انہیں زمین میں دفن کر دیا جائے گا۔ اور حضرت آدمؑ کو خاک سے پیدا کیا گیا۔ پھر اس میں لوٹا دیا گیا۔ پس جب انہیں زمین میں واپس لوٹا دیا جائے گا۔ تو گویا انہیں حضرت آدمؑ میں اور اُن کی پشت میں لوٹا دیا گیا

کیونکہ حضرت آدمؑ خاک سے پیدا کئے گئے اور پھر اس میں لوٹا دیئے گئے ظاہر حدیث کا خیال کر کے جس تاویل کی طرف تم گئے ہو وہ قرآن کے بیان کردہ معنیٰ و مفہوم کے مخالف ہے لہذا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ کہ اسکی وہی تاویل کی جائے۔ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے

کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ	اور جب تیرے رب نے حضرت آدمؑ کی اولاد کی پشتوں سے اُن کی اولاد نکالی

اس قصہ میں حضرت آدمؑ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ حضرت آدمؑ یہاں اضافی طور پر آ گئے۔ تاکہ ذریت کی پہچان ہو سکے کہ وہ ان کی اولاد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت باری تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت کو چھوا۔ تو قرآن و حدیث کے مفہوم میں اس کے سوا کوئی تطبیق نہیں ہو سکتی کہ ہماری بیان کردہ تاویل کو معتبر ٹھہرایا جائے۔ عجلی کہتا ہے ہمارا مسلک اس آیت کے بارے میں رسول اللہؐ سے روایت کردہ حدیث کے عین مطابق ہے۔ جس کی طرف سلف صالحین میں سے اہل علم گئے ہیں۔ وہی تاویل میں بیان کرتا ہوں۔ وہی مجھے قبول ہے۔ اور میں اسی

سے مانوس ہوں۔ اللہ ہی اولیٰ اور صحیح تر تاویل کی توثیق دیتا ہے۔ علاوہ بریں اہل السنت میں سے بعض حضرات نے اس قول کے رد میں ایسے احتمالی معنی ذکر کئے ذکر کئے ہیں۔ جو نظم جاری اور مجاز عربی میں سہولت کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کا امکان بھی ہے۔ اور طبیعت اس کو قبول بھی کرتی ہے۔ اور وہ اس طرح ہے، کہ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مبتدا ہے۔ اس کی خبر اللہ تعالیٰ کا وہ قول ہے۔ جو ان لوگوں سے اَخَذَ میثاق کے وقت صادر ہوا۔ چونکہ یہ جواب تو مقتضی ہے۔ تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے قَالُوْا بَلٰی (انہوں نے کہا کیوں نہیں) اس سارے قصے سے یہ خبر منقطع ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوسری خبر کی ابتداء مشرکین کے اس قول کے ذکر کے ساتھ کی جو وہ قیامت کے دن کہیں گے۔ کہ ہم نے گواہی دی یعنی ہم گواہ ہیں، جیسا کہ حطیئہ کے اس شعر میں شہد بمعنی شاھد ہے

شھد الحطیئۃ حین یلقی ربہ

ان الولید احق بالعذر

اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ جب تم سے حساب کیا جائے گا۔ اور کفر پر مؤاخذہ ہوگا۔ تو کہو گے کہ ہم غافل تھے۔ اس پر دوسری خبر کا اللہ تعالیٰ نے اور اضافہ کیا۔ کہ کہ ایسا نہ ہو کہ تم کہو یہاں یا سے مراد اور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا — آپ ان میں سے کسی گنہگار اور کافر کی اطاعت کیجئے

بہرحال، اس کی تاویل یوں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم جانتے ہیں۔ اور گواہ ہیں کہ تم قیامت کے دن یہ کہو گے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے پہلے سے شرک کیا تھا اور تم تو ان کے بعد ان کی اولاد سے تھے۔ یعنی انہوں نے شرک اختیار کیا۔ اور ہمیں بھی یقین میں اپنے مذہب شرک پر ڈال دیا۔ پس ہم بھی ان کے مذہب پر چلے گئے، اور ان کی اقتداء کرنے لگے، سو ہمارا کوئی گناہ نہیں ہے۔ جبکہ ہم تو صرف ان کے مقتدی اور پیروکار تھے۔ گناہ اس بارے میں ان کا ہے۔

اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ | ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا

وَاِنَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ — اور ہم ان ہی کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں

اس بات پر ان کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے

اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ | کیا تو ہمیں غلط راہ والوں کے فعل پر ہلاک کرتا ہے

یعنی انہوں نے شرک پر ہمیں اکسایا۔ لہٰذا ہم نے شرک کیا۔ پس پہلا قصہ اخذِ میثاق پر تمام مخلوق کی طرف سے خبر بنے گا۔ اور دوسرا قصہ مشرکین کے اس قول کی وجہ سے جو وہ قیامت کے دن عذر خواہی کے طور پر کہیں گے دوسری خبر بنے گا۔

فصل ۷۶

"جسموں کو روحوں سے پہلے پیدا نہیں کیا گیا"

یہ تو علمائے سلف و علمائے خلف کا اس آیت کے معنی میں کلام ہے۔ اور جس قدر بھی تاویلات ہیں ان میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسموں کو روحوں سے پہلے ایک مستقل مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا گیا تھا۔ بلکہ ان کا ماحصل یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے چیونٹیوں کی مانند پیدا کئے جانے، بلوائے جانے اور پھر اصل کی طرف لوٹا دیئے جانے پر دلالت کرتی ہیں۔ بشرطیکہ اس بارے میں صحیح احادیث ہوں۔ اور جو کچھ صحیح ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ قضاء و قدر پہلے ہی سے مقرر ہے اور بنی آدم کو شقی و سعید میں تقسیم کر دیا گیا ہے باقی رہا ابو محمد بن حزم کا اللہ کے اس قول:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ | اور ہم نے تمہیں پیدا کیا۔ پھر تمہاری تصویر بنائی۔ اس کے بعد فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا حکم دیا

سے استدلال کرنا تو وہ بظاہر جس قدر مناسب استدلال ہے کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرانے کا حکم خلق اور تصویر کی ترتیب کے بعد دیا گیا۔ اور خطاب بدن و روح کے ملے

مجلے مجسمہ کو تھا۔ چنانچہ یہ پیدائش خلق کے بعد کا قصہ ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ یعنی حضرت آدم کو ہم نے پیدا کیا۔ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ یعنی حضرت آدمؑ کی اولاد کی صورت بنائی۔ اسکی مثال حضرت مجاہد کا یہ قول ہے خَلَقْنَاكُمْ یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ اور پھر تمہیں حضرت آدمؑ کی پشت میں صورت بخشی۔ حضرت باری تعالیٰ نے خَلَقْنَاكُمْ کا لفظ جمع کے ساتھ فرمایا اور مراد اس سے حضرت آدم ہیں۔ جس طرح کہا جاتا ہے۔ ہم نے تمہیں مارا یا قتل کیا حالانکہ مارا صرف اُن کے سید (سردار) کو ہوتا ہے۔ ابو عبید نے اس آیت کے بارے میں مجاہد کے قول کو اختیار کیا ہے۔ اس کے بعد ہے۔

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا | پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو۔

خداوند تعالیٰ کا فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دینا حضرت آدمؑ کی اولاد کی پیدائش اور ارحام میں صورت گری کے بعد تھا۔ ثُمَّ تراخی اور ترتیب کو چاہتا ہے۔ پس جس نے اس آیت میں خلق اور تصویر کو روحوں کے اندر حضرت آدمؑ کی اولاد کے لئے مقرر کیا۔ تو اس نے ثُمَّ کے حکم کی ترتیب میں رعایت رکھی۔ البتہ اخفش کہتا ہے کہ یہاں ثُمَّ واؤ (اور) کے معنی میں ہے۔ زجاج کہتا ہے۔ کہ یہ خطا ہے خلیل اور سیبویہ بھی اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اور تمام ثقات علم اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ ابو عبید کہتے ہیں۔ کہ مجاہد نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو پیدا کیا۔ اور اُسکی پشت میں انہیں صورت بخشی۔ پھر سجدہ کا حکم دیا وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ حدیث سے پوری طرح سے واضح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو حضرت آدم کی پشت سے چیونٹیوں کی مانند نکالا۔ میں کہتا ہوں۔ قرآن کا کچھ حصہ دوسرے حصہ کی تفسیر کرتا ہے۔ اس آیت کی مثال و نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ | اے لوگو! اگر تم دوبارہ زندہ ہونے سے شک میں ہو تو ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ	نطفہ سے

ان پر مٹی سے پیدا کرنے کے لئے نطفہ کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ حضرت آدم ابوالبشر کے لئے تھا۔ کیونکہ وہ ان کی اصل ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ موجودین سے مخاطب ہوتا ہے۔ اور مراد ان کے آباء ہوتے ہیں جس طرح سے کہ اس آیت میں فرمایا ہے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝	اور جب تم لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ ہم جب تک اللہ کو علانیہ طور پر دیکھ نہ لیں گے آپ کا کہنا نہ مانیں گے۔ سو تم کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور تم دیکھ رہے تھے۔
وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ	اور جب تم لوگوں نے کہا اے موسیٰ ہم ایک کھانے پہ نہ رہیں گے۔

اور

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا	اور جب تم لوگوں نے ایک دوسرے کا خون کر دیا پھر ایک دوسرے پر اس کو ڈالنے لگے۔

اور

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ	اور جب ہم نے تم سے قول وقرار لیا اور ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا۔

قرآن مجید میں اس قسم کے مواقع اکثر آتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ لوگوں سے خطاب کرتا ہے۔ حالانکہ مراد آباء واجداد ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کا یہ ارشاد ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ	بالتحقیق ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں صورت بخشی

بلکہ بسا اوقات اللہ تبارک وتعالیٰ ایک شخص کے ذکر سے پوری نوع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مثلاً:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ	ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا پھر ہم نے اسکو ایک نطفہ سے بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں رہا۔

دیکھیے حضرت آدمؑ مٹی کے خلاصہ سے مخلوق ہونے اور محفوظ مقام میں رہنے والا نطفہ حضرت آدم کی اولاد ہے۔ باقی رہی یہ حدیث کہ جسموں سے دو ہزار سال قبل روحوں کو پیدا کیا گیا تو اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں عتبہ ابن السکن ہے جسے الدارقطنی نے متروک کہا ہے۔ اور ارطاۃ بن المنذر نے کہا ہے کہ ابن عدی نے کہا ہے۔ کہ اسکی بعض احادیث غلط ہیں۔

فصل ۱۰

جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ جسموں کی پیدائش روحوں سے پہلے ہے یا یوں کہیئے کہ روحوں کو جسموں کے بعد پیدا کیا گیا ہے تو اسکی کئی وجوہ ہیں"

(۱) ابوالبشر جو تمام مخلوقات کی اصل ہیں۔ اُن کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو بھیجا۔ انہوں نے زمین سے مٹھی بھر مٹی لی۔ پھر اُس کا خمیر اٹھایا۔ یہاں تک کہ وہ کیچڑ بن گیا۔ پھر اسکی صورت گری کی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی۔ جب اس میں روح پھونکی اور اس میں روح داخل ہوئی تو اس کا گوشت اور خون بن گیا، اور وہ بولنے لگا۔ حضرت ابومالک، اور ابوصالح کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ نیز ابن مسعود اور کئی اصحاب نبی کریم سے بھی روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی پسندیدہ مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہوا تو عرش پر مستوی ہو گیا۔ اور ابلیس کو سمائے دنیا پر فرشتہ بنا دیا۔ فرشتوں میں شامل ہونے سے قبل وہ خازنین میں سے تھا۔ انہیں جن کہا جاتا تھا۔ انہیں جن اس لئے کہا گیا کہ وہ اہل جنت کے خازنین میں سے تھے۔ ابلیس فرشتہ ہونے کے ساتھ ساتھ خازن بھی تھا وہ کہنے لگا اللہ نے مجھے وہ مرتبہ دیا ہے۔ جو فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس جب اس کے دل میں خیال پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ اس پر مطلع ہو گیا۔ اور اس نے

فرشتوں سے کہا:۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً — بے شک میں زمین میں اپنا نائب بنانیوالا ہوں

فرشتے کہنے لگے۔ اس خلیفہ کا کیا حال ہوگا۔ وہ لوگ زمین میں کیا کریں گے۔ ارشاد فرمایا۔ اس کی اولاد ہوگی۔ وہ زمین میں فساد کریں گے۔ ایک دوسرے پر حسد کریں گے۔ ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ اس پر فرشتوں نے کہا۔

اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۔ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

کیا آپ زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کریں گے جو فساد کریں گے اور خون ریزیاں کریں گے۔ ہم تیری حمد کے ساتھ برابر تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (یعنی ابلیس کا حال)

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو زمین کی طرف بھیجا تاکہ وہاں سے مٹی رب تعالیٰ کے پاس لے جائیں۔ زمین نے کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اس بات سے کہ تو مجھ سے مٹی لے۔ پس حضرت جبریلؑ واپس آگئے اور کچھ نہ لیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اس نے تو تیری پناہ لی ہے۔ سو میں نے پناہ دے دی۔ پھر حضرت میکائیلؑ کو بھیجا۔ اُن سے بھی زمین نے پناہ مانگی تو انہوں نے پناہ دے دی پھر ملک الموت کو بھیجا۔ اُن سے بھی پناہ چاہی۔ انہوں نے کہا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کئے بغیر واپس چلا جاؤں سو زمین کی سطح سے مٹی لی۔ اسے خلط ملط کر دیا۔ صرف ایک جگہ سے نہ لی۔ سرخ سفید اور کالی تینوں قسم کی مٹی لی۔ اسی لئے بنی آدم مختلف رنگوں کے پیدا ہوتے ہیں پھر اسے لیکر اللہ تعالیٰ کی طرف صعود کیا۔ یہاں تک کہ وہ مٹی چپکنے والی کیچڑ بن گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا۔

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

بے شک میں کیچڑ سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں جب میں اسے درست کر چکوں اور میں

فَقَعُوا لَهٗ سَاجِدِيْنَ ۝ اپنی طرف سے روح پھونک چکوں تو تم سجدہ کیلئے اس کے سامنے گر پڑنا۔

پس اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تاکہ ابلیس حضرت آدمؑ پر اپنی بڑائی نہ جتلا سکے۔ اور تاکہ رب تعالیٰ اسے فرما سکیں کہ تو اس مخلوق پر اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔ حالانکہ میں خود اس پر اپنی بڑائی نہیں جتلاتا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اسے بہتر بنایا۔ چالیس سال تک وہ کیچڑ کا جسم رہا۔ فرشتے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے سب سے زیادہ ابلیس ڈرتا تھا۔ وہ حضرت آدم کے پاس سے گزرتا تو انہیں بجاتا تھا۔ اس مجسمہ سے ایسی آواز پیدا ہوتی جس طرح کہ ٹھیکرا آواز پیدا کرتا ہے اور اس سے گھنٹی کی سی آواز پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اسے ٹھیکری کیطرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا۔ شیطان کہتا تو کسی بڑے کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس وہ منہ سے داخل ہوا اور پیچھے کی راہ نکل گیا۔ سو ملائکہ سے فرمایا کہ اس سے نہ ڈرو۔ کیونکہ تمہارا رب ٹھوس ہے۔ اور اس کا پیٹ کھوکھلا ہے۔ اگر یہ غلبہ حاصل کرے گا تو ہم اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر جب وہ مرحلہ آیا جبکہ اللہ کا ارادہ تھا کہ اس میں روح پھونکے تو فرشتوں سے فرمایا کہ جب میں اس میں اپنی طرف سے روح پھونکوں تو تم اسے سجدہ کرنا جب اس میں روح ڈالی۔ تو روح سر میں داخل ہوئی۔ اس پر حضرت آدم کو چھینک آئی۔ فرشتوں نے کہا۔ الحمد للہ کہہ۔ حضرت آدم نے کہا الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا رب تجھ پر رحم کرے۔ جب روح آنکھوں میں داخل ہوئی۔ تو حضرت آدمؑ نے جنت کے پھلوں کی طرف نظر کی۔ جب روح پیٹ میں پہنچی تو بھوک کی طلب محسوس کی۔ حالانکہ ابھی پاؤں تک روح نہیں پہنچی تھی۔ پس جنت کے پھلوں کی طرف جلدی کی۔ اس لئے اللہ نے فرمایا ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ انسان عجلت پسند پیدا کیا گیا ہے۔

اسکے بعد باقی حدیث بیان کی ہے

ابن زید کہتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا کیا تو فرشتے اس سے بہت ڈرے، اور رب تعالیٰ سے عرض کی۔ کہ تو نے اس آگ کو کیوں پیدا کیا ہے اور کس چیز کے لئے پیدا کیا ہے۔

رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جس مخلوق نے میری نافرمانی کی اس کے لئے اسے پیدا کیا ہے۔ مگر اس دن تک اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور زمین کے سوا کسی کو پیدا نہیں کیا تھا۔ زمین میں کوئی مخلوق نہ تھی۔ حضرت آدمؑ تو اس کے بعد ہوئے اس کے بعد اللہ کا یہ قول پڑھا۔

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا	بیشک انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابل تذکرہ نہ تھا

حضرت عمر بن الخطاب نے عرض کی یا رسول اللہ! کاش وہ وقت ہوتا۔ ابن زید کہتے ہیں پھر فرشتوں نے کہا کیا ہم پر ایک زمانہ ایسا آئے گا۔ جبکہ ہم تیری نافرمانی کریں گے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ بس وہی مخلوق خدا ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں زمین میں ایک مخلوق پیدا کروں اور اسے اس میں خلیفہ و نائب بناؤں۔ اور حدیث کا ذکر کیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں اللہ بہتر جانتا ہے مگر لوگ کہتے ہیں۔ کہ اللہ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ پھر اسے رکھ دیا۔ پیشتر اس کے کہ اس میں روح پھونکے۔ چالیس سال تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بجنے والے ٹھیکرے کی طرح ہو گیا حالانکہ اسے آگ نے چھوا تک نہ تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے واللہ اعلم۔ کہ جب روح سر تک پہنچی تو اس کو چھینک آئی۔ جس پر انہوں نے کہا الحمد للہ۔ آگے باقی حدیث کا ذکر کیا ہے۔

قرآن۔ حدیث اور آثار اس بات پر شاہد ہیں۔ کہ حق سبحانہ نے جسم کی تخلیق کے بعد اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔ اسی نفخ روح کے وقت اس میں

روح واقع ہوئی - اور اگر اس کی روح باقی تمام روحوں کے ساتھ اس کے بدن سے پہلے ہوتی تو فرشتے اس کی تخلیق سے حیران نہ ہوتے - اور نار جہنم کی پیدائش سے حیران نہ ہوتے - اور نار جہنم کی پیدائش سے حیران نہ ہوتے اور یہ نہ کہتے کہ تو نے اسے کس چیز کے لئے پیدا کیا ہے - جبکہ وہ ارواح بنی آدم کو دیکھ رہے تھے کہ ان میں مومن، کافر، پاک، ناپاک سبھی قسم کے لوگ ہیں - دوسری بات یہ ہے - کہ کفار کی روحیں ابلیس کی متبع نہ ہوئیں - بلکہ وہ مستقل طور پر شیطان کے کفر کرنے سے بھی قبل کی کافر مخلوق ہوئیں - بے شک حق سبحانہ نے آدم کے جسم اور روح کے بعد اس کے کفر کا تبصرہ کیا ہے - اس کے قبل وہ کافر نہ تھا - تو اس سے پہلے ہی ارواح کس طرح کافر یا مومن ہوتیں - حالانکہ اس وقت تک وہ کافر نہ تھا - روحوں کا انکار اس کے خوش آئند و پسندیدہ کرکے دکھانے اور اقرار کرنے کے بعد صادر ہوا - پس کافر روحیں اس کے کفر کے بعد ہوئیں - یوں کہنا چاہیئے کہ وہ سب مومن روحیں تھیں - پھر ابلیس کے سبب سے کافر بن گئیں - حدیث ابی ہریرہ میں عالم کی پیدائش کے بارے میں جہاں کی تمام جنسوں کی پیدائش کے متعلق خبریں ہیں - اور حضرت آدم کی پیدائش کو جمعہ کے دن تک مؤخر کرنے کا ذکر ہے - اگر روحوں کو جسموں سے پہلے پیدا کردیا گیا ہوتا تو روحیں بھی ان چھ دنوں میں باقی تمام مخلوق عالم میں سے ہوتیں - پس جب ان کی تخلیق کے بارے میں ان دنوں میں تبلیغ تو جاننا چاہیئے کہ ان کی پیدائش بھی تمام اولاد کی پیدائش کے تابع ہے - اور یہ کہ صرف آدم ہی کی پیدائش ان چھ دنوں میں ہوئی ہے

اگر بدن سے قبل روح کا وجود ہوتا اور وہ زندہ عالم و ناطق ہوتی تو وہ اس عالم میں کچھ تو اس کا شعور رکھتی ہوتی - یہ بات امر ممتنع ہے - کہ وہ عالم ارواح میں زندہ جاننے بولنے اور اپنے رب کو پہچاننے والی ہوتی - پھر جب اس بدن کی طرف منتقل ہوتی تو اس کو اس کا شعور کسی جہت سے بھی نہ ہوتا -

نیز اگر روح بدن سے قبل موجود ہوتی تو جاننے والی - زندہ اور گویا ہوتی تو یہ کیسے

ہو سکتا ہے کہ جب جسم کے ساتھ متعلق ہوئی تو سب کی صفات سلب ہو گئیں۔ مگر پھر احساس، علم اور فہم تھوڑا تھوڑا پیدا ہونے لگا۔ اگر ایسا ہے تو یہ عجیب معاملہ ہوگا کہ پہلے روح کامل و عاقل تھی۔ پھر ناقص، کمزور اور جاہل ہو گئی۔ اس کے بعد پھر عقل و قوت کی طرف دوبارہ عود کرتی ہے۔ کیا عقل و نقل اور فطرت میں اس کے لئے کوئی دلیل ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے:۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ	اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا۔ جبکہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور تمہیں کان آنکھیں اور دل دیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔

پس یہی وہ حال ہے۔ جس پر ہمیں نکالا گیا۔ اور یہی ہماری اصلی حالت ہے۔ کہ ہمیں علم، عقل، معرفت و قوت بعد میں حاصل ہوئی۔ اس سے قبل ہم بالکل کچھ نہ جانتے تھے۔ کیونکہ ہمارا کوئی ایسا وجود نہ تھا۔ جس سے ہم کچھ جانتے اور سمجھتے۔ مزید برآں اگر روح جسم سے قبل پیدا ہوتی اور پاک و ناپاک، کافر و مومن، خیر و شر ہونے میں اپنی موجودہ حالت پر ہوتی تو گویا یہ امور اعمال سے قبل ہی اس کے لئے ثابت ہو چکے۔ جن کی طلب میں اس نے کوشش کی اور بدن سے بھی اسپر مدد حاصل کی۔ ان حیثیات و صفات سے وہ قیام بالبدن سے قبل متصف نہ تھی۔ وہ ابدان ہی ہیں۔ جنہوں نے یہ اعمال کئے۔ اور اگر اس کے لئے اس کے معرض وجود میں آنے سے قبل ہی یہ مقدر ہو چکا تھا پھر وہ اسی مقدر کے مطابق اس دنیا کی طرف آئی تو ہمیں کتاب اور قدر سابق سے جو اس کے لئے اللہ کی طرف سے مقدر ہو چکی تھی۔ انکار نہیں ہے۔ اور اگر کوئی دلیل اس بات پر قائم ہوتی کہ روحیں تمام پیدا کر دی گئی تھیں۔ پھر ایک مقام پر انہیں منتقل کر دیا گیا۔ وہ بولتی تھیں۔ جانتی تھیں۔ زندہ تھیں۔ پھر ہر وقت وہ اپنے جسموں کی طرف تھوڑی تھوڑی کر کے ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ پیدا کرنے والا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اس پر سب سے پہلے ایمان لانے والے ہم ہوتے۔ مگر

کیا کریں۔ ہمیں اسکے خلق و امر کے متعلق خبر نہیں دی گئی۔ مگر وہی کچھ جو اللہ نے اپنے رسول اکرمؐ اس کے متعلق خبر دی رہی جو حدیث صحیح میں ہے۔ کہ ابن آدم اپنی ماں کے بطن میں چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک علقہ یعنی منجمد خون۔ پھر گوشت کا لوتھڑا۔ پھر اسکی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے۔ اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ تو یہ روح کے وجود پذیر ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ فرشتہ کو روح دیکر بھیجتا ہے۔ اور وہ اس کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے۔ بلکہ وہ فرشتہ کو بھیجتا ہے۔ جو اس میں روح پھونکتا ہے۔ نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وہ روح فرشتہ کے ساتھ بھیجی جو مدت مدید اور عرصۂ بعید سے موجود تھی پس دونوں کے درمیان فرق ہے۔ کہ وہ ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔ جو اس میں روح ڈالتا ہے۔ اور یہ کہ وہ ایک پیدا شدہ قائم بالذات روح کو فرشتہ کے ساتھ بھیجتا ہے ان دونوں معنوں میں سے جس پر کوئی نص صریح دلالت کرے۔ اس میں غور و فکر کرنا چاہیئے۔ باللہ التوفیق۔

فصل ۲۸

انتیسواں مسئلہ اس بیان میں ہے کہ نفس کی حقیقت کیا ہے؟

کیا یہ بدن کے اجزاء میں سے کوئی جزو ہے یا اس کے اعراض میں سے کوئی عرض ہے یا کوئی جسم ہے جسے بدن میں رکھا گیا ہے اور کیا روح یہی ہے یا روح کے علاوہ کوئی دوسری شئی ہے۔ کیا نفس امارہ، لوامہ، اور مطمئنہ ایک ہی نفس ہے یا تین نفس ہیں؟

جواب:۔ ان مسائل کے بارے میں ہر گروہ نے اظہار خیال کیا ہے۔ اور ان کے اقوال میں سخت اضطراب ہے۔ اکثر لوگ سخت غلطیاں کر گئے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے متبعین رسول و اہل سنت کی اس اختلاف میں بھی ہدایت فرمائی ہے۔

مولا کریم سے چاہتے ہیں، سیدھے راستے سے نوازتے ہیں۔ ہم ان تمام اقوال کو اور ان پر جو اعتراض وارد کیے گئے ذکر کرتے ہیں۔ اور ان میں سے جو حق ہے اس کو بھی بیان کر دیتے۔

ابوالحسن اشعری نے اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ لوگوں نے، روح نفس، اور حیات، کے بارے میں اختلاف کیا ہے، کیا روح ہی حیات ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور شے ہے؟ کیا روح جسم ہے یا نہیں؟

نظام نے کہا ہے کہ روح جسم ہے اور یہی نفس ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ روح بنفسہ زندہ ہے اور اس نے اس بات سے بھی انکار کیا ہے کہ حیات اور قوت کے معنی حی، اور قوی، کے سوا کوئی اور ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے۔ کہ روح، عرض ہے۔ ناشی گروہ میں سے کسی نے بھی کہا ہے۔ جن میں جعفر بن حرب بھی ہیں، کہ ہم نہیں جانتے کہ روح جوہر ہے یا عرض اور انہوں نے اس آیت کو اپنی دلیل بنایا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی، اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ یہ جوہر ہے یا عرض۔

نظام کہتا ہے۔ میرا خیال ہے جعفر نے حیات کو روح کے علاوہ کوئی اور شیئ ثابت کیا ہے اور حیات کو عرض ثابت کیا ہے، اور جہائی اس طرف گئے ہیں کہ روح جسم ہے اور وہ حیات کے علاوہ کوئی اور شئ ہے۔ اور حیات عرض ہے۔ انہوں نے اہل لغت کے اس قول کو دلیل بنایا ہے، کہ لوگ کہتے ہیں مستخرجت روح الانسان" یعنی انسان کی روح نکل گئی بعضوں نے کہا ہے کہ روح طبائع اربعہ کے علاوہ کوئی اور شے نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا کے اندر طبائع اربعہ ہی کو ثابت کیا ہے، طبائع اربعہ یہ ہیں۔ حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست بعضوں نے کہا ہے کہ طبائع اربعہ کے علاوہ روح ایک پانچویں چیز ہے۔ اور دنیا کے اندر طبائع اربعہ اور روح ہی ہیں۔ پھر ان میں بھی اختلاف ہے بعض نے طبائع کو روح کہا ہے۔ بعض نے اجساد کو اور بعض نے کہا ہے کہ روح تمام ہے اس خالص، صاف خون کا جس میں عفونت

اور گندگی وغیرہ نہ ہو۔ اسی طرح انہوں نے نور کے بارے میں کہا ہے۔
بعض نے کہا کہ حیات اسی حرارت غریزی ہے۔ یہ سب کے سب جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اہل طبائع سے ہیں یہ لوگ ثابت کرتے ہیں کہ حیات یہی روح ہے۔
اصم، روح و حیات کو جسد ہی ثابت کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ سوائے جسم کے جو طول و عرض و عمق رکھتا ہے۔ یہاں کوئی اور چیز بھی ہے وہ یہ بھی کہا کرتا تھا کہ نفس، بجنسہ بدن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شئی نہیں ہے۔ اور اس پر نفس کا اطلاق بطور مجاز کے کیا گیا ہے
ارسطاطالیس سے روایت کی گئی ہے۔ کہ نفس ایک بلند شئی ہے جو نسق اور رنگ کے تحت واقع نہیں ہو سکتا۔ اور وہ جوہر بسیط ہے اور تمام عالم میں ہر حیوان کے لئے اس کے اعمال و تدبیر کے اعتبار سے ثابت ہے، اور اس کے لئے قلت و کثرت کی صفت کا اطلاق جائز نہیں۔ نیز اس نے کہا ہے کہ گویہ کہا جاتا ہے کہ وہ عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے باوجود اس کی ذات اور بنیاد غیر منقسم ہے اور وہ عالم کے ہر حیوان کے اندر ایک ہی معنی کے اعتبار سے ہے۔ دوسروں نے کہا ہے۔ کہ نفس ایک موجود ذات ہے۔ جس کی کچھ حد و دار کان ہیں اور وہ طول و عرض و عمق والا ہے۔ اور وہ اس عالم کے اندر ہر اس چیز سے جس پر طول، عرض، عمق کا حکم لگتا ہے۔ جدا نہیں ہوتا، اور وہ محدود و معین ہے
ایک اور گروہ نے بھی ان مذکورہ لوگوں کی طرح اس کے اندر حدود اور نہایات کے معنی بیان کئے ہیں۔ ہاں اتنی بات کا اضافہ انہوں نے اور کیا ہے کہ وہ حیوانوں کے سوا اور اشیاء کے لئے نہیں ہو سکتا ہے۔ یعنی صرف انہی اشیاء میں عالم کے اندر ہوگا جو صفت حیوانیت سے متصف ہوں۔
جریر نے جعفر بن بشر سے بیان کیا ہے کہ نفس جوہر ہے۔ نہ وہ یہ جسم ہے اور نہ ہی اور جسم ہے۔ لیکن اس کے معنی جوہر جسم کے مباین ہیں۔
اور دوسروں نے کہا ہے کہ نفس کے معنی روح کے علاوہ ہیں۔ اور روح،

حیات کے علاوہ کوئی اور شئی ہے۔ اور حیات، ان کے نزدیک عرض ہے۔ اسی کا قائل ابوالہذیل ہے۔ اس کا خیال کہ یہ جائز ہے کہ نیند کی حالت میں انسان کا نفس اور روح مسلوب ہو جائیں اور حیات مسلوب نہ ہو وہ اس آیت سے استشہاد کرتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔

جعفر بن حرب نے کہا ہے کہ نفس بھی اعراض میں سے ایک عرض ہے جو اس جسم کے اندر پایا جاتا ہے۔ دوسرے آلات کی طرح وہ بھی ایک آلہ ہے جس سے انسان صحت و سلامتی اور بیان جیسے دوسرے افعال پر مدد چاہتا ہے۔ اور وہ صفات جواہر و اجسام سے متصف نہیں ہے، اشعری نے بھی یہی کہا ہے۔

ایک گروہ نے کہا ہے کہ نفس، وہ ہوا ہے جو سانس لیتے وقت اندر باہر آتی ہے ان لوگوں نے کہا ہے کہ روح عرض ہے، اور وہ فقط حیات ہے۔ اور یہ نفس کے علاوہ کوئی اور شئی ہے۔ اور یہی قول قاضی ابوبکر باقلانی اور اس کے متبعین فرقۂ اشعریہ کا ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ نفس جسم نہیں ہے۔ اور نہ ہی عرض ہے۔ اور نہ ہی نفس مکان میں ہے، نہ ہی اس کے لئے طول، عرض، عمق، رنگ، اور بعضیت ہے اور نہ ہی وہ عالم میں ہے۔ نہ اس سے خارج ہے اور نہ ہی اس کے حجانبا و مباین ہے۔ یہی قول مشائیین کا ہے۔ یہی وہ چیز ہے۔ جسے اشعری نے ارسطاطالیس سے روایت کیا ہے۔

ان کا خیال ہے کہ اس کا تعلق بدن کے ساتھ نہ تو حلول کے ذریعے سے ہے اور نہ ہی اس سے مجاورت، مساکنت، التصاق، اور مقابلے کے اعتبار سے بلکہ صرف تدبیر کے ذریعے سے ہے۔ یہی مذہب ابوبکر محمد بن نعمان (جن کا لقب مفید ہے) معمر بن عباد اور غزالی کا ہے۔ اور یہی قول ابن سینا اور اس کے متبعین کا ہے، یہ تمام مذاہب میں سے سب ردی اور باطل مذہب ہے اور حق سے بہت دور ہے۔

ابو محمد بن حزم نے کہا ہے تمام اہل اسلام اور وہ ملتیں جو کہ معاد کی قائل ہیں، اسی طرف گئے ہیں۔ کہ نفس جسم ہے جس میں طول، عرض، عمق ہے، جثہ والے مکان کے اندر ہے۔ اور جسم کے لئے تصرف کرنے والا ہے۔ اور یہی ہم کہتے ہیں نیز وہ کہتا ہے کہ نفس اور روح دو مترادف نام ہیں۔ جن کا ایک ہی مفہوم ہے۔

ابو عبداللہ ابن خطیب نے نفس کے بارے میں لوگوں کے مذاہب پر گرفت کی ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ چیز جس طرف ہر انسان اپنے اس قول سے اشارہ کرتا ہے کہ میں ہوں جسم ہوگا، یا عرض جو کہ جسم میں ساری ہے یا نہ جسم ہوگا۔ اور نہ عرض جو کہ جسم میں ساری ہے۔ پہلی صورت یہ ہوئی کہ وہ جسم ہے، تو یہ جسم ہی یہی بدن ہوگا۔ یا ایسا جسم ہوگا۔ جو اس بدن کے مشارک ہے، یا اس سے ایسے خارج ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نفس انسانی عبارت ہے۔ ایسے جسم سے جو اس بدن اور ہیکل مخصوص سے خارج ہے۔ اس کا کوئی نہیں۔ رہی پہلی صورت یعنی یہ کہ انسان اس بدن اور ہیکل مخصوص سے عبارت ہو تو یہ مختار عوام ہے اور جمہور متکلمین کا مذہب ہے میں کہتا ہوں۔ یہ قول ان عوام کا ہے جو اہل بدعت اور گمراہ ہیں جنہیں رازی نے ذکر کیا ہے۔ صحابہ، تابعین، اور اہل حدیث کے قول کا اسے شعور تک بھی نہیں ہوا۔ اور مذہب حق جس پر قرآن، سنت اور اقوال صحابہ نے دلالت کی ہے۔ اس کو اس نے نہیں پہچانا۔ اور نہ ہی اس کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ جو اس نے عوام کی طرف نسبت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ انسان نام ہے صرف اسی مخصوص بدن کا اس کے ماورا، کوئی چیز نہیں ہے یہ باطل اقوال سے بھی زیادہ باطل ہے۔

بلکہ جمہور عقلاء تو اس پر متفق ہیں کہ انسان، بدن اور روح دونوں کا نام ہے۔ قرینے کی بنا پر ان میں سے ایک کا نام دوسرے پر بولا جاتا ہے۔

مسمی انسان کے بارے میں لوگوں کے چار قول ہیں۔ کہ وہ فقط روح ہے، یا فقط بدن ہے، یا ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ یا ان دونوں میں سے ہر ایک ہے

یہ چاروں اقوال، اس کے کلام میں، وہ فقط لفظ ہے یا فقط معنی ؟ ان دونوں کا مجموعہ ہے یا ان سے ہر ایک۔ رازی نے کہا ہے کہ ان میں اختلاف ناطق اور اس کے نطق میں ہے۔ رازی کہتا ہے اور دوسری صورت یعنی یہ کہ انسان عبارت ہے جسم مخصوص موجود سے جو کہ اس بدن میں داخل ہے۔ اس قول کے قائلین نے کئی وجوہ کی بنا پر اس جسم کی تعیین میں اختلاف کیا ہے۔

۱ - یہ کہ، یہ عبارت ہے چاروں اخلاط سے جن سے بدن بنتا ہے

۲ - وہ خون ہے۔

۳ - وہ روح لطیف ہے جو دل کے دائیں جانب پیدا ہوتی ہے۔ اور تمام اعضاء میں رگوں کے ذریعے سے اندر جاتی ہے۔

۴ - وہ روح ہے جو دل سے دماغ کی طرف چڑھتی ہے۔ اور قوت حفظ، ذکر اور فکر، کے قبول کے لئے صالح کیفیت کے ساتھ تکیف ہوتی ہے۔

۵ - وہ دل کے اندر ایک جزو لا یتجزأ ہے

۶ - وہ جسم ہے جو ماہیت کے اعتبار سے اس جسم محسوس کے مخالف ہے۔ اور وہ ایک نورانی، علوی، خفیف، حی، متحرک، جسم ہے، جو جوہر اعضاء میں داخل ہوتا ہے اور ان میں ایسے چلتا ہے۔ جیسے پانی پھولوں میں، تیل زیتون میں، اور آگ کوئلے میں۔ جب تک ان اعضاء میں ان آثار کے قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جو کہ ان پر اسی جسم لطیف کی بدولت ہوتے ہیں تو وہ جسم لطیف ان اعضاء کے ساتھ چمٹا رہتا ہے۔ اور انہیں ان آثار کا فائدہ پہنچاتا رہتا ہے۔ جیسے حس و حرکت ارادیہ وغیرہ اور جب یہ اعضاء کسی غلظت کے اختلاط سے فاسد ہو جاتے ہیں اور ان آثار کو قبول نہیں کر سکتے تو روح بدن سے جدا ہو کر عالم ارواح کی طرف چلی جاتی ہے۔ یہ قول صحیح ہے۔ اس کے سوا باقی تمام اقوال باطل ہیں۔ اسی پر کتاب، سنت، اجماع صحابہ، عقلی و فطری دلائل نے دلالت

کی ہے۔ ہم ہر ایک دلیل کا الگ الگ ذکر کرتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمیٰ" آیت میں تین دلیلیں ہیں۔ اس کے مرنے کی، روکنے کی، اور بھیجے جانے کی۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولو ترٰی اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون (۲) ولقد جئتمونا فرادی کما خلقنٰکم اول مرۃ"

اس میں چار دلیلیں ہیں (۱) اس کے لینے کے لئے فرشتوں کا ہاتھ پھیلانا (۲) اخراج اور خروج کے ساتھ اس کی صفت۔ (۳) اس دن میں اس کے عذاب کی خبر (۴) اپنے رب کی جانب اس کے آنے کی خبر، تو یہ سات دلیلیں ہوئیں۔

۸۔ خدائے تعالیٰ کا قول، وھو الذی یتوفٰکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنھار۔ ثم یبعثکم فیہ لیقضیٰ اجل مسمیٰ ثم الیہ مرجعکم (۲) حتیٰ اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا وھم لا یفرطون"

اس میں تین دلیلیں ہیں۔

۱۔ رات کو نفوس کے مرنے کی خبر

۲۔ دن کو انہیں ان کے جسموں کی طرف بھیجنے کی خبر،

۳۔ موت کے وقت فرشتوں کا اسے فوت کرنا۔

یہ دس دلیلیں ہوئیں۔

۱۱۔ خدائے تعالیٰ کا قول، یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"

اس میں تین دلیلیں ہیں

(۱) رجوع کے ساتھ اس کی صفت لانا۔

۲- دخول سے اس کی صفت لانا۔

۳- رضا کے ساتھ موصوف کرنا

سلف کا اس بارے میں اختلاف ہے، کہ کیا یہ موت کے وقت اس سے کہا جاتا ہے یا بعث کے وقت یا دونوں جگہوں پر۔

مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق سے فرمایا کہ موت کے وقت منقریب فرشتہ تجھ سے یہ الفاظ کہے گا۔

زید بن اسلم نے کہا ہے کہ اس سے موت کے وقت، قیامت کے دن اور بعث کے وقت، جنت کی بشارت دی گئی ہے

ابوصالح نے کہا ہے کہ "ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ" تو موت کے وقت کہا جاتا ہے۔ اور "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" قیامت کے دن کہا جائے گا۔ یہ چودہ دلیلیں ہوئیں۔

۱۵- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو نظر اس کا پیچھا کرتی ہے۔ دو دلیلیں ہیں۔

۱- آپ نے قبض ہونے کے ساتھ اس کی توصیف کی"

۲- یہ کہ نظر اسے دیکھتی ہے"

۱۶- نسائی میں حضرت عمارہ بن خزیمہ سے مروی ہے۔ اُن کے باپ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کر رہا ہوں، انھوں نے حضور کو اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا کہ روح روح سے ملتی ہے، راوی کہتا ہے پھر آپ نے اپنے اوپر کپڑا ڈال دیا، عفان نے کہا کہ وہ کپڑا، آپ نے سر سے پیچھے کی طرف ڈالا تھا۔ آپ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ ارواح آپس میں نیند کے اندر ملتی ہیں۔

حضرت ابن عباس کے قول میں پہلے یہ گذر چکا ہے کہ نیند میں مردوں زندوں کی روحیں آپس میں ملتی ہیں اور ایک دوسرے سے سوال و جواب بھی کرتی ہیں

اور اللہ تعالیٰ مردوں کی روحوں کو روک لیتے ہیں۔

۱۷۔ حضرت بلال رضؓ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔ کہ "اللہ تعالےٰ نے تمہاری روحوں کو قبض کیا اور انہیں تمہاری طرف لوٹا دیا جب اس نے چاہا" تو اس میں دو دلیلیں ہیں۔ کہ آپؐ نے قبض اور لوٹانے کے ساتھ اسے موصوف کیا۔

۱۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں معلق کیا جاتا ہے۔ اس میں دو دلیلیں ہیں۔

۱۔ اس کا پرندہ ہونا۔

۲۔ جنت کے درخت سے اس کا تعلق، اور کھانا وغیرہ

۱۹۔ آپؐ کا قول، کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور قندیلوں میں جو کہ عرش کے ساتھ معلق ہیں آرام کرتی ہیں پھر یہ روردگار اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں تم کونسی نئی چیز چاہتے ہو، یہ پہلے گذر چکا ہے۔ اس میں چھ دلیلیں ہیں۔

۱۔ پرندوں کے پوٹوں میں ہونا،

۲۔ جنت میں گھومنا۔

۳۔ جنت کے پھلوں اور نہروں سے کھانا پینا۔

۴۔ قندیلوں میں آرام کرنا،

۵۔ رب تعالیٰ کا خطاب فرمانا اور اُن کا جواب وغیرہ دینا۔

۶۔ دنیا میں اُن کا لوٹنے کی تمنا کرنا، اور اس بات کو جاننا کہ لوٹنا ممکن نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو سب پرندے کی صفات ہیں روح کی نہیں ہیں تو جواب میں کہا جائے گا۔ کہ یہ صفات اس روح کی ہیں جو پرندے کے اندر رکھی گئی ہے

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے جیسے ابو عمر نے ترجیح دی ہے۔ کہ شہیدوں

کی روحیں پرندے کی مانند ہیں۔ ان الفاظ سے تو سوال ہی باقی نہیں رہتا۔

(۲۹) طلحہ ابن عبید اللہ کی روایت ہے۔ کہ میں اپنے مال کی تلاش میں ایک جھاڑی میں گیا، مجھے وہاں پہ رات ہوگئی تو میں عبد اللہ ابن عمرو حرام کی قبر کے پاس آرام کرنے لگا، میں نے قبر سے قرأت کی آواز سنی، اتنی خوش الحان آواز میں نے قبر سے قرأت کی آواز نہ سنی، اتنی خوش الحان آواز میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا یہ عبد اللہ کی آواز تھی، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو قبض کرکے یاقوت اور زبرجد کی قندیلوں میں داخل کرکے جنت کے وسط میں معلق کر دیا ہے جب رات ہوتی ہے۔ تو ان کی روحیں ان کی طرف واپس کر دی جاتی ہیں۔ فجر کے طلوع ہونے تک ایسا ہی ہوتا ہے، جب صبح ہوتی ہے تو اُن روحوں کو اُن کے مکانوں کی طرف (قندیلوں میں) لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس میں چار دلیلیں ہیں۔ یہ اُن کے علاوہ ہیں جو پہلے گذر چکی ہیں۔

۱۔ ان کا قندیلوں میں ہونا۔

۲۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہونا،

۳۔ قبر میں پڑھنا اور باتیں کرنا،

۴۔ یہ کہ وہ ایک خاص مکان میں ہیں۔

(۳۳) براء بن عازب کی حدیث میں جس کا سیاق پہلے گذر چکا ہے۔

بیس دلیلیں ہیں۔

۱۔ نفس سے ملک الموت کا یہ کہنا۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ"

۲۔ ملک الموت کا اس سے یہ کہنا کہ خدائے تعالیٰ کی بخشش اور رضوان کی طرف نکل،

۳۔ اس کا اس طرح بہتے ہوئے نکلنا جس طرح قطرہ مشک سے نکلتا ہے۔

۴ - اُن کا اسے نہ چھوڑنا اور فوراً اس سے لے لینا۔
۵ - آپؐ کا یہ قول کہ وہ اُسے اس کفن میں کفناتے ہیں اور خوشبو لگاتے ہیں۔ تو اُن کا کفن دینا اور خوشبو لگانا۔
۶ - اس کی روح کو آسمان کی طرف لے جانا۔
۷ - آپؐ کا یہ قول، کہ پھر اُس سے مشک سے بھی زیادہ خوشبو کا نکلنا ہے۔
۸ - اس کے لئے آسمانوں کے دروازوں کا کھولا جانا۔
۹ - آسمان کے مقرب فرشتوں کا اس کے ساتھ وداع کرنے کے لئے جانا۔
۱۰ - اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ میرے بندے کو زمین پر واپس لوٹا دو۔
۱۱ - اس کی روح کا اس کے جسد میں واپس لوٹایا جانا،
۱۲ کافر کی روح کے متعلق آپؐ کا یہ فرمانا۔ کہ وہ اس کے جسد میں متفرق ہو جاتی ہے ملک الموت اسے کھینچتا ہے تو اُس کے ساتھ رگیں اور پٹھے کھنچ آتے ہیں۔
۱۳ - اُس کی روح کا اتنا بدبودار ہونا، کہ اس جیسی بدبو روئے زمین پر نہیں ہوتی۔
۱۴ - آسمان سے اُس کی روح کا پھینکے جانا اور زمین پر اس کا گرنا۔
۱۵ - فرشتوں کی جماعتوں کے پاس روح کا لے جانا اور اُن کا یہ کہنا کہ یہ روح کتنی پاکیزہ ہے یا کتنی خبیث ہے۔
۱۶ - منکر نکیر کا مردے کو بٹھانا اور پوچھنا کہ تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اگر یہ روح کے لئے ہے پھر تو ظاہر ہے، اور اگر بدن کے لئے ہے تو آسمان سے اُس کی طرف کے لوٹنے کے بعد کی یہ بات ہے۔
۱۷ - جب اس کی روح کو اوپر اٹھایا جاتا ہے۔ اے اپنے پروردگار کے فلاں بندے
۱۸ - اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ اسے واپس لے جاؤ۔ اور اس کا ٹھکانا جو اس کے لئے تیار کیا گیا ہے دکھاؤ، تو جنت یا جہنم میں اس کا اپنے ٹھکانے کو دیکھنا
۱۹ - آپؐ کا یہ قول، کہ جب مؤمن کی روح نکلتی ہے تو آسمان و زمین کے درمیان

کے تمام فرشتے اس پر نماز پڑھتے ہیں - تو فرشتے اس کی روح پر نماز پڑھتے ہیں اور بنی آدم اس کے جسد پر نماز پڑھتے ہیں

۲۰ - آپؐ کا قول، کہ وہ اپنے آگ کے ٹھکانے کو دیکھتا رہتا ہے - حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائیگی، اور بدن پھٹ چکے گا - تو جو ٹھکانے کو دیکھتا ہے وہ روح کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے -

---

فصل ۷۹

"ابو موسیٰ کی حدیث"

کہ مومن کا نفس نکلتا ہے تو اس سے مشک سے بھی زیادہ خوشبو پھوٹتی ہے جو ملائکہ اسے فوت کرتے ہیں - وہی اُسے لے جاتے ہیں جب آسمان کے در سے ان سے فرشتے ملتے ہیں - تو وہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے - اور ایسے ایسے اچھے عمل کرتا تھا - تو وہ مرحبا کہتے ہیں اور اس کو اُن فرشتوں سے لے لیتے ہیں - اور اُسے اس دروازے سے لے جاتے ہیں - جس سے اس کے اعمال جایا کرتے تھے - وہ آسمانوں میں سورج کی طرح چمکتا ہے حتیٰ کہ عرش تک پہنچ جاتا ہے

اور جب کافر کی روح کو نکال کر لے جاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں یہ کون ہے ؟ وہ جواب دیتے ہیں - یہ فلاں بن فلاں ہے - یہ ایسے ایسے برے اعمال کیا کرتا تھا، تو فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اسے مرحبا نہ ہو، اور اسے "تحت الثریٰ" زمین کے نچلے طبقے میں پھینک دیا جاتا ہے - اس میں دس دلیلیں ہیں -

۱ - اس کا نفس نکلنا

۲ - اس کی اچھی خوشبو کا ہونا

۳ - فرشتوں کا اُسے لے جانا -

۴ - فرشتوں کا اسے سلام کہنا۔
۵ - فرشتوں کا اُسے قبض کرنا۔
۶ - اسے اوپر لے جانا۔
۷ - اس کی روشنی سے آسمانوں کا چمک اٹھنا۔
۸ - عرش تک اس کا پہنچنا،
۹ - فرشتوں کا پوچھنا کہ یہ کون ہے، یہ سوال ایسی ذات کے لئے ہوتا ہے۔ جو تائم بنفسہ ہو۔
۱۰ - اللہ کا یہ فرمانا کہ اسے زمین کے نچلے حلقے میں ڈال دو۔

فصل ۸۰

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث

کہ جب مومن کی روح نکلتی ہے تو دو فرشتے اس سے ملتے ہیں وہ اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو آسمان والے فرشتے کہتے ہیں اے پاکیزہ روح جو زمین کی طرف سے آئی ہے تجھ پر خدائے تعالےٰ کی رحمت ہو اور اس جسد پر بھی جس میں تو تھی۔ اس حدیث میں مشک کا بھی ذکر آیا ہے۔ پھر اللہ کے حضور میں اُسے لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اسے آخری اجل کی طرف لوٹا دو۔ اس میں چھ دلیلیں ہیں۔

۱ - دو فرشتوں کا اس سے ملنا۔
۲ - ان کا آسمان کی طرف اسے لے جانا۔
۳ - فرشتوں کا کہنا کہ اے پاکیزہ روح جو زمین کی طرف سے آئی ہے
۴ - فرشتوں کا اس پر نماز پڑھنا،
۵ - اس کی اچھی خوشبو کا ہونا۔

۶ - اسے اللہ کے حضور میں لے جانا

فصل ۱۸

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث

کہ مومن کے لئے فرشتے حاضر ہوتے ہیں - اگر وہ نیک شخص ہوتا ہے تو کہتے ہیں اے پاکیزہ نفس جو کہ پاکیزہ جسم میں تھا - خوشی کے ساتھ نکل آ تجھے ریحان و روح کی بشارت ہو - تیرا رب تجھ پر ناراض نہیں ہے، اور اسی طرح اس سے کہتے رہتے ہیں - حتیٰ کہ وہ نکل آتا ہے - وہ اسے لے کر اوپر جاتے ہیں - آسمان کے قریب پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھولنے کے لئے کہتے ہیں - پوچھا جاتا ہے یہ کون ہے فرشتے جواب دیتے ہیں یہ فلاں بن فلاں ہے تو ندا آتی ہے - کہ پاکیزہ نفس کو جو پاکیزہ جسم میں تھا مرحبا ہو، خوشی کے ساتھ تشریف لاؤ - آپ کو روح، ریحان، اور رب کی رضا کی خوشخبری ہو، اسی طرح اُس سے کہا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس آسمان تک پہنچتا ہے - جہاں اللہ تعالےٰ کی ذات مقدس ہے - اور اگر وہ برا شخص ہوتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے - اے خبیث نفس جو کہ خبیث جسد میں تھا ذلت کے ساتھ باہر نکل آ تجھے گرم کھولتے ہوئے پانی کی خوشخبری ہو، فرشتہ اسی طرح اس سے کہتا رہتا ہے - حتیٰ کہ وہ نکل آتا ہے، اسے لے کر آسمان تک پہنچتا ہے، پوچھا جاتا ہے یہ کون ہے، فرشتے جواب دیتے ہیں - کہ فلاں بن فلاں، تو وہ کہتے ہیں اس نفس خبیث کے لئے مرحبا نہیں ہے - جو کہ خبیث جسد کے اندر تھا ذلت کے ساتھ لوٹ جا تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائینگے - پھر اُسے زمین کی طرف بھیجا جاتا ہے - پھر وہ قبر کی طرف جاتا ہے - یہ صحیح حدیث ہے - اس میں دس دلیلیں ہیں

۱ - آپؐ کا قول کہ جو اچھے یا خبیث جسد میں تھی" تو یہاں پہ حال بھی ہے اور محل بھی

۲ - فرشتہ کا کہنا کہ اچھائی کے ساتھ نکل -
۳ - اس کا قول، کہ تجھے روح و ریحان کی بشارت ہو یہ بشارت اس چیز کے لیے ہے جس کی طرف وہ نکلنے کے بعد جائیگی -
۴ - آپ کا قول، کہ وہ یہی اس سے کہتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے آسمان کی طرف لے کر پہنچتا ہے -
۵ - اس کے لیے آسمان کے دروازے کا کھلنا -
۶ - فرشتہ کا قول، کہ اچھائی کے ساتھ داخل ہو جا -
۷ - آپ کا فرمان، حتیٰ کہ وہ اسے اس آسمان تک لے کر پہنچتے ہیں - جہاں پر اللہ تعالیٰ رہتے ہیں -
۸ - فاجر کے لیے فرشتوں کا کہنا کہ ذلت کے ساتھ لوٹ جا -
۹ - اُن کا کہنا کہ تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے -
۱۰ - آپ کا فرمان کہ پھر اسے زمین کی طرف بھیجا جاتا ہے، اور وہ قبر کی طرف جاتی ہے -

---

فصل ۸۲

"ارواح لشکروں کی صورت میں ہیں"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ ارواح لشکروں کی صورت میں ہیں - جن میں تعارف ہو گیا - اُن میں الفت ہو گئی - جن میں تعارف نہ ہوا - ان میں اختلاف ہو گیا - حضور نے ان کی تعریف لشکروں کے ساتھ کی ہے اور لشکر ایسی ذوات ہیں جو قائم بنفسہا ہوتی ہیں - تعارف و تناکر کے ساتھ بھی ان کی تعریف کی ہے یہ محال ہے - اور یہ لشکر اعراض ہوں یا یہ نہ خارج عالم ہوں اور نہ داخل عالم

نہ اُن کا بعض ہو اور نہ کل ہو۔

۸۲۔ ابن مسعود کی حدیث میں حضور کا قول کہ روحیں آپس میں ملتی ہیں اور اسی طرح سونگھتی ہیں جیسے گھوڑا سونگھتا ہے یہ بیان گذر چکا ہے۔

۸۳۔ عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں آنحضرت کا قول، کہ مومنین کی روحیں دو دن کی مسافت پر ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ جبکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔

۸۴۔ وہ آثار جنہیں ہم نے تخلیق آدم کے بارے میں ذکر کیا ہے، کہ روح جب اُن کے سر میں داخل کی گئی تو انہوں نے چھینک ماری اور الحمد للہ کہا جب روح اُن کی آنکھوں تک پہنچی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کی طرف دیکھا، اور جب اُن کے پیٹ تک پہنچی تو انہوں نے کھانے کی خواہش کی اور آپ جھپٹے قبل ازیں کہ روح آپ کے پاؤں تک پہنچے۔ اور یہ کہ روح زبردستی داخل کی گئی ہے اور زبردستی نکالی جاتی ہے۔

۸۵۔ وہ آثار جن میں ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ روحوں کو نکالیں گے۔ اور یہ کہ بعض نیک بختوں سے جدا ہونگے۔ کچھ روشن ہونگے اور کچھ تاریک۔ اور اشرار کی روحیں اُن کے اندر چراغ کی مانند ہونگی۔ یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے

۸۶۔ تمیم داری کی حدیث، کہ مومن کی روح کو جب خدائے تعالےٰ کے حضور میں لایا جاتا ہے تو وہ اللہ کے روبرو سجدے میں گر جاتی ہے۔ اور فرشتے روح کو بشارت دیتے ہوئے ملتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ملک الموت سے فرماتے ہیں۔ کہ میرے بندے کی روح کو لے جا اور ایسی ایسی جگہ میں رکھ، یہ پہلے گذر چکا ہے

۸۷۔ وہ آثار جو ہم نے موت کے بعد روحوں کے مستقر کے بارے میں ذکر کئے ہیں۔ اور اس میں لوگوں کا اختلاف، اور اسی ضمن میں ہم نے اجماعِ سلف کا ذکر بھی کیا ہے کہ مرنے کے بعد روحوں کے لئے مستقر ہے۔ اگرچہ اس

کی تعیین کے اندر اختلاف ہے۔

۸۸ - حضور نے اس امت کو خبر دی ہے کہ ان کے اجساد قبروں میں اگتے ہیں۔ جب صور پھونکا جائیگا تو ہر روح اپنے جسم کی طرف لوٹے گی، اس میں داخل ہو جائیگی، اس کے اوپر کی زمین اس سے پھٹ جائیگی، وہ اپنی قبر سے کھڑا ہو جائیگا۔ اور صور والی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اسرافیل روحوں کو بلائیگا مسلمانوں کی تمام روحیں نور کی شکل میں اس کے پاس جمع ہو جائینگی اور دوسری تاریکی کی شکل میں۔ وہ ان سب کو اکٹھا کر دے گا۔ اور صور میں ڈال دیگا۔ پھر اس میں پھونک مارے گا۔ اللہ رب العزت فرمائیگا، میری عزت کی قسم، ہر روح اپنے جسم کی طرف لوٹ جائے۔ تو روحیں صور سے شہد کی مکھیوں کی طرح نکلیں گی۔ زمین و آسمان کے درمیان فضا کو بھر دینگی۔ اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیگا کہ وہ ان سے پھٹ جائے۔ تو وہ جلدی سے اپنے رب کی طرف نکلیں گی۔ دوڑتی گرتی پڑتی، پکارنے والے کی طرف جائینگی۔ وإذا هم قيام ينظرون

اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ حضور نے اس کی خبر دی ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے لئے کوئی دوسری ارواح نہیں بنائے گا۔ جو دنیا والی روحوں کے علاوہ ہونگی۔ بلکہ یہی ارواح جنہوں نے نیکی یا بدی کمائی ہے بدنوں میں پھر لوٹینگی اور انہیں زندہ کرینگی۔

۸۹ - قیامت کے دن روح اور جسد خدا کے سامنے جھگڑینگے، حضرت ابن عباس جھگڑینگے، روح کہیگی اے اللہ میں تیری طرف سے تھی تو نے مجھے اس میں ڈالا۔ میرا کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جسد کہیگا۔ اے اللہ میں جسم ہی تھا تو نے مجھے بنایا۔ اور مجھ میں یہ روح آگ کی طرح ڈالی، اسی کے ساتھ میں کھڑا ہوتا تھا بیٹھتا تھا، اور آتا جاتا تھا، میرا کوئی گناہ نہیں ہے

راوی کہتا ہے، کہ پھر ان سے کہا جائیگا۔ کہ میں تم میں فیصلہ کئے دیتا ہوں

لیکن تم ایک اندھے اور ایک لنگڑے کے بارے میں فیصلہ کر دو۔ کہ وہ دونوں ایک باغ میں گھسے، لنگڑے نے کہا کہ میں پھل دیکھ رہا ہوں۔ اگر میرے پاؤں ہوتے تو میں اسے کھا لیتا، اندھے نے کہا کہ میں تجھے اپنی گردن پر اٹھائے لیتا ہوں تو اُس نے اُسے اپنی گردن پر اٹھا لیا اور اس نے پھل توڑ لئے دونوں نے مل کر کھائے، تباؤ گناہ کس پر ہے، تو وہ دونوں (روح و جسد) کہینگے کہ ان دونوں کا گناہ ہے، اللہ تعالےٰ فرمائیگا تم نے اپنا فیصلہ خود ہی کر لیا۔

۹۰۔ وہ حدیثیں اور آثار ہیں۔ جو قبر کے عذاب و ثواب پر دلالت کرتی ہیں وہ قیامت تک رہے گا یہ بات بھی معلوم ہے کہ جسد تو مضمحل اور فنا ہو جاتا ہے عذاب اور نعمتیں ہمیشہ رہتی ہیں اور یہ روح پر ہی وارد ہوتی ہیں۔

۹۱۔ حضور علیہ السلام کا شہیدوں کے متعلق خبر دینا کہ جب اُن سے پوچھا جائیگا کہ کیا چاہتے ہو، تو وہ جواب دینگے کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے تاکہ ہم تیرے راستے میں دوبارہ شہید ہوں۔

یہ سوال و جواب ایسی ذات سے ہے جو زندہ اور عالم و ناطق ہے۔ اور جن اجساد سے وہ نکلی تھی ان میں واپس لوٹنے کو قبول کرتی ہے۔ انہی ارواح سے سوال کیا جاتا ہے اور یہی جنت میں سیر کرتی ہیں۔ اجساد تو کبھی کے فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔

۹۲۔ حضرت سلمان فارسی اور دوسرے صحابہ سے یہ بات ثابت ہے کہ مومنوں کی روحیں عالم برزخ میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور کافروں کی روحیں سجین میں ہیں، یہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

۹۳۔ معراج کی رات میں حضور کا لوگوں کی روحوں کو حضرت آدم کے دائیں طرف اور بائیں طرف دیکھنا اور یہ کہ آپ نے انہیں ایک متعین جگہ پر دیکھا۔

۹۴ - حضور کا انبیاء کی روحوں کو آسمانوں میں دیکھنا انہیں سلام کرنا اور ان کا آپ کو مرحبا کہنا، جیسا کہ حضور نے خبر دی ہے، حالانکہ ان کے ابدان تو زمین میں تھے۔

۹۵ - آپ کا حضرت ابراہیم کے گرد بچوں کی روحوں کو دیکھنا

۹۶ - حضور کا عالم برزخ میں مختلف عذابوں میں گرفتار روحوں کا دیکھنا، صحیح بخاری میں یہ حدیث سمرہؓ سے مروی ہے، حالانکہ ان معذبین کے اجساد تو مضمحل اور ختم ہو چکے تھے۔

۹۷ - اللہ تعالیٰ کا اس بات کی خبر دینا کہ جو لوگ خدا کے راستے میں قتل کئے گئے ہیں - وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے - اور وہ خوش ہوتے اور اپنے بھائیوں کو خوشخبری دیتے ہیں - یہ سب کچھ قطعاً روحوں کے لئے ہے - کیونکہ بدن تو مٹی کے اندر یوم بعث کے دن روحوں کے لوٹنے کے منتظر ہونگے -

۹۸ - جو کچھ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں آیا ہے، ہم اسے بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ملحدین و بدعتیوں کے دلائل کو باطل کرنے کے لئے اس میں کتنی طاقت ہے - ہم اس کی سند کا پہلے ذکر کر چکے ہیں - فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی - ولو ترٰی اذ الظالمون فی غمرات الموت الی آخرہ، پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں محمدؐ کا نفس ہے جو بھی نفس دنیا سے جدا ہوتا ہے وہ اپنے جنت یا جہنم کے ٹھکانے کو ضرور دیکھ لیتا ہے، جب اس کی موت کا وقت آتا ہے - تو دو فرشتوں کی صفیں آتی ہیں - جو مشرق و مغرب کے درمیان جو کچھ ہوتا ہے، اس کا انتظام کرتی ہیں - ان کے چہرے سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں - وہ انہیں دیکھتا ہے - دوسرے لوگ اسے دکھائی نہیں دیتے، اگرچہ ظاہری طور پر

تم یہ دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہا ہے، ہر فرشتے کے پاس کفن اور حنوط ہوتا ہے، اگر وہ مومن ہوتا ہے۔ تو اسے جنت کی بشارت دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ اللہ کی رضا اور اس کی جنت کی طرف نکل، اللہ نے تیرے لئے بزرگی تیار فرمائی ہے جو کہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے، وہ برابر اسے یہی بشارت دیتے رہتے ہیں، بچہ کی والدہ سے بھی اس پر زیادہ نرمی اور مہربانی کرتے ہیں۔ پھر اس کے ہر ایک ناخن اور جوڑ سے روح نکالتے ہیں جس عضو سے روح نکلتی جاتی ہے وہ ٹھنڈا ہوتا جاتا ہے۔ اس شخص کے لئے بڑی آسانی ہوتی ہے۔ اگرچہ تمہیں وہ تکلیف میں نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ روح ٹھوڑی تک پہنچ جاتی ہے۔ یہاں سے وہ بچہ کے رحم مادر سے نکلنے سے بھی زیادہ کراہت سے نکلتی ہے۔ جب نکلتی ہے تو ہر فرشتہ آگے بڑھتا ہے تاکہ اسے لے لے، آخر کار ملک الموت اسے لے لیتا ہے۔" پھر حضور نے یہ آیت پڑھی"

" قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون "

آپ کہہ دیجئے۔ تمہیں مارتا ہے وہ ملک الموت جو تم پر موکل کیا گیا ہے۔ پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے"

پھر اسے پسیار کفن دیتے ہیں، اس سے مشک سے بھی زیادہ پاکیزہ خوشبو آتی ہے فرشتے اس پاکیزہ ہوا کو سونگھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے اللہ اس نفس پر اور اس جسد پر جس سے یہ نکل اپنی رحمت نازل فرما، آپ نے فرمایا، کہ وہ اسے اوپر لے جاتے ہیں، انہیں مشک سے زیادہ پاکیزہ خوشبو برابر آتی رہتی ہے وہ اس پر نماز پڑھتے ہیں۔ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ہر آسمان کے فرشتے جو ان کے قریب سے گذرتے ہیں اس پر نماز پڑھتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ رب العزت کے حضور میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ نفس مطمئنہ کو مرحبا اسے جنت میں داخل کرو۔ اور اسے جنت کا ٹھکانا دکھاؤ، اور تمام وہ نعمتیں اور کرامتیں جو میں نے اس کے لئے

تیار فرمائی میں دکھاؤ۔ پھر اسے زمین پر لے جاؤ۔ کیونکہ میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں نے انہیں زمین سے پیدا کیا ہے، اسی میں لوٹاؤنگا، اور پھر دوبارہ انہیں زمین ہی سے نکالونگا"

قسم ہے اس ذات کی جس کے دستِ قدرت میں محمد کا نفس ہے کہ جب وہ جسم سے نکلتی ہے تو اسے بڑی ناگواری محسوس ہوتی ہے۔ کہتی ہے مجھے اس جسد سے نکال کر کہاں لے جاؤ گے، فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہمیں یہی حکم ہوا ہے۔ تجھے ضرور اس کی تعمیل کرنی ہوگی، جب تک لوگ جسم کے غسل و کفن سے فارغ ہوتے ہیں۔ وہ اسے واپس زمین پر لے آتے ہیں۔ اور روح کو جسم و کفن کے درمیان رکھ دیتے ہیں۔

غور فرمائیے اس حدیث کے اندر کتنے استشہاد ہیں جو روح کے بارے میں مبطلین کے اقوال کو باطل کرتے ہیں۔

۹۹۔ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ جب مومن کی وفات ہوتی ہے تو دو فرشتے اس کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ جو جنت سے ریحان اور کپڑا لے کر آتے ہیں۔ جس میں وہ اسے تیض کرتے ہیں۔ وہ پاکیزہ خوشبو کی طرح نکلتا ہے اسے اللہ جل جلالہ کے حضور میں لایا جاتا ہے، پہلے فرشتے خدا کے حضور میں سجدہ کرتے ہیں، ان کے بعد وہ سجدہ کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ میکائیل کو بلاتے ہیں، اسے فرماتے ہیں کہ اس نفس کو لے جا اور مومنوں کے نفسوں کے ساتھ ملا دے۔ حتیٰ کہ میں قیامت کے دن اس کے بارے میں تجھ سے پوچھونگا۔

صحابہ کرام کے بہت سے آثار سے ظاہر ہے کہ مومن کی روح وفاتِ نوم اور وفاتِ موت میں عرش کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے جب خدا کے روبرو ہونے کا وقت آتا ہے۔ تو وہ بہت اچھے طریقے سے سلام کرتا ہے، کہتا ہے "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام" فرماتے ہیں۔ کہ جب وہ مر گئیں تو میں نے انہیں خواب میں دیکھا۔ وہ مجھ سے

کہنے لگی۔ اللہ تجھے جزائے خیر دے، میں دہشت میں پڑ گئی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ میں کیا کہوں، پھر مجھے وہ کلمات یاد آ گئے، جو تو نے کہے تھے۔

فصل ۸۳

اکثر اہلِ ارض جانتے ہیں کہ مُردوں کی ارواح ان سے ملاقات کرتی ہیں اور اُن کے ساتھ سوال و جواب کرتی ہیں

بہت سی دفعہ مردوں کی ارواح نے کئی مخفی امور کی خبر دی اور زندوں نے ان امور کو عیاناً اسی طرح پایا۔ اس سے بھی زیادہ عجیب اگلی وجہ ہے

۱۰۱۔ بعض اوقات مرنے والے کی روح کے لئے کچھ آثار حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ آثار بیداری کے بعد انسان عیاناً بدن کے اوپر دیکھتا ہے، یہ اس لئے ہے کہ روح کا اثر روح پر ہے۔ جس طرح کہ قیروانی نے اپنی تصنیف (کتاب التبیان) میں بعض سلف سے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ میرا ایک پڑوسی تھا۔ جو حضرت ابوبکر رضؓ و حضرت عمر رضؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا، ایک دن اس نے بہت سی گالیاں بکیں، میں بہت مغموم حالت میں گھر آیا، میں نے رات کا کھانا بھی نہ کھایا اور سو گیا۔ میں نے حضور کو نیند میں دیکھا، عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص آپؐ کے صحابہ کو گالیاں بکتا ہے، آپؐ نے فرمایا کونسے صحابہ کو؟ میں نے عرض کیا، ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کو آپؐ نے فرمایا کونسے صحابہ کو؟ میں نے عرض کیا۔ ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کو آپؐ نے فرمایا یہ چھری لے اور اسے ذبح کر دے، فرماتے ہیں کہ میں نے وہ چھری لے، اور اسے لٹا کر ذبح کر دیا۔

میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ اس کے خون سے بھر گئے ہیں۔ میں نے چھری پھینک دی اور اپنے ہاتھ پونچھنے کے لئے زمین کی طرف جھکا، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی مجھے اس کے گھر سے رونے کی آواز سنائی دی، میں نے کہا یہ چیخ پکار کیسی ہے؟ انہوں نے مجھے بتایا کہ فلاں آدمی اچانک مر گیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں آیا اور اس کی طرف دیکھا، میں نے دیکھا کہ ذبح کرنے کی جگہ پہ ایک لکیر سی بنی ہوئی ہے

کتاب المنامات میں ابن ابی الدنیا ایک قریشی بزرگ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے شام میں ایک آدمی کو دیکھا، جس کا آدھا چہرہ سیاہ تھا۔ وہ اسے ڈھانپے رکھتا تھا، میں نے اس کے متعلق اس سے پوچھا، اس نے جواب دیا میں نے اللہ کے لئے یہ اقدام کر لیا ہے کہ جو کوئی بھی اس کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھے میں اسے صحیح صحیح بتا دوں وہ بات یہ ہے کہ میں حضرت علیؓ سے بہت عداوت رکھتا تھا۔ ایک رات میں سو رہا تھا۔ نیند کی حالت میں کوئی شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ تو ہی ہے جو علی کو برا کہتا ہے۔ پھر اس نے میرے منہ کے ایک طرف زور سے تھپڑ مارا جس سے میرے چہرے کا ایک حصہ سیاہ ہو گیا۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

صفیہ بنت شیبہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس تھی۔ ایک سوکھے ہوئے ہاتھ والی عورت آپ کے پاس آئی، عورتیں اس کے ہاتھ کے بارے میں چہ میگوئیاں کرنے لگیں، اس عورت نے کہا میں اپنے ہاتھ کی وجہ سے آپ کے پاس آئی ہوں میرا باپ بڑا سخی تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ حوضوں پہ کھڑے ہوئے ہیں، ان کے پاس برتن ہیں جو شخص ان کے پاس جاتا ہے۔ وہ اسے پانی پلاتے ہیں، میں نے اپنے باپ کو دیکھا۔ میں نے پوچھا۔ میری ماں کہاں ہے، انہوں نے کہا وہ دیکھ، میں نے دیکھا، میری ماں پہ صرف ایک چیتھڑا سا کپڑا تھا، میرے باپ نے کہا یہ کبھی بھی صدقہ نہیں کرتی تھی، صرف یہی کپڑے کا ٹکڑا اور تھوڑی سی گائے کی چربی جسے ہم نے ذبح کیا تھا۔ صدقہ میں دی تھی۔ یہ چربی پگھلائی جاتی ہے

اور اسے دی جاتی ہے اور یہ ہر وقت پیاس پیاس پکارتی رہتی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے ان برتنوں میں سے ایک برتن لیا اور اسے پانی پلا دیا۔ اوپر سے ندا آئی جس نے اسے پانی پلایا ہے۔ خدا اس کے ہاتھ کو خشک کر دے، تو میرا ہاتھ ایسا ہو گیا۔ جیسا آپ دیکھ رہی ہیں۔

سعید بن مسلمہ نے ایک جماعت سے روایت کی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ کے پاس ایک عورت آئی کہنے لگی۔ میں نے رسول کریمؐ سے ان باتوں پہ بیعت کی ہے کہ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرونگی، نہ زنا اور چوری کرونگی، نہ ہی اپنے بچے کو قتل کرونگی۔ اور نہ ہی کسی عورت پہ بہتان باندھونگی اور اور بھلائی میں نافرمانی نہیں کرونگی۔ میں نے اللہ کے ساتھ پوری وفا کی ہے جس طرح اللہ نے میرے ساتھ پوری وفا کی۔ بخدا، اللہ تعالےٰ مجھے عذاب نہیں دیگا۔ رات کو خواب میں اس کے پاس ایک فرشتہ آیا، اور اس سے کہا یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ کیونکہ تو اپنی زیبا و زینت کو ظاہر کرتی ہے۔ تیرے لئے بہتر تھا۔ کہ تو اسے چھپاتی اور اپنے پڑوسی کو ایذا دیتی ہے، شوہر کی نافرمانی کرتی ہے، پھر فرشتہ نے اپنی پانچوں انگلیاں اس کے چہرے پہ رکھ دیں اور کہا کہ پانچ چیزیں پانچ چیزوں کے بدلے میں ہیں اگر تو زیادہ کریگی تو ہم بھی زیادہ کرینگے۔ اس دن سے اس عورت کے چہرے پہ انگلیوں کے نشان پڑ گئے۔

عبدالرحمٰن بن قاسم جو مالک کے دوست ہیں۔ کہتے ہیں، میں نے مالک سے سنا ہے وہ فرماتے تھے۔ کہ یعقوب بن عبداللہ، اس امت کے بہترین لوگوں میں سے تھے جس دن انہیں شہید کیا گیا ہے۔ وہ کہنے لگے۔ میں نے خواب میں ایک عجیب بات دیکھی ہے۔ میں اس کی تمہیں خبر دیتا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا ہوں۔ اور میں نے دودھ پیا۔ پھر انہوں نے زبردستی نے کی تو دودھ نکلا اس کی شہادت ابوالقاسم نے بھی دی ہے، کہتے ہیں کہ وہ ایک بحری غزوہ پر جا رہے تھے۔ وہاں دودھ وغیرہ کچھ نہیں تھا، انہوں نے کہا ہے کہ مالک کے علاوہ دوسروں

سے بھی یہ بات معروف ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا ہوں، اور میں نے دودھ پیا ہے، بعض لوگوں نے انہیں قسم دلائی۔ کہ تم کر کے دکھاؤ۔ تو انہوں نے خالص چمکتے ہوئے دودھ کی قے کی، حالانکہ کشتی میں نہ دودھ تھا اور نہ کوئی بکری۔

قاری نافع جب گفتگو فرماتے تو ان کے منہ سے مشک سے بھی زیادہ خوشبو آتی تھی۔ ان سے پوچھا گیا، کہ آپ جس وقت بیٹھتے ہیں۔ تو خوشبو لگا کر بیٹھتے ہیں، انہوں نے جواب دیا میں نے خوشبو کو چھوا تک بھی نہیں۔ ہاں میں نے خواب میں ایک دفعہ حضور کو دیکھا تھا کہ وہ میرے منہ میں کچھ پڑھ رہے ہیں۔ اسی وقت سے ہر ایک آدمی اس خوشبو کو میرے منہ سے سونگھتا ہے

مسعدہ اپنی کتاب "الرویا" میں ربیع بن زید رقاشی سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس دو آدمی آئے اور قریب بیٹھ گئے، پھر وہ چلے گئے میں انہیں بھول گیا، پھر انہی دو شخصوں میں سے ایک شخص مجھے ملا کہنے لگا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک حبشی تمثال میں خنزیر کا گوشت رکھے ہوئے ہے۔ اس سے زیادہ موٹا گوشت میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، مجھ سے کہنے لگا اسے کھا، میں نے کہا کیا میں خنزیر کا گوشت کھاؤں، تو اس نے مجھے دھمکایا، میں نے وہ گوشت کھالیا اسی دن سے میرے منہ کا ذائقہ بدل گیا۔ اور دو مہینے تک برابر اس کی بو میرے منہ سے آتی رہی۔

علاء بن زیاد کی روایت ہے کہ وہ ایک مقررہ وقت پر ذکر الٰہی کے لئے اٹھتے تھے، ایک رات انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا آج میں کچھ تھکا ہوا ہوں مجھے فلاں وقت پر بیدار کر دینا، گھر والوں نے انہیں بیدار نہ کیا، انہوں نے فرمایا کہ خواب میں کوئی آیا اور اس نے کہا کہ اے علاء بن زیاد کھڑا ہو خدا کا ذکر کر، خدا تجھے یاد کرتا ہے، اس نے میری پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر کھینچا تو وہ کھڑے ہو گئے، وہ بال ہمیشہ کھڑے رہے، حتیٰ کہ وہ اسی حالت میں مر گئے۔ یحییٰ بن بسطام

فرماتے ہیں۔ جس دن وہ مرے ہم نے انہیں غسل دیا تو وہ بال اسی طرح کھڑے ہوئے تھے

ابن ابی الدنیا محمد بن علی سے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مکہ کے اندر مسجد حرام میں بیٹھے تھے۔ کہ ایک آدمی آیا اس کا آدھا چہرہ سیاہ اور آدھا سفید تھا کہنے لگا اے لوگو! مجھ سے عبرت حاصل کرو میں شیخین (یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ) کو برا بھلا کہا کرتا تھا اور گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک رات میں سو رہا تھا، کوئی شخص خواب میں آیا۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور میرے منہ پر تھپڑ دے مارا، کہنے لگا اے اللہ کے دشمن اے "ہفتہ کے فاسق" تو ابوبکرؓ و عمرؓ کو گالیاں بکتا ہے۔ اسی وقت سے میری یہ حالت ہو گئی ہے

محمد بن عبداللہ ملہبی نے بیان کیا ہے، کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ گویا میں کسی قبیلے میں ہوں، اور نبی کریم ایک چوٹی پر تشریف فرما ہیں اور ابوبکرؓ و عمرؓ آپکے آگے کھڑے ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا، یا رسول اللہ یہ شخص مجھے گالیاں دیتا ہے۔ اور ابوبکرؓ کو بھی حضور نے فرمایا اے ابا حفص اسے میرے پاس لے آؤ، چنانچہ اس آدمی کو لایا گیا، میں نے دیکھا تو وہ عمانی تھا، جو ابوبکرؓ و عمرؓ کو گالیاں دینے میں بہت مشہور تھا، حضور نے فرمایا اسے لمبا لٹا دے اور ذبح کر دے انہوں نے اسے لمبا لٹا کر ذبح کر دیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس کے گھر والوں کی آہ و بکا نے بیدار کر دیا میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں اسے اس واقعہ کی خبر دے دوں شاید وہ توبہ کرے۔ جب میں اس کے گھر کے قریب پہنچا تو میں نے بہت زیادہ رونے چلانے کی آواز سنی، میں نے پوچھا۔ یہ رونا دھونا کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ عمانی آج رات اپنے بستر پر قتل کر دیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں اس کی گردن کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک خون کی مانند سرخ نشان پڑا ہوا ہے۔

قیروانی نے بیان کیا ہے کہ مجھے ایک بزرگ نے جو ہم میں بڑا نیک تھا خبر دی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے ابوالحسن مطلبی نے جو کہ مسجد نبوی کے امام تھے بتایا کہ میں

نے مدینہ میں ایک عجیب واقعہ دیکھا، ایک شخص تھا جو ابوبکرؓ و عمرؓ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ایک دن ہم صبح کی نماز کے بعد بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ شخص آیا۔ اس کی دونوں آنکھیں نکلی ہوئی تھیں اور ان سے خون رخساروں پہ بہہ رہا تھا ہم نے اس سے اس کا قصہ پوچھا، اس نے کہا آج رات میں نے حضورؐ کو خواب میں دیکھا ہے۔ حضرت علیؓ آپ کے سامنے تھے، اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ یہی شخص ہے جو ہمیں تکلیف دیتا ہے اور گالیاں بکتا ہے۔ مجھ سے حضورؐ نے فرمایا اے ابا رقیس اس کا تجھے کس نے حکم دیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت علیؓ نے اور میں نے اُن کی طرف اشارہ بھی کیا حضرت علیؓ نے میری طرف منہ پھیرا، مٹھی بند کی، اپنی سبابہ اور درمیانی انگلیوں کو پھیلا کر میری آنکھوں کی طرف لائے اور اپنی انگلیوں کو میری آنکھوں میں ڈال دیا اور کہا کہ اگر تو نے جھوٹ بولا ہو تو خدا تیری آنکھوں کو نکال دے۔ میں نیند سے بیدار ہوا تو میری یہ حالت تھی۔ بیچارہ روتا جاتا۔ اور لوگوں کو بتاتا جاتا اور اپنی توبہ کا اعلان بھی کرتا جاتا تھا۔

قیروانی کہتے ہیں کہ مجھے ایک بزرگ نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک فقیہ نے خبر دی ہے کہ ہمارے پاس ایک شخص تھا جو بہت روزے رکھتا تھا۔ لیکن افطار کرنے میں تاخیر کیا کرتا تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ دو حبشیوں نے اسے کپڑوں سمیت پکڑا تاکہ اسے گرم تنور میں ڈال دیں۔ وہ کہتے ہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کس لئے تم مجھے تنور میں ڈالتے ہو۔ انہوں نے کہا کیوں کہ تو سنتِ رسول کے خلاف کرتا ہے۔ حضورؐ نے تو جلدی افطار کرنے کا حکم دیا ہے اور تو دیر سے افطار کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کا چہرہ آگ کے جھلسنے سے سیاہ ہو گیا تھا اور وہ لوگوں میں اپنے چہرہ پہ پردہ ڈال کر چلتا تھا۔

اس سے بھی عجیب واقعہ ہے۔ کہ ایک شخص خواب میں دیکھتا ہے۔ کہ وہ بہت پیاسا، بھوکا، اور درد میں مبتلا ہے۔ دوسرا شخص اُسے کھلاتا پلاتا

اور اس کا علاج کرتا ہے۔ جب وہ بیدار ہوتا ہے۔ تو یہ تمام چیزیں اس سے زائل ہو جاتی ہیں ایسے عجائبات لوگوں نے دیکھے ہیں۔

مالک نے، حضرت عائشہ رضؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک عورت پر جادو کیا گیا تھا اس کا شوہر آیا اور کہنے لگا کہ تجھ پر جادو کیا گیا ہے کہنے لگی کس نے کرایا ہے۔ وہ بولا ایک لونڈی نے جس کی گود میں بچہ ہے اور اس نے اس پر پیشاب کر دیا ہے تو اس نے اپنی باندی کو آواز دی اس نے کہا ابھی آتی ہوں ذرا کپڑے پیشاب کے ہو گئے ہیں۔ انہیں دھو لوں وہ آئی تو اس عورت نے پوچھا کیا تو نے مجھ پر جادو کیا ہے اس نے کہا ہاں کہنے لگی کیوں وہ بولی تاکہ جلدی آزاد ہو جاؤں اس عورت نے اپنے بھائی سے کہا اسے کسی سخت مزاج بدو کے ہاتھ بیچ آ۔ چنانچہ وہ بیچ آیا۔ حضرت عائشہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مسحور عورت تین جمے کنوؤں کے پانی سے نہائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اس کو آرام ہو گیا۔

ساک میں حرب کی بنائی جاتی رہی تھی۔ انہوں نے حضرت ابراہیم کو خواب میں دیکھا۔ آپؑ نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ فرات پر جا اور اس میں تین غوطے لگا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کی بینائی لوٹ آئی۔

اسماعیل بن بلال حضرمی، نابینا ہو گئے تھے، خواب میں کوئی آیا اور ان سے کہا کہ اے قریب، مجیب، دعا کے سننے والے، مہربان، میری بینائی لوٹا دے چنانچہ بینائی لوٹ آئی۔ لیث بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے انہیں نابینا بھی دیکھا اور پھر جب ان کی بینائی واپس آ گئی تھی۔ اس حالت میں بھی دیکھا ہے

عبیداللہ بن ابی جعفر کہتے ہیں کہ مجھے کوئی شکایت ہو گئی تھی جس سے میں بہت بے چین رہتا تھا۔ میں آیت کرسی پڑھا کرتا تھا۔ ایک رات سو گیا تو میں نے دیکھا، کہ دو شخص میرے آگے کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ فلاں آیت کو پڑھتا ہے، اس میں تین سو ساٹھ رحمتیں ہیں، کیا یہ مسکین ایک رحمت کا حقدار بھی نہیں؟ کہتے ہیں کہ میں بیدار ہوا تو میں نے محسوس کیا کہ میری بے چینی ختم ہو گئی ہے۔

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں کہ ایک نیک صالحہ عورت کے معدہ میں تکلیف ہوگئی تھی اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے، خدا کے سوا کوئی معبود نہیں گلاب پی، عرق گلاب پیا، تو اللہ تعالےٰ نے اس کی تکلیف کو دور کر دیا۔

راوی کہتا ہے، اس عورت نے یہ بھی بیان کیا ہے، کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں کہہ رہی ہوں، السنا، شہد، سیاہ چنوں کا پانی، سرین کے درد کے لئے شفا ہے جب میں بیمار ہوئی تو ایک عورت میرے پاس آئی، اُسے سرین کے درد کی شکایت ہوگئی تھی، میں نے اسے یہی بتایا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تو اسے فائدہ ہوگیا۔

جالینوس نے کہا ہے کہ وہ سبب جس کی وجہ سے میں عرق ضوارب کی فصد کرنے لگا یہ تھا، کہ اس کا حکم مجھے خواب میں دو مرتبہ ہوا، اس نے کہا ہے۔ کہ میں ابھی لڑکا ہی تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک شخص کے پہلو میں درد تھا۔ عرق ضارب کے فصد سے اُسے آرام ہوگیا۔

ابن خزانہ نے کہا ہے کہ میں ایک معمود شخص کا علاج کیا کرتا تھا۔ کچھ دنوں بعد وہ چلا گیا۔ پھر اس کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے اس کا حال وغیرہ پوچھا اس نے کہا میں نے خواب میں ایک شخص کو جو کہ نیک شخص ہے لباس میں اپنے عصا پہ سہارا لئے ہوئے تھا دیکھا، اس نے مجھے کہا تو ہی معمود شخص ہے، میں نے کہا ہاں تو اس نے مجھ سے کہا تجھے کباد اور گلقند لینی چاہیئے۔ چنانچہ میں نے کچھ دن ان دونوں چیزوں کو استعمال کیا تو مجھے آرام ہوگیا۔ پھر میں نے یہ علاج جالینوس کو بھی بتایا۔ اس باب میں اتنے واقعات ہیں جن کے ذکر کی گنجائش نہیں بعض آدمیوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ طب کی بنیاد خوابوں پہ ہی ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ طب کے بہت سارے اصول خوابوں پہ ہی مبنی ہیں، جس طرح کہ بعض اصول تجربوں پہ مبنی ہیں۔ اور بعض قیاس پہ، اور بعض الہام پہ جو کوئی اس باب میں مزید مطالعہ چاہے۔ اسے کتاب (تاریخ الاطباء) اور یہ کتاب البستان

للفیروانی وغیرہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

۱۰۲۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے،

ان الذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنہا لا تفتح لہم ابواب السماء

جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کیا، ان کے لئے آسمانی دروازے نہیں کھولے جائیں گے"

یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ مومنوں کے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں، یہ دروازوں کا کھلنا موت کے وقت اُن کی روحوں کے لئے ہے آسمان کا دروازہ کھولا جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے جا کھڑی ہوتی ہے، لیکن کافر کی روح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے، اور نہ ہی اس کے جسم کے لئے جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

۱۰۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اے بلالؓ، تو جنت میں ابھی تک داخل نہیں ہوا۔ لیکن میں اپنے آگے تیری آہٹ کو سنتا ہوں، اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت بلالؓ نے جواب دیا، رات دن میں جب کبھی بھی میرا وضو ٹوٹا تو میں نے فوراً کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، آپؐ نے فرمایا یہ اسی وجہ سے ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ حضورؐ نے جو آہٹ سنی وہ حضرت بلالؓ کی روح کی تھی آپؓ کا جسم تو ابھی تک جنت میں نہیں گیا تھا۔

۱۰۴۔ وہ حدیثیں، اور آثار ہیں۔ جو قبروں کی زیارت مردوں کو سلام کرنے، خطاب کرنے مردوں کے زائرین کو پہچاننے اُن کے سلام کا جواب دینے کے بارے میں آئے ہیں۔ اور ان کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے

۱۰۵ مُردوں کا اپنے اقارب وغیرہ سے شکایت کرنا، اور زندوں کا ویسے ہی انہیں پانا۔ جس طرح کہ انہوں نے شکایت کی۔

۱۰۶۔ اگر روح، اعراض بدن سے کوئی عرض ہوتا، یا مجرد جوہر ہوتا۔ جس کا کوئی جسم نہ ہوتا تو پھر کہنے والے کا یہ کہنا کہ میں نکلا، گیا، کھڑا ہوا، آیا

بیٹھا، حرکت کی، اندر آیا، لوٹا، اور انہی جیسے دوسرے اقوال سب کے سب باطل ہو جاتے، کیونکہ یہ تمام صفات، اعراض، اور جواہر مجردات کے لئے ثابت نہیں کئے جا سکتے۔ ہر عاقل اپنے اور دوسرے کے متعلق اس قول کو سچا جانتا ہے۔ لہٰذا اس پر عیب گیری کرنا اظہر معلومات پر عیب گیری کرنا ہے۔ ہماری اس دلیل پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ اس دلیل کا ماحصل تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کے الفاظ اور اطلاق سے دلیل پکڑتے ہیں، ہو سکتا ہے۔ ان کی مراد یہ ہو کہ میرا جسم اندر آیا لوٹا باہر نکلا کیونکہ ہم ان الفاظ کے معانی کے بارے میں عقل و فطرت کی شہادت سے استدلال پکڑتے ہیں۔ ہر ایک کی عقل و حس یہی شہادت دیتی ہے کہ وہی شخص اندر آیا اور باہر گیا۔ صرف اس کا بدن نہیں، ان الفاظ کے معانی کے بارے میں عقل و حس کی شہادت سب سے سچی شہادت اور قابلِ اعتماد ہے۔ کہ ان کلمات کی روح کی طرف نسبت اصالتاً ہے اور جسم کی طرف تبعاً ہے یہ کوئی محض لفظی شہادت نہیں ہے۔

۱۰۷۔ بدن ایک سواری ہے اور نفس کے لئے محلِ تصرف ہے، بدن کا دخول و خروج، انتقال، حرکت و سکون کو قبول کرنے والا نہ ہو تو یہ ایسے ہوگا۔ جیسے انسان کی سواری اس کے گھر میں اندر، باہر آتی ہے۔ لیکن وہ خود نہیں آتا جاتا، اور یہ بالکل باطل ہے، ہر ایک یہ جانتا ہے کہ اس کی روح ہی، اندر، باہر منتقل ہوتی ہے اور بدن کو پھیرتی ہے۔ جو کہ اس کے تابع ہے، بدن کی حرکت وغیرہ ظاہری طور پر دیکھی جاتی ہے اور روح کی عقل اور علم سے سمجھی جاتی ہے۔

۱۰۸۔ اگر نفس عرض ہوتا جیسا کہ وہ لوگ کہتے ہیں، تو انسان ہر وقت ہزاروں نفس بدلتا، انسان روح و نفس ہی سے انسان ہے بدن سے نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو ہر انسان پہلا انسان نہ رہتا۔ لحظہ بلحظہ بدلتا رہتا۔ اگر روح مجرد ہوتی اور بدن سے اس کا تعلق فقط کسی تدبیر کی بنا پر ہوتا، اور وہ بدن

میں داخل اور رسکونت پذیر نہ ہوتی تو پھر کوئی چیز بھی مانع نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ وہ اس بدن سے اپنے تعلق کو منقطع کرلے، اور دوسرے کے ساتھ تعلق جوڑ لے۔ جیسا کہ مکان اور شہر بنانے والا اپنی ایک تدبیر کو چھوڑ دیتا ہے اور دوسری تدبیر کو اپنا لیتا ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم بھی شک کرنے لگ جاتے کیا یہ زید کا نفس ہے جو پہلے تھا یا کسی دوسرے کا نفس ہے۔ کیا یہ وہی زید ہے جو پہلے تھا یا کوئی دوسرا شخص ہے۔ مگر کوئی عاقل اسے جائز نہیں رکھے گا۔ اگر روح عرض ہو، یا امیر مجرد ہو۔ تو یہی مذکورہ بالا شک وارد ہوگا۔ جس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔

۱۰۹۔ ہر ایک جانتا ہے کہ اس کا نفس، علم، فکر، محبت، بغض، رضاء، ناراضی وغیرہ نفسانی حالات سے متصف ہوتا ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان صفات کے موصوف اس کے بدنی امراض نہیں ہیں۔ اور نہ ہی وہ مجرد جوہر ہے جو اس کے بدن سے جدا ہو، اور اس بات کو بھی جانتا ہے کہ یہ ادراکات کسی داخلی امر کی بنا پر ہیں، جس طرح وہ یہ جانتا ہے کہ جب وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، چکھتا ہے، چھوتا ہے، حرکت کرتا ہے، ساکن ہوتا ہے تو یہ تمام امور اس کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے نفس سے ملے ہوئے ہوتے ہیں اور جوہر نفس ہی ان تمام کے قیام کا باعث ہے، جو تنہا قائم نہیں ہے اور نہ ہی کسی عرض سے قائم ہے، بلکہ وہ ایسے متحیز کے ساتھ قائم ہے۔ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے، حرکت کرتا ہے، ساکن ہوتا ہے، داخل ہوتا ہے اور نکلتا ہے۔ اور یہ سوائے بدن کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔

۱۱۰۔ اگر نفس مجرد ہو اور بدن کے ساتھ اس کا تعلق صرف کسی تدبیر کی وجہ سے ہو۔ جیسے ملاح کا کشتی کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ یا شتربان کا اونٹ کے ساتھ تو پھر یہ ضروری ہے کہ نفس اس تدبیر کو جس کا تعلق اس بدن سے چھوڑ دے اور کسی دوسرے بدن کے ساتھ اس تدبیری تعلق کو قائم کرلے، جیسا کہ ملاح

اور شتربان وغیرہ کرتے ہیں۔ اس سے یہ بھی لازم آئیگا۔ کہ نفس ایک گھڑی کسی بدن میں ہو۔ اور دوسری گھڑی کسی اور میں اگر کوئی یہ کہے کہ نفس کے لئے بدن نے ایک حد قائم کردی ہے۔ جس سے وہ منتقل نہیں ہو سکتا، یا اسے اس بدن سے طبیعی عشق ہے اور ذاتی شوق ہے۔ اس وجہ سے وہ اس بدن سے منتقل نہیں ہوتا، تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ان اشیاء کا اتحاد جو چیز سے متمیز نہیں ہوتیں، محال ہے۔ کیونکہ اگر اتحاد کے بعد بھی باقی رہیں۔ تو وہ چیزیں ہونگی۔ ایک نہ ہوگی اور اگر دونوں معدوم ہو جائیں تو اتحاد نہ رہا، اگر ایک باقی رہے اور دوسری معدوم ہو پھر بھی اتحاد نہ رہا۔ رہا نفس کا طبیعی عشق بدن کے ساتھ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس اس لئے اس پر عاشق ہوتا ہے کہ وہ اس کے واسطے لذات کو حاصل کرتا ہے۔ جب تمام ابدان سے برابر ہوگی، کسی بدن کے ساتھ تخصیص نہیں رہے گی اور تمہارا یہ کہنا کہ ایک معین نفس، ایک معین بدن پر عاشق ہے، باطل ہے اس کی مثال یوں سمجھ لو۔ کہ مثلاً ایک پیاسا انسان ہے، تمام برتن اس کی پیاس بجھانے اور غرض پوری کرنے میں برابر ہیں۔ لہذا یہ بات اس کے لئے ناروا ہے کہ وہ ایک خاص برتن پر عاشق ہو جائے اور باقیوں کو چھوڑ دے۔

۱۱۱۔ اگر نفس انسانی جوہر مجرد ہو نہ عالم میں داخل ہو، نہ اس سے خارج ہو۔ نہ عالم سے متصل ہو، نہ ہی اس سے جدا ہو۔ نہ اس کے لئے مباین ہو۔ تو بالضرور یہ جانا جائیگا۔ کہ وہ اسی صفت کے ساتھ موجود ہے۔ کیونکہ انسان کا اپنے نفس و صفات کا علم، ہر معلوم سے زیادہ ظاہر ہے۔ اور اس کے ماسوا دوسرا علم اس کے نفس کے علم کے تابع ہے

یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ باطل ہے، کیونکہ روئے زمین کی اکثریت جانتی ہے کہ ایسے موجود کا اثبات محال ہے، جو شخص اپنے یا اپنے رب کے بارے میں ایسا

کہے تو اس نے نہ اپنے نفس کو پہچانا نہ اپنے رب کو

۱۱۲۔ یہی ظاہری بدن، محل ہے تمام صفاتِ نفس کا اور اس کے تمام ادراکات کا چاہے وہ کلی ہوں یا جزئی، اور یہی محل ہے، ارادی حرکات کی قدرت کا، تو ضروری ہے کہ ان ادراکات و صفات کا کوئی حامل ہو، سو وہ بدن ہے۔ یا وہ چیز ہے جو اس میں رہتی ہے۔ اور یہ باطل ہے کہ اس کا محل جوہرِ مجرد ہو نہ عالم میں داخل نہ خارج۔

۱۱۳۔ نفس اگر جسمیت و حیز سے خالی ہو۔ تو پھر یہ نہیں ہو سکیگا کہ اس کا فعل مماست محلِ فعل پر موقوف ہو۔ کیونکہ جو چیز متحیز نہیں ہو گی۔ وہ متحیز کے لئے مماس بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر معاملہ اسی طرح ہوتا تو اس کا فعل اختراع کے ساتھ ہوتا اسے حصولِ مماست اور فاعل و محلِ فعل میں ملاقات کی ضرورت ہی نہ ہوتی، اور ہم میں سے ہر ایک قادر ہوتا کہ وہ اجسام کو حرکت دے بغیر ان کے چھونے کے یا اس چیز کے چھونے کے جو ان سے لگ رہی ہے جیسا کہ تمہارے نزدیک نفس تحریکِ بدن پر قادر ہے۔ بغیر اس کے کہ ان میں مماست ہو اسی طرح دوسرے جسم کو حرکت دینے سے بھی اس کی قدرت کو نہیں روکا جا سکتا کہ وہ بغیر مماست کے اسے حرکت دے۔ حالانکہ یہ بالضرور باطل ہے۔ تو اس سے یہ ظاہر ہوا کہ نفس حرکت دینے پر قادر نہیں ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ محلِ حرکت سے اس کا مس ہو، یا اس چیز سے مس ہو جس کا محلِ حرکت سے مس ہے، اور ہر وہ چیز جو جسم سے مس کر رہی ہو گی۔ وہ بھی جسم ہی ہو گی۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ جائز ہے کہ نفس کی تاثیر اپنے بدن خاص کو حرکت دینے میں غیر مشروط بالمماستہ ہو، اس کے سوا دوسرے بدنوں کے حرکت دینے میں مماست کی شرط ہو، تو ہمارا جواب یہ ہے کہ جب بدن کا تصرفاتِ نفس کو قبول کرنا، نفس اور بدن کے درمیان حصولِ مماست

پر موقوف نہیں ہے، تو پھر ضروری ہے کہ یہی حالت دوسرے جسموں کے لئے بھی ہو، کیونکہ تمام اجسام قبولِ حرکت میں متساوی ہیں" اور نفس کی نسبت تمام اجسام کی طرف متساوی ہے، کیونکہ جب وہ جمیعت اور علائق جمیعت سے خالی ہوگا تو اس کی ذات کی نسبت تمام کی طرف برابر ہوگی، اور جب ذاتِ فاعل کی نسبت سب کی طرف برابر ہوگی۔ تو قابل کی نسبت بھی فاعل کی طرف برابر کی ہوگی جب فاعل بعض کے لئے مماست محلِ نعل سے مستغنی ہوگا۔ تو ضروری ہے کہ وہ تمام کے لئے مستغنی ہو، اور اگر بعض کے لئے مماست کی طرف محتاج ہو تو ضروری ہے کہ وہ سب کے لئے بھی محتاج ہو

اگر کوئی یہ کہے کہ نفس اس بدن پر عاشق ہے۔ دوسرے پر نہیں اس لئے اس کی تاثیر اس میں دوسروں کی بہ نسبت قوی ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ عشقِ شدید اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کا تعلق بدن سے زیادہ ہو اور اس میں اس کا تصرف قوی ہو، مگر بقیہ اجسام سے اس کی ذات کا مقتضی متغیر ہو جائے یہ محال ہے۔ یہ دلیل انتہائی قوت ہے۔

۱۱۴۔ تمام عقلاء متفق ہیں کہ انسان کہتے ہیں، زندہ، بولنے والے، کھانے والے، سونے والے، حساس، اور متحرک بالارادہ کو، یہ دو قسم کی صفات ہیں کچھ صفات اس کے بدن کے لئے ہیں اور کچھ اس کی روح اور بولنے والے نفس کے لئے ہیں اگر روح جوہر مجرد ہو، عالم میں نہ داخل ہو نہ خارج، نہ اس سے متصل ہو نہ منفصل تو انسان بھی نہ داخل عالم ہوگا نہ خارج عالم، نہ اس سے متصل ہوگا نہ منفصل تو اس کا بعض حصہ عالم میں ہوگا اور بعض نہ داخل عالم ہوگا نہ خارج عالم۔ ہر عاقل اس کے بطلان کو بالضرورۃ جانتا ہے۔ کیونکہ انسان سب کا سب داخل عالم ہے یعنی اس کا بدن اور روح دونوں داخل عالم ہیں۔ یہ ان لوگوں کے قول کی مانند ہے جو یہ کہتے ہیں کہ انسان کا نفس قدیم و غیر مخلوق ہے تو انہوں نے نصف انسان

کو مخلوق بنا ڈالا اور نصف کو غیر مخلوق - اگر وہ کہیں کہ ہاں ہم تسلیم کرتے ہیں - کہ انسان ویسا ہی ہے - جیسا کہ تم نے ذکر کیا ہے - مگر ہم جو ہر مجرد کو ثابت کرتے ہیں - جو اس انسان کی تدبیر کرتا ہے جو ان صفات سے متصف ہے - تو ہم اُن سے یہ دریافت کریں گے کہ وہ جوہر جسے تم ثابت کر رہے ہو انسان کے مغایر ہے یا حقیقتِ انسان ہے - ضروری ہے کہ تم ان میں سے ایک کو اختیار کرو - اگر تم کہو کہ وہ غیر انسان ہے تو پھر تمہاری بات اس طرف لوٹی کہ تم نے انسان کے لئے مدبّر کو ثابت کیا ہے جو اس کا غیر ہے جسے تم نفس کا نام دیتے ہو - لیکن ہماری بحث تو ابھی حقیقت انسان میں ہے نہ کہ مدبّر انسان میں، انسان اور تمام عالمِ علوی و سفلی کا مدبر تو اللہ تعالےٰ ہی ہے

۱۱۵ - اگر کسی عاقل سے پوچھا جائے کہ انسان کیا ہے تو وہ اسی بنیاد اور ان ہی چیزوں کی طرف جو اس سے قائم ہیں - اشارہ کرے گا - اس کے سوا اس کے دل میں کسی ایسی چیز کا خیال نہیں آئے گا جو نہ داخل عالم ہو نہ خارج عالم یہ ایک بدیہی بات ہے - جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں

۱۱۶ - دنیا جہان والوں کی عقلوں کا فیصلہ ہے کہ خطاب اسی بنیاد کی طرف اور ان ہی چیزوں کی طرف ہے جو اس کے ساتھ قائم و ساکن ہیں - اسی طرح مدح ذم، ثواب، عذاب، ترغیب و ترہیب وغیرہا بھی ہیں - اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مامور، منہی، ممدوح، مذموم، مخاطب اور عاقل، جوہر مجرد ہے - جو نہ عالم میں ہے نہ اس سے خارج ہے نہ اس سے متصل ہے - اور نہ اس سے منفصل تو لوگ اس کی عقل پہ ہنسیں گے، اور اسے جھوٹا کہنے میں پس و پیش نہ کریں گے - ہر وہ چیز جسے بداہتِ عقل باطل کر رہی ہو - اس کے اثبات کے لئے دلائل لانا ایک محال چیز کے وجود پر دلیل لانا ہے - وباللہ التوفیق"

فصل ۸۴

"جسمیتِ روح اور اس کے حیز کے بارے میں مخالفین کے دلائل"

اگر کہا جائے کہ تم نے جسمیتِ روح اور اس کے حیز کے بارے میں تو دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ لیکن اُن مخالفین کے دلائل کا تم کیا جواب دیتے ہو جو جسمیتِ روح اور اس کے حیز کے منکر ہیں۔ اور وہ اس بارے میں کئی طریقوں سے دلیلیں پیش کرتے ہیں

(۱) ایک تو یہ ہے کہ تمام عقلاء۔ رات دن کہتے ہیں "روح جسم اور نفس جسم" تو وہ اسے جسم کے سوا کوئی دوسری چیز بتاتے ہیں ورنہ اس قول کے پھر کوئی معنیٰ نہ ہونگے۔

۲۔ دوسری دلیل جو اُن کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ موجودات میں ایسی بھی چیزیں ہیں جو تقسیم کو قبول نہیں کرتیں۔ جیسے نقطہ، جوہرِ فرد، اور ذاتِ واجب الوجود۔ ضروری ہے کہ ان کا علم بھی تقسیم کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ اور ضروری ہے کہ اس علم کا موصوف بھی جو کہ اس کا محل ہے تقسیم کو قبول نہ کرے اور وہ نفس ہی ہے۔ کیونکہ اگر وہ جسم ہوگا تو تقسیم کو قبول کریگا۔ اس دلیل کو دوسرے طرز پر بھی بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر علوم کلیہ کا محل جسم ہو یا جسمانی تو یہ علوم بھی منقسم ہو جائیں گے (کیونکہ محل کے ساتھ حال بھی تقسیم ہو جائیگا) حالانکہ ان علوم کا تقسیم ہو جانا محال ہے۔

۳۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ تمام عقلی صورتیں مجرد ہیں۔ ان کا تجرد یا تو اس لئے ہے کہ ان سے اخذ کیا جاتا ہے یا اس لئے ہے کہ ان کے لئے اخذ کیا جاتا ہے پہلی وجہ باطل ہے، کیونکہ یہ صورتیں تو اشخاص سے اخذ کی گئی ہیں جو مختلف مقادیر سے موصوف ہیں اور اُن اوضاع سے لی گئی ہیں جو معینہ ہیں۔ تو یہ ثابت ہوا۔ کہ ان کا تجرد اس سبب سے ہے کہ ان کے لئے اخذ ہوتا ہے

اور قوتِ عقلیہ کے سبب سے ہے جس کا نام نفس ہے

۴- چوتھی دلیل یہ ہے کہ قوتِ عاقلہ افعالِ غیر متناہیہ پر قادر ہے۔ ایسے ہی وہ ادراکاتِ غیر متناہیہ پر بھی قادر ہے۔ اور قوتِ جسمانیہ افعالِ غیر متناہیہ پر قادر نہیں ہے۔ کیونکہ قوتِ جسمانیہ اپنے محل کی تقسیم کی وجہ سے منقسم ہو جاتی ہے۔ اور جس پر اس کا بعض قادر ہوگا ضروری ہے کہ وہ اُس سے تھوڑا ہو جس پر کہ کل قادر ہے۔ اور جس پر کل قادر ہے وہ اس سے زیادہ ہوگا۔ جس پر کہ بعض قادر ہے اور یہ زیادتی کئی گنا متناہی ہوگی اور متناہی پر زیادتی بھی متناہی ہوتی ہے

۵- پانچویں وجہ۔ اگر قوتِ عاقلہ اس آلہ کے لئے دائمۃ الادراک ہو یا کلی طور پر ممتنعۃ الادراک ہو۔ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ کیونکہ اس آلے کے متعلق قوتِ عاقلہ کا ادراک اگر بعینہٖ اس کا وجود ہے۔ تو یہ محال ہے۔ اور اگر اس کے وجود کے مساوی کوئی صورت ہے۔ جو کہ قوتِ عقلیہ میں حلول کئے ہوئے ہے اور قوتِ عقلیہ اس آلہ میں حلول کئے ہوئے ہے تو اس سے دو مماثل صورتوں کا اجتماع لازم آئیگا اور یہ بھی محال ہے۔ جب یہ باطل ہوا۔ تو یہ ثابت ہو گیا کہ اگر قوتِ عاقلہ کو اپنے اس آلہ کا ادراک ہو تو اُس کے یہ معنی ہونگے کہ اس نے نفسِ آلہ کو حاصل کر لیا۔ اگر اتنی مقدار حصولِ ادراک کے لئے کافی ہو تو پھر ضروری ہے کہ ادراک کا حصول دائمی ہو اور اگر یہ مقدار کافی نہ ہو تو پھر حصولِ ادراک کسی نہ کسی وقت ممتنع ہونا چاہیئے اگر وہ ایک وقت میں حاصل ہو اور ایک وقت میں نہ ہو تو یہ کسی زائد امر کے سبب سے ہوگا۔ جو کہ صورتِ آلہ کے حصول کے سوا ہوگا۔

۶- چھٹی دلیل۔ یہ ہے کہ ہر ایک اپنے نفس کا ادراک کرتا ہے۔ اور کسی چیز کے ادراک کا یہ مطلب ہے کہ معلوم کی ماہیت عالم کے نزدیک حاضر ہو۔

جب ہم نے اپنے نفسوں کو جان لیا تو یہ جانا یا اس لئے ہوگا کہ ہماری ذاتیں ہماری ذاتوں کے لئے حاضر ہوئیں یا اس لئے ہوگا کہ ہماری ذاتوں میں ایسی صورتیں حاصل ہوئیں جو کہ ہماری ذاتوں کے مساوی ہیں۔ یہ دوسری صورت باطل ہے۔ ورنہ اجتماع مثلین لازم آئیگا۔ تو ثابت ہوا کہ ہماری ذاتوں کے متعلق ہمارے علم کے یہ معنی ہوئے۔ کہ ہماری ذاتیں ہماری ذاتوں کے ہاں حاضر ہوتی ہیں۔ اور یہ اُس وقت ہوگا جبکہ ذات قائم بالنفس ہو جو کہ محل سے مستغنی ہو۔ کیونکہ اگر وہ محل میں حلول کئے ہوئے ہوگی۔ تو اس محل کے ہاں حاضر ہوگی ثابت ہوا۔ کہ یہ معنی اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں۔ جبکہ نفس قائم بنفسہ ہو، اور ایسے محل سے بھی مستغنی ہو جس میں کہ وہ حلول کرے۔

۷۔ ساتویں دلیل یہ ہے جس سے ابوالبرکات بغدادی نے دلیل پکڑی ہے، اور ما سوا کو باطل ٹھہرایا ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ ہم میں سے ہر ایک سمندر یا قوت کے پہاڑ، اور سمندر قمر کو تخیل میں لانے پر قادر ہے اور یہ خیالی صورتیں معدوم نہیں ہیں۔ کیونکہ قوت متخیلہ ان صورتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور ہر ایک صورت میں تمیز وغیرہ بھی کرتی ہے۔ بلکہ کبھی یہ صورت متخیل، مشاہد و محسوس کی طرح بھی ہو جاتی ہے۔ اور یہ جانی ہوئی بات ہے کہ عدم محض اور نفی صرف ان میں ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ہم بالضرورۃ جانتے ہیں کہ یہ صورتیں ظاہر موجود نہیں ہیں۔ تو بات ثابت ہوئی کہ یہ ذہنوں میں موجود ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ان صورتوں کا محل جسم ہے، یا جسم میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ یا نہ جسم ہے اور نہ جسم میں حلول کئے ہوئے ہیں۔ پہلی دونوں قسمیں باطل ہیں۔ کیونکہ سمندر اور پہاڑ کی صورتیں تو بہت بڑی ہیں۔ اور دماغ و قلب چھوٹے چھوٹے جسم ہیں، بڑے کا چھوٹے میں سمانا محال ہے۔ آخر کار یہ ثابت ہوا کہ ان خیالی صورتوں کا محل جسم نہیں ہے۔ اور نہ ہی جسمانی ہے

۸۔ آٹھویں دلیل: اگر قوت عقلیہ جسد والی ہو تو بڑھاپے میں دائماً ضعیف ہوگی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

۹- نویں دلیل یہ ہے کہ قوتِ عقلیہ اپنے افعال میں جسم سے مستغنی ہے اور وہ چیز جو اپنے فعل میں جسم سے مستغنی ہو ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات میں بھی جسم سے مستغنی ہو۔

پہلا بیان۔ قوتِ عقلیہ اپنے نفس کا ادراک کرتی ہے۔ اور یہ محال ہے کہ اسے وہ کسی آلہ کے توسط سے جو اس کے اور اس کے نفس کے درمیان ہو۔ حاصل کرتی ہو اور اس سے اپنے نفس کا ادراک کرتی ہو۔ یہ ادراک کسی آلہ کی وجہ سے نہیں ہے اور وہ اپنے جسم کا بھی ادراک کرتی ہے۔ جو اس کا آلہ ہے اور اس کے اور اس کے اس آلہ کے درمیان بھی کوئی دوسرا آلہ نہیں ہے۔

دوسرا بیان دو وجہوں سے ہے۔ ایک یہ کہ جسمانی قوی جیسے ناظرہ، سامعہ خیال، اور وہم، جب یہ جسمانی ہونگے۔ تو اپنی ذوات کے ادراک پر قادر ہونگے اور ان کا ادراک اس لئے ہے کہ وہ اپنی ذوات کی درک ہیں اور ان کا ادراک اُن اجسام کے لئے بھی ہوتا۔ جو ان کی حامل ہیں۔ اب اگر قوت عقلیہ جسمانی ہو۔ تو یہ تینوں امور اس کے لئے دشوار ہو جائیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فعل کا مصدر نفس ہے۔ نفس اگر اپنے قوام اور وجود میں جسم کا محتاج ہو تو یہ افعال جسم کی شرکت کے سوا حاصل نہیں ہونگے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ ایسا نہیں ہے۔ تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قوتِ عقلیہ جسم سے مستغنی ہے

۱۰- دسویں دلیل۔ قوت جسمیہ کثرتِ افعال سے کمزور پڑ جاتی ہے۔ اور ضعف کے بعد وہ قوی پر قادر نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ قوتِ جسمانیہ افعال کے کرنے سے خرچ ہوتی ہے اور گھٹتی ہے۔ اس لئے لازماً وہ ضعف کو لاتی ہے لیکن قوتِ عقلیہ افعال کی کثرت سے ضعیف نہیں ہوتی۔ اس لئے ضعیف کے بعد قوی پر بھی قادر ہو جاتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ وہ جسمانی نہ ہو۔

۱۱- گیارہویں دلیل۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ سیاہی سپیدی کے منافی ہے تو ضروری ہے کہ ذہن میں سیاہی و سپیدی کی ماہیت حاصل ہو۔ یہ بدیہی بات ہے کہ سیاہی و سپیدی اور حرارت و برودت کا ایک جسم میں جمع ہونا محال

ہے جب یہ اجتماع قوت عقلیہ میں حاصل ہے - تو ضروری ہے کہ وہ قوت جسمانی نہ ہو

۱۲ - بارھویں دلیل - ادراکات کا محل جسم ہو اور لامحالہ ہر جسم منقسم ہوتا ہے تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ جسم کے بعض اجزاء کے ساتھ کسی شئی کا علم ہو اور بعض کے ساتھ جہل ہو - اس سے یہ لازم آئیگا کہ انسان ایک ہی وقت میں ایک چیز کا عالم بھی ہو اور جاہل بھی -

۱۳ - تیرھویں دلیل - جسمانی مادے میں جب مخصوص نقوش آجاتے ہیں - تو ان نقوش کا وجود دوسرے نقوش کے حصول کے لئے مانع ہوتا ہے - لیکن عقلی نقوش کا معاملہ اس کے برعکس ہے - کیونکہ نفس جب کبھی بھی تمام علوم و ادراکات سے خالی ہوگا - اس کے لئے تعلم بہت ہی مشکل ہو جائیگا - جب وہ کسی شئے کو جانے گا تو ان علوم کا حصول دوسرے کو آسان کرنے کے لئے معین ہوگا معلوم ہوا جسمانی نقوش متغائر اور آپس میں متنافی ہوتے ہیں - اور عقلی نقوش ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوتے ہیں -

۱۴ - چودھویں وجہ - اگر نفس جسم ہو، تو انسان کے پاؤں ہلانے کے ارادے اور پاؤں کے ہلانے میں بقدر اس جسم کی حرکت و نقل کے وقت لگے گا - کیونکہ نفس ہی بدن کے لئے محرک ہے اور حرکت پر ابھارنے والا ہے - اگر پاؤں کا محرک جسم ہو - تو وہ یا ان اعضاء میں حاصل ہوگا یا ان کی طرف کہیں سے آئے گا - اگر آئے گا تو یہ مدت کی جانب محتاج ہوگا - اور اگر اس میں حاصل ہوگا - تو جب ہم اس ٹکڑے کو کاٹ دیں گے - جس سے حرکت ہوتی ہے - تو عضو میں کوئی متحرک شئی نہیں رہے گی - اگر یہ متحرک اس میں حاصل ہوتا تو پھر اس سے اس عضو میں کچھ تو باقی رہتا -

۱۵ - پندرھویں دلیل - اگر نفس جسم ہوگا تو وہ منقسم ہوگا اور اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ وہ بعض کو بھی جانے جس طرح کہ کل کو جان سکتا ہے - اس سے یہ لازم آئیگا کہ انسان اپنے نفس کے بعض کو جانتا ہو اور بعض سے جاہل ہو اور یہ محال ہے -

۱۶۔ سولھویں دلیل۔ اگر نفس جسم ہو تو ضروری ہوگا۔ کہ جب وہ بدن میں داخل ہو تو اس کے دخول سے ثقیل ہو۔ کیونکہ خالی جسم کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ جب اس میں کسی اور چیز کو بھرا جاتا ہے۔ تو وہ اس سے بوجھل ہو جاتا ہے۔ مثلاً خالی مشک وغیرہ۔ حالانکہ یہاں پہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ جب نفس بدن میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ زیادہ ہلکا ہو جاتا ہے اور جب نفس بدن سے نکل جاتا ہے تو وہ زیادہ ثقیل ہو جاتا ہے۔

۱۷۔ سترھویں دلیل۔ اگر نفس جسم ہو تو یہ بھی دوسرے جسموں کی طرح ہوگا۔ جن میں خفت، ثقل، برودت، حرارت، نرمی، سختی، سیاہی، اور سفیدی وغیرہ ہوتی ہے۔ اور اس کی بھی وہی کیفیت اور حالت ہوگی۔ جو دوسرے جسموں کی ہوتی ہے۔ اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ نفسانی کیفیات، فضائل و رذائل ہی ہوتی ہیں نہ کہ یہ جسمانی کیفیتیں۔ معلوم ہوا کہ نفس جسم نہیں ہے۔

۱۸۔ اٹھارہویں دلیل۔ اگر وہ جسم ہو تو ضروری ہے کہ وہ تمام حواس کے تحت واقع ہو یا ایک کے تحت یا دو کے تحت یا دو سے بھی زیادہ کے تحت واقع ہو۔ کیونکہ ہم اجسام کو ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ کہ کچھ تو ان میں سے دو کے ساتھ حس کئے جاتے ہیں۔ کچھ ایک کے ساتھ کچھ زیادہ کے ساتھ۔ لیکن نفس ان سب سے بری ہے

یہی دلیل ہے جس سے جہم نے فرقۂ ملحدین پہ حجت کی تھی۔ جو کہ خالق سبحانہٗ و تعالیٰ کے منکر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ موجود ہوگا تو ضروری ہے۔ کہ حواس میں سے کسی حس کے ساتھ ادراک کیا جائے گا۔ تو جہم نے نفس کے ساتھ معارضہ کیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر نفس جسم ہوتا تو یہ معارضہ کس طرح درست ہو سکتا تھا کیونکہ اگر وہ جسم ہوتا تو بعض حواس کے ساتھ اس کا ادراک جائز ہوتا۔

۱۹۔ انیسویں دلیل۔ اگر نفس جسم ہوگا۔ تو اس میں طول و عرض بھی ہوگا عمق، سطح، اور شکل بھی ہوگی، یہ تمام مقادیر و ابعاد مادے اور محل کے سوا قائم

نہیں ہو سکتے اگر اُن کا مادہ و محل نفس ہے تو اجتماع نفسین لازم آیا۔ اور اگر نفس کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے تو نفس مرکب ہوگا بدن اور صورت سے اور یہ جسد کے اندر ہوگا جو کہ بدن اور صورت سے مرکب ہے لہٰذا ایک انسان کے دو انسان ہو گئے۔

۲۰ - بیسویں وجہ جسم کی یہ خاصیت ہے کہ وہ تجزی کو قبول کرتا ہے، اور اس کا چھوٹا جزو بڑے جزو کی طرح نہیں ہوتا۔ اگر نفس بھی تجزی کو قبول کریگا۔ تو اس کا ہر جزو اگر نفس ہوگا۔ لازم آئے گا کہ انسان کے بہت سارے نفوس ہوں ایک نہ ہو۔ اور اگر وہ نفس نہیں ہے۔ تو پھر مجموعہ بھی نفس نہیں ہوگا، جیسا کہ اگر پانی کا جزو پانی نہ ہو، تو اس کا مجموعہ بھی پانی نہیں ہوگا۔

۲۱ - اکیسویں دلیل، جسم، اپنے قوام، حفظ، اور بقاء میں نفس کا محتاج ہے اس لئے ایسے ذرائع تلاش کرتا ہے جن سے وہ نفس سے جدا نہ ہو۔ اب اگر نفس جسم ہوگا تو دوسرے نفس کا محتاج ہوگا، وھلم جرا۔ اس سے تسلسل لازم آئیگا۔ اور وہ باطل ہے یہ تسلسل اس لئے لازم آیا کہ ہم نے نفس کو جسم مانا۔

۲۲ - بائیسویں دلیل - اگر نفس جسم ہے۔ تو اس کا اتصال جسم سے ہوگا۔ پھر اگر یہ اتصال علیٰ سبیل المداخلت ہوگا۔ تو اس سے تداخل اجسام لازم آئیگا۔ اور اگر علیٰ سبیل الملاصقت و مجاورت ہوگا۔ تو اس سے یہ لازم آئیگا۔ کہ ایک انسان کے دو جسم ہوں جو کہ ایک دوسرے سے متلاصق یعنی ایک دوسرے کے بالکل قریب ہوں۔ مگر اُن میں سے ایک تو دکھائی دیتا ہے۔ اور دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔ یہ تمام دلائل اس باطل فرقے نے دیئے ہم (انشاء اللہ) ان تمام دلائل کے فصل وار جواب دیں گے۔

فصل ۸۵

جسمیتِ روح و نفس کے مخالفین کے پہلے شبہ کا رد

شبہ یہ ہے کہ تمام عقلاء کہتے ہیں "الروح والجسم والنفس والجسم" اور یہ قول ان دونوں کی مغائرت پر دلالت کرتا ہے

الجواب:- فلاسفہ اور متکلمین کی اصطلاح میں جسم کا مسمّٰی اہلِ عرف اور لغتِ عرب کے مسمّٰی سے عام ہے۔ کیونکہ فلاسفہ جسم کا اطلاق ہر اس چیز پر کرتے ہیں۔ جو ابعادِ ثلاثہ کو قبول کرے چاہے خفیف ہو یا ثقیل، مرئی ہو یا غیر مرئی، اس لئے وہ ہوا کو بھی جسم کا نام دیتے ہیں، اسی طرح آگ، پانی، دھواں، بخارات، اور شعاعوں کو بھی، اجسام ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ لغتِ عرب میں ان میں سے کسی چیز کو بھی جسم کا نام نہیں دیا جاتا۔ چنانچہ لغات کی کتابوں میں لکھا ہے

جوہری کہتا ہے ابوزید نے کہا ہے۔ الجسم الجسد، اسی طرح "الجسمان الجثمان" اصمعی نے کہا ہے کہ "الجسم والجسمان الجسد" والجثمان الشخص" اور جسم الشیٔ کے معنی ہیں "اعظم الشیٔ" فھو عظیم جسیم وجسام بالضم

ہم جب نفس کو جسم کا نام دیتے ہیں تو ان کی اصطلاح اور عرف و خطاب کے لحاظ سے دیتے ہیں۔ ورنہ وہ باعتبار وضعِ لغت کے جسم نہیں ہے اور اس کے جسم ہونے سے ہمارا مقصود افعال، احکام، اور صفات کا ثابت کرنا ہوتا ہے۔ جن پر شرع، عقل، اور حس دال ہیں، جیسے حرکت، انتقال، صعود، نزول، نعمتوں کا پانا، عذاب کا چکھنا اور درد وغیرہ جھیلنا۔ روکا جانا، بھیجا جانا۔ قبض ہونا، داخل و خارج ہونا وغیرہ تو اس لحاظ سے بھی ہم اس پر جسم کے نام کا اطلاق کرتے ہیں۔ اگرچہ اس پر اہلِ لغت نے جسم کا اطلاق نہیں کیا ہے۔ اس باطل فرقے کے ساتھ ہماری بحث معنی کے اعتبار سے ہے۔ لفظ کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اور

اہلِ تنی طبیب کے قول الروح والجسم کے معنی بھی یہی ہیں۔

فصل ۸۶

دوسرے شبہ کی تردید

یہ ان کا سب سے قوی شبہ ہے جس سے عموماً وہ حملے کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد چار مقدمات پر ہے۔ ایک یہ کہ عالم وجود میں ایسی چیزیں ہیں جو کسی طرح بھی تقسیم کو قبول نہیں کرتیں۔ دوسرے یہ کہ ان کا علم بھی ممکن ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کا علم بھی غیر منقسم ہے چوتھے یہ کہ ضروری ہے کہ ان کے علم کا محل بھی اسی طرح ہو یعنی غیر منقسم ہو۔ کیونکہ اگر وہ علم منقسم ہوگا تو منقسم ہوگا۔ اس بارے میں ان سے جمہور عقلاء نے بہت بحثیں کی ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ تم نے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ کہ وجود میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جو تقسیم کو قبول کرنا چاہے خواہ وہ تقسیم حسی ہو یا وہمی تمہارا تو صرف وعویٰ ہی دعویٰ ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور تم نے اسے واجب الوجود ثابت کیا ہے۔ یہ بنا تمام عقلاء و اہل ملل کے نزدیک باطل پر ہے کیونکہ تم لوگ کسی طرح پر ماہیت رب اور اس کی صفات وغیرہ کے منکر ہو اور کہتے ہو کہ رب کی نہ کوئی ماہیت ہے نہ حقیقت وہ صرف جوہر موجود ہے تمہارا یہ قول جو تمام معقول، تمام آسمانی کتابوں اور اجماع مرسلین کے خلاف ہے، تم نے اس سے خدا کے علم، قدرت، مشیت، اس کے سننے دیکھنے اور مخلوقات سے اس کی بلندی وغیرہ کی نفی کی ہے، اور اس سے تم نے زمین و آسمان کی خلقت شش روز سے بھی نفی کی ہے۔ تم اسے توحید کہتے ہو۔ حالانکہ یہ تو ہر "تعطیل" کی جڑ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ نقطے سے بھی تم نے دلیل پکڑ لی ہے مگر اس سے تمہاری دلیل بالکل ظاہری طور پر باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نقطہ غیر منقسم ہے اور یہ جسم میں حلول کئے ہوئے

ہے جو کہ منقسم ہے اور جمہور متکلمین تم سے جوہر فرد
کے اثبات کے بارے میں بھی بحث کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جوہر جسم میں حلول کئے ہوئے
ہے بلکہ وہ اس سے مرکب ہے، تو منقسم میں وہ چیز حلول کرگئی جو کہ منقسم نہیں ہے
یہ تمہاری دلیل اس وقت تک تمام نہیں ہوسکتی جب تک کہ تم جوہر فرد کی نفی نہ کردو
اگر تم کہو کہ نقطہ عبارت ہے نہایت حظ اُس کی فنا اور اس کے نہ ہونے سے تو یہ ایک
عدمی امر ہے۔ جس سے تمہارا استدلال پکڑنا باطل ہے اور اگر وہ کوئی امر وجودی
ہے تو وہ منقسم میں حلول کئے ہوئے ہوگا لہٰذا تمہاری دلیل دونوں طریقوں سے
باطل ہوگئی۔

انہوں نے کہا ہے کہ علم اپنے محل میں حلول کیوں نہیں کئے ہوگا۔ خواہ وہ کسی نوع
پر ہو۔

کیونکہ ہر شئی کا اپنے محل میں حلول اس کے حساب کے مطابق ہوتا ہے جیسے ان کا گھر
میں حلول کرنا بھی ایک نوع کا ہے۔ عرض کا جسم میں حلول کرنا بھی ایک نوع کا ہے
تیل کا تسمہ میں حلول کرنا بھی ایک نوع کا ہے۔ جسم کا عرض میں حلول کرنا بھی ایک
نوع کا ہے۔ روح کا بدن میں حلول کرنا بھی ایک نوع کا ہے۔ اور علوم و معارف
کا نفس میں حلول کرنا بھی ایک نوع ہے

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وحدت حاصل ہے، اگر وہ جوہر ہے تو جوہر فرد
ثابت ہوگیا اور تمہاری دلیل باطل ہوگئی۔ کیونکہ تمہاری دلیل تو اس کی نفی کرنے
سے ہی پوری ہوسکتی ہے اور اگر وہ عرض ہے تو ضروری ہے کہ اس کے لئے
کوئی محل ہو، اگر اس کا محل منقسم ہے تو پھر قیام غیر منقسم جائز ہوگیا۔ اور
وہ جوہر ہی ہے

اگر تم کہو کہ وحدت ایک عدمی امر ہے خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں ہے
تو پھر وہ وجود جو تم نے اس سے ثابت کئے جو کہ تقسیم کو قبول نہیں کرتے سب کے
سب عدمی امور ہونگے۔ جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوگا۔ اور واجب الوجود

بھی جیسے تم نے ثابت کیا ہے ایک عدمی امر ہوگا۔ بلکہ اس کا وجود بھی متحیل ہوگا۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اضافیات عارض ہیں اقسام نہیں ہیں۔ مثلاً فوقیت، تحتیت اور مالکیت و مملوکیت وغیرہ اگر حال اپنے محل کی تقسیم کی وجہ سے منقسم ہو جائے۔ تو ان اضافیات کا بھی انقسام لازم آئیگا، اور فوقیت و تحتیت کی حقیقت کے لئے بھی چوتھائی اور آٹھواں حصہ ہو جائیگا۔ مگر یہ ایسی چیز ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی۔

انہوں نے کہا ہے کہ قوت وہمیہ و نکہ یہ تمہارے مرشیل ابن سینا رکے نزدیک جسمانی ہیں۔ اس سے لازم آیا کہ اس کے اجزا ہوں اور یہ محال ہے۔ کیونکہ اگر اسے تقسیم کیا جائے تو اس کا ہر بعض اگر اس کی مثل ہے تو جزو مساوی ہوگا کل کے ساتھ اور اگر اس کی مثل نہیں ہے۔ تو یہ اجزا ایسے نہیں ہونگے

حالانکہ وہم کے یہی معنی تو ہیں کہ یہ دوست ہے اور یہ دشمن ہے۔ اور یہ چیز تقسیم کو قبول ہی نہیں کرتی۔

انہوں نے کہا ہے کہ تمہارے نزدیک ماہیات کے اوپر وجود ایک امر زائد ہے تو اگر محل کی تقسیم حال کے انقسام کو لازم ہوگی تو لازم آئیگا کہ یہ وجود بھی اپنے محل کی تقسیم سے منقسم ہو جائے، اور یہ بات اس شخص کے نزدیک لازم نہیں آئیگی جس نے وجود شیئ کو ماہیت کے سوا ٹھہرایا ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اعداد کے طبائع مختلف ماہیات ہیں۔ مثلاً دس کا مفہوم کہ یہ دس ہیں ایک ہی مفہوم اور ایک ہی ماہیت ہے۔ یہ ماہیت ہر ایک اکائی کے لئے عارض ہو تو یہ محال ہے۔ کیونکہ دس کا مفہوم کہ یہ دس ہیں تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ ہاں دس جو ہے یہ تقسیم کو قبول کرتا ہے نہ کہ اس کی عشریت تو دیکھو کہ منقسم کے ساتھ غیر منقسم قائم ہو گیا۔

انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کیفیات جو کمیات کے ساتھ مختص ہیں۔ جیسے استدارت و تقوس وغیرہ۔ فلاسفہ کے نزدیک استدارت کے شبہ میں یہ اعراض

موجود ہیں۔ اگر وہ عرض ہے تو یا تمامہ قائم ہوگا۔ یا ہر ایک جزو کے ساتھ قائم ہوگا اور یہ محال ہے۔ یا یہ عرض بھی اجزاء کی تقسیم سے منقسم ہو جائے گا اور خط کا ہر ایک جزو اس عرض کے ہر جزو کے ساتھ قائم ہوگا۔ اور یہ بھی محال ہے کیونکہ اگر اس کا جزو بھی گول ہے تو لازم آئیگا کہ دائرہ کا جزو بھی دائرہ ہو۔ اور اگر وہ گول نہیں ہے تو اجزاء کے اجتماع کے وقت اگر کوئی امر زائد ظاہر نہ ہو تو دائرہ کا وجود کیسے ہو سکتا ہے، اور اگر کوئی امر زائد ظاہر ہوا ہے۔ تو اگر وہ منقسم ہوگا تو تقسیم لوٹ آئی اور اگر منقسم نہ ہوگا تو یہ لازم آیا کہ حال غیر منقسم ہو اور اس کا محل منقسم ہو۔

میں کہتا ہوں۔ کہ یہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ محل کی تقسیم کے ساتھ تبعاً تقسیم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے اعراض مثلاً سیاہی، سفیدی وغیرہ بھی اپنے محل کی تقسیم سے منقسم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جو تقسیم نہیں ہوتا جیسے حلول اس کے حصول کی شرط اجتماع اجزاء ہے۔ اور جو شرط سے معلق ہو وہ شرط کے پائے جانے سے ہی ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ یہ اجسام اپنی ذوات کے ساتھ ممکن ہیں اور یہ ایک عرضی صفت ہے جو ماہیت سے خارج ہے۔ اگر وہ محل کی تقسیم سے منقسم نہ ہو۔ تو دلیل باطل ہو گئی۔ اور اگر تقسیم ہو جائے تو وہی مذکورہ خطرہ یعنی جزو کا کل سے مساوی ہو جانا اور تسلسل وغیرہ لوٹ آئیگا۔

میں کہتا ہوں۔ کہ یہ بات لازم نہیں آتی۔ کیونکہ امکان ایسا امر نہیں ہے۔ جو ممکن کے قبول وجود و عدم پر دلالت کرے۔ یہ قبول اس کی ذات کے لوازمات سے ہے۔ اس کی صفت عارضہ نہیں ہے۔ لیکن ذہن اس قبول کو قابل سے مجرد کر لیتا ہے۔ تو اس کا عروض ماہیت کے لئے ذہن کی تجرید کی بنا پر ہوگا۔ اور مشارکۃ الجزء للکل والی بات جو رہی۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ دوسری بسیط ماہیات میں ہے۔ کہ ان کا جزو حد، اور حقیقت کے لحاظ سے کل کے مساوی ہے

جیسے مٹی، پانی اور ہوا وغیرہ، ممتنع تو یہ بات ہے کہ کمیت کے اعتبار سے جزو کل کے مساوی نہ ہو، نہ یہ کہ نفسِ حقیقت میں بھی اس کے مساوی نہ ہو۔ اس شبہ کے ابطال میں یہ تاویل بھی کی گئی ہے کہ علم کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جو نفس میں حلول کئے ہوئے ہو۔ بلکہ یہ تو علم اور معلوم کے درمیان ایک نسبت و اضافت ہے جیسا کہ ہم بصارت کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ مبصر کی متساوی صورت کے انطباع کا نام نہیں ہے بلکہ وہ قوت باصرہ اور مبصر کے درمیان ایک قسم کی اضافت و نسبت ہے ایک عام شبہ جسے وہ اس سلسلہ میں بیان کرتے رہتے ہیں۔ کہ معلوم کی صورت قوت عالمہ میں منطبع ہوتی ہے۔ پھر وہ اس پر اس چیز کی بنیاد رکھتے ہیں۔ کہ منقسم میں اس چیز کا تقسیم ہو جانا جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی محال ہے۔ اور اُن کا یہ قول کہ اگر عالم کلیہ کا محل، جسم یا جسمانی ہو تو یہ علوم بھی تقسیم ہو جائیں گے کیونکہ جو چیز منقسم میں ہوگی۔ وہ بھی منقسم ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ

انہوں نے اس مقدمہ کی صحت پر بھی کوئی دلیل ذکر نہیں کی اور نہ ہی کوئی شبہ بیان کیا ہے۔ ان کے سامنے تو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور یہ کوئی ایسا بدیہی امر نہیں ہے۔ جو دلیل سے مستغنی ہو وہ کہتے ہیں۔ کہ کسی شئی کے عالم کے یہ معنی ہیں کہ معلوم کی ہیئت کی مساوی صورت نفسِ عالم میں حاصل ہو اور یہ باطل ترین وجہ سے ہے۔ جن کا ہم ذکر کریں گے۔

اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں پھر بھی یہ تمہارے قول کے باطل کرنے کی بڑی ظاہر دلیل ہوگی۔ کیونکہ جب یہ صورت نفس ناطقہ کے جوہر میں حلول کئے ہوگی۔ تو یہ ایک جزئی صورت ہوگی جو کہ جزئی نفس میں حلول کئے ہوئے ہوگی۔ اور تمام اعراض جو اس نفس جزئی میں حلول کئے ہوئے ہونگے۔ اس کے ساتھ مقارن ہونگے۔ جب ہم ان تمام لواحق کے ساتھ اس صورت کا اعتبار کرینگے تو یہ صورتِ مجردہ نہیں ہوگی۔ بلکہ لواحق و عوارض سے مقرون ہوگی۔ اور یہ چیز اس کی کلیت کے منافی ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ اس کی کلیت سے مراد یہ ہے کہ جس وقت ہم اس کے تمام لواحق

کو حذف کر دیں اور اسے من حیث ھی ھی اعتبار کر لیں تو یہ کلی ہو گی۔ ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ جب یہ جائز ہے تو پھر یہ کیوں جائز نہیں کہ کہا جائے کہ یہ صورت جسمانی مادے میں حلول کئے ہوئے ہے جو کہ ایک معین مقدار کے ساتھ مخصوص ہے۔ ہاں جب ہم اس سے یہ حذف کر دینگے اور اسے من حیث ھی ھی اعتبار کرینگے تو وہ بمنزلہ اس صورت کے ہو جائیگی جس کے ساتھ ہم نے ایسا عمل کیا ہے۔ لہذا معین معین کے مقابلے میں ہو گا۔ اور مطلق جبکہ من حیث ھو ھو ماخوذ ہو۔ اپنے محل مطلق کے مقابلے میں ہو گا۔ یہ وہ صحیح بات ہے۔ جسے صحیح معقول نے پہ کہا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ یہ شبہ بہت ہی فاسد اور باطل ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انہوں نے ایسے امور کلیہ کو مجرد کیا جن کا خارج میں کوئی وجود نہیں پھر ان پر موجودات کے احکامات جاری کئے اور اسے موجودات کے لئے اصل و میزان قرار دیا جب وہ معلومات کی صورتوں کو مجرد ٹھیراتے ہیں تو انہیں کلی بنا دیتے ہیں اور ہم ان کے محلات کو لیتے ہیں۔ اور انہیں کلی کر دیتے ہیں۔ اور اگر معین جزئی ظاہر ہو تو اس کا محل بھی اسی طرح کا ہو گا۔ کلی کلی کے مقابلے میں اور جزئی جزئی کے مقابلے میں ہو گئی۔ علاوہ بریں ہم کہتے ہیں۔ کہ ذہن کلی نہیں ہے ذہن میں تو ایک معین و مشخص صورت ہے جو تمام افراد پر منطبع ہو جاتی ہے۔ اگر اس اعتبار سے اسے کلی کہا جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ کلی اور جزئی ہونا دو اعتباروں کی بنا پر ہوا۔

فصل ۶

تیسرے شبہ کا جواب

شبہ یہ ہے کہ صورت عقلیہ کلیہ مجرد ہے اور اس کا تجرد اس سبب سے ہے کہ اس کے لئے اخذ ہوتا ہے۔ اور وہ قوت عقلیہ ہے اس کے جواب میں ان سے کہا

جائے گا کہ تم اس صورتِ عقلیہ کلیہ سے کیا مراد لیتے ہو، آیا تم اس سے یہ مراد لیتے ہو کہ معلوم ذاتِ عالم میں حاصل ہو گیا، یا اس کا علم ذاتِ عالم میں حاصل ہو گیا۔ پہلی صورت کا محال ہونا تو ظاہر ہے۔ اور دوسری بات حق ہے۔ لیکن یہ تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ امرِ کلی جو کہ انسانیت کے اشخاص میں مشترک ہے وہ انسانیت ہی ہے نہ کہ اس کا علم۔ اور انسانیت کا خارج میں بالکل وجود نہیں ہے، خارج میں وجود تو صرف معینات کے لئے ہے اور علم معلوم کے تابع ہوتا ہے۔ جب معلوم معین ہوگا علم بھی معین ہوگا۔ لیکن وہ ایک صورت ہے۔ جو بہت سے افراد پر منطبق ہو رہی ہے ذہن اور خارج میں کوئی ایسی صورت نہیں ہے۔ جو غیر منقسم ہو۔ اس مقام پر بہت سے افراد پر منطبق ہو رہی ہے، ذہن اور خارج میں کوئی ایسی صورت نہیں ہے جو غیر منقسم ہو۔ اس مقام پر بہت سے فلاسفہ غلطی کر گئے ہیں۔ صورتِ کلیہ جسے وہ ثابت کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ نفس میں حلول کئے ہوئے ہے، یہ ایک شخصی صورت ہے جو عوارضِ تشخیصیہ سے موصوف ہے۔ فرض کیجئے کہ یہ عقلی صورت ایک جوہر میں حلول کئے ہوئے ہے جو کہ جسم نہیں ہے اور نہ جسمانی ہے، تو وہ عوارض سے مجرد نہیں ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ہماری مراد عوارض سے قطع نظر من حیث ھی ھی اسے دیکھنا ہے۔ تو ہم کہیں گے، پھر یہ کیوں جائز نہیں ہوگا کہ وہ صورت جو محلِ جسمانی میں حلول کئے ہوئے ہے منقسم ہو۔ مگر جبکہ ہم عوارض سے قطع نظر کر کے من حیث ھی ھی اسے دیکھیں گے تو وہ مجرد ہو گی

فصل ۸۸

چوتھے شبہ کا جواب

شبہ یہ ہے کہ قوتِ عقلیہ افعالِ غیر متناہیہ پر قادر ہے۔ لیکن قوتِ جسمانیہ

کی ایسی حالت نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ افعالِ غیر متناہیہ پر قادر ہے، اور تمہارا یہ کہنا کہ وہ ادراکاتِ غیر متناہیہ پر قادر ہے اور ادراکات ہی افعال ہیں - دونوں جھوٹے مقدمات ہیں۔ کیونکہ ادراکات خواہ وہاں پہنچ جائیں۔ جہاں تک کہ وہ پہنچے ہیں تو یہ متناہی ہی ہونگے - اور اگر ہر نفس کے لیے ہزار ادراکات ہوں تو وہ بھی متناہی ہوئے۔ کیونکہ ادراکات و معارف ایک حد تک پہنچنے کے بعد قطعاً منتہی ہو جاتے ہیں۔ جن پر کچھ بھی زیادتی نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"وفوق کل ذی علمٍ علیم" ہر عالم سے اوپر ایک عالم ہے۔

تاکہ علم اس ذات کی طرف منتہی ہو جاتا ہے۔ جو ہر چیز کا جاننے والا ہے - اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے جو اس کے خصائص سے ہے۔ جس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ نفس کا ادراک حد تک ہو۔ جس پر زیادتی ممکن نہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ شئی کا اپنے امکانِ ذاتی سے منقلب ہو جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ امر صحیح ہو تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قوتِ جسمانیہ افعالِ غیر متناہیہ پر قادر ہے۔ یہ چیز شبہ کو زائل کر دیتی ہے۔ اور اُسے باطل کر دیتی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ قوتِ متخیلہ، متفکرہ، اور متذکرہ بھی متخیلات اور متذکرات کے احضار پر ایک غیر نہایتہ قادر ہیں۔ باوجودیکہ یہ تمہارے نزدیک قوتِ جسمانیہ سے ہیں۔ اگر تم کہو کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ مالا نہایتہ پر قادر ہے تو تمہارے جواب میں کہا جائے گا۔ کہ تم سے جھگڑنے والا قوتِ حاملہ کے بارے میں یہی کہتا ہے لہٰذا معاملہ برابر ہو گیا۔

رہا دوسرے مقدمہ کا کذب تو یہ عرض ہے۔ کہ ادراک فعل نہیں ہے لہٰذا اس کے ادراک کا متناہی ہونا لازم نہیں آتا۔ نیز تم نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ جوہر عقلی معلوم کی صورت کو قبول کرتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کا فاعل ہے۔ اور

تمہارے نزدیک شئ واحد فاعل اور قابل نہیں ہو سکتی، اور تم نے یہ بھی صراحت کر دی ہے۔ کہ اجسام لامتناہی افعال پہ قادر نہیں ہیں۔ لیکن ان پہ جھولات و انفعالات لامتناہی ممتنع نہیں ہیں۔

ابن سینا نے اس شبہ پہ ایک سوال کیا ہے۔ اس نے کہا ہے کیا نفس فلکیہ جو تحریک فلک کے لئے قوت جسمانیہ نہیں ہے۔ حالانکہ حرکات فلک غیر متناہی ہیں اور خود ہی اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگرچہ وہ قوت جسمانیہ ہے۔ مگر چونکہ وہ عقل مباشر ہے مفارق سے کمال حاصل کرتا ہے۔ لہذا اسی سبب سے وہ افعال غیر متناہیہ پہ قادر ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر یہ کیوں جائز نہیں ہے کہ نفس ناطقہ بھی کمال و قوت کو اپنے خالق سے پاتا جیسے ہر قسم کی طاقتیں حاصل ہیں۔ یقیناً وہ جسمانی ہونے کے باوجود لامتناہی پہ قادر ہوگا۔ جب تم نے اس کا اقرار کر لیا۔ تو تم نے رسولوں اور عاقلوں کی بات کو تسلیم کر لیا اور تم مرد اہل حق میں داخل ہو گئے۔ اور فرقہ مبطلین سے جدا ہو گئے۔

فصل ۸۹

پانچویں شبہ کا جواب

شبہ یہ ہے کہ اگر قوت عاقلہ جسمانی آلہ میں حلول کئے ہوئے ہو تو ضروری ہے کہ وہ اس آلہ کے لئے دائمۃ الادراک ہو یا کلی طور پہ ممتنع الادراک ہو۔ جواب یہ ہے کہ اس شبہ کی بنیاد تو تم نے بالکل ہی باطل امر پہ رکھی ہے، یعنی یہ کہ ادراک عبارت ہے۔ حصول صورت سے جو کہ مدرک کے لئے قوت مدرکہ میں مساوی ہو۔ اگر ہم تمہاری اس بنیاد کو تسلیم بھی کر لیں تب بھی تمہیں یہ بات کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی، کیونکہ اس صورت کا حصول شرط ہوگا۔ حصول ادراک کے لئے اگر یہ کہا جائے کہ ادراک عین

ہے حصولِ صورت کا تو اسے کوئی بھی عاقل ماننے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہ کیوں جائز نہیں ہوگا۔ کہ کہا جائے قوت عقلیہ ایک جسم مخصوص میں حلول کئے ہوئے ہے اور قوتِ ناطقہ اس کے لئے ایک اضافی حالت حاصل کرتی ہے۔ جسے شعور و ادراک کہا جاتا ہے، تو اس وقت قوت عاقلہ اس آلہ کے لئے مدرک ہو جائیگی، اور جب یہ اضافی حالت نہیں پائی جائیگی تو وہ اس آلے کے ادراک سے غافل ہو گی۔

اور جب یہ ممکن ہے تو پھر سرے سے یہ شبہ ہی ختم ہو جائیگا۔ علاوہ بریں ہم کہتے ہیں۔ کہ جب ہم کسی شئی کا تعقل کرتے ہیں۔ تو عقل میں جو صورتِ حاضرہ ہے۔ وہ یا تو اس معقول کے لئے تمام وجوہ و اعتبارات سے مساوی ہو گی یا اس کا حصول تمام وجوہ کے اعتبار سے مساوی نہیں ہوگا۔ پہلی بات کو کوئی عاقل نہیں مانے گا۔ کیونکہ اس کا فساد ظاہر ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ من جمیع الوجوہ مساوات نہیں ہے تو ایک دوسری صورت کے دل و دماغ میں حدوث سے اجتماع مثلین لازم نہیں آیا۔ اور یہ بات بھی ہے کہ قوتِ عاقلہ جو ہر قلب یا دماغ میں حال ہے اور صورتِ حادثہ حال ہے قوتِ عاقلہ میں تو ان دونوں صورتوں میں سے ایک قوتِ عاقلہ کے لئے محل ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ہم کسی طویل مسافت کو دیکھتے ہیں تو کیا اس کا دیکھنا اس بات پر موقوف ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھ میں اس دکھائی دینے والی چیز کی صورت مرتسم ہو۔ یا اس پر موقوف نہیں ہے۔ اگر اس پر موقوف ہے تو پھر اجتماع مثلین لازم آیا۔ کیونکہ قوت باصرہ تمہارے نزدیک جسمانی ہے یہ ایسے محل میں ہے جو حجم اور مقدار والا ہے جب اس میں دکھائی دینے والی چیز کے حجم اور مقدار کا حصول ہوگا تو اجتماع مثلین لازم آئیگا۔ جب یہاں یہ جائز ہے تو اس مسئلے میں اس جیسی مثال کیوں جائز نہیں۔ اور اگر اس پر موقوف نہیں ہے تو پھر تمہارا یہ قول باطل ہو گیا

کہ قلب و دماغ کا ادراک اس بات پر موقوف ہے۔ کہ دل و دماغ کی صورت قوتِ عاقلہ میں حاصل ہو۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ قوتِ عقلیہ اگر جسم میں حلول کئے ہوئے

ہو تو ضروری ہے کہ وہ اس جسم کے لیے دائمۃ الادراک ہو۔ لیکن ہمارا ادراک ہمارے دل و دماغ کے لیے غیر دائم ہے یہ خرابی اس شخص کو لازم آتی ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ وہ دل و دماغ میں حلول کیے ہوئے ہے۔ اور وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ وہ ایک جسم مخصوص میں حلول کیے ہوئے ہے، جو کہ نفس ہے، اور وہ بدن سے لگا ہوا ہے یہ الزام اس پر وارد نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کہتا ہے کہ نفس جسم مخصوص ہے اور انسان ہمیشہ جانتا ہے کہ وہ جسم مخصوص ہے۔ اور یہ اس کی عقل سے زائل نہیں ہوتا۔ مگر اس وقت جبکہ غفلت طاری ہو جائے۔ لہٰذا ہر طریقے سے تمہارا شبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

فصل ۹۰

چھٹے شبہ کا جواب

تمہارا یہ قول کہ ایک اپنے نفس کا ادراک کرتا ہے، اور ادراک کہتے ہیں کہ معلوم کی ماہیت عالم کے نزدیک حاصل ہو۔ اور یہ صورت اسی وقت صحیح ہو سکتی ہے۔ جبکہ نفس محل سے مستغنی ہو۔

جواب: یہ ہے کہ یہ شبہ ایک غلط اصل پر مبنی ہے۔ یعنی یہ کہ علم عبارت ہے اس امر سے کہ معلوم کے لیے مساوی صورت نفس عالم میں حاصل ہو حالانکہ یہ بہت سی وجوہ کی بناء پر باطل ہے۔ جو کہ مسئلۂ علم میں مذکور ہیں۔ اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو صورتِ مذکورہ حصولِ علم میں شرط ہو گی۔ نہ یہ کہ وہ نفسِ علم ہو گی۔ علاوہ برین یہ بات بھی ہے کہ یہ شبہ باوجود رکاکتِ الفاظ اور فسادِ مقدمات کے منقوض ہے۔ کیونکہ ہم پتھر یا اینٹ کو کہتے ہیں کہ یہ جوہر قائم بنفسہ ہے۔ اس کی ذات اس کی ذات کے نزدیک حاضر ہے، تو ضروری ہے کہ یہ جمادات بھی اپنی ذاتوں کو جانتے

ہوں اور یہ بات بھی ضروری ہوگی کہ تمام حیوانات اپنی ذات کا ادراک کرنے والے ہوں، اگر کسی شئی کا اپنی ذات کے لئے مدرک ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کی ذات جوہر مجرد ہو تو لازم آئے گا۔ کہ تمام حیوانات کے نفوس جواہر مجردہ ہوں حالانکہ تم لوگ اس کے قائل نہیں ہو۔

فصل ۹۱

ساتویں شبہ کا جواب

کہ ہم میں سے ایک شخص گندھک کے سمندر یا قوت کے پہاڑ کا تخیل کرتا ہے الیٰ آخرہ، یہ شبہ ابوالبرکات بغدادی سے وارد کیا ہے، جو بالکل لچر ہے۔ کیونکہ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ یہ متخیلات موجودہ امور ہیں۔ اور یہ نفس ناطقہ میں منطبع ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان متخیلات کی ان کی ذات کے لحاظ سے بالکل کوئی حقیقت نہیں ہے۔ صرف ذہن ہی انہیں فرض کرتا ہے، اور یہ نفس میں منطبع نہیں ہوتیں تو معدوم قسم کے خیالات کیسے منطبع ہو جائیں گے۔ اور اضافی اعدام کے درمیان تمیز کا واقع ہونا کوئی ممتنع نہیں، کیونکہ عقل، عدم سمع، عدم بصر اور عدم شم وغیرہ میں تمیز کرتی ہے۔ اور اس تمیز سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ یہ اعدام موجود ہوں بلکہ وہ تو انواع متخیلات میں بھی تمیز کر لیتی ہے۔ جن کا وجود ممکن ہی نہیں ہوتا پھر ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز جو کہ جسمیت اور مقدار سے مجرد ہے اس میں اگر اشکال و مقادیر کا حلول سمجھا بھی جائے۔ تو علم کا حلول عظیم شکل و مقدار کے ساتھ جسم صغیر میں نہیں سمجھا جائیگا۔ اور یہ بھی ہے کہ حسب من جمیع الوجوہ انطباق نہیں ہوگا تو جوہر مجرد میں شکل و صورت کا حلول بھی ممتنع نہیں ہوگا۔ تو بڑے کا چھوٹے پر منطبق نہ ہونا بدرجہ اولیٰ۔ اس بات کو ممتنع نہ ہوگا۔ کہ صورت عظیمہ محل صغیر میں حلول کرے

علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ تمہارے سلف نے اس بات پر دلیل قائم کی ہے۔ کہ اُس صورت کا منطبع ہونا جو کہ جوہر مجرد میں حلول کئے ہوئے ہو محال ہے اور اس کے بہت ساری وجوہات بھی ذکر کی ہیں۔

فصل ۹۲

آٹھویں شبہ کا رد

شبہ یہ ہے کہ اگر قوت عقلیہ جسمانی ہوتی تو بڑھاپے کے زمانے میں وہ کمزور پڑ جاتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے ایک یہ کہ کہا جائے کہ قوتِ عقلیہ کے کمال میں صحت کی ایک مقدار معین کو دخل ہے۔ گو بدن کا کمال پوری حالت صحت میں ہے مگر یہ قوتِ عقلیہ کی کمالی حالت کے لئے ضروری نہیں ہے۔ جب اس بات کا احتمال ہو گیا تو اس کا اقرار کرنا کچھ بعید نہیں کہ یہ مقدار صحت جس کی طرف عقل محتاج ہے۔ بڑھاپے کے اخیر تک باقی رہتی ہے۔ لہٰذا عقل بھی آخر تک باقی رہتی ہے

دوسری وجہ شاید بوڑھے شخص کے ادراکات عقلیہ ہمیشہ صحت پر اس لئے قائم رہتے ہوں۔ کہ عقل کا تعلق بعض ایسے اجزائے بدن سے ہو جن میں فساد اتحاد دیر سے ہوتا ہو۔ اور جب وہ اجزاء فاسد ہوں اور اضمحلال کا شکار ہوں۔ تب ہی عقل اور ادراک بھی فاسد ہوں۔

تیسری وجہ یہ بات ممتنع نہیں ہے کہ بعض مزاج بعض قوی کے زیادہ موافق ہوں۔ اسی سبب سے ان کی قوت حافظہ قوی ہو۔

چوتھی وجہ۔ جب مزاج انتہائی قوت و شدت میں ہو تو باقی قوی بھی قوی ہوتے ہیں۔ لہٰذا قوت شہوانیہ اور غضبیہ بھی بہت قوی ہونگی۔ اور ان قوی

کی قوت، عقل کے استکمال کے لئے مانع ہے۔ مگر جب بڑھاپا آتا ہے، اور کمزوری ہو جاتی ہے۔ تو کمزوری کے سبب سے ان قویٰ میں بھی کمزوری آجاتی ہے جو کہ عقل کے استکمال سے مانع ہیں، اور عقل میں بھی کمزوری آجاتی ہے جب عقل میں کمزوری آجاتی ہے۔ تو اس کے اضداد میں بھی کمزوری آجاتی ہے اور دونوں اطراف کے نقصان برابر ہو جاتے ہیں جس سے اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔

پانچویں وجہ۔ بوڑھے شخص کو علوم اور بہت سے تجربے ازبر ہوتے ہیں۔ اس کے تجربات وغیرہ اس کے بدن اور قویٰ کی کمزوری کے خلا کو پُر کر دیتے ہیں۔

چھٹی وجہ:۔ کثرتِ افعال انکاتِ راسخہ کے سبب سے ہوتی ہے۔ اس طریقہ پر انسان کو جو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس نقصان کو جو کہ بدن کے اختلاف کے سبب سے حاصل ہوتی ہے پورا کر دیتی ہے

ساتویں وجہ:۔ صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی دو خصلتیں جوان ہو جاتی ہیں۔ ایک حرص، اور دوسرے طول امل واقعات اس حدیث پر شاہد ہیں کہ حرص اور آرزو، جسمانی قویٰ اور خیالی صفات سے ہیں، یہ بات بھی ہے کہ ضعفِ بدن ان دونوں صفات کے ضعف کا موجب نہیں ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اختلالِ بدن اور اس کے ضعف سے بدنی صفات کا کمزور ہونا لازم نہیں آتا۔

آٹھویں وجہ: ہم بہت سے بوڑھوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ خوف اور ضعفِ نفس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی دلالت کرتا ہے،

ومنکم من یرد الیٰ ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیئاً۔	بعض تم میں سے ارذل عمر کی طرف لوٹائے جائیں گے تاکہ جاننے کے بعد کچھ بھی نہ جانیں"

بوڑھا شخص ارذل العمر میں بچے کی مانند ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی گیا گزرا ہو جاتا ہے

نویں وجہ:۔ قوتِ بدن اور قوتِ نفس میں تلازم نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کا ضعف اس کے ضعف کو مستلزم ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قوی البدن ہوتا ہے مگر اس کا نفس

کمزور، بزدل، اور خوار ہوتا ہے۔ اور کبھی انسان ضعیف البدن اور قوی النفس ہوتا ہے۔ باوجود کمزوری بدن کے وہ بہادر اور مستقدم کرنے والا ہوتا۔

دسویں وجہ۔ جو کچھ تم نے ذکر کیا ہے۔ اُسے تسلیم بھی کر لیا جائے۔ تو وہ اس بات پر ہرگز دلالت نہیں کرتا کہ نفس، جوہر مجرد ہے نہ داخل عالم ہے اور نہ خارج عالم۔ نہ وہ بدن میں ہے نہ اُس سے خارج ہے۔ کیونکہ جب وہ صاف، شفاف چمکدار سماوی جسم ہے اور اجسام ارضیہ کے خلاف ہے تو وہ انحلال، ذبول و تبدل کو قبول نہیں کرتا۔ جس طرح کہ اجسام ارضیہ اسے قبول کرتے ہیں۔ تو بدن کے انحلال سے جوہر نفس کا انحلال لازم نہیں آتا۔

فصل ۹۳

نویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ قول کہ قوتِ عقلیہ اپنے افعال میں جسم سے مستغنی ہے۔ اور جو چیز اپنے افعال میں جسم سے مستغنی ہوگی وہ اپنی ذات میں بھی مستغنی ہوگی۔ الی آخرہ

جواب میں کہا جائیگا کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک حکم جو ایک قوتِ جسمانیہ میں ثابت ہو رہا ہے اس جیسا حکم تمام قوائے جسمانیہ میں بھی ثابت ہو۔ تمہارے پاس صرف دعوے اور فاسد قیاس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ صور نہیں اور اعراض اپنے محل کی جانب محتاج ہیں۔ محلوں کی طرف یہ احتیاج ان کی ذوات کی وجہ سے ہے، اس حکم کے ساتھ اس کے استقلال سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی ذاتیں ان محلوں سے مستغنی ہو جائیں۔ کسی چیز کا دوسرے احکام کو چھوڑ کر ایک حکم کے پورا کرنے کے ساتھ مستقل ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ اپنی ذات میں محل سے مستغنی ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل ۹۴

دسویں شبہ کی تردید

تمہارا قول کہ قوتِ جسمانیہ کثرتِ افعال سے تھک جاتی ہے۔ وہ ضعیف کے لیے قوی پر قادر نہیں ہوتی۔

جواب:۔ قوتِ خیالیہ جسمانیہ ہے۔ اور وہ عظیم اشیاء کے تخیل پر قادر ہے ساتھ ہی وہ حقیر اشیاء کے تخیل پر بھی قادر ہے۔ یہ بات اس کے لئے ممکن ہے کہ ایسی حالت میں جبکہ وہ سورج اور چاند کا تخیل کرے تو چھوٹے شعلے کا تخیل بھی کرے۔

یہ بات بھی ہے کہ تیز نگاہیں چھوٹی ضعیف اشیاء کے دیکھنے سے قاصر ہوتی ہیں اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ کہ بڑی بلند عقول معقولاتِ ضعیفہ کے تعقل سے قاصر ہوتی ہیں۔ کیونکہ اللہ رب السموات والارض کی معرفت اور اس کے اسماء و صفات میں جو شخص مستغرق ہے۔ اس کے لئے ایسی حالت میں جوہرِ فرد اور اس کی حقیقت میں فکر کرنا ممتنع ہے۔

فصل ۹۵

گیارہویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ قول کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ سیاہی سفیدی کے متضاد ہے تو ضروری ہے کہ سفیدی اور سیاہی کی ماہیت ذہن میں ایک ساتھ حاصل ہو، مگر بداہت اس بات کا فیصلہ کر رہی ہے کہ ان دونوں کا اجتماع جسم واحد میں محال ہے

جواب:۔ اس شبہ کی بنیاد اس بات پر ہے۔ کہ مثلاً جب کسی شخص نے کسی چیز کا ادراک کیا تو ادراک کرنے والے کی ذات میں ایک صورت جو مدرک کے مساوی ہے حاصل ہو گئی۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ اور اس اصل کی صحت

کے لئے اس صورت سے دلیل پکڑنا جو کہ آئینہ میں منطبع ہوتی ہے باطل ہے کیونکہ آئینہ میں کوئی چیز منطبع نہیں ہوتی۔ جس طرح کہ جمہور فلاسفہ و متکلمین کہتے ہیں۔ انطباع کی بات تو کسی وجہ سے باطل ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ جب تم کہتے ہو۔ کہ نفس میں منطبع ہونے والے تو اُن کے نقوش و امثال ہیں نہ کہ اُن کی حقیقتیں تو پھر یہ جائز کیوں نہیں ہے۔ کہ ان اشیاء کے نقوش جسمانی مادے میں حاصل ہوں۔

فصل ۹۶

بارھویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ قول کہ اگر ادراکات کا محل جسم ہو اور ہر جسم منقسم ہے تو اس سے یہ بات ممتنع نہیں ہوگی۔ کہ جسم کے بعض اجزاء کے ساتھ تو کسی چیز کا علم ہو اور دوسرا جزو اس کے علم سے جاہل ہو۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انسان ایک ہی وقت ایک چیز کو جانتا بھی ہو، اور نہ جانتا بھی ہو۔

جواب: یہ شبہ تمہارے ہی اصول سے ٹوٹ جاتا ہے۔ تمہارے نزدیک شہوت، غضب، اور تخیل جسمانی حالتوں سے ہیں۔ اور ان کا محل منقسم ہے۔ پھر تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم شہوت و غضب وغیرہ کو ایک جزو کے ساتھ جائز رکھو۔ اور دوسرے جزو کو اُس سے خالی رکھو۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انسان ایک ہی وقت میں ناراض بھی ہو اور ناراض نہ بھی ہو۔

فصل ۹۷

تیرھویں شبہ کا رد

تمہارا یہ قول کہ جب جسمانی مادہ میں مخصوص نقوش حاصل ہو جائیں۔ تو اُس میں ان ہی جیسے نقوش کا حاصل ہونا ممتنع ہے۔ مگر بشری نفوس کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

جواب: بغیر جامعیت کے قیاس ظن کا بھی فائدہ نہیں دیتا چہ جائیکہ اس سے یقین حاصل ہو۔ نقوشِ عقلیہ علوم و ادراکات ہیں۔ اور نقوشِ جسمانیہ اشکال اور صورتیں ہیں۔ یہ یقینی بات ہے کہ علوم اپنے حقائق کے ساتھ اشکال اور صورتوں سے مختلف ہیں۔ اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ ایک حکم جو ایک نوع میں ثابت ہو، دوسری ماہیات کی جو انواع ہیں ان میں بھی ثابت ہو جو کہ اس نوع کے مخالف ہیں

فصل ۹۸

چودھویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ قول کہ اگر نفس جسم ہو تو کسی پاؤں ہلانے والے کے ارادے اور اس کی حرکت کے درمیان میں کچھ زمانہ ہونا چاہیئے۔

جواب: نفس، بدن کے ساتھ تین حالتوں سے خالی نہیں ہوگا۔ یا تو اس نے باہر سے تمام بدن کو ڈھانپ رکھا ہوگا، جیسے کپڑا ڈھانپ لیتا ہے یا وہ ایک ہی جگہ پہ ہوگا۔ جیسے دل و دماغ، یا وہ تمام اجزائے جسم میں جاری ساری ہوگا ان تمام صورتوں میں اس کی تحریک بلا زمانے کے ہوگی۔ جیسا کہ بصر کا ادراک کرنا اور قوتِ سامعہ اور شامہ وغیرہ کا ادراک کرنا، جب عضو کو کاٹ لیا جائے تو نفس کے جسم سے جو اس عضو میں متمثل تھا، چاہے وہ اس عضو کو لپٹا ہوا تھا یا اس کے اندر تھا یا خارج تھا، وہ اس عضو سے بلا زمان جدا ہو جائیگا۔ اس عضو سے اس کی مفارقت ایسے ہوگی۔ جیسے ہوا اس برتن سے جدا ہو جاتی ہے۔ جس میں پانی بھر دیا جائے، اگر نفس، بدن میں ایک ہی جگہ پہ ساکن ہوتا تو عضوِ مقطوع کے ساتھ اس کا اختلاف لازم نہ آتا۔ اور اگر نفس بدن کے لئے باہر سے لایا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آئیگا۔ کہ اس کے ارادے اور نفس تحریک میں کوئی زمانہ ہو، بلکہ اس کا فعل اس وقت تحریک اعضاء کے بارے میں ایسا ہوگا جیسا کہ مقناطیس کا فعل لوہے میں ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے متصل نہیں ہوتا پھر ہم کہتے

ہیں۔ کہ یہ زبان جسے تم نے زبان کے ساتھ لپیٹ لیا ہے۔ یہ بعینہ تمہارے اوپر وارد ہوتا ہے، کیونکہ نفس تمہارے نزدیک بدن سے متصل ہے اور نہ ہی اس سے جدا ہے۔ نہ اس میں داخل ہے اور نہ اس سے خارج ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے بھی یہی مسئلہ درپیش ہو جائیگا

فصل ۹۹

"پندرہویں شبہ کا رد"

تمہارا یہ قول کہ اگر نفس جسم ہو۔ تو وہ منقسم ہوگا۔ لہٰذا اس کے لئے یہ بات صحیح ہوگی کہ وہ بعض کو جانے اور بعض سے جاہل رہے اس کے یہ معنی ہوئے۔ کہ انسان اپنے نفس کے کچھ حصہ کو جانتا ہے اور کچھ سے جاہل ہے

جواب:۔ یہ شبہ دو مقدمات سے مرکب ہے جو کہ تلازمیہ اور استثنائیہ ہیں۔ ان دونوں مقدمات پر منع وارد ہو سکتا ہے۔ ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اگر وہ جسم ہو تو اس کے لئے یہ صحیح ہو کہ وہ بعض کو جانے اور بعض سے جاہل رہے، کیونکہ نفس بسیط ہے۔ ان عناصر سے مرکب نہیں ہے۔ اور نہ ہی اجزائے مختلفہ سے مرکب ہے۔ تو جس نے اپنی ذات کا [illegible] اپنی جہالت کا بھی شعور کیا۔ یہ منع مقدمہ تلازمیہ کے لئے ہے۔ باقی رہا مقدمہ استثنائیہ، سو ہم یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ اپنی غفلت کی حالت میں بعض کو جانے نیز انہوں نے اس کے بطلان پر کوئی دلیل تک ذکر نہیں کی ہے اور یہ بدیہی بات ہے کہ انسان کبھی اپنے نفس کا بعض وجوہ کی بنا پر شعور کرتا ہے، اور کبھی نہیں کرتا اس بارے میں لوگوں کے درمیان کچھ فرق بھی ہے۔ کہ ایک انسان تو تم طریقہ پر بہت سے درجات کے ساتھ اپنے نفس کا شعور کرتا ہے، اور ایک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ولاتکونوا کالذین نسوا اللہ۔ تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو۔ جنہوں نے اللہ کو

فانساھم انفسھم۔ بھلا دیا،

تو یہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو بھلا دیا ہے ان کا یہ بھلانا من جمیع الوجوہ نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اس وجہ سے اسے بھلا دیا جو اس کی مصلحت، کمال، اور سعادت کے لئے تھی۔

(اس وجہ سے نہیں بھلایا۔ جو اس کی شہوت و ارادے کے لئے تھی) الغرض اللہ نے انہیں اُن کے نفوس کی مصلحتیں بھلوا دیں، یہ نہیں وہ کرتے، طلب کرتے اُن کے عیوب و نقائص کو دیکھتے، انہیں زائل کرتے، اُن سے بچتے، اور اپنے نفس کے کمال کو پہچانتے جو کہ اللہ نے اس کے لئے پیدا کیا ہے۔ دیکھئے یہ لوگ اپنے نفسوں کے حقائق سے جاہل ہیں۔ اگرچہ وہ بعض وجوہ سے عالم بھی ہیں۔

فصل ۱۰

سولھویں شبہ کا رد

تمہارا قول کہ اگر نفس جسم ہو، تو اس کے دخول سے بدن بھاری ہوگا، کیونکہ جسم کی یہی حالت ہوتی ہے کہ اگر اس پر دوسرا جسم رکھا جائے تو وہ ثقیل ہو جاتا ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ جب ایک جسم پر دوسرا جسم زیادہ کیا جائے تو وہ اس سے بوجھل ہو جائے، مثلاً بوجھ کی لکڑی پر جب آگ کا جسم زیادہ کیا جائیگا تو وہ بہت ہی ہلکی ہو جائیگی یا مثلاً ایک بوجھل برتن میں جب ہوا کا جسم داخل ہوگا۔ تو وہ ہلکا ہو جائیگا۔ یہ شبہ اُن ثقیل اجسام میں وارد ہوتا ہے۔ جو کہ مرکز کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اور اپنی طبع سے وسط کو چاہتے ہیں۔ اور طبعاً اس کی طرف متحرک ہوتے ہیں۔ اور وہ اجسام جو اپنی طبع سے بلندی کی طرف حرکت کرتے ہیں اُن پر یہ شبہ وارد نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا معاملہ اجسام ثقیلہ کے خلاف ہے، بلکہ جب انہیں کسی ثقیل جسم سے ملایا جاتا ہے، تو وہ اور ہلکے ہو جاتے ہیں۔

فصل ۱۰۱

سترہویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ قول کہ اگر نفس جسم ہو تو اس میں بھی دوسرے اجسام کی سی صفات پائی جائیں گی۔ جیسے خفت، ثقل، حرارت، برودت، رطوبت، یبوست، نعومت اور خشونت وغیرہ۔

جواب: یہ بہت ہی ناسد اور گرا ہوا شبہ ہے، کیونکہ ضروری نہیں ہے۔ کہ تمام اجسام کیفیات و صفات میں مشترک ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کیفیات صفات، اور طبائع میں فرق رکھا ہے، ان میں کچھ تو ایسے ہیں جنہیں آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے اور ہاتھ سے چھوا جا سکتا ہے، کچھ ایسے ہیں۔ جو حرارت، برودت کو قبول کرتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو نہیں کرتے۔ اور نفس کی کچھ کیفیات مخصوصہ بھی ہیں۔ جن میں بدن شریک نہیں ہوتا، اور اس کی خفت، ثقل، حرارت، برودت خشکی، اور نرمی وغیرہ اس کے حساب کے مطابق ہے آپ ایسے شخص میں بھی ثقالت کو پا سکتے ہیں جس کا بدن بہت کمزور ہو، اور ایسے انسان میں بھی خفت کو پا سکتے ہیں جس کا بدن بہت ثقیل ہو۔ ایسے ہی ان کے نفوس کو بھی نرم اور سخت پا سکتے ہیں۔ جیسے جس سلیم اللہ نے دی ہو۔ بعض نفوس کی خوشبو تو مشک سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے سے گذر جاتے تھے۔ آپ کی خوشبو کا اثر اس راستے پر باقی رہ جاتا تھا جس سے معلوم ہو جاتا تھا۔ کہ آپ یہاں سے گذرے ہیں۔ یہ خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس اور دل کی تھی۔ اور آپ کے پسینہ مبارک کی خوشبو تو بہت ہی پاکیزہ تھی یہ سب کچھ آپ کے نفس و بدن کی پاکیزگی کی وجہ سے تھا۔ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ عبد الی کے وقت روح کے لئے مشک جیسی اچھی خوشبو ہوتی ہے، یا بدترین مردار جیسی بدبو ہوتا ہے جو روئے زمین پر نہیں ہوتی ہے۔ لیکن اگر لوگوں کو زکام

کا غلبہ نہ ہوتا۔ تو وہ اسے ضرور سونگھ لیتے

بہت سے لوگوں نے اس چیز کو پایا بھی ہے اور کئی ایک نے اس کی خبر بھی دی ہے، اس بارے میں صادقِ مصدوق کی اتنی ہی خبر کافی ہے۔ اسی طرح آپؐ نے یہ بھی بتایا ہے کہ مومنوں کی روحیں چمکدار ہیں اور کافروں کی سیاہ ہیں۔ قصہ کوتاہ نفس کی کیفیات و خصوصیات ظاہر ہیں، جو بہت ہی زیادہ جاہل ہوگا وہی ان کا انکار کریگا۔

فصل ۱۰۲

"اٹھارہویں شبہ کی تردید"

تمہارا یہ قول کہ اگر نفس جسم ہو تو ضروری ہے کہ وہ تمام حواس کے تحت واقع ہو یا ایک کے تحت واقع ہو۔

جواب: ہم لزوم کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ تم نے تو اس پر کوئی شبہ ہی ذکر نہیں کیا چہ جائیکہ کوئی دلیل لاتے اور عدم انتفائے لازم پر بھی کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ کیونکہ روح کا ادراک حواس سے کیا جاتا ہے۔ چھوا بھی جا سکتا ہے، دیکھا بھی جا سکتا ہے اور اس کی اچھی یا بری خوشبو بھی سونگھی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ نفوسِ مستفیضہ کے بارے میں پہلے گذر چکا ہے۔ لیکن ہم اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے اس کے لئے رسولوں کی تصدیق کرنے والا کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ فرشتے بھی جسم ہیں۔ لیکن وہ ہمارے حواس میں سے کسی حاسہ کے تحت واقع نہیں ہوتے اسی طرح جن اور شیاطین بھی ہیں۔ چونکہ یہ لطیف اجسام ہیں لہذا ہمارے حواس کے تحت واقع نہیں ہوتے اجسام کے اندر بہت زیادہ تفاوت ہے۔ کچھ ایسے ہیں جو اکثر حواس سے ادراک کئے جاتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو اکثر حواس کے ساتھ ادراک نہیں کئے جاتے، اور کچھ ایسے ہیں جو صرف ایک حس سے ادراک کئے جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں۔ جن کا ادراک ہم سے اکثر اوقات نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ

بعض احوال میں ان کا ادراک کیا بھی گیا ہے۔ کیونکہ ان کا ادراک ہمارے لئے نہیں بنایا گیا یا کوئی مانع اس کے ادراک کرنے سے ہمیں روک دیتا ہے یا ان کا لطیف ہونا ہمارے حواس کے ادراک سے رکاوٹ کا موجب بن جاتا ہے۔ دیکھو جن اجسام کی کوئی رنگت نہ ہو ان کا نظر سے ادراک نہیں ہوتا جیسے آگ، پتھر، شیشہ وغیرہ اور جس کا جسم نہ ہو اس کا ادراک لمس سے نہیں ہوتا۔ جیسے رکی ہوئی ہوا وغیرہ۔ اور یہ بھی ہے کہ روح کا ادراک انہیں حواس میں سے ایک آلہ سے ہو سکتا ہے جو کہ نفس ہے۔ نفس ہی حاس و مدرک ہے اگرچہ وہ محسوس نہیں ہوتا، تو اجسام و اعراض محسوس ہیں۔ اور نفس ان کا محس ہے۔ اور اس پر فضائل و رذائل کے جو پے در پے اعراض آتے رہتے ہیں۔ وہ انہیں قبول کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ اجسام اپنے آنے والے عرضوں کو قبول کرتے ہیں۔ اور یہ اپنے اختیار سے حرکت دیتا ہے اور جو اوتھر اگ بدن کو بھی حرکت دیتا ہے۔ بدن کے اندر یہ مؤثر ہے وہ اس کے ساتھ متاثر بھی ہے، دردمند بھی ہوتا ہے۔ اور لذت، خوشی، غم، راضی، ناراضی، محبت، کراہیت، یاد کرنا، بھولنا، پڑھنا، اترنا، پہچاننا وغیرہ ان تمام سے متصف ہوتا ہے

بہت سے آثار ایسے ہیں جو بہت بڑی دلیلیں ہیں اس کے وجود کے لئے، جس طرح خالق کے آثار اس کے وجود اور کمال پر دال ہیں۔ کیونکہ اثر کی موثر پر دلالت ضروری ہے اور نفوس کی تاثیرات ہیں۔ جن سے کوئی حس سلیم اور عقل مستقیم دالا انکار نہیں کر سکتا۔ خاصکر اس کے تجرد کے وقت جبکہ بدنی علائق و عوائق سے اسے مجرد کیا جائے۔ بالخصوص بدن کی خواہشات کی مخالفت کے وقت اور اسے بلند اخلاق کے لئے بھڑکانے کے وقت جیسے صفت شجاعت، سخاوت اور عدل وغیرہ پر اور گرے ہوئے اخلاق و رذائل سے اجتناب کے وقت۔ کیونکہ عالم کے اوپر اس کی بڑی تاثیر ہے۔ جبکہ بدن اور اس کے اعراض عاجز ہیں اگر وہ کسی بڑے پتھر کی طرف دیکھے تو پھٹ جائے۔ اور کسی بڑے حیوان کی طرف دیکھے تو مر جائے۔ کسی نعمت کی طرف دیکھے تو اسے زائل کر دے۔ اس

امر کا مشاہدہ تو بہت سے لوگوں نے جو کہ مختلف مذاہب و ادیان پر تھے، کیا ہے یہ وہ چیز ہے جسے نظر لگ جانا کہتے ہیں، لوگ اس اثر کو آنکھ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ یہ تو نفس کی ایک زہریلی کیفیت ہے جو کبھی آنکھ کے واسطے سے ہوتی ہے اور کبھی جب اس کے سامنے دور ہی سے کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو نفس کی یہ کیفیت بغیر آنکھ کے واسطے کے اسے تلف کر دیتی ہے یا بگاڑ دیتی ہے۔ تم تاثیر نفس کو جسموں کے اندر بھی دیکھتے ہو اسی طرح زردی، سرخی اور ارتعاش وغیرہ جو کہ صرف نفس سے ہوتے ہیں۔ یا ابدان تو اس کے اعراض کی تاثیر سے نہیں ہوتے۔ کیونکہ بدن تو اس چیز میں تاثیر کرتا ہے جس سے وہ ملے یا لگے۔ وہ بھی ایک مخصوص قسم کی تاثیر ہوتی ہے۔ دیکھو لوگ ہمیشہ سے "ہم فعالہ" کی تاثیر کو عالم میں مشاہدہ کرتے چلے آئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ نظر لگانے والا اپنے مقاعد اور گندی جگہوں کو دھونے کے بعد پانی جسے نظر لگی ہے اس پر ڈالے تو اس سے اس کے نفس کی تاثیر زائل ہو جائیگی۔

یہ بات کسی طبعی امر کے سبب سے ہے جیسے خدا کی حکمت نے چاہا۔ کیونکہ نفس امارہ کا ان مواضع سے تعلق ہے اور خارجی جہت سے روحیں اس کی رد کرتی ہیں۔ ان جگہوں کا تعلق شاید کسی مناسبت کی وجہ سے ہے۔ جو نفس کے اور ان کے درمیان ہے، تو جب اسے پانی سے دھویا جاتا ہے۔ تو یہ ناری شعلہ بجھ جاتا ہے۔ جیسا کہ گرم لوہا پانی سے ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور جب یہ پانی معاب پر ڈالا جاتا ہے۔ تو اس سے وہ ناری شعلہ بجھ جاتا ہے۔ جو نظر لگانے والے کی طرف سے اسے پہنچا تھا۔

لوگوں نے محسوس کیا ہے کہ جب روحیں نیند میں مجرد ہو جاتی ہیں۔ تو ان کی تاثیریں ایک دوسرے میں اثر انداز ہوتی ہیں۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ عالم ارواح ایک اور عالم ہے جو کہ عالم ابدان اور اس کے احکام سے بڑا ہے

اور اس کے اثرات بدنوں کے اثرات سے عجیب ہیں۔ بلکہ تمام عالم میں آثار انسانیت سے بھی عجیب ہیں۔ یہ سب کچھ بدنوں کے واسطے سے نفوس کی تاثیر سے ہے۔ اور ابدان تاثیر کے معاملے میں ساجھی کی طرح اس کی رد کرتے ہیں۔ کبھی ایک آثار کے ساتھ نفس منفرد بھی ہوتا ہے اور بدن اس کا شریک نہیں ہوتا۔ لیکن بدن کی کوئی ایسی تاثیر نہیں جس میں نفس شریک نہ ہو۔

فصل ۱۰۳

انیسویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ قول کہ اگر نفس جسم ہو تو اس میں طول، عرض، عمق، سطح اور شکل وغیرہ بھی ہوگی اور یہ چیزیں بغیر مادے کے قائم نہیں ہو سکتیں۔

جواب۔ ہم تمہاری بات تسلیم کئے لیتے ہیں کہ یہ چیزیں مادے کے بغیر قائم نہیں ہوتیں۔ لیکن نفس کا مادہ ایسا ہے جو اسی سے بنایا گیا ہے۔ اور ایک معین صورت و شکل پر کیا گیا ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ اگر وہ نفس ہوگا تو اجتماع نفسین لازم آئیگا۔ پھر اگر وہ نفس ہے تو بدن اور صورت سے مرکب ہوگا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا مادہ نفس نہیں ہے۔ جس طرح کہ انسان کا مادہ انسان نہیں ہے اور جن کا مادہ جن نہیں ہے، اور حیوان کا مادہ حیوان نہیں ہے۔ رہا تمہارا یہ قول کہ نفس کا بدن اور صورت سے مرکب ہونا لازم آئیگا۔

یہ ایک بالکل جھوٹا مقدمہ ہے۔ ہاں نفس کا مادے سے مخلوق ہونا لازم آئیگا اور اس کی ایک معین صورت ہوگی۔ نیز تم نے اس شبہ کے بطلان پر کوئی دلیل قائم نہیں کی چہ جائیکہ کوئی قطعی یا ظنی دلیل لاتے۔

فصل ۱۰۴

بیسویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ کہنا کہ جسم کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تجزی کو قبول کرتا ہے۔ اور اس کا چھوٹا جزو بڑے جزو کی طرح نہیں ہوتا اگر نفس تجزی کو قبول کرے گا تو اس کا ہر جزو اگر نفس ہوگا تو لازم آئیگا کہ انسان کے بہت سارے نفوس ہوں۔ اور اگر اس کے اجزاء نفس نہ ہوں گے تو پھر مجموع بھی نفس نہیں ہوگا۔

جواب: اگر تمہارا یہ مقصد ہے کہ خارج میں ہر جسم تجزی کو قبول کرتا ہے تو یہ سراسر جھوٹ ہے، کیونکہ سورج، چاند، ستارے اسے قبول نہیں کرتے اور یہ لازمی نہیں کہ ہر جسم خارج میں تجزی و تبعیض کو قبول کرے۔ وہ لوگ جو جواہر فردہ سے نفی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک یہ جوہر متحیز ہے تقسیم کا قبول کرنا اس کے لئے صحیح نہیں ہے، ہم اگر مان بھی لیں کہ وہ تقسیم کو قبول کرتا ہے۔ تو اس سے کونسی قابل اعتراض بات لازم آجائیگی

تمہارا یہ قول کہ ان اجزاء میں سے اگر ہر جزو نفس ہوگا۔ تو بہت سے نفوس کا اجتماع انسان واحد کے لئے لازم آئیگا اور یہ محال ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ اس وقت لازم آئیگا۔ جبکہ نفس کو بالفعل بہت سے نفوس کی طرف تقسیم کردیا جائے اور یہ محال ہے۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ اگر ہر جزو نفس نہیں ہوگا۔ تو مجموعہ بھی نفس نہیں ہوگا۔ یہ ایک جھوٹا اور ناقص مقدمہ ہے کیونکہ جب ماہیت کے اجزاء اکٹھے ہوجاتے ہیں تو اس کے لئے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ حکم ہر ہر جزو کے لئے الگ الگ ثابت نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً گھر، انسان اور اس کی ماہیت ہی کو لے لیجئے۔

فصل ۱۰۵

"اکیسویں شبہ کی تردید"

تمہارا یہ قول کہ جسم اپنے قوام، بقاء، اور حفظ میں دوسرے جسم کا محتاج ہوتا ہے اور اس سے تسلسل لازم آتا ہے۔

جواب:۔ اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ جس طرح بدن اپنی حفاظت کے لئے نفس کا محتاج ہے اسی طرح نفس بھی اپنی حفاظت کے لئے کسی دوسرے نفس کا محتاج ہو۔ یہ ایک جھوٹے دعوے کے سوا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اور ایسے قیاس پر مبنی ہے۔ جس کا بطلان ظاہر ہے۔ کیونکہ ہر جسم اپنے نفس کی حفاظت کے لئے دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا۔ جیسے معادن کے اجسام، اور ہوا، پانی، آگ مٹی، اور دوسرے جمادات کے اجسام۔ اگر تم کہو، کہ یہ بولنے والا زندہ ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس وقت بھی یہ دلیل اسی طرح باقی رہے گی، کہ ہر زندہ بولنے والا جسم اپنے حفظ و قیام میں ایک نفس کا محتاج ہوگا جو اس کا قیام کرے گا۔ اور یہ صرف خالی دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اور یہ بالکل جھوٹا دعویٰ ہے۔ کیونکہ جن اور فرشتے زندہ بولنے والے ہیں۔ لیکن وہ اپنے قیام میں دوسری ارواح کے محتاج نہیں ہیں۔ جو ان کا قیام کریں۔ اگر تم کہو، کہ جن اور فرشتوں کے بارے میں بھی ہمیں کلام ہے کہ وہ اجسام متحیزہ نہیں ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہماری بحث انسان کے ساتھ ہے۔ جو اللہ، اس کے فرشتوں، کتابوں، اور رسولوں پر ایمان لایا ہے اور جو شخص ان کا منکر ہے۔ اس کے ساتھ نفس کے بارے میں بات کرنا فضول ہے، ایسا شخص، نفس، ملائکہ، کتابوں، رسولوں کے بنانے والے اور پیدا کرنے والے کا منکر ہے۔ میں اس کا معاملہ ایمان پر چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ عالم میں فرشتوں اور جنوں کی تاثیرات شاہد ہیں۔ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور وہ بنفسہا موجود ہیں۔ لیکن قوائے بشریہ ان پر قادر نہیں ہیں۔

فصل ۱۰۶

بائیسویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ قول کہ اگر نفس جسم ہوگا تو اُس کا بدن کے ساتھ اتصال علی سبیل المداخلۃ ہوگا۔ اور اس سے تداخلِ اجسام لازم آتا ہے۔ اور اگر علی سبیل المماسّت یا مجاورت ہوگا۔ تو پھر ایک انسان کے دو جسم ہونگے۔ جو کہ ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ مگر ایک دیکھا جاتا ہے اور دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔

جواب:۔ اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔ ایک تو یہ کہ تداخلِ اجسام محال ہے۔ بایں معنی کہ دو کثیف جسموں میں سے ایک دوسرے کے اندر اس طرح داخل ہو جائے کہ ان دونوں کا حیّز ایک ہی ہو۔ اور اگر جسم لطیف جسم کثیف میں داخل ہو جائے تو یہ محال نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ امر کئی وجوہات سے باطل ہے۔ کیونکہ پانی، لکڑی اور بادلوں میں داخل ہو جاتا ہے، آگ لوہے میں داخل ہو جاتی ہے۔ غذا تمام بدنی اجزاء میں چلی جاتی ہے۔ آسیب زدہ میں جن کا داخل ہونا مسلّم ہے۔ لہٰذا روح کی لطافت کی بنا پر بدن سے اس کی مشابکت اور تمام اجزاء میں دخول ممتنع نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ نفس کا بدن غیر ہے، اس کا حیّز اُس سے ایک مکان منفصل ہے اور یہ تداخل نہیں ہے۔ جب تم اسے اس بدن سے جدا کر دو گے تو اس کے لئے اور حیز ہو جائیگا۔ اس وقت یہ ایک دوسرے میں متداخل نہیں ہونگے۔ بلکہ ہر ایک کے لئے ایک حیز ہوگا۔ جو اس کے ساتھ مختص ہوگا۔ قصہ کوتاہ روح کا بدن میں دخول زیادہ لطیف ہے۔ بنسبت مٹی میں پانی کے دخول اور تیل کے بدن میں دخول کے، یہ فاسد شبہ ان دلائل کے معارض نہیں آسکتا۔ جن کا ثبوت وحی آسمانی اور عقلی دلائل سے ہو۔ وباللہ التوفیق۔

فصل ۱۰۷

تیسواں مسئلہ

کیا نفس اور روح دونوں ایک ہی چیز ہیں - یا دو الگ الگ چیزیں ہیں -
اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں کا معنی ایک ہے، اس کے قائل جمہور ہیں - بعض نے کہا ہے کہ وہ دو متغائر چیزیں ہیں - ہم اس مسئلہ کے اسرار کو کھولتے ہیں - دیکھئے نفس کا اطلاق کئی امور پر ہوتا ہے - جوہری نے کہا ہے "النفس الروح" اور لوگ کہتے ہیں - اس کا نفس نکلا -

ابو خراش کہتا ہے ؎

نجاسا لما والنفس منه بشدقة ولم ینج الا جفن سیف ومیزا

یعنی اور نفس خون کو بھی کہا جاتا ہے کہتے ہیں میں نے اس کا نفس بہایا،

حدیث میں آیا ہے

مالا نفس له سائلة لا ینجس الماء اذا مات فیه" جس چیز میں بہتا ہوا خون نہیں اس کے مرجانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا"

اور نفس کے معنی جسم کے بھی ہیں - اور نفس آنکھ کو بھی کہتے ہیں - جیسے کہتے ہیں اصابت فلانا نفس یعنی فلان کو نظر لگ گئی - میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہے - جیسا کہ کہا گیا بلکہ نفس سے مراد یہاں پر روح ہے اور عین کی طرف اضافت کی نسبت وسعت کی بنا پر ہے - کیونکہ نظر آنکھ کے واسطے سے لگتی ہے، بلکہ وہ خود نظر لگانے والے کا نفس ہوتا ہے - جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے - میں کہتا ہوں، کہ قرآن میں نفس کا اطلاق ذات پر بھی ہوا ہے - اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فسلموا علی انفسکم" اور فرمایا ولا تقتلوا انفسکم، اور فرمایا "یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسها - اور فرمایا کل نفس بما کسبت رهینة - ہر ذات اپنے کئے کے ساتھ مرہون ہے اور روح پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - یا ایتها النفس

المطمئنۃ اور اخراجوا انفسکم اور و نھی النفس عن الھوی اور ان النفس لامارۃ بالسوء۔ لیکن روح کا اطلاق بدن پر نہیں ہوتا، فقط نفس کے ساتھ۔ اور روح کا اطلاق قرآن پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پر بھیجا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

وکذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا"	ہم نے اسی طرح تیری طرف قرآن کی وحی کی۔

اور اس وحی پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاء پر اتارا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یلقی الروح من امرہٖ علیٰ من یشاء من عبادہٖ لینذر یوم التلاق۔ اور فرمایا ینزل الملائکۃ بالروح من امرہٖ علی من یشاء من عبادہٖ ان انذروا لا الٰہ الا انا فاتقون۔ اس کا روح نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس سے نافع زندگی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر حیات، حیات والے کو فائدہ نہیں دیتی، بلکہ ایسی زندگی والے سے تو چوپائے اور بہائم کی حیات بھی اچھی ہے اور اسی لئے ہوا کا نام بھی ریح رکھا گیا ہے کہ اس سے بھی زندگی حاصل ہوتی ہے، یہ لفظ واؤ والوں سے ہے، اسی لئے اس کی جمع ارواح آتی ہے شاعر کہتا ہے۔

اذا ھبت الکاہام من نحو ارضکم	وجدت لھا ھا علی کبدی بردا
جب ہوائیں تمہاری سرزمین کی طرف سے چلتی ہیں	تو ان کے چلنے سے میرے جگر پر ٹھنڈ پڑتی ہے

اور اسی سے الروح والریحان اور استراحت ہے، نفس کا نام روح اس لئے رکھا گیا کہ حیات اسی سے حاصل ہوتی ہے، اور نفس اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ ایک نفیس شئے ہے۔ اس کی نفاست و شرف کی بنا پر اُسے نفس کہا گیا ہے۔ کسی چیز کے سانس لینے کو بھی نفس کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بدن میں کثرت سے داخل و خارج ہوتا ہے۔ اور اسی سے نفس (بالتحریک) ہے۔ کیونکہ انسان جب کبھی ہوتا ہے تو وہ اس سے نکل جاتا ہے اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور جب انسان مرجاتا ہے

تو وہ کلی طور پر اس سے نکل جاتا ہے۔ جب اُسے دفن کیا جاتا ہے تو واپس لوٹ آتا ہے اور جب اس سے سوال و جواب ہو چکتا ہے تو نکل جاتا ہے اور جب اس کی بعثت ہو گی تو پھر لوٹ آئیگا، نفس اور روح میں فرق صفات سے ہے، ذات کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اور خون کو نفس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے نکل جانے سے موت ہو جاتی ہے۔ اور خون کے بغیر زندگی مکمل ہی نہیں ہوتی جس طرح نفس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اسی لئے شاعر کہتا ہے۔

تسیل علی حد الظباۃ نفوسنا ولیست علی غیر الظباۃ تسیل

بہتے ہیں تلوار کی دھاروں پر ہمارے نفس اور تلواروں کے سوا کہیں نہیں بہتے

لوگ کہتے ہیں فاضت نفسہ، خرجت نفسہ، فارقت نفسہ، جس طرح کہ کہتے ہیں خرجت روحہ، و فارقت روحہ، لیکن فیض کے معنی ہیں ایک گھڑی اندفاع کے اور اسی سے افاضت ہے، جس کے معنی کثرت و سرعت سے اندفاع کے ہیں۔ لیکن، افاض، اس وقت بولتے ہیں جب کہ انسان اپنے ارادے اور اختیار سے دفع کرے، اور "فاض" اس وقت بولتے ہیں۔ جب جبراً اور قہراً دفع ہو جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی موت کے وقت اسے دفع کرتے ہیں تو وہ دفع ہو جاتا ہے۔

فصل ۱۰۸

"اس بیان میں کہ روح، نفس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے"

اہل حدیث، فقہ، اور متصوفین کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ روح نفس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، مقاتل بن سلیمان نے کہا ہے کہ انسان کے لئے زندگی، روح اور نفس تین چیزیں ہیں۔ جب وہ سوتا ہے۔ تو اس کا نفس نکل جاتا ہے۔ جس سے وہ اشیاء کا تعقل کرتا ہے۔ یہ جسم سے جدا نہیں ہوتا صرف نکل جاتا ہے۔ جیسے کوئی لمبی رسی ہو اور اس کی شعاع ہو، انسان اسی نکلتے ہوئے نفس سے خواب دیکھتا

ہے، اور حیات در روح جسد میں باقی رہ جاتے ہیں۔ جس سے وہ پانسے بدلتا رہتا ہے اور سانس لیتا رہتا ہے۔ جب اسے حرکت دی جاتی ہے تو اس کا وہ نکلا ہوا نفس آنکھ جھپکنے سے بھی پیشتر واپس لوٹ آتا ہے۔

جب اللہ تعالےٰ نیند میں اسے مارنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس نفس کو روک لیتے ہیں جو کہ نکل گیا تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے، کہ جب انسان سوتا ہے تو اس کا نفس نکل جاتا ہے، اور اوپر کی طرف پرواز کر جاتا ہے جب وہ خواب دیکھتا ہے تو وہ نفس واپس لوٹ آتا ہے اور روح کو خبر دیتا ہے روح دل کو خبر دیتی ہے، تو وہ کہتا ہے کہ اس نے ایسا ایسا دیکھا ہے۔ ابو عبداللہ بن مندہ کہتا ہے، پھر انہوں نے روح و نفس کی معرفت میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نفس طینی و ناری ہے، اور روح نوری و روحانی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ روح لاہوتی ہے اور نفس ناسوتی ہے، اور مخلوق اس سے آزمائی گئی ہے ایک گروہ کہتا ہے جو کہ اہل اثر ہیں۔ کہ روح نفس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اور نفس بھی روح کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اور نفس کا قوام روح کے ساتھ ہے۔ اور نفس صورت جسد ہے خواہش، شہوت، ابتلا اس میں گھسے ہوتے ہیں ابن آدم کے لئے اس سے بڑا دشمن کوئی نہیں۔ نفس دنیا ہی کا ارادہ کرتا ہے اور اسی کو پسند کرتا ہے۔ اور روح آخرت کی طرف بلاتی ہے اور اس سے متاثر ہوتی ہے۔ خواہش کو نفس و شیطان کے تابع کیا گیا ہے۔ اور نفس و خواہشات کو عقل و روح کے تابع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنی توفیق والہام کے ذریعے سے ان کی مدد کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ارواح، اللہ کے امر سے ہیں۔ ان کی حقیقت و علم کو مخلوق سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ارواح، اللہ کے نور سے ہیں۔ اور اللہ کی زندگی سے زندہ ہیں۔ پھر انہوں نے ارواح کے متعلق اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا وہ ابدان اور نفس کی موت کے ساتھ مر جاتے ہیں یا نہیں، ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ نہ ارواح مرتی ہیں اور نہ آزمائی

جاتی ہیں - ایک جماعت نے کہا ہے کہ ارواح مخلوق کی صورتوں کی طرح ہیں - اُن کے ہاتھ پاؤں، کان، آنکھیں، اور زبان ہیں، ایک جماعت نے کہا ہے - کہ مومن کی تین روحیں ہیں اور منافق اور کافر کی ایک ہی روح ہوتی ہے - بعض نے کہا ہے کہ انبیاء اور صدیقین کی پانچ روحیں ہیں - بعض نے کہا ہے کہ ارواح روحانی ہیں اور ملکوت سے پیدا کی گئی ہیں - جب صاف ہو جائیں گی - ملکوت کی طرف لوٹ جائیں گی -

میں کہتا ہوں - کہ وہ روح جو فوت کی جاتی ہے اور قبض کی جاتی ہے - ایک ہی روح ہے اور یہ نفس ہے - لیکن وہ روح جس کی تائید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں - وہ اور روح ہے یہ روح نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ"	ان لوگوں کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی تائید کی اپنی روح سے

اور اسی طرح وہ روح بھی ہے - جس کے ساتھ حضرت مسیح ابن مریم کی روح کی تائید کی تھی - چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے،

اذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک اذ ایدتک بروح القدس،	اے عیسیٰ ابن مریم یاد کر میرے احسان کو جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کیا جبکہ روح القدس سے تیری تائید کی -

اسی طرح جس بندے پر چاہتا ہے - روح کا القاء کر دیتا ہے - یہ بھی اس روح کے علاوہ ہے جو بدن میں ہے - وہ قوی جو بدن میں ہیں انہیں بھی ارواح کہتے ہیں - کہا جاتا ہے - دیکھنے والی روح، سننے والی روح، سونگھنے والی روح وغیرہ دراصل یہ ارواح قوی ہیں جو بدن میں رکھے گئے ہیں - جو بدن کی موت کے ساتھ مر جاتے ہیں - مگر یہ اس روح کے علاوہ ہیں جو بدن کی موت سے نہیں مرتی اور زندہ آزمائی جاتی ہے - جس طرح کہ بدن آزمایا جاتا ہے - ان تمام قوتوں میں سے ایک خاص قوت اور بھی ہے - جس پر روح کا اطلاق کیا جاتا ہے - یہ وہ قوت ہے - جس سے اللہ

کی معرفت انابت اور محبت حاصل ہوتی ہے۔ اور ہمت کو اللہ کی طلب کے لئے بھڑکانا ہوتا ہے۔ اس کی نسبت روح کی طرف ایسی ہے جیسی روح کی نسبت بدن کی طرف اگر روح اسے مفقود کر دے تو وہ بمنزلہ اس بدن کے ہے جو اپنی روح کو کھو دے یہ وہ روح ہے جس سے اللہ تعالیٰ اہل ولایت، اور طاعت گذاروں کی تائید کرتا ہے، اسی لئے لوگ کہتے ہیں فلان کے اندر روح ہے اور فلان میں روح نہیں ہے اسی طرح علم کے لئے بھی روح ہے، احسان کے لئے بھی روح ہے، اخلاص کے لئے بھی روح ہے، محبت اور انابت کے لئے بھی روح ہے، توکل اور صدق کے لئے بھی روح ہے، ان روحوں میں لوگ متفاوت ہیں۔ اور ان میں بھی بڑا تفاوت ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جن پر یہ روحیں آتی ہیں اور وہ روحانی بن جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو انہیں کھو دیتے ہیں۔ لہذا وہ ارضی بن جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

فصل ۱۰۹

"اکیسواں مسئلہ کیا نفس ایک ہے یا تین ہیں"

بہت سے لوگوں نے کہا ہے کہ ابن آدم کے تین نفس ہیں۔ نفس مطمئنہ نفس لوامہ، اور نفس امارہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن پر امارہ کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں۔ جن پر دوسرے نفسوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ اس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی، اور لا اقسم بیوم القیامۃ اور لا اقسم بالنفس اللوامہ اور اس قول سے، ان النفس لامارۃ بالسوء۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس ایک ہی نفس ہے۔ لیکن اس کی مختلف صفات ہیں ہر صفت کے اعتبار سے اس کا نام رکھا جاتا ہے۔ اس کا نام مطمئنہ اس اعتبار سے رکھا گیا ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ، اس کی محبت و انابت اور توکل و رضا و اطمینان، کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا کی محبت اور خوف و امید سے

کسی اور کی محبت و خوف سے پھیر دیتی ہے۔ اور بندہ خدا کی محبت و ذکر کے ساتھ دوسرے کی محبت و ذکر سے مستغنی ہو جاتا ہے، اور خدا کی طرف شوق کی وجہ سے دوسرے کی جانب مشتاق ہونے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف اطمینان ایک حقیقت ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈالتے ہیں اور اس کی پراگندگی کو جمع کر دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہونے لگتا ہے گویا بندہ خدا کے حضور میں بیٹھا ہوا اسی کے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہے اور اسی کے ساتھ حرکت کرتا اور پکڑتا ہے۔ یہ طمانیت اس کے نفس، دل، اور جوڑ جوڑ میں سرایت کر جاتی ہے۔

حقیقی طمانیت کا حصول اللہ اور اللہ کے ذکر کے سوا ناممکن ہے، اس کا ذکر وہ کلام پاک ہے جسے اس نے اپنے رسول پہنچایا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

الذین آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب)	جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر کے ساتھ مطمئن ہیں سنو کیا اللہ کے ذکر سے دل مطمئن نہیں ہوتے۔

طمانیت قلب یہ ہے کہ اسے سکون اور قرار حاصل ہو۔ قلق، اضطراب، اور گھبراہٹ اس میں نہ ہو، یہ چیز اللہ کے ذکر کے سوا حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر انسان اللہ کو چھوڑ کر اور چیزوں سے مطمئن ہو تو یہ فریب ہے۔ دھوکہ ہے۔ جو شخص خدا کے سوا اور چیزوں سے مطمئن ہو گا اس کے دل میں قلق، اضطراب، اور گھبراہٹ گھر کر لیں گے۔ اگرچہ وہ اپنے علم، مال اور عمل کی جانب سے کتنا ہی مطمئن کیوں نہ ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان نفوس کو جو ماسوی اللہ کے ساتھ مطمئن ہوتے ہیں بلاؤں کے لئے نشانہ بنا دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے بندوں اور اولیاؤں کو جانے۔ خدا کے سوا جو بھی غیر سے تعلق رکھے گا۔ وہ منقطوع ہو گا۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کی طرف مطمئن ہونے والا مصدود و محروم ہے۔ حقیقی طمانیت جس سے نفس مطمئنہ بن جاتا ہے یہ ہے کہ خدا کے اسماء و صفات کے باب میں پورا اطمینان حاصل ہو۔ جس کی اس نے ذات خود

اور اس کے رسولوں نے خبر دی ہے، جو انہیں قبول کرتا ہے۔ اس کا سینہ کھل جاتا ہے
جب تک انسان کا دل اللہ کے اسماء صفات، توحید، علو لے عرش پر
ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوتا۔ اس کا دل ہمیشہ ہی بڑی پریشانی اور اضطراب کا
شکار رہتا ہے۔ جب اِن پر دل ایمان لے آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیاس
سے بھڑکتے ہوئے دل پر شیریں پانی کا نزول ہو گیا ہے تو وہ اس سے مطمئن ہو
جاتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے، اور اس سے اس کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسا
ہو جاتا ہے۔ گویا کہ وہ اُن معاملات کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ جس کی رسولوں نے خبر
دی ہے۔ بلکہ وہ اس کے لئے اس طرح ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوپہر کے وقت
آنکھ سورج کا مشاہدہ کرتی ہے۔ اگر مشرق سے لیکر غرب تک کے باشندے
اس کے مخالف ہو جائیں۔ تو وہ ان کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں دیتا دیکھئے حضرت
صدیق اکبرؓ تن تنہا ایمان کے ساتھ مطمئن تھے اگرچہ اہل ارض ان کے خلاف
تھے۔ لیکن ان کی طمانیت میں کچھ بھی کمی نہ آئی، طمانیت کے درجات میں سے یہ
پہلا درجہ ہے۔ پھر وہ جب کبھی بھی اپنے رب کی صفات کی آیات سنتا ہے تو اس
کی طمانیت اور قوی ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں، یہ
طمانیت ایمان کی جڑ ہے۔ جس پر ایمان کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اور وہ امور
جو موت کے بعد عالم برزخ کے ہیں۔ یا اس کے بعد احوال قیامت سے ہیں۔ وہ
ان کا بھی گویا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ اس یقین کی حقیقت ہے جس کے بارے میں
اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ نے اہل ایمان کی تعریف فرمائی ہے، فرمایا ہے۔ "وبالآخرۃ
ھم یوقنون"۔ مگر آخرت پر ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ ان چیزوں
پر دل مطمئن نہ ہو جائے۔ جن کی اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے، جب اُن پر دل
مطمئن ہو جاتا ہے، تو یہی آخرت کے دن حقیقی مومن ہوتا ہے۔ جیسا کہ حارثہؓ کی
حدیث میں ہے۔ کہ انہوں نے کہا میں حقیقی مومن ہو گیا ہوں حضورؐ نے فرمایا کہ ہر حق
کے لئے ایک حقیقت ہوتی ہے تو تیرے ایمان کی کیا حقیقت ہے، انہوں نے جواب

دیا کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا اور دنیا والوں سے پھیر لیا ہے میں اپنے رب کے عرش کو کھلم کھلا دیکھتا ہوں، اور اہل جنت کو جو اس میں جائیں گے۔ انہیں بھی دیکھتا ہوں، اور جہنمیوں کو بھی جو اُس میں عذاب کئے جائیں گے، آپؐ نے فرمایا یہ وہ بندہ ہے، جس کے دل کو اللہ نے منور کر دیا ہے۔

فصل ۱۱

اللہ کے نام اور صفات کے ساتھ طمانیت

اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک طمانیت یہ کہ ان پر ایمان لائے اور معتقد بنے۔ اور دوسری طمانیت وہ ہے جو آثار بندگی کی طرف سے لازم ہوتی ہے جیسے، قدر کی طرف طمانیت، اس پر ایمان لانا اور اس کا اثبات کرنا وغیرہ یہ ایسے امور کی طمانیت کی طرف غمازی کرتی ہے۔ جن کے دفع کرنے کا نہ تو بندہ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اس میں یہ قدرت ہے کہ وہ انہیں دفع کر سکے، بلکہ انہیں تسلیم کرے اُن سے راضی ہو، ناراض نہ ہو، نہ ہی شکایت کرے۔ اور نہ ہی اس کا ایمان متزلزل ہو۔ نہ ہی اس چیز پر کف افسوس ملے۔ جو اُس سے چھوٹ جائے، اور نہ ہی اس چیز سے خوش ہو جو اُس کے پاس آجائے۔ کیونکہ اس میں بھی مصیبت پوشیدہ ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم ولا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم اور فرمایا

ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ — نہیں پہنچتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے

ومن یؤمن باللہ یھد قلبہ — جو اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ اسے ہدایت کرتا ہے

بزرگان سلف سے کئی ایک اصحاب نے روایت کیا ہے۔ کہ وہ شخص جسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے۔ اس سے راضی ہوتا ہے

اور سر تسلیم خم کرتا ہے اس کی یہ طمانیت، احکام، صفاتِ اور ان کے موجبات سے ہے۔ اس کی علامات و آثار بے شمار ہیں۔ اسی طرح تمام صفات، اُن کے متعلقات اور آثار وغیرہ کو قیاس کر لو جیسے سننا، دیکھنا، علم، رضا، غضب اور محبت وغیرہ یہ طمانیتِ ایمان ہے ..... اور طمانیتِ احسان یہ ہے کہ اللہ کے اوامر کے ساتھ طمانیت ہو اس لئے حکم کے سامنے ارادے، خواہش اور تقلید وغیرہ کو نہ لائے اور نہ ہی کوئی ایسا شبہ کرے جو اس کی خبر کے معارض ہو اور نہ ہی ایسی خواہش کو اختیار کرے جو اس کے حکم کے معارض ہو۔ کیونکہ اگر اس حکم کے خلاف کرنے کو

کہا بھی جائے تو یہ خیال کرے کہ حکم کے خلاف کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اسے آسمان سے زمین پر پھینک دیا جائے (یعنی حکم ایزدی کے خلاف نہ کرے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ صریح ایمان کی علامت یہ ہے کہ معصیت کے اضطراب اور گھبراہٹ سے، توبہ کے سکون اور اُس کی چاشنی سے انسان مطمئن ہو جائے اور اس کے لئے اس بات کا جاننا سہل ہو جائے کہ لذت، حلاوت و فرحت، توبہ کرنے میں ہے۔ اس بات کو وہی پہچان سکتا ہے۔ جس نے دو باتوں کو جانا ہو اور اس کا دل ان سے آشنا ہو، ایک یہ کہ توبہ سے طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ جو معصیت کی گھبراہٹ اور پریشانی کے مقابلے میں ہوتی ہے۔ اگر گنہ گار اسے اپنے دل میں تلاش کرے۔ تو وہ ضرور اسے پا لیگا۔ غفلت اور شہوت وغیرہ کے نشے اس کے دل میں چھپے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر خواہش کا نشہ ہوتا ہے۔ جو شراب کے نشے سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔ ایسے ہی غضب ہے۔ اس کا نشہ بھی شراب کے نشے سے بڑھ کر ہے اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ عاشق اور غضبناک انسان وہ کام کر جاتا ہے جسے شرابی بھی نہیں کر پاتا۔ اسی طرح غفلت اور اعراض وغیرہ کے قلق سے، اللہ کی یاد اور اُس کے ذکر کی چاشنی وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے اس کی محبت اور اس کی معرفت سے دل کو لگائے رکھے کیونکہ روح اس کے سوا ہرگز مطمئن نہیں ہو سکتی۔

فصل ۱۱۱

یہاں پر ایک لطیف قسم کا راز ہے جس پر متنبہ کرنا ضروری ہے

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر انسانی عضو کے لئے ایک کمال بنایا ہے اگر وہ عضو اسے حاصل نہ کر سکے تو وہ قلق و اضطراب کا شکار رہتا ہے۔ مثال کے طور پر آنکھ کا کمال دیکھنا ہے اور کان کا کمال سننا ہے اور زبان کا کمال بولنے میں ہے جب یہ کمال ان اعضاء سے معدوم ہو جاتے ہیں تو انہیں ایک نقص اور دکھ حاصل ہوتا ہے، ایسے ہی دل کا کمال اور دل کی خوشی، لذت و سرور، اللہ سبحانہ کی معرفت، محبت، انس، اور شوق سے ہے۔ جو دل ان چیزوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ اس آنکھ سے جس نے اپنی بصارت کھو دی ہو۔ اور اس زبان سے جس میں قوت گویائی نہ رہی ہو زیادہ عذاب اور اضطراب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس کے اطمینان کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اگرچہ وہ دنیا اور دنیا کے تمام اسباب و علوم کو کیوں نہ حاصل کر لے الا جبکہ اللہ ہی اس کا محبوب، مطلوب، مقصود اور معبود ہو اور وہی اس کا مستعان بھی ہو، مطلب یہ ہے کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے تحقق کے سوا اس کے لئے طمانیت نہیں ہے۔ طمانیت کے بارے میں مفسرین کے اقوال بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے المطمئنۃ یعنی المصدقۃ۔

اور حضرت قتادہ نے فرمایا ہے، مومن وہ ہے جس کا دل اللہ کے وعدے پر مطمئن ہو۔ اور حضرت حسن نے کہا ہے۔ اطمینان یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس کی تصدیق کرے۔ مجاہد نے کہا ہے مومن وہ ہے جو اس کا یقین کرے کہ اللہ اس کا رب ہے اور جو کچھ وہ کرے اس میں اللہ کے اوامر کا پابند رہے منصور سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مطمئنہ وہ نفس ہے جو اس بات کا یقین کرے کہ اللہ اس کا رب ہے اور وہ اللہ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی اتباع کے لئے

سرگردان رہے۔ ابن ابی نجیح نے بھی ان سے روایت کی ہے کہ نفسِ مطمئنہ وہ ہے جسے اللہ کی محبت ہو، اور یہ بھی کہا ہے کہ جسے اللہ کی لقاء کا یقین ہو۔ سلف کے اقوال انہی دو باتوں کے گرد گھومتے ہیں کہ طمانیت سے طمانیتِ علم و ایمان اور طمانیت ارادہ و عمل ہے

فصل ۱۱۲

طمانیت کا فائدہ

جب شک سے یقین، جہالت سے علم، غفلت سے یادِ الٰہی، خیانت سے توبہ، ریا سے اخلاص، جھوٹ سے سچائی، تکبر سے ذلت، لڑائی سے تواضع اور فتور سے عمل کی طرف طمانیت حاصل ہو جائے تو وہ روح طمانیت سے ہم کنار ہو جاتی ہے اس کی بنیاد بیداری پر قائم ہو جاتی ہے۔ جو بھلائی اور خیر کی چابی ہے۔ اللہ کی لقاء سے غافل اور اس لقاء کے لئے زادِ راہ کی کوشش نہ کرنے والا ہونے والے کی مانند ہے۔ بلکہ اس سے بھی بری حالت والا ہے۔ عاقل انسان اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید کو جانتا ہے۔ اللہ کے احکام، اوامر و نواہی اور اس کے حقوق اور ان کے مقتضا کو بخوبی جانتا ہے۔ لیکن اس کے دل کی درشتی ان کی حقیقت پانے کو اس سے محجوب کر لیتی ہے۔ یہی اس کی غفلت ہے۔ جس میں وہ پڑا ہوا ہے، بزعمِ خود طوالت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی میں وہ شہوات کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے اور شہوات و خواہشات کے نشے میں اونگھنے لگتا ہے، سست انسانوں کی مخالطت سے اس پر بھی انہیں کی سی عادات مسلط ہو جاتی ہیں۔ جو تضییع اوقات کرتے رہتے ہیں۔ وہ ان ہی جیسا رہنے میں راضی ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص سونے والوں کی طرح نیند میں ہے۔ اور نشے والوں کی طرح نشے میں ہے، جس وقت اس کے دل سے یہ غفلت و درشتی کا سامان کسی سچی بات کی بنا پر زائل ہو جائیگا اور جب کسی مردِ مومن اور صاحبِ ہمت کے وعظ سے وہ متاثر ہو کر سوچے گا تو اس کا دل

روشن ہو جائیگا اور وہ جنت کے محل دیکھے گا۔

غور و فکر اس کے دل میں ایک نور پیدا کر دینگے جس کی روشنی میں وہ ان چیزوں کو دیکھے گا۔ جو اللہ نے اس کے لئے بنائی ہیں۔ اور جن سے وہ عنقریب ملنے کے بعد ملے گا۔ جبکہ وہ، دار القرار، میں داخل ہوگا، وہ دیکھے گا کہ دنیا بڑی جلدی گذر گئی ہے۔ اور دنیا نے دنیا والوں سے وفا نہیں کی، بلکہ اس نے اپنے عشاق کو ہلاک کیا۔ اور انہیں مثلہ کیا۔ پھر وہ اپنے عزم و ہمت کے سہارے یہ کہتے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہائے افسوس میں نے اللہ کے بارے میں کوتاہی کی۔ پھر وہ اپنی بقیہ عمر کو جس کی کوئی قیمت اس کے نزدیک نہیں ہے، ماضات کی تلافی کرنے پر صرف کر دیتا ہے۔ اب جو کچھ اس سے لغزشیں سرزد ہوئی ہیں وہ سب سامنے آنے لگتی ہیں۔ پھر وہ اسی بیداری کے نور میں پروردگار کی نعمتوں کے شکر دیکھنے لگتا ہے۔ جو اس پر دن رات مبذول، بیداری، اور ظاہر و باطن میں برستا رہتا ہے، اگر وہ ان کے گننے کی کوشش کرے تو شمار بھی نہ کر سکے۔ ان میں سب سے ادنیٰ نعمت سانس ہے اس طرح ہر دن میں اس پر اللہ کی چھبیس ہزار نعمتیں ہوتی ہیں۔ دوسری نعمتوں کا تو کیا کہنا، پھر وہ اسی نور کی روشنی میں دیکھتا ہے کہ وہ انہیں شمار نہیں کر سکتا۔ اور وہ ان کا حق ادا کرنے سے بھی عاجز ہے۔ بالخصوص جبکہ منعم ان کے حقوق کے ادا کرنے کا مطالبہ کرے۔ پھر اسی بیداری کے نور میں دیکھتا ہے کہ اگر وہ ثقلین کے برابر بھی نیک اعمال کرے۔ تو وہ پروردگار کی عظمت و جلال کے سامنے حقیر ہیں۔ اور یہ سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ جو اس نے اپنی رحمت و شفقت سے اس پر کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا فضل و احسان نہ فرماتا تو ان امور کے لئے اس کے واسطے کوئی بھی راستہ ہموار نہ ہوتا۔ پھر وہ اپنے اعمال کو کچھ بھی نہیں سمجھتا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے اعمال کو قبول نہیں فرماتا جس کا عامل انہیں اپنے نفس کا قرار نا سمجھتا ہو۔ بندہ مومن سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے فضل و احسان

سے ہے۔ اس کے نفس کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہے۔ نفس تو شر اور اس کے اسباب ہی دیتا ہے۔ الغرض وہ سمجھتا ہے کہ جو بھی اللہ کی نعمت ہے وہ من جانب اللہ صدقہ ہے۔ جو اللہ نے اس پہ کیا ہے۔ اور اس کا فضل ہے کہ جو اس پر کسی سبب اور وسیلہ سے ہوا ہے پھر وہ اپنے پروردگار اور معبود کو ہر خیر کا اہل پاتا ہے اور اپنے نفس کو ہر برائی اور شر کا اہل دیکھتا ہے۔ یہی تمام ظاہری و باطنی اعمال صالحہ کی بنیاد ہے اور یہی چیز اسے بلند کر دیتی ہے اور اصحاب یمین سے بنا دیتی ہے۔ پھر اس کے سامنے اسی نور بیداری سے ایک دوسری کرن پھوٹتی ہے اور وہ اس کی روشنی میں اپنے نفس کے عیوب کو دیکھتا ہے۔ اپنے اعمال کی آفات اور جو کچھ اس سے غلطیاں، برائیاں اور واجبات کے حقوق ادا نہ کرنے میں کوتاہیاں ہوئیں انہیں دیکھتا ہے۔ جب یہ چیز اسے اللہ کی نعمتوں اور احسانوں کے ساتھ ملتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ منعم کا حق اس پہ نعمتوں اور انعام کی وجہ سے ہے اور اس کی کوئی بھی نیکی ایسی نہیں ہے جس سے وہ اپنے سر کو بلند کر سکے۔ پھر اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اس کے نفس کی امارت ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کے تمام جوارح ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ وہ ان سب کو اللہ کے سامنے اس کی نعمتوں کے مشاہدے کے لئے جھکا دیتا ہے اور اپنی غلطیوں اور اپنے عیوب کے مطالعہ میں کھو جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے میں تیرے احسان اور تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں، اور اپنے گناہوں اور جرموں کو بھی تسلیم کرتا ہوں تو مجھے معاف کر دے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ بخشنے والا نہیں ہے وہ اپنے نفس کی کوئی اچھائی نہیں دیکھتا، اور نہ ہی اسے خیر کا اہل دیکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں دو بڑی ضروری باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ جو اللہ نے اس پر احسان فرمایا ہے۔ اسے کثیر سمجھے اور دوسری یہ کہ اللہ کی اطاعت میں استقلال اختیار کرے اور ثابت قدم رہے خواہ کچھ بھی ہو پھر اس نور بیداری سے ایک اور کرن پھوٹتی ہے جس سے وہ وقت کی عزت اور اس کے مرتبے کو دیکھتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ یہی

اُس کی سعادت کی اصل پونجی ہے تو وہ اسے ضائع کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے ایسے کام میں اسے ضائع نہیں کرتا جس سے وہ خسارے اور گھاٹے میں پڑے۔ ندامت و حسرت میں ہاتھ ملے، بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اسی میں اس کی سعادت ہے بعد ازیں وہ ایک سانس کے ضائع کرنے سے بھی جو اس کو قیامت میں فائدہ نہ دے بخل کرتا ہے۔

فصل ۱۱۳

طہارت کا نتیجہ

بالآخر وہ اسی کرن کی روشنی میں اُن اُمور کو دیکھتا ہے جن کا تقاضا اس کی بیداری کرتی ہے۔ جیسے توبہ، محاسبہ، مراقبہ اور اپنے رب کے ساتھ تعلق خاطر کو بڑھانا وغیرہ تاکہ دوسری کوئی بری چیز اثر نہ کر سکے۔ بالآخر اس کی حالت کچھ ایسی ہو جاتے کہ اپنے نفس کو اپنے معشوق کے لئے قابو میں رکھے۔ اگر وہ اس کے منتہائے حسن میں فکر کرے اور بصیرت کی آنکھ سے اُسے دیکھے تو اس کی محبت دل میں گھر کر جائے، یہ تمام چیزیں بیداری کی علامتیں ہیں اور یہ نفس مطمئنہ کی پہلی منزل ہے جہاں سے اس کا سفر اللہ اور دارِ آخرت کی جانب شروع ہو جاتا ہے

فصل ۱۱۴

نفس لوّامہ کے بیان میں

یہ وہی ہے جس کی قسم اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کھائی ہے ولا اقسم بالنفس اللوامۃ، اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایک طائفہ نے یہ کہا ہے کہ نفس لوامہ وہ ہے جو ایک حالت پر نہ رہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ لوامہ، التلوم سے بنا ہے جس کے معنی تردد کے ہیں۔ تردد نام ہے کثرت سے تقلب اور تلون کا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی آیات سے ہے، کیونکہ یہ بھی دوسری مخلوق کی طرح اللہ کی مخلوق ہے ایک گھڑی

میں کئی کئی رنگ بدلتا ہے۔ دن، مہینہ یا سال کا تو ذکر ہی کیا۔ کبھی یہ ذکر میں رہتا ہے تو کبھی غفلت کا شکار ہوتا ہے۔ کبھی حکم باری کو قبول کر رہا ہے تو کبھی اعراض کر رہا ہے کبھی محبت و انبساط میں ہے تو کبھی خوشی اور غم میں ہے، کبھی راضی، کبھی ناراض، کبھی مطیع، کبھی عاصی، اس طرح اس کی حالتیں اور رنگ بدلتے ہی رہتے ہیں۔ اور ہر گھڑی ایک نئی شان ہوتی ہے۔

ایک طائفہ نے یہ کہا ہے کہ یہ لفظ (لوامہ) ماخوذ ہے، اللوم سے۔ پھر ان لوگوں میں بھی اختلاف ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ یہ نفس مومن ہے اور ملامت اس کی صفات سے ہے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ مومن کو تم ہمیشہ ہی اپنے نفس کو ملامت کرنے والا دیکھو گے۔ مثلاً وہ کہتا ہے۔ میں نے تو اس کا ارادہ نہیں کیا تو نے یہ کیوں کیا؟ ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ یہ مومن کا نفس ہے۔ مگر وہ اسے گناہ میں ڈالتا ہے پھر اسے اس گناہ پر ملامت کرتا ہے، یہ ملامت ایمان کی دلیل ہے بخلاف شقی کے کہ اس کا نفس کسی گناہ پر اسے ملامت نہیں کرتا۔ بلکہ گناہوں کے چھوٹ جانے پر اسے ملامت کرتا ہے

ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ یہ (اللوم) ملامت کرنا دو قسم کے لوگوں کے لئے ہے۔ کیونکہ ہر ایک اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے چاہے نیک ہو یا فاجر، سعادت مند اپنے نفس کو اللہ کی معصیت اور اس کی اطاعت نہ کرنے پر ملامت کرتا ہے اور شقی اپنے نفس کو گناہوں اور اپنی خواہشات کے چھوٹنے پر ملامت کرتا ہے ایک دوسرے فرقے نے کہا ہے، کہ یہ ملامت قیامت کے دن ہوگی۔ کہ ہر ایک اپنے نفس کو ملامت کرے گا۔ گنہ گار ہوگا تو اپنے گناہوں پر اور نیکوکار اپنی تقصیروں پر۔ یہ تمام اقوال حق ہیں۔ کیونکہ نفس ان تمام صفات سے متصف ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کا نام لوامہ، پڑا ہے، لیکن، لوامہ، کی دو قسمیں ہیں، ایک لوامہ وہ ہے جو ملامت کیا گیا ہے، یہ جاہل ظالم نفس ہے جسے اللہ تعالیٰ اور فرشتے ملامت کرتے ہیں۔ اور دوسرا لوامہ وہ ہے جو غیر مومن ہے یعنی جسے ملامت

نہیں کی گئی یہ نفس ہمیشہ سے انسان کو اس کی کوتاہیوں پہ ملامت کرتا رہتا ہے۔ جو وہ اللہ کی اطاعت میں کرتا ہے۔ وہ اللہ کی اطاعت میں کوشاں رہتا ہے اور اللہ کی رضا کی خاطر ملامت گروں کی ملامتوں کو برداشت کرتا ہے۔ اس بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ وہ ہے۔ جو اللہ کی ملامت سے چھوٹ گیا۔ اور وہ نفس جو اپنے اعمال پر راضی ہو جائے اور اپنے آپ کو ملامت نہ کرے اور اللہ کی رضا کی خاطر وہ کسی کی ملامت نہ کرے اور اللہ کی رضا کی خاطر وہ کسی کی ملامت کو برداشت نہ کر سکے۔ یہ وہ نفس ہے جسے اللہ تعالےٰ ملامت کرتے ہیں

فصل ۱۱۵

"نفس امارہ کے بیان میں

یہ بہت ہی سرکش ہوتا ہے۔ ہر برائی کا حکم کرتا ہے گویا یہ اس کی فطرت ہوتی ہے اپنے نفس کے شر سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ مگر جسے اللہ تعالےٰ توفیق دیں اور بچائیں، جیسا کہ اللہ کریم نے عزیز مصر کی عورت کی حکایت نقل کرتے ہوئے فرمایا

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم۔	میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے مگر جن پر خدا رحم فرمائے بے شک پروردگار بخشنے والا ہے۔

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔

ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ ما زکی منکم من احد ابدا :	اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو کبھی بھی تم میں سے کسی کو پاک نہ کرتا۔

اور فرمایا ہے۔

ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا	اگر ہم تجھے ثابت قدم نہ رکھتے تو تو کچھ ان کی طرف جھک جاتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبۂ حج میں صحابہ کرام کو اس طرح تعلیم دیا کرتے تھے الحمد للہ

الحمد للہ، نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ ہم اللہ کی تعریف کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اسی سے بخشش مانگتے ہیں۔ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفسوں کے شروں سے اور اپنے بُرے اعمالوں سے، جسے اللہ ہدایت دے دیں اسے کوئی بھی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دیں اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔

شر نفس سے اٹھتا ہے، اور لازماً بُرے اعمال کرواتا ہے۔ بندے اور نفس کے درمیان ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں، ہاں اگر اللہ تعالیٰ بندے کو توفیق دیں۔ اور اس کی مدد کریں تو وہ اس ہلاکت سے نجات پا سکتا ہے، ہم اللہ سے اپنے نفسوں کے شروں سے پناہ مانگتے ہیں۔

اللہ جل شانہ نے ان دونوں نفوس یعنی امارہ و لوامہ سے انسان کا امتحان لیا ہے جیسا کہ اللہ نے اسے نفسِ مطمئنہ کی نعمت سے نوازا ہے۔ یہ ایک ہی نفس ہے۔ جو امارہ بنتا ہے۔ پھر لوامہ، پھر مطمئنہ اور یہ اس کے کمال کی انتہا ہے۔ اللہ نے نفس مطمئنہ کو کئی لشکروں سے نوازا ہے۔ فرشتے اس کے مصاحب بنائے ہیں جو اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کی نگہبانی کرتے ہیں، اس میں حق ڈالتے ہیں۔ اور اس کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کی اچھی صورت اسے دکھاتے ہیں۔ باطل سے اسے روکتے ہیں۔ اس میں باطل کے خلاف نفرت ڈالتے ہیں، اور اسے باطل کی قبیح صورت دکھاتے ہیں، قرآن حکیم پڑھنے، اذکار، اور نیک اعمال کرنے میں اس کی مدد کرتے ہیں، حسنات و خیرات کے لشکر اور امداد و توفیق کے گروہ ہر طرف سے اس کے پاس پہنچتے ہیں۔ جب وہ انہیں شکر و حمد کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ تو اس کی مدد اور زیادہ کی جاتی ہے۔ جس سے وہ نفس امارہ کی محدبیت

پر قوی ہو جاتا ہے، ایمان و یقین اس لشکر کے لئے سلطان کی مانند ہیں، تمام اسلامی عساکر اسی کے جھنڈے کے نیچے ہیں اسی پر ان کی نظر ہے۔ اگر وہ ثابت رہے تو وہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ اگر وہ شکست کھا جائے۔ تو وہ بھی پیچھے کو بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس لشکر کے امراء اور کمانڈر وغیرہ ایمان کے ارکین ہیں جن کا تعلق جوارح سے ہے اور جن کی مختلف قسمیں ہیں:۔

۱۔ ظاہری ارکین جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مخلوق کو نصیحت کرنا، مخلوق پر احسان کرنا وغیرہ اور

۲۔ باطنی ارکین وہ ہیں۔ جن کا تعلق دل سے ہے۔ جیسے اخلاص، توکل، انابت، توبہ، مراقبہ، جسر، حلم، تواضع، مسکنت، دل کو اللہ اور رسول کی محبت سے آباد کرنا، اللہ کے اوامر اور اس کے حقوق کی تعظیم کرنا۔ اللہ کے لئے غیرت، شجاعت، صفت، صدق، شفقت اور رحمت وغیرہ ان تمام کا مدار اخلاص و صدق پر ہے۔

صادقِ مخلص کو بیہودہ نہیں گردانا چاہیئے۔ وہ راہِ راست پر ہے اس کے ساتھ چلنا چاہیئے، اس کے بغیر انسان خواب غفلت میں ہے، وہ شخص جو اخلاص و صدق سے محروم رہا راہِ راست سے کٹ گیا اسے شیطانوں نے زمین میں بھٹکا دیا وہ چاہے عمل کرے یا نہ کرے اس کا عمل کرنا بھی اسے کوئی فائدہ نہیں دیگا بلکہ اسے خدا سے اور دور کر دیگا۔ قصہ کوتاہ، جو اللہ کے لئے ہے اور اللہ کے ساتھ ہے، وہ نفسِ مطمئنہ کے لشکر سے ہے۔

شیطان نفسِ امارہ کا ساتھی بنایا جاتا ہے۔ جو اس کے ساتھ رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے، اس میں باطل کو ڈالتا ہے اور برائی کے کرنے کا اسے حکم کرتا ہے اس کی آرزوؤں کو دراز اور زینت دار بنا دیتا ہے، اور باطل کو اسے ایسی صورت میں دکھاتا ہے کہ وہ اسے اچھا سمجھتا ہے، اور ہر باطل میں اس کی دستگیری کرتا ہے جو بھی جھوٹی تمناؤں اور مہلک خواہشات سے متعلق ہوتا ہے۔ وہ خواہشات میں

اس کی مدد کرتا ہے اور ہر قسم کی گندی، مکروہ چیزیں اس میں ڈالتا ہے، شیطان نفس کی اس چیز میں مدد نہیں کرتا جو اس کی خواہش اور ارادے کے موافق نہیں ہے۔ یہی حالت شیطان کے بھائیوں کی ہے، جو کہ انسانوں سے ہیں وہ بھی کسی کی مدد نہیں کرتے۔ جب تک کہ بات ان کی خواہش اور ارادہ کے مطابق نہ ہو جائے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ شکار ہاتھ نہیں آ رہا ہے۔ تو پھر وہ کسی ایسی صورت کو تلاش کرتے ہیں۔ جسے وہ چاہتا ہو اور پسند کرتا ہو۔ پھر کوشش کرتے ہیں۔ کہ وہ کسی طرح اس کام کو کر گزرے۔ اس صورت سے وہ اپنے شکار کو پھانستے ہیں، جب بھی نفس اپنی خواہش کا دروازہ کھولتا ہے تو وہ فوراً اندر داخل ہو جاتے ہیں۔ اور جاسوسی کرنے لگتے ہیں۔ پھر وہ اندرونی عمارت کو (یعنی انسان کے باطن کو) خراب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ دنگا اور فساد برپا کرتے ہیں۔ غرض ہر وہ عمل کرتے ہیں جو ایک دشمن کرتا ہے، حتیٰ کہ جب وہ پوری طرح جم جاتے ہیں تو ایمانی، قرآنی، ذکر اور نماز والے کارخانے کو گرا دیتے ہیں، مساجد کا نشان تک نہیں چھوڑتے ان کی جگہ پر کنیسے اور بت خانے وغیرہ کی عمارت اٹھا دیتے ہیں۔ پھر پورے ملک کا قصد کرتے ہیں اس کے بادشاہ کو پکڑ کر سولی دے دیتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کو شیطان اور بتوں کا بندہ بنا دیتے ہیں، طاعت کی عزت سے نکال کر معصیت کی ذلت میں گرا دیتے ہیں اور رحمانی سماع سے شیطانی سماع کی طرف اور رحمن امور سے لقائے رب العالمین کی توقع تھی اُن سے موڑ کر ایسی استعداد کی طرف لاتے ہیں۔ جس سے شیطان اور اس کے بھائیوں سے اُسکی ملاقات ہو۔ پھر یہ شخص جو اللہ کے حقوق اور اس کے اوامر کی رعایت کیا کرتا تھا۔ اب اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ خنازیر کی رعایت کرنے لگتا ہے یہ شخص جو اللہ کی خدمت کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتا تھا۔ اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ ہر شیطان مردود کی خدمت کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے نفس مطمئنہ کے ساتھی ہوتے ہیں اور شیطان نفس امارہ کا۔ حضرت عبداللہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ابن آدم کے ساتھ شیطان

کا بھی تعلق ہے اور فرشتے کا بھی، شیطان کا تعلق اُسے شر اور تکذیب بالحق کے لئے کہتا ہے اور فرشتے کا تعلق اُسے خیر اور تصدیق بالحق کا درس دیتا ہے۔ جو شخص اسے پائے وہ سمجھ لے کہ یہ من جانب اللہ ہے اور اللہ کا شکر کرے۔ اور شیطان مردود سے پناہ مانگے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔

الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء۔ شیطان تم سے فقر کا وعدہ کرتا ہے اور فحش کا حکم دیتا ہے۔

عمرو نے یہی روایت عطاء بن سائب سے روایت کی ہے عمروؒ نے اس میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ ہم نے اس حدیث میں یہ بھی سنا ہے کہ آپؐ فرماتے تھے۔ جب تم میں سے کوئی فرشتے کے تعلق کو محسوس کرے تو وہ اللہ کا شکر کرے اور اللہ سے فضل کا سوال کرے۔ اور جب شیطان کے تعلق کو محسوس کرے تو اللہ سے بخشش مانگے اور شیطان سے پناہ مانگے۔

فصل ۱۱۶

نفس مطمئنہ اور نفس امارہ کے ساتھی

نفس مطمئنہ کے ساتھی فرشتے، اور اس کا ایمانی لشکر اس سے، توحید، احسان، نیکی، تقویٰ، صبر، توکل، توبہ، انابت، ذکر اللہ، ذکر موت، زاد آخرت وغیرہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ شیطان اور اس کا لشکر نفس امارہ سے اس کے برعکس تقاضا کرتے ہیں۔ اللہ کریم نے ہر اس چیز پر شیطان کو مسلط کیا ہے۔ جو اللہ کے لئے نہیں ہے اور نہ اس میں اللہ کی اطاعت ہے۔ لہٰذا اس کا شیطان اس عمل اور طریقے کے لئے نفس امارہ کو اپنا نائب بناتا ہے، اور چاہتا ہے کہ نفس مطمئنہ سے کچھ کام لے اور اسے اپنا آلہ کار بنائے، وہ اس بات پر بہت ہی حریص ہوتا ہے۔ کہ نفس مطمئنہ اس کے لئے اعمال کرے۔ لیکن نفس مطمئنہ پہ بات گراں گذرتی ہے کہ وہ شیطان کے لئے اعمال کرے۔ جیسا کہ نفس امارہ پہ یہ بات گراں

گذرتی ہے کہ وہ اللہ کے لئے کوئی کام کرے۔ اگر نفسِ مطمئنہ کوئی ایسا کام کرتا ہے جس سے انسان کی نجات ہوتی ہو تو شیطان اور نفسِ امارہ نہیں چاہتے کہ اس کے کسی ایسے کام کو چھوڑیں جس سے وہ اللہ تک پہنچے۔ جیسا کہ بعض عارفین نے کہا ہے بخدا اگر مجھے اس بات کا علم ہوتا کہ میرا فلاں ایک عمل بھی مجھے خدا تک پہنچا دیگا تو میں موت سے بہت خوش ہوتا بہ نسبت اس مسافر کے جو اپنے بچوں میں واپس آتا ہے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے اگر میں جانتا کہ اللہ نے مجھ سے ایک سجدہ قبول کر لیا ہے تو پردیس مجھے موت سے زیادہ محبوب نہ ہوتا۔

انما یتقبل اللہ من المتقین — اللہ پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے

فصل ۱۱

نفسِ امارہ کو مطمئنہ کے مقابلے میں کھا گیا ہے

مطمئنہ جب کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے تو امارہ بھڑک اٹھتا ہے وہ اس کے مقابلے کے لئے شر کو لے آتا ہے اور اس کو اکارت کر کے اسے خراب کر دیتا ہے۔ اور جب مطمئنہ ایمان و توحید کو لاتا ہے تو یہ اس کے مقابلے میں ایسی چیز لاتا ہے جو ایمان میں نقص ڈالے جیسے شرک، غیر اللہ کی محبت، اس کا خوف، ڈر، اور غیر اللہ سے امید رکھنا وغیرہ وہ لگا رہتا ہے۔ جب تک کہ انسان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت، خوف، اور امید کے مقابلے میں غیر اللہ کی محبت، خوف، اور امید کو اپنا پیش رو نہیں بنا لیتا۔ عوام کی اکثر یہی حالت ہے اور جب وہ اسے حضورؐ کی اتباع کی طرف لاتا ہے تو امارہ اس وحی کے مقابلے میں لوگوں کی آراء اور ان کے اقوال کو لاتا ہے اور گمراہ کن شبہات ڈالتا ہے جو حضورؐ کی کمالِ متابعت میں آڑے آئیں۔ اور حکیم سنت کے مخالف ہوں۔ اسی طرح ان دونوں کے درمیان محاذ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ غالب وہی آتا ہے جس کی مدد اللہ فرماتا ہے نفسِ مطمئنہ جب اخلاص، صدق، توکل، انابت اور مراقبے کو لاتا ہے، تو امارہ اس کے مقابلے

ہیں ان کی اضداد کو لاتا ہے اور انہیں کئی قالبوں میں ڈھالتا ہے۔ کبھی اللہ کی قسم کھاتا ہے کہ واللہ اس کی مراد ہرگز یہ نہ تھی۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹا ہے، اس کی مراد اپنی خواہش کا اتباع کرانا ہوتا ہے۔ وہ آنحضرت کی اتباع سے نکال کر انسان کو اپنے ارادے اور خواہش کا قیدی بنانا چاہتا ہے اور اپنی ظلمت و وحشت میں لانا چاہتا ہے۔ نفس امارہ اس عالم دنیا میں قید ہی میں ہے۔ اور عالم برزخ اور دنیا سے بھی بڑھ کر تنگی میں ہوگا۔ امارہ کی عجیب باتوں سے یہ بھی ہے کہ وہ عقل اور دل پر جادو سا کر دیتا ہے۔ اور افضل و اشرف خصائل کو بھی بہت گندی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اکثر لوگ بچکانے ذہن والے ہوتے ہیں ان میں اتنی سمجھ بھی نہیں ہوتی جو دودھ چھوڑنے والے بچے کی طرح متاثر ہوں اور برائی کو برائی سمجھیں اور اس سے بچیں پھر وہ توحید کی صورت نور جو سورج اور چاند سے بھی زیادہ روشن ہے۔ بڑی مذموم اور عیب دار شکل میں پیش کرتا ہے اور بڑی بڑی معظم ہستیوں کے مقاموں کو توڑ پھوڑ کر اور ان کے مرتبے کو گھٹا کر عام بندوں کے مرتبے میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اور مسکنت، ذلت و فقر کے مقاموں سے انہیں ملا دیتا ہے۔ جن کا ان کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہیں ہوتا۔

یہ جادوگر نفس (یعنی امارہ) اسی طرح اشیاء کو توڑ پھوڑ کر عظیم ہستیوں کو ان کے مرتبے اور مقام سے گرا کر ان میں نقص ڈال کر پیش کرتا ہے۔ اس لئے اس کے متبعین مجرد توحید سے بہت متنفر ہو جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں، کیا تم نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا سمجھ لیا ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے

وہ ان کے سامنے حضور کی اتباع اور جو کچھ آپ لائے ہیں اس کی پیروی کا نقشہ بُرے رنگ میں کھینچتا ہے۔ پہلے لوگوں کے اقوال کو علماء کی تنقیص کے لئے لاتا ہے اور ایسے اقوال لاتا ہے جن سے بُرے گمان پیدا ہوں، کہتا ہے۔ علماء سے تو حق بات رہ گئی وہ خطا کر گئے۔ ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ہم لوگوں کے اقوال کو چھوڑ کر حق کو پا سکیں، اس طرح ان امور سے بہت زیادہ متنفر کر دیتا ہے۔ جو حضور لائے

اور دوسرے لوگوں کی باتوں کو واجب الاتباع ٹھیراتا ہے، کہ ان کی اتباع ضروری ہے۔ کہتا ہے، رسول کے کلام میں نرتشابہ بہت ہے۔ لہذا جو رسولؐ کی بات لوگوں کی بات کے موافق ہوگی۔ ہم اُسے تو قبول کریں گے اور جو اُن کے خلاف ہوگی۔ اُسے رد کر دینگے۔ نفس امارہ خدا کی قسمیں بہت کھاتا ہے۔ کہتا ہے ہمارا ارادہ تو احسان ہی کرنے کا ہے۔

فصل ۱۱۸

نفس امارہ کی حرکات

وہ اخلاص کی صورت کو ایسی شکل میں دکھاتا ہے کہ لوگ اس سے متنفر ہو جائیں کہتا ہے۔ کہ تم معیشتی عقل ہوا رات و مداہنت کو کھو دو گے۔ اور لوگوں کے میل جول سے خارج ہو جاؤ گے اخلاص سے کام کرو گے تو وہ تم سے بچیں گے اور تم اُن سے بچو گے تم ان سے بغض رکھو گے اور وہ تم سے بغض رکھیں گے تم اُن سے دور رہو گے اور وہ تم سے دور رہیں گے وہ کسی ڈگر پر جائیں گے اور تم کسی ڈگر پر چلو گے مقصود اس کا یہ ہوتا ہے کہ سب کام غیر اللہ کے لئے ہوں۔

فصل ۱۱۹

نفس امارہ کی مزید حرکات

صدق مع اللہ اور بے دینوں کے ساتھ جہاد کرنے کو وہ ایسی شکل میں پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے۔ اس میں مخلوق کی دشمنی ہے۔ انہیں اذیت دینا ہے۔ اور اپنے آپ کو ایسے مصائب میں ڈالنا ہے۔ جن کے مقابلے کی اسے طاقت بھی نہیں ہے۔ اور کہتا ہے نیزہ بازوں کو دراصل اپنے حصے وصول کرنے سے غرض ہوتی ہے۔ جہاد کا تو نام ہی ہوتا ہے۔ غرض اسی طرح کے دوسرے شبہات ڈالتا ہے۔

جہاد کی حقیقت اس طرح دکھاتا ہے کہ اس میں انسان قتل ہوتے ہیں، عورت

دوسرے کے نکاح میں چلی جاتی ہے بچے یتیم ہو جاتے ہیں۔ مال تقسیم ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

زکوٰۃ اور صدقے کی صورت کو اس شکل میں پیش کرتا ہے کہ مال جاتا رہے گا۔ کم ہو جائے گا۔ ہاتھ خالی ہو جائینگے لوگوں کا محتاج ہو جائیگا۔ فقیر میں اور تجھ میں کیا فرق رہ جائیگا۔

اللہ کی صفاتِ کمال کو تشبیہ و تمثیل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ اس لئے انسان ان کی تصدیق سے متنفر ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی متنفر کر دیتا ہے۔

الحاد و تعطیل کی صورت کو تنزیہ و تعظیم کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ اس کی عجیب و غریب چالوں سے یہ بھی ہے کہ جن صفات، اخلاق، اور افعال کو اللہ اور اللہ کا رسول محبوب رکھتے ہیں۔ انہیں ایسا کر دکھاتا ہے۔ جن میں وہ مبغوض رکھتے ہیں۔ بندے کے سامنے ایک بات کو دوسری سے ملا کے رکھ دیتا ہے اس فریب سے صاحب بصیرت ہی خلاصی پا سکتے ہیں، کیونکہ افعال ارادے سے ہی صادر ہوتے ہیں۔ اور نفسِ امارہ و مطمئنہ سے بذریعہ اعضا ہی کے ظاہر ہوتے ہیں۔ لہٰذا دونوں کے افعال بظاہر میں تو متبائن ہو جاتے ہیں۔ لیکن ظاہر میں متشابہ ہوتے ہیں۔ اس کی بہت مثالیں ہیں۔

مثلاً انہی میں سے مدارات و مداہنت ہے۔ مدارات مطمئنہ سے ہوتی ہے اور مداہنت امارہ سے۔ اسی طرح خشوعِ ایمان و خشوعِ نفاق، نفس کی بزرگی اور تکبر، حمیت اور بے غیرتی، تواضع اور اہانت، اللہ کے لئے حمیت و غضب اور نفس کے لئے حمیت و غضب، سخاوت اور اسراف، مہابت اور تکبر، صیانت اور بڑائی، شجاعت اور جرأت، حزم اور بزدلی، میانہ روی اور بخل، فراست اور ظن، نصیحت اور غیبت، ہدیہ اور رشوت، صبر اور قوت عفو اور ذلت، سلامتیٔ دل اور بیوقوفی، غفلت اور بھروسہ، دھوکہ اور امید، خواہش اور تمنا،

نعمت اللہ اور اس پر فخر کرنا، دل کی خوشی و فرحتِ نفس، رقتِ قلب اور جزع منافست اور حسد، حب ریاست اور حب امامت، دعوت الی اللہ والحب للہ اور حب مع اللہ، توکل اور عجز، احتیاط اور وسوسہ، الہام ملکوتی اور الہام شیطانی، انانیت اور تسویف، اقتصاد اور کمی، اجتہاد و غلو نصیحت و تادیب، مبادرت و عجلت، اخبار بالحال اور شکوی وغیرہ ہیں کبھی ایک شئی کی صورت بظاہر ایک جیسی ہوتی ہے۔ لیکن اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں، محمود بھی اور مذموم بھی جیسے خوشی اور غم افسوس اور غضب، غیرت و تکبر طمع و تحمل، خشوع، حسد، غبطہ و جرأت، حسرت و حرص، تنافس و اظہار نعمت خامہ فنی و زہد حمیت و غیبت، وغیرہ

حدیث میں آتا ہے ایک غیرت وہ ہے جسے اللہ پسند کرتے ہیں۔ اور ایک وہ ہے جسے برا سمجھتے ہیں، وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں وہ ہے جو بری بات میں ہو اور برا اسے سمجھتے ہیں۔ جو بری بات میں نہ ہو، اسی طرح اکڑنے والوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کو پسند ہیں اور وہ بھی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ برا سمجھتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں۔ وہ ہیں جو میدان کارزار میں اکڑتے ہیں۔ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دو آدمی ہیں جن پر حسد کیا جاتا ہے۔ ایک وہ جسے اللہ نے مال دیا ہو۔ اور وہ اسے راہِ حق میں لٹاتا ہو، دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی اور وہ اسے دوسروں کو سکھاتا ہو۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی کو پسند کرتا ہے۔ اور نرمی پر وہ کچھ دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ جسے نرمی دی گئی اسے خیر دی گئی، نرمی اور چیز ہے سستی اور کاہلی اور چیز ہے۔ نرمی والا انسان اطاعت کے ساتھ حتی الامکان اشیاء کے حصول میں نرمی سے کام لیتا ہے، اسی طرح مدارات صفت محمود ہے، اور مداہنت صفت مذموم ہے، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مدارت کرنے والا اپنے ساتھی سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ تاکہ وہ حق کا اقرار کرے اور باطل کو چھوڑ دے، اور مداہنت

کرنے والا اپنے ساتھی سے نرمی کرتا ہے۔ تاکہ وہ باطل پر ڈٹا رہے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا رہے۔ اسی لئے مداہنت مومنوں کا شیوہ ہے اور مداہنت منافقوں کا، اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ مثلاً ایک انسان کے پیر پڑا ہے ایک زخم طبیعت طبیب آیا اس نے اُسے دیکھ کر اسے پکانے کی کوشش کی، جب وہ پک گیا، تو بڑے آرام اور نرمی سے اس میں جو کچھ تھا نکال دیا۔ اور اس جگہ پر دوا لگا دی۔ جو اس کی جگہ کو بھر دے اور گندے مادے کو کاٹ دے۔ پھر دوسری دوائیں لگائیں جن سے گوشت جمے اور زخم کی رطوبت خشک ہو۔ آخر میں پھر پٹی باندھتا ہے۔ اور اسی طرح کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ زخم ٹھیک ہو جاتا ہے، اور مداہنت کرنے والا اپنے ساتھی سے کہتا ہے۔ نکہ کی کوئی بات نہیں، یہ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس پر کپڑا لپیٹ لے تاکہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ لہٰذا اس زخم کا مادہ قوی ہوتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کا فساد بہت بڑھ جاتا ہے، یہ مثال نفسِ امارہ اور نفسِ مطمئنہ کے حال کے بالکل مطابق ہے غور کیجئے یہ حالت اُس زخم کی ہوتی ہے۔ جو چنے کے برابر ہوتا ہے تو اس بیماری کی حالت کیا ہو گی۔ جو نفسِ امارہ کی برائی سے پیدا ہوئی ہو، جو تمام شہوات کا معدن ہے۔ ہر فسق کی پناہ گاہ ہے، بڑا مکار اور دھوکہ باز دہ ہے جس کا شیطان ساتھی ہے۔ جو اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔ اور اس پر ہر قسم کے جادو وغیرہ کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے نفع کو ضرر اور ضرر کو فائدہ مند سمجھنے لگتا ہے۔ اچھائی کو برائی اور برائی کو اچھائی خیال کرنے لگتا ہے، بنابریں جادو کی بہت بڑی قسم ہے۔ اسی لئے مولا کریم فرماتے ہیں۔ فانی تسحرون، مشرکین نے رسولوں کو مسحور کہا۔ مگر دراصل وہ خود مسحور تھے انبیاء مسحور نہ تھے۔ جیسا کہ انہوں نے ان کی طرف، ضلال، فساد فی الارض، جنون، بیوقوفی اور ان چیزوں کی جن سے انبیاء و رسل نے پناہ مانگی ہے نسبت کی ہے اور جن سے امتوں کے بڑے بڑے سرداروں نے پناہ مانگی ہے۔ یعنی نفس امارہ اور اس کے ساتھی شیطان کے شر سے، کیونکہ یہ دونوں برائی اور شر کی جڑ ہیں اور شر پر مدد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ انہ سمیع علیم

جب تو قرآن پڑھے تو اللہ سے پناہ مانگ وہ سننے والا جاننے والا ہے"

اور فرمایا ہے:-

وقل رب اعوذ بک من ھمزات الشیاطین واعوذ بک رب ان یحضرون -

اور فرمایا ہے۔

قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر غاسق اذا وقب ومن شر النفاثات فی العقد ومن شر حاسد اذا حسد۔ یہ نفس کے شر سے پناہ کی طلب ہے اور فرمایا ہے قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس یہ پناہ ہے نفس امارہ کے ساتھی اور مصاحب سے جو بہت ہی برا ساتھی ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ اپنے پروردگار سے ان دونوں دشمنوں کے درمیان ہوتا ہے۔ ان کے شر سے لگتے رہتے ہیں اور لڑتے رہتے ہیں۔ پہلی بیماری جو نفس امارہ میں رینگتی ہے وہ شہوت ہے اور اس کے پیچھے محبت، حرص، طلب اور غضب وغیرہ آتے ہیں۔ اور ان کے پیچھے، کبر، حسد، ظلم اور تسلط وغیرہ آتے ہیں۔ خائن اور دھوکہ باز طبیب اس بیماری کو جانتا ہے اور اسے دوا کے لئے کئی قسم کی زہریلی اور موذی چیزیں بتاتا رہتا ہے جس سے اس کا دل کمزور پڑ جاتا ہے یعنی نفس امارہ، شیطانی بیماری اور ان دونوں کی امداد کی وجہ سے اس کے دل کی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ نفس و شیطان دونوں انسان کو بہکاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ نقد حاضر ہے اور لذت عیش ہے۔ دوا ہی اس کو ہر طرف سے بلاتے ہیں۔ خواہشات اکساتے ہیں اور شہوت معاملے کو آسان کر دیتی ہے اور کہتے ہیں کہ اکثر لوگ ایسے ہی ہیں۔ لہٰذا وہ لوگوں کی پیروی پر راضی ہو جاتا ہے ان کمزوریوں اور تواطی کے ہوتے ہوئے پھر کیسے کوئی داعی ایمانی اور جنت

کے داعی کی طرف آئے۔ ہاں جس کی اللہ تعالےٰ امداد فرمائیں، توفیق دیں۔ اپنی رحمت سے اس کی تائید کریں۔ اسے اپنی امان حفاظت میں لے لیں۔ اس کے دل کی بصیرت کو اجاگر کر دیں۔ جس سے وہ دنیا کے زوال اور جلدی ختم ہو جانے کو دیکھے اور یہ دیکھے کہ دنیا اپنے اہل کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ اور وہ اس بات کو سمجھے کہ وہ دنیا میں سمندر میں ڈوبنے والے کی طرح ہے۔

فصل ۱۲۰

"خشوع ایمانی اور خشوع نفاق میں فرق"

خشوع ایمانی یہ ہے کہ دل اللہ کی تعظیم، اجلال، وقار، ہیبت، اور حیا سے جھک جائے۔ اس طرح جھکے کہ اس میں شرمندگی، محبت اور حیا بھری ہوئی ہو اس کے علاوہ خشوع جوارح بھی ہو۔ اور خشوع نفاق وہ ہے۔ جو تصنع و تکلف سے جوارح سے ظاہر ہو اور دل میں خشوع نہ ہو۔ بعض صحابہ کرام رضؓ فرمایا کرتے تھے۔ ہم اللہ سے خشوع نفاق سے پناہ مانگتے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا۔ کہ خشوع نفاق کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ یہ کہ جسم تو خشوع کر رہا ہو۔ اور دل خاشع نہ ہو۔ اللہ کے لئے خشوع کرنے والا وہ بندہ ہے۔ جس کی شہوات کی آگ بجھ چکی ہو۔ اور اس کے سینے سے اس آگ کا دھواں بھی نکل چکا ہو اس لئے اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اس میں نور عظمت چمکنے لگتا ہے۔ خوف ایزدی اور اس کے وقار سے اس کی شہوات مرجھا جاتی ہیں اور جوارح بھی ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ اور اس کا دل خدا کی یاد سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ وجہ اس سکون کے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پہ نازل ہوا ہو۔ جس سے وہ مخبوت یعنی مطمئن ہو جاتا ہے۔ "المخبت من الارض" اس زمین کو کہتے ہیں۔ جسے روندا جائے۔ اور جگہ اتنی نیچی ہو جائے کہ پانی ٹھہر جائے۔ خاشع دل بھی مخبوت زمین کے ٹکڑے کی طرح ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ انسان پروردگار کے اجلال کے سامنے

فصل ۱۰۴

بیسویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ کہنا کہ جسم کا یہ خاصہ ہے کہ وہ تجزی کو قبول کرتا ہے۔ اور اس کا چھوٹا جزو بڑے جزو کی طرح نہیں ہوتا اگر نفس تجزی کو قبول کرے گا تو اس کا ہر جزو اگر نفس ہوگا تو لازم آئیگا کہ انسان کے بہت سارے نفوس ہوں۔ اور اگر اس کے اجزاء نفس نہ ہوں گے تو پھر مجموع بھی نفس نہیں ہوگا۔

جواب: اگر تمہارا یہ مقصد ہے کہ خارج میں ہر جسم تجزی کو قبول کرتا ہے تو یہ سپید جھوٹ ہے، کیونکہ سورج، چاند، ستارے اسے قبول نہیں کرتے اور یہ لازمی نہیں کہ ہر جسم خارج میں تجزی و تبعیض کو قبول کرے۔ وہ لوگ جو جوہر فرد سے نفی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک یہ جو ہر متحیز ہے تقسیم کا قبول کرنا اس کے لئے صحیح نہیں ہے، ہم اگر مان بھی لیں کہ وہ تقسیم کو قبول کرتا ہے۔ تو اس سے کونسی قابل اعتراض بات لازم آجائیگی

تمہارا یہ قول کہ ان اجزاء میں سے اگر ہر جزو نفس ہوگا۔ تو بہت سے نفوس کا اجتماع انسان واحد کے لئے لازم آئیگا اور یہ محال ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ اس وقت لازم آئیگا۔ جبکہ نفس کو بالفعل بہت سے نفوس کی طرف تقسیم کر دیا جائے اور یہ محال ہے۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ اگر ہر جزو نفس نہیں ہوگا۔ تو مجموعہ بھی نفس نہیں ہوگا۔ یہ ایک جھوٹا اور ناقص مقدمہ ہے کیونکہ جب ماہیت کے اجزاء اکٹھے ہو جاتے ہیں تو اس کے لئے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ حکم ہر ہر جزو کے لئے الگ الگ ثابت نہیں ہوا کرتا۔ مثلاً گھر، انسان اور اس کی ماہیت ہی کو لے لیجئے۔

فصل ۱۰۵

"اکیسویں شبہ کی تردید"

تمہارا یہ قول کہ جسم اپنے قوام، بقاء، اور حفظ میں دوسرے جسم کا محتاج ہوتا ہے اور اس سے تسلسل لازم آتا ہے۔

جواب:۔ اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ جس طرح بدن اپنی حفاظت کے لئے نفس کا محتاج ہے اسی طرح نفس بھی اپنی حفاظت کے لئے کسی دوسرے نفس کا محتاج ہو۔ یہ ایک جھوٹے دعوے کے سوا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا اور ایسے قیاس پر مبنی ہے جس کا بطلان ظاہر ہے۔ کیونکہ ہر جسم اپنے نفس کی حفاظت کے لئے دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا۔ جیسے معادن کے اجسام، اور ہوا، پانی، آگ مٹی، اور دوسرے جمادات کے اجسام۔ اگر تم کہو، کہ یہ بولنے والا زندہ ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ اس وقت بھی یہ دلیل اسی طرح باقی رہے گی۔ کہ ہر زندہ بولنے والا جسم اپنے حفظ و قیام میں ایک نفس کا محتاج ہوگا جو اس کا قیام کرے گا۔ اور یہ صرف خالی دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اور یہ بالکل جھوٹا دعویٰ ہے۔ کیونکہ جن اور فرشتے زندہ بولنے والے ہیں۔ لیکن وہ اپنے قیام میں دوسری ارواح کے محتاج نہیں ہیں۔ جو اُن کا قیام کریں۔ اگر تم کہو، کہ جن اور فرشتوں کے بارے میں بھی ہمیں کلام ہے کہ وہ اجسام متحیزہ نہیں ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہماری بحث تو انسان کے ساتھ ہے۔ جو اللہ، اس کے فرشتوں، کتابوں، اور رسولوں پر ایمان لایا ہے اور جو شخص ان کا منکر ہے۔ اس کے ساتھ نفس کے بارے میں بات کرنا فضول ہے، ایسا شخص، نفس، ملائکہ، کتابوں، رسولوں کے بنانے والے اور پیدا کرنے والے کا منکر ہے۔ میں اس کا معاملہ ایمان پر چھوڑتا ہوں۔ کیونکہ عالم میں فرشتوں اور جنوں کی تاثیرات شاہد ہیں۔ جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور وہ بنفسہا موجود ہیں۔ لیکن تو لئے بشریہ ان پر قادر نہیں ہیں۔

فصل ۱۰۶

بائیسویں شبہ کی تردید

تمہارا یہ قول کہ اگر نفس جسم ہوگا تو اُس کا بدن کے ساتھ اتصال علی سبیل المداخلۃ ہوگا۔ اور اس سے تداخلِ اجسام لازم آتا ہے۔ اور اگر علی سبیل الملاصقت یا مجاورت ہوگا۔ تو پھر ایک انسان کے دو جسم ہونگے۔ جو کہ ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ مگر ایک دیکھا جاتا ہے اور دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔

جواب:۔ اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔ ایک تو یہ کہ تداخلِ اجسام محال ہے۔ بایں معنی کہ دو کثیف جسموں میں سے ایک دوسرے کے اندر اس طرح داخل ہو جائے کہ ان دونوں کا حیّز ایک ہی ہو۔ اور اگر جسم لطیف جسم کثیف میں داخل ہو جائے تو یہ محال نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ امر کئی وجوہات سے باطل ہے۔ کیونکہ پانی، لکڑی اور بادلوں میں داخل ہو جاتا ہے، آگ لوہے میں داخل ہو جاتی ہے۔ غذا تمام بدنی اجزاء میں چلی جاتی ہے۔ آسیب زدہ میں جن کا داخل ہونا مسلم ہے۔ لہٰذا روح کی لطافت کی بنا پر بدن سے اس کی مشابکت اور تمام اجزاء میں دخول ممتنع نہیں ہے۔ تیسرے یہ کہ نفس کا بدن متحیّز ہے، اس کا حیّز اس سے ایک مکان منفصل ہے اور یہ تداخل نہیں ہے۔ جب تم اسے اس بدن سے جدا کر دو گے تو اس کے لئے اور حیز ہو جائیگا۔ اس وقت یہ ایک دوسرے میں متداخل نہیں ہونگے۔ بلکہ ہر ایک کے لئے ایک حیز ہوگا۔ جو اس کے ساتھ مختص ہوگا۔ قصہ کوتاہ روح کا بدن میں دخول زیادہ لطیف ہے۔ بنسبت مٹی میں پانی کے دخول اور تیل کے بدن میں دخول کے، یہ فاسد شبہ ان دلائل کے معارض نہیں آسکتا۔ جن کا ثبوت وحیِ آسمانی اور عقلی دلائل سے ہو۔ وباللہ التوفیق۔

فصل ۱۰۷

تیسوال مسئلہ

کیا نفس اور روح دونوں ایک ہی چیز ہیں - یا دو الگ الگ چیزیں ہیں -
اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ ان دونوں کا محمل
ایک ہے، اس کے قائل جمہور ہیں - بعض نے کہا ہے کہ وہ دو متغائر چیزیں ہیں - ہم اس
مسئلہ کے اسرار کو کھولتے ہیں - دیکھئے نفس کا اطلاق کئی امور پر ہوتا ہے - جوہری
نے کہا ہے "النفس الروح" اور لوگ کہتے ہیں - اس کا نفس نکلا -
ابو خراش کہتا ہے ؎

نجاسا لما والنفس منه بشدقة ولم ينج الا جفن سيف ومبزا

"یعنی اور نفس خون کو بھی کہا جاتا ہے - کہتے ہیں میں نے اس کا نفس بہایا"
حدیث میں آیا ہے

مالا نفس له سائلة لا ينجس الماء اذا مات فيه" — جس چیز میں بہتا ہوا خون نہیں اس کے مرجانے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا"

اور نفس کے معنی جسم کے بھی ہیں - اور نفس آنکھ کو بھی کہتے ہیں - جیسے کہتے ہیں
اصابت فلانا نفس یعنی فلاں کو نظر لگ گئی - میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہے - جیسا کہ کہا گیا
بلکہ نفس سے مراد یہاں پر روح ہے اور عین کی طرف اضافت کی نسبت وسعت
کی بنا پر ہے - کیونکہ نظر آنکھ کے واسطے سے لگتی ہے، بلکہ وہ خود نظر لگانے والے کا
نفس ہوتا ہے - جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے - میں کہتا ہوں، کہ قرآن میں نفس کا اطلاق
ذات پر بھی ہوا ہے - اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فسلموا علی انفسکم" اور فرمایا
"ولا تقتلوا انفسکم" اور فرمایا "یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسها" -
اور فرمایا "کل نفس بما کسبت رهینة" - ہر ذات اپنے کئے کے ساتھ مرہون ہے
اور روح پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - "یا ایتها النفس

المطمئنۃ اور اخرجوا انفسکم اور ونھی النفس عن الھوی، اور ان النفس لامارۃ بالسوء۔ لیکن روح کا اطلاق بدن پر نہیں ہوتا، فقط اور نفس کے ساتھ۔ اور روح کا اطلاق قرآن پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول پر بھیجا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

وکذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا"	ہم نے اسی طرح تیری طرف قرآن کی وحی کی۔

اور اس وحی پر بھی اطلاق ہوا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاء پر اتارا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق۔ اور فرمایا ینزل الملائکۃ بالروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ ان انذروا لا الہ الا انا فاتقون۔ اس کا روح نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس سے نافع زندگی حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر حیات والے کو فائدہ نہیں دیتی، بلکہ ایسی زندگی والے سے تو چوپائے اور بہائم کی حیات بھی اچھی ہے اور اسی لئے ہوا کا نام بھی ریح رکھا گیا ہے کہ اس سے بھی زندگی حاصل ہوتی ہے، یہ لفظ واؤ والوں سے ہے، اسی لئے اس کی جمع ارواح آتی ہے شاعر کہتا ہے۔

اذا ھبت الکاھام من نحو ارضکم	وجدت لھا علی کبدی بردا
جب ہوائیں تمہاری سرزمین کی طرف سے چلتی ہیں	تو ان کے چلنے سے میرے جگر پر ٹھنڈ پڑتی ہے

اور اسی سے الروح والریحان اور استراحت ہے، نفس کا نام روح اس لئے رکھا گیا کہ حیات اسی سے حاصل ہوتی ہے، اور نفس اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ ایک نفیس شئے ہے۔ اس کی نفاست و شرف کی بنا پر اُسے نفس کہا گیا ہے۔ کسی چیز کے سانس لینے کو بھی نفس کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بدن میں کثرت سے داخل و خارج ہوتا ہے۔ اور اسی سے نفس (بالتحریک) ہے۔ کیونکہ انسان جب کبھی ہوتا ہے تو وہ اس سے نکل جاتا ہے اور جب وہ بیدار ہوتا ہے تو اُس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور جب انسان مرجاتا ہے

تو وہ کلی طور پر اس سے نکل جاتا ہے۔ جب اُسے دفن کیا جاتا ہے تو واپس لوٹ آتا ہے اور جب اس سے سوال و جواب ہو چکتا ہے تو نکل جاتا ہے اور جب اس کی بعثت ہو گی تو پھر لوٹ آئیگا، نفس اور روح میں فرق صفات سے ہے، ذات کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اور خون کو نفس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے نکل جانے سے موت ہو جاتی ہے۔ اور خون کے بغیر زندگی مکمل ہی نہیں ہوتی جس طرح نفس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ اسی لئے شاعر کہتا ہے۔

تسیل علی حد الظباۃ نفوسنا ولیست علی غیر الظباۃ تسیل

بہتے ہیں تلوار کی دھاروں پر ہمارے خون اور تلواروں کے سوا کہیں نہیں بہتے

لوگ کہتے ہیں فاضت نفسہ، خرجت نفسہ، فارقت نفسہ، جس طرح کہتے ہیں خرجت روحہ، و فارقت روحہ، لیکن فیض کے معنی ہیں یک گھڑی اندفاع کے اور اسی سے افاضت ہے، جس کے معنی کثرت و سرعت سے اندفاع کے ہیں۔ لیکن، افاض، اس وقت بولتے ہیں جب کہ انسان اپنے ارادے اور اختیار سے دفع کرے، اور "فاض" اس وقت بولتے ہیں۔ جب جبراً اور قہراً دفع ہو جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالےٰ ہی مرنے کے وقت اسے دفع کرتے ہیں تو وہ دفع ہو جاتا ہے۔

فصل ۱۰۸

"اس بیان میں کہ روح، نفس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے"

اہل حدیث، فقہ، اور متصوفین کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ روح نفس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، مقاتل بن سلیمان نے کہا ہے کہ انسان کے لئے زندگی، روح اور نفس تین چیزیں ہیں۔ جب وہ سوتا ہے۔ تو اس کا نفس نکل جاتا ہے۔ جس سے وہ اشیاء کا تعقل کرتا ہے۔ یہ جسم سے جدا نہیں ہوتا صرف نکل جاتا ہے۔ جیسے کوئی لمبی رسی ہو اور اس کی شعاع ہو، انسان اسی نکلتے ہوئے نفس سے خواب دیکھتا

ہے، اور حیات در روح جسد میں باقی رہ جاتے ہیں۔ جس سے وہ پانسے بدلتا رہتا ہے اور سانس لیتا رہتا ہے۔ جب اسے حرکت دی جاتی ہے تو اس کا وہ نکلا ہوا نفس آنکھ جھپکنے سے بھی پیشتر واپس لوٹ آتا ہے۔

جب اللہ تعالےٰ نیند میں اسے مارنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس نفس کو روک لیتے ہیں جو کہ نکل گیا تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے، کہ جب آدمی سوتا ہے تو اس کا نفس نکل جاتا ہے، اور اوپر کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ جب وہ خواب دیکھتا ہے تو وہ نفس واپس لوٹ آتا ہے اور روح کو خبر دیتا ہے روح دل کو خبر دیتی ہے، تو وہ کہتا ہے کہ اس نے ایسا ایسا دیکھا ہے۔ ابو عبداللہ بن مندہ کہتا ہے، پھر انہوں نے روح و نفس کی معرفت میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نفس طینی و ناری ہے، اور روح نوری و روحانی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ روح لاہوتی ہے اور نفس ناسوتی ہے، اور مخلوق اس سے آزمائی گئی ہے ایک گروہ کہتا ہے جو کہ اہل اثر ہیں۔ کہ روح نفس کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اور نفس بھی روح کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اور نفس کا قوام روح کے ساتھ ہے۔ اور نفس صورت جسد ہے خواہش، شہوت، ابتلا اس میں گھسے ہوتے ہیں ابن آدم کے لئے اس سے بڑا دشمن کوئی نہیں۔ نفس دنیا ہی کا ارادہ کرتا ہے اور اسی کو پسند کرتا ہے۔ اور روح آخرت کی طرف بلاتی ہے اور اس سے متاثر ہوتی ہے۔ خواہش کو نفس و شیطان کے تابع کیا گیا ہے۔ اور نفس و خواہشات کو عقل و روح کے تابع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنی توفیق و الہام کے ذریعے سے ان کی مدد کرتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ارواح، اللہ کے امر سے ہیں۔ ان کی حقیقت و علم کو مخلوق سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ارواح، اللہ کے نور سے ہیں۔ اور اللہ کی زندگی سے زندہ ہیں۔ پھر انہوں نے ارواح کے متعلق اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا وہ ابدان اور نفس کی موت کے ساتھ مر جاتے ہیں یا نہیں، ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ نہ ارواح مرتی ہیں اور نہ آزمائی

جاتی ہیں - ایک جماعت نے کہا ہے کہ ارواح مخلوق کی صورتوں کی طرح ہیں - اُن کے ہاتھ پاؤں، کان، آنکھیں، اور زبان ہیں، ایک جماعت نے کہا ہے - کہ مومن کی تین روحیں ہیں اور منافق اور کافر کی ایک ہی روح ہوتی ہے - بعض نے کہا ہے کہ انبیاء اور صدیقین کی پانچ روحیں ہیں - بعض نے کہا ہے کہ ارواح روحانی ہیں اور ملکوت سے پیدا کی گئی ہیں - جب صاف ہو جائیں گی - ملکوت کی طرف لوٹ جائیں گی -

میں کہتا ہوں - کہ وہ روح جو فوت کی جاتی ہے اور قبض کی جاتی ہے - ایک ہی روح ہے اور یہ نفس ہے - لیکن وہ روح جس کی تائید اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں - وہ اور روح ہے یہ روح نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ"	ان لوگوں کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی تائید کی اپنی روح سے

اور اسی طرح وہ روح بھی ہے - جس کے ساتھ حضرت مسیح ابن مریم کی روح کی تائید کی تھی - چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے -

اذ قال اللہ یا عیسیٰ ابن مریم اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک اذ ایدتک بروح القدس"	اے عیسیٰ بن مریم یاد کر میرے احسان کو جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کیا جبکہ روح القدس سے تیری تائید کی -

اسی طرح جس بندے پہ چاہتا ہے - روح کا القاء کرتا ہے - یہ بھی اس روح کے علاوہ ہے جو بدن میں ہے - وہ قوی جو بدن میں ہیں انہیں بھی ارواح کہتے ہیں - کہا جاتا ہے - دیکھنے والی روح، سننے والی روح، سونگھنے والی روح وغیرہ دراصل یہ ارواح قوی ہیں جو بدن میں رکھے گئے ہیں - جو بدن کی موت کے ساتھ مر جاتے ہیں - مگر یہ اس روح کے علاوہ ہیں جو بدن کی موت سے نہیں مرتی اور نہ وہ آزمائی جاتی ہے - جس طرح کہ بدن آزمایا جاتا ہے - ان تمام قوتوں میں سے ایک خاص قوت اور بھی ہے - جس پہ روح کا اطلاق کیا جاتا ہے - یہ وہ قوت ہے - جس سے اللہ

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً۔	اپنے ہاتھ کو گردن کی طرف نہ سمیٹو اور نہ بالکل کشادہ کر دو کہ پچھتاؤ اور حسرت کھاؤ۔

اور فرمایا ہے۔

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما۔	اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں۔ درمیانی راہ چلتے ہیں۔

اور فرمایا

کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔	کھاؤ پیو اور اسراف مت کرو

رہا بخل۔ یہ ایک مذموم عادت ہے۔ یہ نفس کی کمزوری اور سوئے ظن سے پیدا ہوتی ہے۔ شیطانی وعدے اس کی مدد کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بہت حریص بن جاتا ہے اسی سے خرچ نہ کرنے کی عادت جنم لیتی ہے۔ لہٰذا وہ مال کے چلے جانے پر جزع فزع کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ان الانسان خلق ھلوعاً اذا مسہ الشر جزوعاً واذا مسہ الخیر منوعاً	"انسان پیدا کیا گیا ہے۔ الڑھ جب اسے برائی لگتی ہے تو گھبرا جاتا ہے۔ اور بھلائی لگتی ہے تو بخل سے باز رہتا ہے۔"

فصل ۱۳۱

"احتراز اور سوئے ظن میں فرق"

محترز، یعنی محتاط بمنزل اُس شخص کے ہے جو اپنے مال اور سواری کو لے کر سفر کے لئے نکلے وہ ہر ممکن کوشش سے اپنی بساط کے مطابق ہر راہزن سے جہاں سے محتاط رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور ہر اس جگہ سے پرہیز کرتا ہے۔ جہاں سے شر کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر طرح تیار رہتا ہے۔ اور ہر اس سبب کو لیتا ہے

جس سے کوئی دشواری پیش نہ آئے اور مکروہ سے بچا رہے۔ محترز انسان مسلح فوج کی طرح ہے جو اپنے دشمن کی ٹڈبھیڑ کے لئے تیار رہے، اور اپنی سمجھ کے مطابق اپنی نجات کے اسباب اور دشمن سے لڑنے کے اسباب اور دشمن سے لڑنے کے اسباب کو تیار کئے ہوئے ہے۔ اسے بُرے گمان نہیں آتے جب بھی کوئی بُرا گمان اسے آتا ہے۔ تو وہ اسے زائل کر دیتا ہے۔

"سوئے ظن" یہ ہے کہ دل لوگوں پر بد گمانیوں سے بھر جائے جن کا ظہور اس کی زبان اور جوارح سے ہوتا رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس کی نگاہ میں، عیب دار طعن تشنیع، اور ملامت و بغض کے حقدار رہتے ہیں۔ اسی لئے وہ لوگوں کو بغوض رکھتا ہے، اور انہیں لعنت کرتا رہتا اور ڈراتا رہتا ہے۔ لوگ بھی اسے مبغوض رکھتے ہیں، اسے لعنت کرتے اور ڈراتے رہتے ہیں۔

محترز لوگوں سے میل جول رکھتا ہے۔ لیکن ان سے احتیاط کرتا ہے۔ اور سوئے ظن والا ان سے مجتنب رہتا ہے اور ان کی اذیتوں کو اٹھاتا ہے۔ محترز انسان باوجود احتیاط کے نصیحت و احسان کرنے کی وجہ سے انہیں میں داخل ہے۔ اور سوئے ظن والا بغض، مکر و فریب کی بنا پر ان سے خارج ہے۔

فصل ۱۳۲

"فراست اور ظن میں فرق"

ظن، غلط بھی ہوتا ہے اور صحیح بھی۔ اس کا مدار، دل کی ظلمت و نورانیت طہارت و نجاست پر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے بہت سے گمانوں سے بچنے کی کی تلقین کی ہے اور بتایا ہے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔

رہی فراست سو اصحاب فراست کی اس آیت میں مدح اور تعریف کی گئی ہے اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

ان فی ذالک لآیٰت للمتوسمین۔ | ۱۳ ہیں اصحاب فراست کیلئے نشانیاں ہیں

حضرت ابن عباس وغیرہ سے للمتفرسین بھی مروی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم	ناواقف انہیں سوال نہ کرنے کی وجہ سے غنی سمجھتے ہیں آپ ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہیں"

اور فرمایا ہے،

لاریناکھم فلعرفتھم بسیماھم ولتعرفنھم فی لحن القول	اگر ہم چاہتے تو آپ کو انہیں دکھا دیتے تو آپ ان کی پیشانیوں سے پہچان لیتے اور ان کے ڈھب سے پہچان سکتے ہیں"

پچی فراست اس دل میں ہوتی ہے جو پاک صاف اور ہر قسم کی آلائشوں سے منزہ ہو، اور اللہ کا اسے قرب حاصل ہو، ایسا انسان، اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" جو اس کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ترمذی وغیرہ میں ابو سعید سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن کی فراست سے بچو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"، یہ فراست اسے حاصل ہوتی ہے جسے اللہ کا قرب حاصل ہو، کیونکہ جب دل اللہ کے قرب کو پاتا ہے تو اس سے برائی کے معارضات منقطع ہو جاتے ہیں، جو حق کی معرفت و ادراک سے مانع ہوتے ہیں۔ جتنا بھی خدا کا قرب زیادہ حاصل ہوگا، اتنا ہی اس کا دل زیادہ روشن ہوگا۔ وہ اس نور کی روشنی میں ان اشیاء کو دیکھتا ہے جنہیں وہ دور سے اور پردے میں نہیں دیکھ سکتا، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث قدسی میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں۔ جن سے وہ چلتا ہے وہ میرے ساتھ سنتا ہے

دیکھتا ہے، پکڑتا ہے اور میرے ساتھ چلتا ہے"

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ بندہ اس کے قریب ہوتا ہے اور خدا کی محبت اُسے فائدہ دیتی ہے" جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں تو اس کے کان، آنکھ، ہاتھ، اور پاؤں کے قریب ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے ساتھ ہی سنتا دیکھتا پکڑتا اور چلتا ہے۔ اُس کا دل صاف آئینہ کی مانند ہو جاتا ہے۔ جس میں حقائق کی صورتیں اپنی اصلی شکل میں دکھائی دیتی ہیں اور اُس کی فراست اس کے لئے راستہ ہموار کر دیتی ہے۔ یقیناً جب بندہ خدا کے ساتھ دیکھے گا۔ تو وہ امور کو اُن کی اصلی حالت میں دیکھے گا، اور جب سنے گا تو وہی سنے گا جو کچھ وہ حقیقت میں ہیں۔ اور یہ علم غیب نہیں ہے، بلکہ علام الغیوب نے حق کو اس دل میں جسے نور کی بشارت دی گئی ہے۔ جو خیالات، وساوس، اور باطل نقوش میں مشغول نہیں ہے۔ لسا دیا ہے، جب نور دل پر غالب آ جاتا ہے۔ دوسرے ارکان کی طرف آتا ہے اور دل سے آنکھ کی طرف مبادرت کرتا ہے۔ لہٰذا اُس نور کی مقدار کے موافق اُس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کو نماز میں دیکھا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ آپکے پیچھے ہوتے تھے۔ جیسا کہ آپؐ انہیں سامنے سے دیکھا کرتے تھے۔ اور مکہ سے آپؐ نے آنکھوں کے ساتھ بیت المقدس کو دیکھا، اور جب آپ مدینہ میں خندق کھود رہے تھے۔ اس وقت آپؐ نے شام کے محلات اور صنعاء کے دروازوں، اور مدائن کسریٰ کو دیکھا، اور مدینہ سے آپؐ نے امرائے موتہ کو دیکھا جب کہ انہیں پھانسی دی جا رہی تھی۔ نیز مدینہ سے آپؐ نے نجاشی کو حبشہ میں دیکھا۔ جب کہ وہ مر رہا تھا۔ پھر آپؐ نماز گاہ کی طرف گئے اور اس کے لئے دعا مانگی۔ اور حضرت عمرؓ نے ساریہ کو سرزمین شام میں نہاوند کے مقام پر دیکھا۔ جبکہ وہ اور مسلمانوں کے لشکر دشمن سے لڑ رہے تھے، آپ نے اسے پکارا "یا ساریۃ الجبل" موسم حج میں ایک جماعت حضرت عمرؓ کے پاس آئی جن میں اشتر نخعی بھی تھے۔ آپؓ نے انہیں غور سے

دیکھا اور فرمایا یہ کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا یہ مالک بن حارث ہے۔ آپؒ نے فرمایا خدا اسے ہلاک کرے میں مسلمانوں کے لئے اس کی طرف سے ایک سخت دن کو دیکھتا ہوں، عمرو بن عبید حسن کے پاس آئے اور کہا یہ جوانوں کا سردار ہے ان للہ یحدث کہتے ہیں کہ ایک دفعہ امام شافعیؒ اور محمدؒ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص اندر آیا، امام محمدؒ نے فرمایا میں اپنی فراست سے کہتا ہوں یہ بڑھئی ہے امام شافعیؒ نے فرمایا میری فراست یہ کہتی ہے کہ یہ لوہار ہے۔ دونوں حضرات نے اس شخص سے پوچھا۔ اس نے کہا میں لوہار تھا، اور آجکل میں بڑھئی کا کام کرتا ہوں۔ ابوالحسن یونجی اور حسن حداد ابوقاسم منادی کے پاس آئے انہوں نے راستے میں نصف درہم میں ایک سیب خریدا مگر اس کی قیمت دینی بھول گئے جب ابوقاسم کے پاس پہنچے، تو اس نے کہا یہ تاریکی کیسی لہذا دونوں باہر چلے آئے کہنے لگے یہ ساری بات سیب کی قیمت نہ دینے کی وجہ سے ہے، سیب کے دام دیئے پھر واپس ان کے پاس آئے۔ انہوں نے انہیں دیکھا اور کہا کیا یہ ممکن ہے کہ انسان اتنی جلدی تاریکی سے نکل جائے۔ مجھے اپنے معاملے کے متعلق بتاؤ، انہوں نے اپنا سارا واقعہ سنایا، انہوں نے کہا ہاں، تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی پر بھروسہ کئے ہوئے تھا کہ وہ قیمت دیگا۔ اور سیب والا داموں کی بنا پر تم پر ناراض ہو رہا تھا۔

ابوزکریا تنکشی کے جبکہ ابھی تائب نہیں ہوئے تھے۔ ایک عورت سے تعلقات تھے۔ ایک دن ابوعثمان حیری کے سرہانے کھڑے اس کے بارے میں سوچ رہے تھے ابوعثمان نے اس کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہا تجھے شرم نہیں آتی۔

شاہ کرمانی بڑے صاحب فراست تھے۔ ان کی فراست ذرہ بھر بھی خطا نہیں کرتی تھی، آپؒ کہا کرتے تھے۔ جس نے محارم سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا، شہوات سے نفس کو روک لیا، باطن کو مراقبہ میں لگا دیا۔ اور ظاہر کو اتباع رسول میں، اور حلال کھانے کی عادت ڈال دی۔ اس کی فراست کبھی خطا نہیں کرے گی۔

ایک جوان تھا جو حضرت جنیدؒ کے ساتھ رہا کرتا تھا وہ دل کی باتوں کے

بارے میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ اس نے ایک دن اس امر کا حضرت جنیدؒ سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا ہاں تیرے بارے میں میں نے ایسا ہی سنا ہے۔ اس جوان نے کہا آپؒ دل میں کوئی بات رکھئے، آپؒ نے فرمایا میں نے رکھ لی۔ جوان نے کہا آپؒ نے یہ بات رکھی۔ آپ نے فرمایا نہیں، جوان نے کہا تیسری دفعہ پھر کوئی بات دل میں رکھئے آپ نے فرمایا میں نے رکھ لی، جوان نے کہا آپ نے فلاں بات رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جوان نے کہا تعجب ہے، آپ بھی سچے ہیں، اور میں اپنے دل کو بھی سچا جانتا ہوں۔ حضرت جنید نے فرمایا۔ تم نے تینوں دفعہ صحیح بتایا۔ میں نے صرف تمہارا امتحان لینے کے لئے نہیں نہیں کہا کہ آیا تمہارا دل متغیر بھی ہو جاتا ہے یا نہیں۔

ابو سعید خراز کہتے ہیں۔ میں مسجد حرام میں داخل ہوا۔ ایک فقیر مسجد میں آیا جس پر دو پھٹے کپڑے تھے، کچھ مانگ رہا تھا، میں نے دل میں خیال کیا، کیا اس جیسا آدمی لوگوں پر توکل کیا جا سکتا ہے۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کہا، جان لو جو تمہارے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ اس سے ڈرو، وہ کہتے ہیں۔ پھر میں نے خفیہ طور پر خدا سے بخشش کی دعا مانگی۔ اس نے مجھے بلایا اور کہا۔ اللہ اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے

ابراہیم خواص نے کہا میں ایک دن جامع میں بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے سے ایک خوبصورت مرد جس کے خوب خوشبو لگی ہوئی تھی۔ آیا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا یہ یہودی ہے، سب نے اس بات کو برا سمجھا، میں باہر آیا وہ جوان بھی آیا، لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ صاحب فرماتے ہیں۔ تو یہودی ہے۔ تو وہ میری طرف آیا میرے آگے جھک گیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔ میں نے پوچھا۔ تو کیوں مسلمان ہوا کہنے لگا ہم اپنی کتابوں میں لکھا ہوا پاتے ہیں کہ صدیق اپنی فراست سے خطا نہیں کرتا۔ میں نے مسلمانوں کی اس جماعت کو غور سے دیکھا۔ تو خیال کیا کہ اگر صدیق ہے تو اسی گروہ میں ہے۔ میں آپ کے قریب ٹھہرا، حتیٰ کہ مجھ سے اس بوڑھے نے جو کچھ آپ نے میرے بارے میں فراست کی تھی۔ بیان کیا میں نے جان لیا کہ یہی صدیق ہے

حضرت عثمانؓ کے پاس صحابہ کرام میں سے ایک شخص آیا اس نے راستے میں ایک عورت کو اور اس کے حسن و جمال کو غور سے دیکھا تھا۔ حضرت عثمان نے فرمایا۔ تم میں سے بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں۔ ایسی حالت میں کہ زنا کا اثر ان کی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے (راوی کہتا ہے) میں نے کہا کیا حضورؐ کے بعد بھی وحی آسکتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں، لیکن یہ بصارت ہے، دلیل ہے، اور سچی فراست ہے یہ فراست کی شان ہے۔ ایک نور ہے جسے اللہ تعالےٰ دل میں ڈال لیتے ہیں دل میں ایک بات آتی ہے۔ تو خارج میں بھی وہی ہوتا ہے جو دل میں آتا ہے، پھر یہ نور دل سے آنکھ کی طرف آتا ہے، اور آنکھ وہ کچھ دیکھتی ہے۔ جسے دوسرے نہیں دیکھ سکتے۔

فصل ۱۴۳

"نصیحت اور غیبت میں فرق"

نصیحت سے ایک مسلمان کو مبتدع، فتنہ پرداز، مفسد اور فاسق انسان سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ ایسا آدمی جب تعلقات پیدا کرے یا کسی معاملے کے بارے میں مشورہ کرے تو وہ اس سے باخبر ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا تھا۔ جبکہ اس نے معاویہ، اور ابی جہم کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں آپ سے مشورہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، معاویہ فقیر ہے اور ابی جہم ایسا شخص ہے جو اپنی لاٹھی کو کندھے سے اتارتا ہی نہیں۔ جب غیبت نصیحت کے طور پر اللہ اور رسول کے لئے اور مسلمان بندوں کے فائدے کے لئے ہو تو یہ من جملہ حسنات کے ہے۔ اور اگر غیبت مسلمان بھائی کی مذمت کے طور پر ہو تو یہ ایک مہلک بیماری ہے اور نیکیوں کے لئے آگ ہے۔ جو نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے۔ جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

فصل ۱۳۴

"ہدیہ اور رشوت میں فرق"

راشی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق کو باطل کیا جائے یا باطل کو حق کیا جائے یہی وہ راشی ہے۔ جسے حضور نے ملعون ٹھہرایا ہے۔ اگر کسی نے اپنے نفس سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے رشوت دی تو پھر لعنت صرف مرتشی کے لئے مخصوص ہو گی۔ اور۔ ہدیہ دینے والے کا مقصد، دوستی، معرفت و احسان کا بڑھانا ہوتا ہے۔ پھر اگر اس کا مقصود اس سے مکافات ہو تو یہ معاوضہ ہے۔ اور اگر فائدہ مقصود ہو تو وہ زیادتی کا طالب ہے۔

فصل ۱۳۵

"صبر اور قسوت میں فرق"

صبر ایک کسبی عادت ہے۔ جس سے انسان متخلق ہوتا ہے۔ صبر کہتے ہیں نفس کو جزع فزع اور شکوے سے روکنا۔ انسان نفس کو ناراضگی سے، زبان کو شکوے سے، اور جوارح کو ان افعال سے جنہیں نہیں کرنا چاہیئے روکے رکھے دراصل احکامات شرعیہ و قدریہ پر ثبات کا نام صبر ہے۔

قساوت یہ ہے، کہ دل میں خشکی اور غلظت آجائے جو انسان کو نیک افعال کے کرنے اور ان سے متاثر ہونے سے روک دے۔ اس کی تحقیق اس طرح سمجھ لیجئے کہ دل تین قسم کے ہیں۔ سخت دل، غلیظ دل اور رقیق دل۔ پہلی دونوں اقسام ناقص ہیں۔ صحیح و سالم دل وہ ہے جو رقیق ہو۔ یہ بہت ہی صاف ہوتا ہے، وہ اپنی صفائی کی بنا پر حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔ اور اپنی رقت کی بنا پر ان سے متاثر ہوتا ہے۔ اور اپنے ٹھوس پن کی بنا پر دشمن سے مقابلہ کرتا ہے۔ سر زمین پر اثر قبول کرنے کے لئے قلوب خدائی برتن ہیں۔ خدا ان میں

میں سے اسے پسند فرماتے ہیں جو رقیق ہو، ٹھوس ہو، اور صاف ہو۔ یوں سمجھ لیجئے۔ کہ یہ شیشے کی مانند ہے۔ شیشے میں یہی تین صفتیں ہوتی ہیں، اور اللہ کے ہاں مبغوض دل سخت دل ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ۔	افسوس ہے ان لوگوں پر جن کے دل ذکر الٰہی سے سخت ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذالک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ۔	پھر تمہارے دل اس کے بعد پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے،

اور فرمایا:۔

لیجعل ما یلقی الشیطان فتنۃ للذین فی قلوبھم مرض والقاسیۃ قلوبھم۔	تاکہ القائے شیطانی کو بیمار اور سخت دلوں کے لئے فتنہ بنا دے۔

دونوں دلوں کا ذکر فرمایا ہے جو اعتدال سے نکلے ہوئے ہیں۔ ایک اپنی بیماری کی بنا پر اور دوسرا اپنی قساوت کی وجہ سے، اور ایسے دل والوں کے لئے القائے شیطان کو فتنہ قرار دیا ہے۔ تیسری قسم کے دل والے کے لئے رحمت ہے۔ وہ صاف دل ہے، جو اپنی صفائی کی بدولت القائے شیطان اور القائے ملک میں تمیز کر سکتا ہے اور اپنی رقت کی وجہ سے حق کو قبول کرتا ہے۔ اور ٹھوس پن کی بنا پر نفوس باطلہ سے لڑتا ہے، اسی کے بارے میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق من ربک فیؤمنوا بہ فتخبت لہ قلوبھم وان اللہ لھادی الذین آمنوا الی صراط مستقیم۔	تاکہ عالم لوگ جان جائیں کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو اس پر ایمان لے آئیں۔ اور ان کے قلوب اس کے سامنے جھک جائیں اور اللہ مومنوں کو ہدایت کرنے والا ہے سیدھے راستے کی طرف

فصل ۱۳۶

"عفو اور ذلت میں فرق"

عفو کہتے ہیں انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود اپنے حق سے، جود، کرم، اور احسان کی بنا پر دست بردار ہو جانا ایسی حالت احسان اور اچھے اخلاق کی طرف راغب کرتی ہے بخلاف ذلت کے کیونکہ ذلیل آدمی انتقام کو عجز و خوف کی بنا پر چھوڑتا ہے۔ یہ مذموم وصف ہے۔ محمود نہیں ہے۔ شاید حق پر انتقام لینے والا اس سے اچھے حال والا ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون۔	اور وہ لوگ جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے۔ تو وہ اپنی مدد کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو اپنی قوت سے اپنے نفسوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور اُن کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ ایسے شخص پر انتقام لینے کی قدرت حاصل کر لیتے ہیں۔ جس نے اُن سے برائی کی ہے۔ تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں عفو اور درگذر جیسی شریف عادت کی طرف بلایا ہے۔ فرمایا ہے

وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ انہ لا یحب الظالمین۔	برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے تو جو معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ پر ہے اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت میں تین مقاموں کا ذکر فرمایا ہے، ایک عدل اور اس کی اباحت کا، دوسرے احسان و فضل کا اور اس کی طرف دعوت بھی دی ہے۔ تیسرے ظلم کا اور اسے حرام قرار دیا ہے اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کی اپنے نفسوں کی مدد کرنے اور معاف کرنے، میں کیوں تعریف فرمائی ہے، حالانکہ یہ دونوں باتیں یعنی انتصار نفس اور عفو ایک۔ دوسرے کے منافی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی تعریف انتقام لینے پر نہیں کی۔ بلکہ ان کی تعریف انتصار پر کی ہے۔ یعنی ان میں ایسی قدرت و قوت ہے۔ جو ان

کا حق انہیں دلا سکتی ہے۔ پھر جب وہ انتقام پر قادر ہو گئے تو انہیں عفو کا درس دیا ہے اس آیت کے بارے میں بعض سلف نے کہا ہے، کہ وہ لوگ ذلت کو برا جانتے تھے جب وہ انتقام لینے پر قادر ہو گئے، اور انہوں نے معاف کر دیا، تو اس معافی پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی ہے۔ اور ذلت، عجز، و اہانت کی بنا پر عفو کرنے پر تعریف نہیں فرمائی۔ یہی وہ کمال ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذاتِ مقدسہ کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ فرمایا ہے وکان اللہ عفوًا قدیرًا۔ واللہ غفورٌ اللہ بخشنے والا قدرت والا ہے۔ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حاملین عرش چار ہیں، دو یہ کہتے رہتے ہیں،،

سبحانک اللھم ربنا و بحمدک لک الحمد علی حلمک، اور دوسرے یہ کہتے رہتے ہیں

سبحانک اللھم ربنا و بحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدرتک

اسی لئے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم،، یعنی اگر تو انہیں بخش دے تو بخشے گا اپنی عزت کی بنا پر جو کہ کمالِ قدرت ہے اور حکمت کی بنا پر جو کہ کمال ہے علم کا۔ تو نے ان کے اعمال کو جانتے ہوئے بخش دیا جبکہ تیری قدرت نے انہیں اپنے گھیرے میں بھی لے رکھا تھا۔ مخلوق کا عفو ایسا ہے کہ اس کی ظاہری شکل تو ذلت سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن اس کی باطنی صورت عزت اور ہیبت سے بھرپور ہے، اور انتقام کی ظاہری شکل عزت نظر آتی ہے اور اس کی باطنی شکل ذلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ معافی سے عزت کو بڑھاتا ہے۔ اور جس نے اپنے نفس کے لئے انتقام لیا وہ انجام کار ذلیل ہوا۔ اسی لئے حضورؐ نے کبھی کسی سے بھی اپنے نفس کے لئے انتقام نہیں لیا۔ اللہ سبحانہ کے قول، فبذلتھما دون میں غور کیجئے، کہ اس سے یہ بات سمجھ میں آ رہی ہے کہ ان میں انتقام کی وہ قدرت و قوت پائی جاتی ہے۔ جس سے وہ اپنے نفوس کی خود مدد کر سکتے ہیں۔ کسی دوسرے کی مدد کے محتاج نہیں ہیں۔

انتصار کی پوزیشن یہ ہے کہ اس میں انسان حدِ اعتدال پر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ تجاوز

کا امکان رہتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے مماثلت و مساوات کو روا رکھا اور زیادتی کو حرام ٹھہرایا اور معاف کرنے کی دعوت دی۔ مطلب یہ ہے کہ عفو، نفسِ مطمئنہ کے اخلاق سے ہے۔ اور ذلت، نفسِ امارہ کے اخلاق سے ہے۔ .. ..

.. ..

خلاصہ یہ کہ، انتقام ایک شئی ہے اور انتصار دوسری شئے ہے انتصار یہ ہے کہ اللہ کے حق کی وجہ سے مدد کرے۔ اس کی طاقت اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ جو ذلت سے خلاصی پا جائے۔ اور خواہشات کو زیر کر دے۔ پھر اس وقت وہ عزت کے اس حصے کو پا لیتا ہے جو اللہ نے مومنوں کے لئے تقسیم فرمایا ہے۔ جب اس پر کوئی بغاوت کرتا ہے تو وہ اللہ کی دی ہوئی عزت کی بنا پر اپنی مدد کرتا ہے۔ اس غیرت کی بنا پر جس کی نسبت اللہ تعالےٰ سے ہے۔ جو اس پر بغاوت کرتا ہے۔ وہ اس سے کہتا ہے، میں اس کا مملوک ہوں جس کا مملوک ذلیل نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ کوئی بلا وجہ ذلیل ہو۔ مگر جب نفسِ امارہ کا غلبہ ہو تو وہ اپنے اصول پر قائم رہتا ہے۔ اور ذلت کی وجہ سے اپنے باغی پر کامیابی، انتقام و انتصار کی طلب نہیں کرتا۔ لیکن نفسِ مطمئنہ جس نے ذلت کے پھندے کو پھینک دیا ہو، توحید کی عزت سے اپنی خواہش کو رقیق کیا ہو اور رب تک رسائی پائی ہو۔ جب اسے کسی کی طرف سے بغاوت لگتی ہے تو وہ حمیت کی بنا پر انتصار کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس عزت کی نصرت کے لئے جو اللہ نے اسے دی ہے کمر بستہ ہو جاتا ہے۔

مثلاً کسی کسان کے دو غلام ہیں۔ ایک غلام نے دوسرے کو مارا۔ مضروب نے اسے معاف کر دیا۔ بنا بر شفقت کے تاکہ مالک اس پر ناراض نہ ہو اور مالک سزا دینے سے بچ جائے۔ لہٰذا مالک نے اس کی معافی کا شکریہ ادا کیا اور وہ اس کے دل میں جگہ کر گیا ایک دوسرا غلام ہے، جسے اس کے مالک نے اچھے خوبصورت کپڑے دیئے ہیں۔ کہ وہ انہیں پہن کر اس کے سامنے کھڑا رہے۔ اگر کوئی شخص اس کے کپڑوں کو گندگی سے گندا کر ڈالے یا کھینچ کر پھاڑ ڈالے تو اگر یہ غلام اس شخص کو معاف کر دے تو اس

کی معافی اس کے آقا کی رائے اور محبت کے موافق نہیں ہوگی، بلکہ اسے انتصار (یعنی بدلہ لینے کے لئے نفس کی مدد کرنا) زیادہ محبوب ہوگا اور اس کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ گویا کہ اس کا آقا یہ کہیگا۔ کہ اس نے تیرے ساتھ یہ معاملہ ہم پر جرأت کرتے ہوئے اور ہماری توہین کرتے ہوئے کیا ہے۔ لہٰذا وہ یہی چاہیگا کہ اسے قدرت حاصل ہو کہ وہ اس سے انتقام لے۔ کیونکہ اس کا آقا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ غلام کو اپنے نفس کے لئے سزا نہ دے۔ مگر اس سے اپنے آقا کا حق لے۔

اس وقت یہ انتصار محض اس کے آقا کا حق ہو جائے گا۔ اس نوکر کے لئے نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ ایک آدمی کے پاس سے گذرے اس نے آپؓ سے فریاد کی اور کہا کہ یہ شخص میرا حق نہیں دیتا، آپؓ نے حریف سے فرمایا۔ اس کا حق دے دے جب آپؓ اُن سے آگے بڑھ گئے تو ظالم پھر جھگڑنے لگا، اور اس نے حقدار کے تھپڑ دے مارا، اس نے حضرت علی سے فریاد کی حضرت واپس آئے اور فرمایا۔ تیرا فریاد رس آ گیا ہے۔ ظالم سے کہا آگے آؤ، حقدار نے کہا امیر المومنین میں نے معاف کر دیا ہے، حضرت علیؓ نے ظالم کے سات دُرّے لگائے اور فرمایا جس کو تو نے تھپڑ مارا اس نے تو تجھے معاف کر دیا۔ اور یہ شاہی حق ہے۔

دیکھو حضرت علیؓ نے اس شخص کو سزا دی جس نے خدا کے بادشاہ پر جرأت کی اور اُسے نہ چھوڑا۔ یہ واقعہ اس شخص کے قصہ سے ملتا جلتا ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا اور سواری کے لئے جانور مانگا۔ اور کہا قسم بخدا میں آپ سے اور آپ کے بیٹے سے زیادہ اچھا شہسوار ہوں، وہاں حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اپنی زرہ اس شخص کے منہ پر دے ماری۔ اس کی ناک سے خون جاری ہو گیا۔ تو اس کی قوم حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئی اور مطالبہ کیا کہ مغیرہ کو ہمارے حوالے کیا جائے آپؓ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کی اہانت کرنے کے جرم میں قید کرونگا مغیرہ کی وجہ سے نہیں۔

اس معاملہ میں بھی حضرت ابوبکرؓ نے یہی دیکھا کہ یہ مغیرہ کی طرف سے انتصار ہے اور

اللہ کے لئے غیرت ہے اور اس عزت کی حمایت ہے۔ جو اللہ نے خلیفۃ الرسول کو دی ہے۔ تاکہ وہ اس عزت سے خلافت کے امور اور اقامتِ دین جیسے فرائض کو اچھی طرح نبھا سکیں۔
حضرت مغیرہ نے بھی اسے اسی لئے مارا تھا کہ اس نے اللہ کی عزت اور شاہی پر جرأت کی تھی اور اس عزت پر جرأت کی تھی۔ جو اللہ تعالےٰ نے رسول، اور اسکے خلیفہ کو دی تھی یہ بھی ایک رنگ ہے۔ اور نفسِ امارہ کی حمیت کے لئے بھی ایک رنگ ہے

فصل ۱۳۷

"سلامتیٔ دل، بیوقوفی اور غفلت میں فرق"

سلامتیٔ قلب شر کو جاننے کے بعد اس کا ارادہ نہ کرنے سے ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے دل کو شر کے ارادے اور قصد سے سالم رکھتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ جانتا نہیں ہے بخلاف بیوقوفی اور غفلت کے۔ کیونکہ یہ جہالت اور قلبِ معرفت سے ہوتی ہے یہ کوئی اچھی قابلِ تعریف بات نہیں ہے۔ بلکہ عیب ہے۔ لوگ سلامتیٔ قلب والے کی تعریف کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس سے مامون رہتے ہیں۔ کمال اس میں ہے کہ دل شر کی تمام تفاصیل سے واقف ہو اور پھر بھی شر کے ارادے سے سالم رہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ "لست بمخب ولا یخدع عن الخب" حضرت عمرؓ بہت پرہیزگار عقل مند تھے، دھوکہ نہیں کھا سکتے۔ نہ کسی کو دھوکہ دیتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔	جس دن نفع نہیں دے گا مال اور بیٹے مگر جو اللہ کے پاس سالم دل لے کر آئے۔

سلیم سے مراد وہ شخص ہے جس کا دل ان آفات سے سالم ہو جو مریض دل کو لگتے ہیں جیسے شبہ کی بیماری جو ظن کا اتباع کرواتی ہے۔ اور شہوت کی بیماری جو نفسانی خواہشات کی پیروی کرواتی ہے، قلبِ سلیم وہی ہے۔ جو ان سب سے سالم رہے۔

فصل ۱۳۸

"ثقاہت و فریب میں فرق"

ثقاہت اس سکون کا نام ہے جو دلائل و علامات سے حاصل ہو جنہیں دیکھ کر دل مطمئن ہو جائے۔ جس قدر وہ علامات قوی ہوں گے۔ اتنا ہی یقین بھی قوی ہو گا۔ خاص کر وہ یقین بہت قوی ہو گا۔ جس کے ساتھ بہت سے تجربات اور صدقِ فراست ہو۔ اصل میں وثاق کہتے ہیں۔ بندھن کو، گویا کہ دل اس ذات کے ساتھ بندھ جاتا ہے جس پر وہ یقین اور بھروسہ کرتا ہے۔ اور اس کے متعلق اچھا گمان رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ اس کی محبت اس کے معاملے، اور اس پر اعتماد کے وثوق میں ہو گیا۔ جب دل اللہ کی طرف ہو جاتا ہے۔ دنیا سے منقطع ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کی محبت میں قید ہو جاتا ہے، تو وہ عبودیت کے بندھن میں آ جاتا ہے، پھر کوئی مصیبت اسے گھبرا نہیں سکتی اور نہ ہی اللہ کے سوا اس کا کوئی مادی و ملجا ہوتا ہے۔ اللہ ہی اس کا مشکلات میں ذخیرہ اور بلیات میں ملجاء، اور اس کی ضروریات میں مستعان بن جاتا ہے۔

رہا فریب سو یہ فریب خوردہ شخص کی اس حالت کا نام ہے۔ جس کو نفس، شیطان اور رب کے ساتھ اس کی جھوٹی تمنائیں دھوکے میں ڈال دیں۔ وہ اپنے نفس کی پیروی کرے، اور اللہ تعالیٰ سے جھوٹی تمناؤں کی تمنا کرے۔ اور ایسی جگہ سے نفع کی امید کرے جہاں سے بھلائی نہ آتی ہو، یہ اس فریب خوردہ شخص کی طرح ہے۔ جو دور سے صحرا کی ریت کو دیکھ کر پانی کا گمان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئاً ووجد اللہ عندہ فوفاہ حسابہ واللہ سریع الحساب" اللہ تعالیٰ نے فریب خوردہ اشخاص کے بارے میں فرمایا ہے۔

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا	آپ کہہ دیجئے کیا میں تمہیں بتا دوں کہ ٹوٹے میں
الذین ضل سعیھم فی الحیوٰۃ	کون ہیں، وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیوی

الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔	زندگی میں کھپ گئیں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بھلائی کر رہے ہیں۔

ان کے سامنے سے جب پردہ ہٹے گا۔ اور معاملات کے حقائق ثابت ہو جائینگے۔ پھر انہیں معلوم ہوگا کہ وہ کسی بھی چیز پر قائم نہ تھے، اور اللہ کی طرف سے ان کے لئے ایسی چیزیں ظاہر ہونگی۔ جن کا انہیں گمان تک بھی نہ تھا۔ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، جب تم دیکھو کہ اللہ سبحانہ کی نعمتیں تم پر زیادہ ہو رہی ہیں اور تم برابر نافرمانی میں لگے ہوئے ہو، تو اس سے ڈر جاؤ، کیونکہ یہ ایک ڈھیل ہے جو تمہیں دی جا رہی ہے، قرآن میں غور کیجئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیئ حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون "یہ بڑا ہی فریب ہے۔ جب تم دیکھو کہ اس کی نعمتیں پے در پے ہو رہی ہیں اور تم برابر وہ کام کر رہے ہو جنہیں وہ برا سمجھتا ہے تو سنبھل جاؤ دیکھو شیطان فریب دینے والا ہے اور نفس دھوکہ کھانے والا ہے۔ جب رائے اور سرکشی جمع ہو جائیں، رائے محتاج ہو۔ اور شیطان دھوکہ باز ہو اور نفس دھوکہ کھانے والا ہو۔ تو پھر ان میں کوئی اختلاف نہیں رہتا شیطان و نفس خدا سے دور کرنے کیلئے) فریب دیتے ہیں، اور لالچ دلاتے رہتے ہیں کہتے ہیں پھر توبہ کر لینا اور ان چیزوں پر قائم رکھتے ہیں۔ جن سے خدا ناراض ہو۔ تاکہ انسان بری حالت پر مرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وغرتکم الامانی حتی جاء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور	تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں مبتلا رکھا حتی کہ امر الٰہی آ پہنچا اور فریب نے تمہیں اللہ کے ساتھ دھوکے میں ڈالے رکھا۔

اور فرمایا ہے:-

ان وعد اللہ حق فلا تغرنکم الحیوۃ الدنیا ولا یغرنکم باللہ الغرور"	بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے لہذا تمہیں دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈال دے اور اللہ کے ساتھ فریب دینے والے میں نہ ڈالدے

لوگوں میں سب سے بڑا فریب خوردہ وہ ہے جس پر خدا کا فضل اور رحمت ہو۔ اور وہ کہے یہ سب کچھ میرے لئے ہے، یعنی میں اس کا اہل اور مستحق ہوں، اور کہے میرا تو یہ خیال ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے یہ گمان کیا کہ وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے کے باوجود بھی اس کی نعمتوں کا اہل ہے۔ پھر اپنے فریب میں اور بڑھ گیا، اور کہا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا بھی تو میرے لئے اس کے پاس اچھائی ہی ہے۔ یعنی جنت اور بہتری ہے ایسے ہی اللہ کے ساتھ فریب لگتا ہے، اور شیطان اپنے وعدوں اور تمناؤں سے فریب لاتا ہے۔ اور دنیا اور نفس کے ذریعے سے فریب دینے میں مدد کرتا ہے۔ انسان کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔

فصل ۱۳۹

امید اور تمنا میں فرق

امید، پوری کوشش کرنے، ظفر اور کامیابی کے تمام اسباب سے عہدہ برآ ہونے کا نام ہے۔ تمنا یہ ہے کہ انسان کسی چیز کی خواہش کرے اور اس چیز کے حصول کے اسباب کو بھی چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان الذین آمنوا والذین ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمت اللہ"

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے راہ خدا میں جہاد کیا یہ لوگ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔

ان لوگوں کے سوا دوسروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے امید کی چادر کو تہہ کر لیا ہے۔ وہ لوگ دھوکے میں ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے اوامر کو ضائع کر دیا۔ منہیات کا ارتکاب کیا، اُن افعال کو کیا جو خدا کی ناراضی کا موجب تھے۔ اور اُن افعال سے دور رہے جو اُس کی رضا کا سبب تھے، پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں یہ ان کے لئے کوئی نیا نفسانی یا شیطانی فریب نہیں ہے۔ امید تو وہ بندہ کرتا ہے جس کا دل ایمان باللہ، اور آخرت پر ایمان لانے سے بھرا ہوا ہو۔ تو وہ اپنی آنکھوں کے

سامنے اس کی مثال دیکھتا ہے جو اللہ تعالےٰ نے اُس سے وعدہ فرمایا ہے (یعنی جنت اور اپنی بزرگی کا) اُس کا دل ان چیزوں کے شوق میں حرص کی وجہ سے کھینچتا ہے بالکل ایسے جیسے کوئی اپنی مطلوبہ شیئ کی طرف گردن کھینچ کھینچ کر دیکھتا ہے۔ صحیح امید کی علامت یہ ہے کہ امیدوار جنت کے ہاتھوں سے نکل جانے سے ڈرتا ہے۔ اور خوف کھاتا ہے کہ کہیں کسی امر کے ترک سے یہ چیز چلی نہ جائے۔ اور اس بات سے بھی ڈرتا ہے۔ کہ جنت کے دخول اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو جائے۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کسی شریف عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا ہو۔ اور وہ عورت منصب و شرف میں اپنے خاندان میں یکتا ہو۔ پھر جب نکاح کا وقت قریب آجاتا ہے۔ اشراف و اکابر کا اجتماع ہوتا ہے تو اس آدمی کے دل میں اس دن کی بہت اہمیت ہوتی ہے۔ وہ مجلس نکاح میں حاضر ہونے کے لئے تیاری کرتا ہے کہ اسے وہ عورت اور اکابر دیکھیں گے، وہ پورے نہاک سے اپنی تیاری اور زیب و زینت میں لگ جاتا ہے۔ لمبے لمبے بال کٹوا دیتا ہے۔ صفائی کرتا ہے، خوشبو لگاتا ہے خوبصورت کپڑے پہنتا ہے۔ پھر اس کے گھر کی طرف جاتا ہے۔ راستے کی گندگی، غبار اور دھوئیں وغیرہ سے بچتا ہے۔ اور بڑی احتیاط کرتا ہے۔ جب وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے، تو گھر کا مالک اُسے مرحبا کہتا ہے۔ اور گھر کے اندر اسے اچھی جگہ دیتا ہے اور گاؤ تکیہ لگا کر منہ پر بٹھاتا ہے۔ ہر طرف سے اس کی تعظیم کے لئے نگاہیں اٹھتی ہیں۔ لیکن گروہ زیب و زینت کرنے کے بعد کسی گندی میں کچیلی جگہ پر چلا جائے یا اپنے بدن اور کپڑوں کو گندہ کر دے اور اپنے بالوں میں گندگی ڈال لے۔ پھر اسی حالت میں اس کے گھر پر جائے اور اس وعدے کی بنا پر جو اس سے ہوا ہے اندر داخل ہونے کی کوشش کرے تو دروازے کا چوکیدار اُسے پیٹنے لگ جائیگا، دھکے دیگا اور چیخ چیخ کر اسے اپنے دروازے سے دھکا دیگا۔ تو وہ حیران ہو کر مایوسی کے عالم میں واپس لوٹیگا پہلی حالت، امیدوار کی سی ہے، اور دوسری حالت تمنا کرنے والے کی سی ہے۔

میں اور دو شخصوں کی مثال دیتا ہوں جو ایک بادشاہ کے دربار میں ہیں جو بڑا

غیور اور امانت دار ہے کسی کے حق کو ضائع نہیں کرتا۔ وہ لوگوں کے ساتھ پردے کے پیچھے معاملات کرتا ہے۔ اسے کوئی بھی نہیں دیکھتا، لیکن اس کے غلام، لونڈیاں، اسبابِ تجارت وغیرہ سب اس کے عمل میں بالکل ظاہر ہیں کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ ان میں سے ایک ایسا شخص ہے جو ہمیشہ سچائی، امانت، اور دیانت کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا رہتا ہے اس نے کبھی بھی اس کے ساتھ مکر و فریب یا دھوکہ نہیں کیا۔ اُس کے سامان تجارت کو بیچا اور اس کے پڑوسیوں اور غلاموں کا اعتماد حاصل کیا۔ جن کا اعتماد حاصل کرنا ضروری تھا جب کبھی وہ بادشاہ کے لئے کوئی چیز لایا تو اچھی اور خوبصورت لایا جس کو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اور اپنی پوری کوشش صرف کی اور اس کے باطن کو اس کے ظاہر سے بھی زیادہ خوبصورت بنایا۔ اور جو معاملہ بھی اس کے سپرد کیا گیا۔ وہ اس نے خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ مگر دوسرا شخص اس کے پاس خراب خراب چیزیں لے کر آیا۔ جن کو اس نے صاف تک نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی اپنے معاملے میں بادشاہ کا اعتماد حاصل کیا نہ شاہی مترجم اور اس کے سفیر کے کہنے پر چلا بلکہ اپنی خواہش کے مطابق چلتا رہا۔ اور بادشاہ کے گھر میں رہ کر اس کی خیانت کرتا رہا جب بھی وہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہو جاتا لالچ اُسے خیانت کرنے پر مجبور کرتی، اس کے نزدیک بادشاہ کی حرمت یہی تھی۔ کہ وہ معاملات کو خراب کرے اور ہر وہ کام کرے۔ جس سے بادشاہ ناراض ہو۔ ایک عرصہ تک وہ اسی طرح کرتا رہا۔ پھر ایک دن اس سے کہا گیا کہ آج بادشاہ آئے گا، اپنے کام کرنے والوں کو دیکھے گا۔ اُن سے حساب کریگا اور عقلمندوں کو اُن کے حقوق دیگا۔ تو یہ دونوں آدمی بادشاہ کے روبرو حاضر ہوئے اور جو جس کا مستحق تھا اس نے وہی اُسے دیا،

ان دونوں مثالوں کو غور سے دیکھئے، حقیقتِ واقعہ ان کے مطابق ہے۔ حقیقی امید وہ ہے کہ جنت اس کا نصب العین اور اس کی امید و آرزو ہو۔ اس کا دل اس کی طرف کھنچتا ہو۔ اور اس کے حصول کے لئے سعی کرتا ہو۔ امید دل کی کھچاوٹ اور اس کے میلان کو کہتے ہیں۔ محبوب کی طرف دل کی کھچاوٹ ہر اس چیز سے دور کر دیتی ہے جو محبوب سے جدا کرے۔ محبوب سے دور کرنے والا نفس امارہ اور اس کے اسباب

اور دواعی ہیں، یہ امتداد، میل، اور خوف نفسِ مطمئنہ کی شان ہے، کیونکہ جب دل کی بصیرت کھل جاتی ہے۔ تو وہ آخرت کو اور ان چیزوں کو جنہیں اللہ تعالےٰ نے اہل طاعت و اہل معصیت کے لئے تیار کیا ہے۔ دیکھ کر ڈر جاتا ہے، اللہ اور آخرت کی طرف رجوع کرتا ہے پہلے وہ نفس کی جانب لگا ہوا تھا۔ اور نفس شہوات اور دنیا کی جانب لگا ہوا تھا۔ مگر جب اس کی نظروں سے نفسانی خواہشات کا پردہ اٹھا تو وہ ڈر گیا۔ اور اللہ کے قرب کا طالب ہو گیا۔ جو جنت میں اسے ملے گا۔

یہیں سے ہر ڈرنے والا امیدوار اور ہر امیدوار ڈرنے والا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ان میں سے ہر ایک کا نام دوسرے پر بولا جانے لگا۔ کیونکہ امیدوار کے دل کی بھی قریباً وہی حالت ہوتی ہے جو ڈرنے والے کے دل کی ہوتی ہے۔ امیدوار نے اپنے دل کو نفس و شیطان کی مجاورت سے روکا اور اللہ کی طرف رجوع کیا، اللہ نے جنت میں اس کے لئے ایک محل بنا کیا ہے، وہ اس کی طرف جانے کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتا ہے جب تک کہ اس کا دل اس کے پہلو میں رہتا ہے۔ اور ڈرنے والا بھی نفس و شیطان کی مجاورت سے بھاگتا ہے۔ ان کی قید سے اللہ کی جانب ملتجی ہوتا ہے۔ تاکہ آخرت میں ان کی قید میں نہ رہے۔ کیونکہ ہر انسان دنیا و آخرت میں اپنے دوستوں کے ساتھ ہو گا۔ جب اس نے وعید کو سنا، تو دونوں عالموں، یعنی عالم دنیا و آخرت کے برے پڑوسیوں سے دور ہو گیا۔ بایں معنی اسے خائف کہا گیا جب اس نے اللہ کے وعدے کو سنا، اور اس کے لئے شوق کو بڑھایا۔ اور اس پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے خوش ہوا تو اس لحاظ سے اسے امیدوار کا نام دیا گیا۔

ان دونوں کی حالتیں ایک دوسری کو لازم ملزوم ہیں۔ ہر امیدوار ان چیزوں کے چھوٹ جانے سے خوف کرتا ہے۔ جن کی وہ اللہ سے امید کرتا ہے۔ اسی طرح خائف ان چیزوں سے امن چاہتا ہے جن سے ڈرا جاتا ہے۔ اس لئے یہ دونوں نام اس پر بولے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مالکم لا ترجون للہ وقارا" مفسرین نے اس کی تفسیر میں کہا ہے۔ لا تخافون للہ عظمۃ" یعنی عظمت کی بنا پر اللہ سے تمہیں

ڈرتے۔ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے امید کو لپیٹ لیا ہے۔ مگر ان لوگوں سے جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تفسیر میں فرمایا ہے

ذو شعب واعمال ظاهرة وباطنة" | اس کے بہت سے شعبے اور ظاہری و باطنی اعمال ہیں

اور ہجرت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے انہیں چھوڑ دے اور جہاد کی تفسیر میں فرمایا ہے، کہ اللہ کے لئے نفس سے جہاد کرنا، آپ کے الفاظ یہ ہیں

المهاجر من هجر ما نهى الله عنه والمجاهد من جاهد نفسه في ذات الله۔ | مہاجر وہ ہے جو منہیات کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہے جو ذات خداوندی کے لئے اپنے نفس سے جہاد کرے۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل رجا یعنی امید وار انہیں ٹھیرایا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی، اور جہاد کیا۔ ان کے سوا دوسرے لوگوں کو "اہل رجا" یعنی امید وار ہونے کے زمرے سے خارج کر دیا ہے

آرزوئیں، مفلسوں کے لئے راس المال ہیں۔ جنہیں وہ امیدوں کے قالب میں ڈھالتے رہتے ہیں۔ یہ آرزوئیں اس دل سے نکلتی ہیں۔ جس پر نفس کے وسوسوں کا دباؤ پڑتا ہے تو دل ان وسوسوں کے دھوئیں سے تاریک ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ دل کو اپنی خواہشات کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور اس کو حسن عاقبت، نجات، عفو، مغفرت فضل، اور کرم کی امید دلاتا ہے۔ کہتا ہے اللہ کریم ہے اور کریم اپنے حقوق و واجبات کو پورا نہیں کراتا۔ بلکہ گناہ اسے کوئی ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ اس کو وہ امید کا نام دیتا ہے حالانکہ یہ تو وسوسے ہیں اور جھوٹی آرزوئیں ہیں، جنہیں نفس دل کی طرف پھینکتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

لیس بامانیکم ولا امانی اهل الكتاب من يعمل سوءً يجز به ولا يجد له من دون الله ولیا ولا نصیرا | نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہوگا نہ اہل کتاب کی، جو برا کام کرے گا اور سوائے خدا کے کسی کو مددگار نہیں پائے گا۔

جب بندہ حق جل شانہٗ کی دوستی اور نصرت کو چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی

اس بندے کی ولایت و نصرت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور نفس و شیطان کو اس کے لئے دوست بنا دیتے ہیں پھر یہ دونوں اس کے دوست ہو جاتے ہیں۔ اللہ اور رسول کی مدد کرنے کی بجائے یہ شخص نفس اور شیطان کی مدد کرتا ہے۔ اس کے لئے امید کی کوئی جگہ نہیں رہتی لہٰذا جب نفس تم سے یہ کہے کہ میں امید کے مقام میں ہوں تو اس سے دلائل و براہین طلب کرو، اور کہو کہ یہ تو آرزوئیں ہیں۔ اگر تو سچا ہے تو دلیل لا۔ دانا انسان، لالچ اور امید کی بنا پر نیک اعمال کرتا ہے، اور احمق عاجز انسان نیک اعمال کو چھوڑ دیتا ہے، اور خالی آرزوؤں پر بھروسہ کرتا ہے۔ جنہیں وہ امید کا نام دیتا ہے، واللہ الموفق،

فصل ۱۴۰

"اللہ کی نعمت کو بیان کرنا اور اس پر فخر کرنا"

نعمت کو بیان کرنے والا، اس کے دینے والے کی صفات کو بیان کرتا ہے۔ اس کے جود و احسان کی خبر دیتا ہے۔ وہ اس کا اظہار کر کے اس کی تعریف کرتا ہے، لہٰذا نعمت کا بیان کرنا اس کا شکر کرنا ہے کیونکہ اس سے مقصود اللہ کی صفات کو ظاہر کرنا اور خدا کی حمد و ثنا کرنا ہوتا ہے، اور نفس کو اس بات پر بھڑکانا ہوتا ہے کہ وہ اسے اللہ سے طلب کرے کسی اور سے نہیں اور اللہ ہی سے محبت و امید رکھے۔ چنانچہ نفس نعمت کے اظہار و بیان سے اللہ کی طرف رغبت کرتا ہے۔ اور فخر۔ یہ ہے کہ لوگوں سے کہے میں سب سے زیادہ عزت والا اور بڑا ہوں، لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو . . . . . .

. . . . . اور یہ تمنا کرے کہ ان کے دل اس کی طرف جھکیں اور مائل ہوں۔ اس کی تعظیم اور خدمت کریں۔ حضرت نعمان بن بشیر نے فرمایا ہے۔ کہ خدا کی نعمت کو پکڑنا، بندوں پر تکبر کرنا۔ اللہ کے علیہ پر فخر کرنا، اور اللہ کی ذات کے سوا غیر کے سامنے جھکنا یہ شیطان کے جال ہیں

فصل ۱۴۱

"دل اور نفس کی خوشی میں فرق"

دل اور نفس کی خوشی میں فرق ظاہر ہے، اللہ، اس کی معرفت محبت اور کلام کے ساتھ خوشی، دل سے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

والذین آتیناھم الکتاب یفرحون	جنہیں ہم نے کتاب دی وہ خوش ہوتے ہیں
بما انزل الیك،	اس چیز کے ساتھ جو آپ کی طرف اتاری گئی۔

جب اہل کتاب وحی کے ساتھ خوش ہوا کرتے تھے

اولیاء اللہ اور رسول کے متبعین اس کے ساتھ خوش ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذا ما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا فاما الذین آمنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلك	آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کے فضل و رحمت کے ساتھ
فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔	خوش ہوا کرو یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جنہیں تم جمع کرتے ہو"

حضرت ابو سعید خدری رضؓ نے فرمایا ہے، اللہ کا فضل قرآن ہے اور اس کی رحمت یہ ہے کہ تمہیں اس کا اہل بنایا ہے۔ ہلال بن یساف نے فرمایا ہے۔ خدا کا فضل و رحمت اسلام ہے۔ جس کی تمہیں ہدایت کی، اور قرآن ہے جو تمہیں سکھایا جو سونے اور چاندی سے جنہیں تم جمع کرتے ہو بہتر ہے۔ ابن عباسؓ حسنؒ و قتادہؒ اور جمہور مفسرین نے کہا ہے۔ اللہ کا فضل اسلام ہے۔ اور اس کی رحمت قرآن ہے، یہ وہ مسرت قلبی ہے۔ جو کہ ایمان سے ہے۔ اس پر بندے کو ثواب دیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بندے کی فرحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اس پر راضی ہے۔ بلکہ یہ رضا سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ خوشی محبت کی مقدار کے موافق ہوتی ہے۔ خوشی تو محبوب کو پالینے سے

ہی ہوتی ہے، اور اس کی محبت اور اس کے حصول سے خوشی ملتی ہے۔ اللہ، اللہ کے اسماء صفات، رسول، سنتِ رسول، اور اس کے کلام سے فرحت خالص ایمان ہے۔ اللہ کے اسماء صفات، کلام، رسول اللہ کی لقا کے ساتھ دل کا خوش ہونا تمام مطلوبات سے افضل مطلوبہ ہے جو خدا نے عطا کئے ہیں۔ آخرت اللہ اور اللہ کی لقاء کی خوشی اسی مقدار کے مطابق ہوگی۔ جتنی کہ اس کو دنیا میں اللہ سے محبت اور خوشی تھی۔ کیونکہ محبوب تک پہنچنے کی خوشی محبت کی قوت وضعف کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے، یہ شان مسرت تجلی کی ہے۔

دل کے لئے ایک دوسری قسم کی خوشی بھی ہے۔ یہ خوشی اس امر پر ہے کہ خدا اسے اخلاص، توکل، خوف و رجاء وغیرہ کی توفیق دی ہے جب یہ اس کے دل میں گھر کر جاتی ہے۔ تو اس کی فرحت اور قوی ہو جاتی ہے۔ دل کے لئے ایک اور مسرت بھی ہے۔ جو بڑے مرتبے والی اور عجیب شان والی ہے، یہ وہ فرحت ہے جو دل کو توبہ سے حاصل ہوتی ہے یہ ایسی خوشی ہے۔ کہ معصیت کی لذت و فرحت کو بھی اس سے دور کی نسبت نہیں اگر گنہ گار اس بات کو جان لے کہ توبہ کی لذت و فرحت معصیت کی لذت و فرحت سے کئی گنا بڑھ کر ہے تو وہ اس کے لئے اتنی جلدی کرے کہ اتنی جلدی وہ معصیت کی لذت کے لئے بھی نہ کرتا۔ اس خوشی کے بھید کو وہی جانتا ہے جس نے بندے کی توبہ کی وجہ سے خدا کی خوشی کے بھید کو جان لیا،

حضور علیہ السلام نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک آدمی اپنی سواری کو لے کر نکلتا ہے جس پر اس کے سفر کے کھانے پینے کا سامان ہے، وہ اسے ایک ایسی زمین میں گم کر دیتا ہے۔ جہاں ہلاکت کا خطرہ ہے، وہ اس کے ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن نا امید ہو کر بیٹھ جاتا ہے، اور موت کا انتظار کرنے لگتا ہے، حتیٰ کہ جب چاند نکلتا ہے تو وہ اس کی روشنی میں اپنی سواری کو دیکھ لیتا ہے کہ اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے، تو خوشی کی شدت کی بنا پر کہہ دیتا ہے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں، اس نے یہ غلطی خوشی کی شدت کی بنا پر کی

اللہ تعالےٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس سواری والے آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ توبہ کرنے والے کو توبہ سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن یہاں ایک بات پر تنبیہ کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ اس تک رسائی بڑی مشقت، تکالیف، اور مصائب کے برداشت کرنے کے بعد ہوتی ہے۔ ایسی ایسی مشکلات سامنے آتی ہیں جن کے مقابلے میں پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے، ہاں اگر بندے نے اُن کے آگے صبر کیا تو خوشی کی لذت سے بہرہ ور ہوگا، اگر وہ ان کے برداشت کرنے سے کمزوری دکھائیگا اور صبر نہیں کرے گا۔ تو کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا۔ اس کا یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ معصیت سے جو اسے لذت آتی تھی وہ بھی جاتی رہے گا، دونوں باتیں اس سے چھوٹ جائیں گی اب لذت کی بجائے اسے محبوب کے ہاتھ سے جاتے رہنے کی وجہ سے ایک قسم کا مرکب الم ہوگا فالحکم للہ العلی الکبیر"

فصل ۱۴۲

مسرّت عظمیٰ کے بیان میں

ان تمام خوشیوں سے بڑی ایک خوشی اور بھی ہے یہ اس وقت ہوگی۔ جبکہ بندہ دنیا سے جدا ہو کر اللہ کی طرف جائیگا، جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتوں کو بھیجے گا۔ وہ اسے اللہ کی تعارف کی خوشخبری دینگے۔ اور ملک الموت اس سے کہیگا اے پاکیزہ روح جو کہ پاک بدن میں تھی نکل، تجھے رُوح و ریحان کی بشارت ہو، اپنے رب کی جانب جاکہ وہ تجھ پر غضبناک نہیں ہے، تو اللہ سے خوش اور اللہ تجھ سے راضی"

یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی"	اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی جانب لوٹ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ہو جا میرے بندوں میں اور میری جنت میں۔

تائب کے سامنے اگر صرف یہی ایک خوشی ہو، تو عقل اس پر قربان ہو جانے کا حکم دیتی ہے۔ پھر اس خوشی پر انسان کیوں نہ قربان ہو جس کے پیچھے اور بھی کئی قسم کی خوشیاں

ہیں، انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے! کہ زمین و آسمان کے درمیان کے فرشتے اس کی روح کے لئے دعا، مانگتے ہیں، اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور آسمان کے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اور دوسرے آسمان تک پہنچانے کے لئے مقرب فرشتے اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ پھر اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولا جاتا ہے، پھر وہاں اس پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ وہاں کے مقرب فرشتے اسے اگلے آسمان تک لے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہی سلسلہ ساتویں آسمان تک رہتا ہے۔ پھر اس کی خوشی کا کیسے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اُسے اللہ کے حضور میں کھڑا ہونا ہے۔ اسے سجدے کی اجازت دی جاتی ہے۔ وہ سجدہ کرتا ہے پھر اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اسے علیین میں لکھ دو۔ وہاں لے جاؤ، وہ جنت کو، اپنے ٹھکانے کو۔ اور جو نعمتیں اللہ نے اس کے لئے تیار کی ہیں دیکھتا ہے، اپنے دوستوں اور عزیزوں سے ملتا ہے، وہ اس سے بڑے خوش ہوتے ہیں۔ وہ ان سے اس قدر خوش ہوتا ہے، وہ انہیں بڑی اچھی حالت میں دیکھتا ہے۔

یہ تمام خوشیاں سزا کی سے پہلے کی ہیں جبکہ قیامت میں حشر اجساد ہوگا اور وہ عرش کے سائے میں بیٹھے گا۔ حوض کوثر سے پانی پیئے گا اور اپنے اعمالنامہ کو دائیں ہاتھ سے لے گا، اس کا میزان بھاری ہوگا۔ اس کا چہرہ سفید ہوگا، اور اسے نور تمام ملے گا۔ جبکہ لوگ ظلمت میں ہونگے۔ اور وہ بغیر کسی تکلیف کے جہنم کے پل کو پار کر جائے گا پھر جنت کے دروازے پر جائیگا۔ جو اس کے قریب کیا جائیگا، جنت کے دروازے کے دربان اس سے مرحبا و سلام کہتے اور بشارتیں دیتے ہوئے ملیں گے۔ پھر وہ اپنے محلات میں آئیگا، اپنے تختوں مسندوں اور اپنی بیویوں کو دیکھے گا۔ وغیرہ۔ اس کے بعد ایک اور بڑی خوشی ہے۔ جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس کے سامنے یہ تمام خوشیاں ہیچ ہیں۔ یعنی رب کا دیدار اور اس سے ہم کلامی۔

فصل ۱۴۳

"رقتِ قلب اور جزع فزع میں فرق"

جزع فزع نفس کی کمزوری اور دل کے خوف کی وجہ سے ہوتا ہے شدت طمع و حرص اسے بڑھا دیتے ہیں تقدیر کے بارے میں ایمان کی کمزوری کی وجہ سے یہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جب انسان یہ جان لے کہ مقدار کی بات ہونے والی ہے تو اس وقت جزع فزع تھکاوٹ کے سوا کچھ ثمر بھی نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما اصاب من مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذالک علی اللہ یسیر لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم۔

جب بندہ تقدیر پر ایمان لے آئے اور یہ جان لے کہ مصیبت مقدر ہے چاہے وہ گھر ہو یا سفر میں تو جزع فزع نہیں کرتا۔ یہ چیز رقتِ قلب کے منافی نہیں ہے۔ رقتِ قلب اللہ کی صفتِ رحمت سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ رقیق القلب تھے۔ اور جزع سے دور رہنے والے تھے۔ رقتِ قلب رحمت ہے اور جزع بیماری اور کمزوری ہے، جزع مریض دل کی سی حالت ہے، جسے نفس امارہ کے ہوس نے ڈھانپ لیا ہو۔ وہ آخرت کی راہیں تنگ کر دیتا ہے۔ اور نفس و خواہشات کی قید میں پھنس جاتا ہے، جزع سے انسان کا دل تنگ ہو جاتا ہے۔ مگر جب اس میں نورِ ایمان و یقین چمکتا ہے تو اس کا دل اللہ کی محبت و جلال سے بھر جاتا ہے، رقیق ہو جاتا ہے۔ اور اس میں رأفت و رحمت گھر کر جاتی ہے۔ تم اسے ہر قریبی اور ہر مسلمان کے ساتھ رقیق القلب دیکھو گے، وہ چیونٹی پر اس کے سوراخ میں، پرندے پر اس کے گھونسلے میں بھی رحم کرتا ہے۔ ہم جنسوں کے ساتھ سلوک کا تو کیا ہی کہنا۔ ایسا دل تمام دلوں کی نسبت سے اللہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

حضرت انسؓ نے فرمایا ہے۔ حضورؐ اپنے عیال پر تمام لوگوں سے زیادہ مہربان تھے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے پر رحم کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس کے دل میں راحت و رحمت ڈال

دیتے ہیں۔ اور جب کسی کو عذاب دینے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے دل سے رأفت و رحمت کو نکال لیتے ہیں اور اس کی بجائے اس کے دل میں غلظت و سختی کو ڈال دیتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ رحمت شقی ہی سے نکالی جاتی ہے۔ اور یہ بھی آیا ہے جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا، اور یہ بھی آیا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا۔ اور یہ بھی آیا ہے کہ تین شخص جنتی ہیں، سلطانِ عادل، متصدق، اور رحیم و رقیق القلب انسان۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو اس لئے ساری امت پر فضیلت ملی کہ ان کے دل میں رحمتِ عامہ تھی اور اس کے اثر کو اپنے ہر مقام پر ظاہر فرمایا حتیٰ کہ بدر کے قیدیوں میں بھی بالآخر بات وہی طے ہوئی تھی۔ جس کی طرف آپؐ نے اشارہ کیا تھا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے آپ کو حضرت عیسیٰ اور ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مثال دی تھی۔

اللہ جل شانہ تو رؤف الرحیم ہیں، اللہ کی مخلوق میں سے اللہ کے مقرب بندہ وہ ہے۔ جس کے دل میں رأفت و رحمت ہو، اور خدا سے دور وہ ہے۔ جس کے دل میں غلظت و قسوت ہو۔

فصل ۱۴۴

"وجد اور حقد میں فرق"

وجد کہتے ہیں۔ تکلیف دہ چیز کا احساس کرنا، اور اس کے دفعیہ کے لئے نفس کا متحرک ہونا۔ یہ کمال ہے۔ لیکن حقد، کہتے ہیں۔ شر کو چھپانا اور ہر وقت شر کی توقع کرنا۔ اس کا اثر ہمیشہ دل پر رہتا ہے۔ ان میں ایک اور فرق بھی ہے۔ وہ یہ کہ وجد اس چیز کی بناء پر ہوتا ہے۔ جو آپ پر طاری ہوئی اور حقد بلا سبب ہوتا ہے۔ تو وجد تو اس تکلیف پر ہوتا ہے جو آپ کو لگی اور حقد اس تکلیف کے خطرے کو کہتے ہیں جو ابھی تک نہیں لگا، تو وجد سریع الزوال ہے۔ اور حقد بطیئ الزوال ہے۔ اور حقد دل

کی تنگی، ظلمت نفس اور اس کے دھوئیں کی وجہ سے ہوتا ہے بخلاف وجد کے کہ وہ بنابر دل کی سختی، قوت نور اور احساس کے ہوتا ہے۔

فصل ۱۴۵

منافست اور حسد میں فرق

منافست کہتے ہیں کمال کی طرف بڑھنا وہ کمال جسے تم کسی دوسرے کے اندر دیکھو حتیٰ کہ کوشش کر کے اُسے پالو یا اس سے بھی آگے نکل جاؤ۔ تو یہ نفس کی بزرگی، بلند ہمتی اور مقصد کے بڑے ہونے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون اور ایک اچھی عادت ہے کہ انسان ایک نفیس شی میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرے۔ بلکہ ایک دوسرے کی شرکت سے بہت خوش ہوں۔ جیسا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش فرماتے تھے۔ اور ایک دوسرے کی شرکت سے بہت خوش ہوتے تھے کہ اپنا دوست اس کے ساتھ اس عمل میں شریک ہو گیا ہے۔ بلکہ وہ ایک دوسرے کو اس پر بھڑکاتے تھے باوجود اس بات کے کہ وہ ایک دوسرے سے سبقت کرنے میں کوشاں تھے۔ یہ بھی مسابقت کی ایک قسم ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں فاستبقوا الخیرات اور فرمایا ہے سابقوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا کعرض السماء حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق سے سبقت کرنے میں کوشش فرمایا کرتے تھے۔ لیکن وہ اپنی اس مسابقت میں کبھی بھی کامیاب نہ ہوئے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر امامت کے درجے پر فائز ہو گئے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بخدا اب میں کسی چیز میں بھی آپ سے سبقت کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اور فرمایا کہ قسم خدا کی جب بھی میں کسی کام میں ان سے سبقت کرنے کی کوشش کی تو میں نے انہیں اپنے سے بڑھا ہوا پایا۔

دو سبقت کرنے والوں کی مثال ایسی ہے، جیسے دو غلام جو اپنے آقا کے سامنے اس کی رضامندی کی خاطر ایک دوسرے سے بڑھنے اور سبقت کرنے کی کوشش کرتے

ہیں تو اُن کا آقا ان کے اس فعل سے خوش ہوتا ہے اور اس پر انہیں، بھاڑتا ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے اور اسے چاہتا ہے۔ اور اپنے آقا کی رضا مندی کے لئے اسے برانگیختہ کرتا ہے

حسد نفسِ بد کی عادت ہے، اور بہت گری ہوئی کمینگی ہے۔ جس میں بھلائی کا کچھ بھی شائبہ نہیں، حاسد اپنی عاجزی اور کمینگی کی وجہ سے اس آدمی پر حسد کرنے لگتا ہے۔ جو خیر کا حامل اور کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس کی زوال کی تمنا کرتا رہتا ہے۔ تاکہ وہ بھی عدم میں اس کا ہم مرتبہ ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے

ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً۔ | وہ تمنا کرتے ہیں کہ تم بھی کفر کرتے جس طرح کہ انہوں نے کفر کیا ہے تو دونوں برابر ہو جاتے"

اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔

ودکثیرٌ من اھل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارًا حسدًا من عند انفسھم من بعد ما تبین لھم الخ۔ | اہل کتاب میں سے بہت سے آدمی اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تم ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو جاؤ (میادہ) حسد کی بنا پر کرتے ہیں۔ باوجود اس کے سامنے حق کے ظاہر ہونے کے۔

حاسد بن نعمت ایزدی کے دشمن ہوتے ہیں۔ جس کے پاس وہ نعمت ہے اس سے زوال نعمت کی تمنا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نعمت اُن سے زائل ہو گئی ہے۔

منافس نعمت میں سبقت کی کوشش کرتا ہے اور جس کے پاس وہ نعمت ہے اس سے اس کے زوال کی تمنا نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے ساتھ ملنے کو پسند کرتا ہے۔ مگر مرتبے اور فضیلت میں اس سے بھی بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور حاسد دوسرے کے انحطاط کو پسند کرتا ہے تاکہ وہ کم مرتبہ ہو جائے اور نقصان میں اس کے برابر ہو جائے۔ صاحب فضیلت اور بھلائی والے فضل و [illegible] فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ تو جس آدمی نے کسی صاحب فضیلت اور بزرگی والے کو اپنا مطمح نظر بنایا اس سے بڑھنے کی کوشش کی اور آگے بڑھ گیا۔ اس نے اس کے بہت سے فضائل سے فائدہ اٹھایا۔ اس جیسی شکل

بنائی، اس کے مرتبہ کے پانے کی تمنا کی، اور اُس سے آگے بڑھنے کی کوشش کی اور آگے بڑھ گیا۔ یہ ایک ایسی چیز ہے۔ جسے ہم برا نہیں کہتے،

اور کبھی کبھی حسد کا اطلاق منافست محمودہ پر بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حسد دو آدمیوں پر کیا جاتا ہے۔ ایک تو وہ جسے اللہ نے قرآن کی نعمت سے مالا مال کیا ہو اور رات کی تاریکی اور دن کی روشنی میں وہ اس کے ساتھ قیام کرے (یعنی پڑھے) اور دوسرا وہ جسے اللہ نے مال سے نوازا ہو۔ اور اُسے اللہ کے راستے میں لٹانے کا اختیار دیا ہو۔ یہ حسد از قبیل منافست ہے۔ اور اپنے حامل کی بلند ہمتی نفس کی بڑائی اور فضیلت والے لوگوں کے ساتھ مشابہت کی تمنا پر دلالت کرتا ہے۔

فصل ۱۴۶

ریاست و امارت میں فرق

دنیاوی ریاست کی محبت، اور اللہ کی طرف بلانے کے لئے امیر بننے کی محبت میں وہی فرق ہے۔ جو فرق کہ اللہ کے حکم کی تعظیم کرنے اور اس کی تعظیم کے لئے بلانے اور نفس کی تعظیم کرنے اور نفس کی تعظیم کرانے کی کوشش کرنے میں ہے۔ کیونکہ اللہ کی طرف بلانے والا اللہ کی تعظیم کرنے والا ہے۔ وہ اللہ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت کرنے کو پسند کرتا ہے۔ وہ اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ اور اس کے کلمہ کو بلند کیا جائے اور دین سارے کا سارا اللہ کا ہو جائے اور اس کے بندے اس کے احکام کی پیروی کریں اور جن کاموں سے اس نے روکا ہے اُن سے باز رہیں۔ وہ دین میں امامت کو پسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔ اور وہ اس کی اقتدا کریں۔ جس طرح کہ وہ خود بھی پرہیزگاروں کا پیروکار ہے۔

جب بندہ یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں عظیم المرتبت ہو جائے۔ اور اُن کے دلوں پر چھا جائے اور وہ اس سے محبت کریں اور اس کی اطاعت کریں اس کے ہاتھ سے ہاتھ ملا کر رسولِ پاک کے نقشِ قدم پر چلیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ

یہ تعریف کے لائق ہے۔ کیونکہ اس نے اللہ کی طرف بلایا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی اطاعت اور بندگی کی جائے۔ اور اس کی توحید کو بلند کیا جائے۔ وہ ہر اس چیز سے محبت کرتا ہے جو اللہ تک پہنچائے یا پہنچانے کا سبب بنے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے بندوں کی جنہیں اس نے اپنے لئے مخصوص فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں تعریف کی ہے، اور قیامت میں ان کی اچھی جزا کی خبر دی ہے جو انہیں ان کے اچھے اعمال کے بدلے میں ملے گی۔ اور ان کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں۔ پھر فرمایا ہے۔ والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

یعنی انہوں نے اللہ سے سوال کیا کہ اُن کی آنکھوں کو اس بات سے ٹھنڈا کر کہ ان کی بیویاں اور بچے اللہ سبحانہ کی اطاعت کریں اور اللہ کی عبادت و اطاعت کر کے پرہیزگاروں کی اطاعت کر کے اُن کے دلوں کو خوش کریں۔ کیونکہ امام اور مقتدی لوگوں کی اطاعت میں معاون مددگار ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس چیز کا سوال کیا ہے جو اللہ کی اطاعت و رضامندی میں متقین کی مددگار ہو۔ امامت کے ذریعہ ان کی دعوت اللہ کی طرف سے جس کی بنیاد صبر اور یقین پر ہے۔ جیسا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں

وجعلنا ھم ائمۃ یھدون بامرنا	ہم نے انہیں امام بنا دیا کہ وہ ہمارے حکم سے ہدایت
لما صبروا و کانوا بآیاتنا یوقنون	کرتے ہیں جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے

اُن کا یہ سوال کرنا کہ انہیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ انہیں ہدایت فرما اور توفیق دے اور انہیں علوم نافعہ عطا فرما کر اُن پر احسان فرما اُن کے ظاہر و باطن کو اعمال صالحہ سے مزین کر کیونکہ امامت کی تکمیل انہیں سے ہوتی ہے۔ خود فرمائے کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انہیں اپنے نام کی طرف منسوب فرمایا ہے تاکہ انہیں اپنے اخلاق کی تعلیم دے۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ انہوں نے محض اللہ کی رحمت، بخشش اور اس کے احسان سے پایا ہے۔

غور فرمائے جس طرح امامت دین میں بلند مراتب سے ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا بھی جنت میں بلند کر رکھے ہیں۔ جس طرح امامت دین میں ایک بلند مرتبہ

ہے جو بندے کو عطا ہوتا ہے اس کی جزا بھی جنت میں بلند کرہ ہے جو بندے کو عطا ہوتا ہے۔ بخلاف طالب ریاست کے، کیونکہ ریاست کے طالب اس کے حصول کی اس لئے کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اپنے مقاصد اور اغراض کو پورا کریں ان کے دل اسی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اور ان کی تمام کوششیں اسی کے حصول کے لئے ہوتی ہیں۔ کہ وہ اس کے ذریعے سے اپنی اغراض کو جبراً اور زبردستی پورا کر سکیں۔ اس پر جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں انہیں اللہ ہی جانتا ہے۔ یعنی حسد، سرکشی، کینہ، ظلم، فتنے، حق کو چھوڑ کر اپنی نفسانی خواہش کی حمایت اور جسے اللہ تعالےٰ ذلیل کرے۔ اس کی تعظیم کرنی اور جسے عزت بخشے اس کی توہین کرنی وغیرہ۔ کیونکہ دنیاوی امارت اس کے بغیر مل ہی نہیں سکتی۔ بلکہ اس قسم کے مفاسد کو دگنا کرنے سے جلد ملتی ہے۔

دنیا کے رئیس اس حقیقت سے اندھے ہیں کہ جب ان کی آنکھوں سے پردہ ہٹے گا تو وہ ان مفاسد کو کھلم کھلا دیکھیں گے۔ جن پر وہ قائم تھے۔ اور جب ان کا حشر ذرات کی شکل میں ہوگا تو بلند مراتب والے انہیں اپنے پاؤں تلے روندیں گے۔ کیونکہ وہ اللہ کے احکام اور بندوں کو حقیر اور ذلیل سمجھتے تھے۔

فصل ۱۴۷

حب فی اللہ اور حب مع اللہ میں فرق

یہ بہت ہی اہم ہے۔ ان میں سے ہر ایک تشریح و وضاحت کا محتاج ہے حب فی اللہ کمالِ ایمان سے ہے اور حب مع اللہ عین شرک ہے۔ ان میں فرق یہ ہے

کہ جب اللہ کی محبت بندے کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو یہ محبت اس پر واجب کر دیتی ہے کہ وہ ہر اس چیز سے محبت کرے۔ جسے اللہ محبوب رکھتا ہے جب وہ ان سے محبت کرتا ہے۔ جن سے اس کا پروردگار محبت کرتا ہے تو یہ محبت اللہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ ان سے محبت کرتا ہے۔ اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں، نبیوں، فرشتوں، اور ولیوں سے بھی محبت کرے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ان سے محبت

رکھتا ہے، اور ہر اس آدمی کو بغض کی نظر سے دیکھے جن سے اس کا پروردگار بغض رکھتا ہے اس لئے کہ اللہ انہیں مبغوض رکھتا ہے۔ اس محبت اور بغض فی اللہ کی علامت یہ ہے۔ کہ جسے اللہ مبغوض رکھتا ہے وہ اس کے کسی احسان، خدمت، یا کسی ضرورت کو پورا کر دینے سے اپنے بغض کو محبت سے نہ بدلے، بلکہ اس سے بغض ہی رکھے اسی طرح وہ آدمی جسے اللہ محبوب رکھتا ہے اس کی طرف سے کسی ایسی بات کے پہنچنے سے جس سے اسے رنج اور دکھ ہوا ہو، محبت کو بغض سے نہ بدلے۔ چاہے وہ بات اس نے خطأ کی ہو یا عمداً، اس میں اللہ کی اطاعت ہو، یا تاویل ہو، اجتہاد ہو یا لغزش ہو، متنازع فیہ مسئلہ ہو یا اور کچھ ہو۔

اللہ کے دین کی گردش چار قواعد پر ہے۔ محبت و بغض، اور انہیں پر عمل و ترک مرتب ہوتے ہیں، جس شخص کی محبت، بغض، فعل و ترک اللہ ہی کے لئے ہے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔ بایں معنی کہ جب وہ کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لئے کرے اور بغض کرے تو اللہ کے لئے کرے۔ اور جو کچھ بھی کرے اللہ کے لئے کرے اور چھوڑے تو اللہ کے لئے چھوڑے۔ ان چاروں میں سے جس چیز کو بھی وہ چھوڑ دیگا یا اس سے کچھ کمی کریگا اسی قدر اس کا ایمان اور دین بھی جاتا رہے گا۔ بخلاف حب مع اللہ کے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے جو توحید میں رخنے ڈالے یہ شرک ہے۔ اور دوسری وہ ہے جو کمال اخلاص اور اللہ کی محبت میں رخنے ڈالے۔ لیکن اسلام سے خارج نہ کرے۔

پہلی قسم کی مثال جیسا کہ کافروں کا اپنے بتوں اور شریکوں سے محبت کرنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادًا یحبونھم کحب اللہ، یعنی مشرکین اپنے بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ تو یہ محبت گمراہ کرنے والی ہے جس کے پیچھے خوف، امید، عبادت، اور دعا وغیرہ آتے ہیں۔

یہ محبت خالص شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائیگا اور ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک کہ ان شریکوں کا دشمن نہ بنا جائے اور بغض نہ رکھا جائے اور ان کے پجاریوں

پرستاروں سے جنگ نہ لڑی جائے۔ اسی لئے اللہ نے تمام رسولوں کو بھیجا، کتابیں نازل فرمائیں اور شرکت کی محبت رکھنے والوں کے لئے آگ بنائی، اور اُن لوگوں کے لئے جنت بنائی جو ایسی محبت والوں سے لڑینگے اور اللہ کی رضا و خوشنودی کی خاطر اُن سے دشمنی کرینگے۔

جس نے بھی عرش سے لے کر فرش تک اللہ کے سوا کو پوجا دوسرے کو دلی پکڑا تو خواہ وہ کوئی بھی ہو اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔ اسے چاہیئے کہ جلد اس سے اظہار بیزاری کرے۔

دوسری قسم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نفوس کے لئے باعث زینت بنایا ہے، جیسے بیویوں کی محبت، اولاد کی، سونے چاندی، گھوڑے چوپائے اور کھیتی وغیرہ کی محبت انسان ان سے خواہش کی بنا پر محبت کرتا ہے۔ جیسا کہ بھوکا پیاسا روٹی پانی سے اس کی تین قسمیں ہیں۔ اگر وہ ان سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہے، اور انہیں اللہ تک رسائی کا سبب اور اس کی رضا اور اطاعت کا سہارا بناتا ہے تو اسے ثواب ہوگا اور یہ قسم بھی از قبیل اللہ کے لئے محبت کرنے کے ہے۔ یہ حالت کامل ترین انسان کی تھی کہ وہ دنیا میں عورت اور خوشبو سے محبت کرتا تھا۔ مگر ان دونوں کی محبت اس کی محبت خداوندی کو زیادہ کرتی تھی۔ اگر انسان ان سے اپنی خواہش اور طبعی رجحان کی خاطر محبت کرتا ہے تو یہ از قبیل مباحات ہے یعنی جائز ہے اس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ لیکن وہ کمال اور خلوص جو خدا کی محبت کے لئے ہونا چاہیئے۔ وہ اُسے نہیں ملے گا۔ اور اگر اس کا مقصود، مراد، اور ساری کوشش ان کے حصول کے لئے ہیں اور خدا کی محبت کو چھوڑ کر انہیں کو مقصود جانتا ہے تو وہ اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے، اور اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے۔ پہلی قسم، سابقین کی محبت ہے۔ دوسری مقتصدین کی اور تیسری ظالمین کی۔

اس مضمون کو غور سے دیکھیئے خاص کر ان میں جو فرق ہے۔ کیونکہ یہ نفس امارہ و مطمئنہ کی معرکہ گاہ ہے۔ ہدایت یافتہ وہی ہے۔ جسے اللہ ہدایت دے۔

فصل ۱۴۸

توکّل اور عجز کے درمیان فرق

توکل دل کا عمل ہے۔ یعنی اللہ پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے اس کی بندگی کرنا اللہ سے متجی ہونا، اس کی رضا پر راضی رہنا اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دینا کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ بندے کی کفالت اور اس کی اچھائی کے متعلق سب کچھ جانتا ہے جب بندہ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیتا ہے اور ان اسباب و امور کو بھی کام میں لاتا ہے جن کا اسے حکم دیا گیا ہے اور ان کے کرنے میں کوشش بھی کرتا ہے تو ایسا آدمی متوکل کہلاتا ہے۔ کیونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم متوکل اعظم تھے۔ مگر اس کے باوجود میدان کارزار میں مکہ، بند اور زرہ وغیرہ لگاتے تھے۔ بلکہ احد کی لڑائی میں تو آپ نے دو زرہیں لگائیں اور غار میں چھپے۔ تو آپ اسباب کو استعمال کر کے متوکل تھے۔ اسباب کو چھوڑ کر متوکل نہ تھے۔

عجز یہ ہے کہ دونوں باتوں کو چھوڑ دے یا ان میں سے ایک کو چھوڑ دے۔ اگر عاجزی کی بنا پر سبب کو چھوڑا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ توکل ہے تو بخدا یہ عجز و تفریط ہے اسے توکل کہنا زیادتی ہے۔ اور اگر وہ سبب کو استعمال میں لاتا ہے۔ اور سبب ہی کو سب کچھ جانتا ہے۔ سبب سے بالکل غافل ہے۔ یا کبھی سبب کا خیال دل میں آ بھی جائے تو وہ دل میں جاگزیں نہ ہو سکے اور نہ ہی دل اس کے ساتھ پورے طور پر لگے۔ تو یہ بھی عجز ہے ہاں اگر دل اللہ کے ساتھ ہو۔ اور بدن سبب کے ساتھ تو اس کا یہ توکل عجز ہے اور اس کا عجز توکل ہے یہی وہ مقام ہے۔ جہاں پر لوگ دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں اور ان کے درمیان ایک اوسط پسند طبقہ بن گیا ہے۔ ایک گروہ تو اسباب کو چھوڑ کر توکل کو لے لیتا ہے۔ دوسرا گروہ توکل کو چھوڑ کر اسباب کو لے بیٹھتا ہے۔ اور جو اعتدال پسند گروہ ہے اس نے یہ دیکھا کہ حقیقی توکل اسباب کے قیام کے سوا تمام نہیں ہو سکتا انہوں نے سبب کے ساتھ اللہ پر توکل کیا۔ لیکن جو سبب کو چھوڑ بیٹھے اور یہ سمجھے

کہ وہ متوکل ہے، تو وہ دھوکے اور فریب میں ہے، اور اس آدمی کی سی تمنا کر رہا ہے۔ جو نکاح کئے بغیر اولاد کی تمنا کرے یا بیج ڈالے بغیر کھیتی کی خواہش کرے، کھانے پینے کو چھوڑ کر یہ چاہے کہ اس کا پیٹ بھر جائے۔

توکل کی مثال امید کی سی ہے اور عجز کی مثال تمنا کی سی ہے۔ حقیقی توکل یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے رب کو اپنا وکیل بنائے اور اپنا معاملہ اللہ کو سونپ دے۔ جس طرح کہ دنیا میں موکل اپنا معاملہ وکیل کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور اس کی پسند اور اس کی نصیحت پر عمل کرتا ہے۔ اور جو کچھ وہ اختیار کرتا ہے۔ اسی کو اچھا جانتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالےٰ نے اپنے بندے کو حیلے کی بھی اجازت دی ہے۔ اس کا توکل یہ ہے کہ وہ اپنے کام کے لئے حیلے اور سبب کو بھی اختیار کرے۔ جس سے اس کے کام کی تکمیل ممکن ہو۔ اور بندے کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اپنی روزی کے لئے کھیتی کرے، زمین میں بیج ڈالے، اور کوشش کرے ان تمام امور کو کرنے کے بعد اللہ پر بھروسہ کرے کہ جو اس کی حکمت اور تدبر کا تقاضا ہوگا۔ اور بندے کو یہ بھی حکم دیا ہے۔ کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے دل نہ لگائے۔ بلکہ اللہ سے امید رکھے اور اس سے ڈرے، اس پر یقین رکھے اور اس پر توکل کرے۔

اللہ جل خانہٗ نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ وہ بندے کی وکالت کے ساتھ ساتھ اس کی کفالت بھی کرتا ہے، عاجز آدمی ان تمام امور کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ سستی کی وجہ سے راحت کا طالب بن کر بیٹھ جاتا ہے اور اس دعوے کی رٹ لگاتا ہے کہ رزق جس کے لئے ہے اسے خود تلاش کرلے گا۔ جیسا کہ موت تلاش کر لیتی ہے۔ میرے مقدر میں جو کچھ ہے وہ مجھے ملے گا اور جو میرے مقدر میں نہیں ہے۔ میں اسے اپنی طاقت اور قوت سے حاصل نہیں کر سکتا، اگر میں اپنے رزق سے بھاگوں جس طرح کہ موت سے بھاگتا ہوں۔ تو وہ مجھے ضرور مل جائے گا۔ ان سے کہا جائیگا۔ بھائی ٹھیک ہے جو کچھ تم نے کہا ہے حق ہے تم نے یہ تو جان لیا کہ رزق تمہارے لئے مقدر ہے۔ تمہارے کوشش کرنے کے ساتھ تمہارے لئے مقدر ہے یا کسی دوسرے کی کوشش کے ساتھ مقدر ہے۔ اگر وہ تمہاری کوشش کے ذریعے سے تمہارے لئے مقدر ہے۔ تو کس

سبب اور کس وجہ سے جب یہ باتیں تم پر مخفی ہیں۔ تو پھر کس طرح تم نے جان لیا کہ وہ تمہارے پاس بغیر کوشش کے آجائیگا۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں۔ جن میں تم نے کوشش کی۔ لیکن وہ دوسروں کو مل گئیں۔ اسی طرح بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ دوسروں نے کوشش کی لیکن وہ تمہارے لئے مقدر ہو گئیں، یعنی تمہیں مل گئیں۔ جب تم نے اس کو کھلم کھلا دیکھ لیا۔ تو پھر تم نے کیسے جان لیا کہ تمہارا رزق تمام کا تمام دوسرے کی کوشش پر منحصر ہے یہ تمام باتیں جو نفس نے تمہارے اندر ڈالی ہیں ضروری ہے کہ انہیں تمام اسباب و مسببات میں چلایا جائے۔ حتیٰ کہ جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے بچنے کے اسباب میں بھی، کیا توکل پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دو گے یا توکل کے ساتھ انہیں بھی کرو گے۔

ہاں تم روئے زمین کو ایسے متوکلین سے بھی ہرگز خالی نہیں پاؤ گے۔ جنہوں نے اللہ کے لئے صبر کیا ہوا ہوگا۔ اور ان کے دل خدا کے ساتھ یقین امید اور حسن ظن سے بھرے ہوئے ہونگے۔ اس کے ساتھ ساتھ تم ان کے دلوں میں یہ بھی دیکھو گے کہ بعض اسباب کے لئے ان میں گنجائش نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کے دل اللہ کی طرف سے مطمئن ہونگے اور انہیں خدا پر یقین کامل ہوگا، یہ سبب حصول رزق کے لئے تمام اسباب سے زیادہ قوی ہے، انہوں نے سبب کو چھوڑا نہیں بلکہ ایک سبب سے منہ موڑ کر دوسرے کو اختیار کر لیا۔ جو پہلے کی نسبت زیادہ قوی تھا، تو ان کا توکل تمام اسباب سے قوی تر سبب ہے۔ ان کے دل کا اللہ کے ساتھ لگا رہنا اس کی طرف تضرع و عاجزی کرنا انہیں اس سبب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جو انہیں ان چیزوں سے باز رکھے، یا ان کے کمال میں رکاوٹ کا موجب ہو۔ ان کے دل میں دو باتوں کے لئے گنجائش نہیں ہوتی، یقیناً ایسا آدمی اس آدمی کی نسبت بہتر ہوتا ہے جس کا دل اسباب سے بھر جائے اور خدا سے منہ موڑ لے مگر ایسے آدمیوں میں سے کامل وہ ہیں جو دونوں باتوں کو جمع کریں۔ یہ حصہ رسولوں اور صحابۂ کرام کا تھا۔

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ نے طوفان سے بچنے کے لئے کشتی کے بنانے کا حکم دیا تھا۔ صحابۂ کرام میں سے کوئی بھی ایسا

نہ تھا۔ جو اسباب کو کام میں نہ لایا ہو باوجودیکہ وہ اللہ پر توکل اور بھروسہ کرتے تھے، بلکہ وہ لوگوں سے دونوں باتوں کے قائم کرنے میں زیادہ طاقت کے مالک تھے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ انھوں نے دین کے دشمنوں کو ختم کرنے کے لئے اپنی ہر کوشش کو خرچ کیا اپنے ہاتھوں اور زبان سے بھی کوشش کی۔ اس میں وہ حقیقی توکل پر گامزن تھے، اپنے مالوں کو خرچ بھی کیا۔ اکٹھا بھی کیا اور ان کی اصلاح بھی کی۔ اور اپنے اہل وعیال کی روزی کے لئے بھی کوشش کی، یہ تمام کام سید المرسلین اور سید المتوکلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے انہوں نے کئے۔

فصل ۱۴۹

احتیاط اور وسوسے کے درمیان فرق

احتیاط نام ہے پورے طور پر مبالغہ کے ساتھ سنت کی پیروی کرنا یعنی وہ طریقہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ کرام تھے، نہ اس میں کوئی کمی کرے۔ اور نہ ہی کوئی زیادتی کرے۔ یہ احتیاط ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور رسول راضی ہوتے ہیں۔

وسوسہ کہتے ہیں نئے طریقے کے ایجاد کرنے کو جو نہ سنت سے ثابت ہو اور نہ حضورؐ نے اسے کبھی کیا ہو، اور نہ ہی کسی صحابی نے اسے کیا ہو جیسے وہ آدمی جو اپنے خیال میں سمجھتے ہوئے اعضائے وضو کو تین بار سے زیادہ دھوتا ہے تو اس وضو اور اعضا کے دھونے میں وہ پانی کو ضائع کرتا ہے۔ ایسے ہی بار بار نماز کی نیت کرنا، اور ایسے کپڑے کو دھونا جسکے ناپاک ہونے کا اسے یقین نہیں ہے اور جوتوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے اعراض کرنا یہ تمام ایسی چیزیں ہیں۔ جنہیں وسوسہ کرنے والوں نے اپنا دین بنا لیا ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی احتیاط ہے۔ حالانکہ احتیاط تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی کرنے میں ہے۔ جس نے آپؐ کے طریقہ کو چھوڑ دیا اس نے احتیاط کو بھی خیرباد کہہ دیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ احتیاط اسی میں ہے کہ سنت کے طریقے کے خلاف نہ ہونے پائے چاہے ساری دنیا ہی ایک طرف کیوں نہ ہو جائے۔

فصل ۱۵۰

"فرشتے کے الہام اور القائے شیطانی میں فرق"

یہ کئی وجوہ سے ہے، ایک تو یہ کہ اگر اللہ کی رضا اور جو کچھ نبی کریم لائے ہیں اس کے موافق ہے، تو وہ فرشتے کی طرف سے الہام ہے۔ اور اگر وہ اللہ کی رضا کے مخالف ہے تو وہ فرشتے کی طرف سے الہام ہے۔ اور اگر وہ اللہ کی رضا کے مخالف ہے۔ تو شیطان کی طرف سے القا ہے۔ اگر اللہ کی یاد اور اس کی طرف بڑھنے کا سبب ہو تو فرشتے کی طرف سے الہام ہے اور اس کے مخالف نتیجہ برآمد کرنے والا ہو۔ تو شیطان کی طرف سے القا ہے۔ اگر نفس میں اُنس دل میں نور پیدا کرے اور سینے کو کھولدے تو فرشتے کی طرف سے الہام ہے۔ اس کے مخالف ہو تو شیطان کی طرف سے القا ہے۔ اگر طمانیت و سکون پیدا کرے تو فرشتے کی طرف سے ہے۔ پریشانی، قلق اور اضطراب دے تو شیطان کی طرف سے ہے۔

فرشتے کا الہام پاکیزہ دلوں میں بہت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے منور ہوتے ہیں، تو فرشتے اور اس کے درمیان اتصال ہوتا ہے۔ کیونکہ فرشتہ طیب و طاہر ہے وہ ایسے دل کی ہمسائیگی کو پسند کرتا ہے جو اس کے مناسب ہو لہذا فرشتے کی شعاع اس کے دل کے لئے شیطان کی شعاع سے زیادہ ہوگی۔ لیکن وہ تاریک دل جو شہوات کے دھوئیں سے تاریک ہو چکا ہے۔ اس کے لئے شیطانی القاء اور اس کی چمک فرشتے کی چمک سے زیادہ ہوگی۔

فصل ۱۵۱

اقتصاد اور تقصیر کے درمیان فرق

اقتصاد کہتے ہیں۔ جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط، بلکہ میانہ روی ہو۔ اس کی دونوں اطراف کمی اور زیادتی والی ہوتی ہیں

مقتصد میانہ روی کو لے لیتا ہے کمی اور زیادتی کو چھوڑ دیتا ہے۔

خداوند کریم فرماتے ہیں

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما	اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے نہ تنگی برتتے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان رہتے ہیں

دوسری جگہ فرمایا ہے

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط	اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ لا - اور نہ بالکل کھول

اور فرمایا ہے -

کلوا واشربوا ولا تسرفوا	کھاؤ پیو اور اسراف مت کرو -

دین سب کا سبب افراط و تفریط کے درمیان ہے - اسلام نے سنت کے طریقہ کی تعلیم دی ہے اور کمی بیشی کو ظاہر کر دیا ہے - اسی طرح اجتہاد نام ہے حکم الٰہی کی موافقت کے لئے کوشش کرنے کا - اور غلو نام ہے حکم الٰہی سے تجاوز کرنے اور بڑھ جانے کا - شیطان کے لئے اس میں دونوں پہلو ہیں - یعنی افراط کا بھی اور تفریط کا بھی، غلو، اور امر الٰہی سے تجاوز کا بھی، یہ دونوں پہلو آفتیں ہیں، ان سے اعتقاد اپنے عمل کو بچانا اور میانہ روی اختیار کرنا بہت مشکل ہے - ہاں وہ آدمی جو حضورؐ کے نقش قدم پر چلے اور لوگوں کی باتوں اور ان کے نظریات کو چھوڑ دے، تو ایسا آدمی ان دونوں بلاؤں سے نجات پا سکتا ہے - افراط و تفریط اور امر الٰہی میں غلو اور تجاوز، دونوں ہی خطرناک بیماریاں ہیں جو بنی آدم پر چھا گئی ہیں اس لئے بزرگان سلف ان سے بہت ڈرتے تھے، وہ ان میں سے ایک کے ساتھ مبتلا ہونے میں بھی ہلاکت سمجھتے ہیں - اب تو یہ حالت ہے کہ یہ دونوں بیماریاں ہر ہر فرد میں پائی جاتی ہیں - آج کل اکثر مخلوق اس میں مبتلا ہے، کسی جگہ کمی زیادتی ہو رہی ہے - اور کہیں غلو اور تجاوز کیا جا رہا ہے - بس راہ راست پر وہی ہے جسے اللہ ہدایت دے -

---

فصل ۱۵۲

نصیحت اور ملامت کے درمیان فرق

نصیحت اس آدمی پر احسان ہے جسے تم نصیحت کرتے ہو جس کا اظہار تم اس پر شفقت و رحمت وغیرہ کی صورت میں کرتے ہو۔ یہ تو خالص احسان ہے۔ جس کا صدور رحمت و رقت کی بنا پر ہوتا ہے، اس سے ناصح کی مراد اللہ کی رضا جوئی اور اس کی مخلوق پر احسان کرنا ہوتی ہے۔ اس لئے وہ نصیحت کرنے میں بہت نرمی سے کام لیتا ہے اور منصوح کی اذیت و ملامت وغیرہ کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ مشفق، دانا اور رحم دل حکیم کا سا معاملہ کرتا ہے۔ جس طرح حکیم مریض کو دوا دینے کے لئے اس کی سختی اور بری باتوں کو برداشت کرتا ہے۔ اسے دوا پلانے کے لئے ہر ممکن نرمی سے کام لیتا ہے۔ بالکل یہی حالت ناصح کی ہے۔

لیکن اہانت کرنے والا آدمی نصیحت کی صورت میں، مذمت، اہانت اور گالی گلوچ کرتا ہے کہتا ہے ارے ایسا ایسا کرنے والا تو یوں ہے اور یوں ہے اور ناصح مشفق کا لباد ہ اوڑھ کر کہتا ہے اے مذمت و اہانت کے مستحق تو ایسا ہے اور ویسا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ جب وہ اپنے دوست یا محسن کو اس جیسا کام کرتا ہوا دیکھتا ہے۔ یا اس سے بھی برا کام کرتا ہوا دیکھتا ہے، تو وہ اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا اور نہ ہی اسے کچھ کہتا ہے بلکہ اس کی طرف سے معذرت کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اگر غلبۂ محبت ہو تو کہتا ہے میں خود اس کی بریت کا ضامن ہوں۔ انسان تو خطا کا پتلا ہے۔ اس کی نیکیاں اس کی برائیوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اسی طرح کی اور باتیں بنانے لگ جاتا ہے۔

خیال فرمائیے یہ حالت اس کی اپنے دوست کے ساتھ ہے مگر جس سے اسے دشمنی ہے۔ اس کی نصیحت کے پردے میں کس قدر اہانت کرتا ہے۔ نیز ناصح اور ملامت گر کے درمیان یہ فرق بھی ہے کہ ناصح تم سے دشمنی نہیں کریگا چاہے تم اس کی نصیحت کو ٹھکرا

دو۔ وہ کہتا ہے۔ کہ میرا احمد اللہ کے ہاں ثابت ہو گیا چاہے تم میری نصیحت کو قبول کرو یا نہ کرو۔ نہ ہی وہ تمہارے عیب نکالے گا۔ اور نہ تمہارے عیوب کو لوگوں میں بیان کریگا ملامت گر کا معاملہ اس کے برعکس سمجھ لیجئے۔

فصل ۱۵۳

مبادرت اور عجلت کے درمیان فرق

مبادرت کہتے ہیں فرصت کو غنیمت جاننا اور اسے نہ چھوڑنا، اگر کسی معاملے کا وقت ہاتھ سے جاتا رہے تو وقت نکل جانے کے بعد اس کی طلب نہ کرے۔ یعنی وقت سے پہلے اس کے حصول کی کوشش نہ کرے بلکہ جونہی اس کا وقت آئے تو اس کے کرنے کے لئے اس طرح دوڑے جس طرح شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ ایسا آدمی اس مالی کی طرح ہے۔ جو عین اس وقت پھل کو توڑتا ہے۔ جبکہ وہ خوب پک جاتا ہے۔ عجلت کہتے ہیں۔ شدت حرص کی بنا پر وقت سے پہلے کسی چیز کے حصول کی کوشش کرنا ایسا آدمی اس مالی کی طرح ہے جو پھلوں کے پکنے سے پہلے اُن کے توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ مبادرت، دو مذموم عادتوں کے درمیان ہے۔ ایک تاخیر اور دوسرے جلد بازی، اسی لئے جلد بازی شیطان کے نصیب میں آئی، کیونکہ یہ تیزی اور طیش پر مبنی ہوتی ہے۔ یہ انسان کو وقار، حلم، اور ثابت قدمی جیسی بلند صفات سے دور رکھتی ہے۔ اور یہ سکھاتی ہے کہ انسان اشیاء کو اُن کے موقع و محل سے پہلے کرے۔ یہ کئی قسم کی برائیوں کے سامان پیدا کرتی ہے، کئی قسم کی بھلائیوں اور نیکیوں سے اسے محروم کرتی ہے۔ یہ ندامت لاتی ہے۔ کیونکہ جو بھی جلد بازی کرتا ہے وہ پشیمان ہوتا ہے۔ جیسا کہ سستی کام کو ضائع کر دیتی ہے

فصل ۱۵۴

اخبار بالحال اور شکوے کے درمیان فرق

اخبار بالحال یہ ہے کہ مخبر بالکل صحیح صحیح خبر دیتا ہے۔ اپنی کسی کوتاہی کے ازالے کے لئے

یا اگر کسی نے کوئی کام کرنے کو کہا تھا تو اس سے معذرت کرنے کے لئے یا ایسے معاملات میں کسی دوست کے پڑنے سے جن میں وہ پہلے پڑ چکا ہے۔ تو وہ اپنی اس خبر سے نصیحت کرنے والا ہوتا ہے یا صبر کی تلقین کرنے والا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ احنف سے کسی آدمی نے شکوہ کیا۔ اس نے کہا اے میرے چچا زاد برادر میری آنکھ کی بینائی فلاں سن میں ایسے ایسے ضائع ہو گئی تھی لیکن میں نے اس کے متعلق کسی کو بھی خبر نہ ہونے دی۔ اس خبر میں شاکی کو صبر پر ابھارا گیا ہے کہ اگر اسے کوئی دکھ پہنچے تو وہ صبر سے کام لے۔ جیسا کہ حضور کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے۔ جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ہائے سر۔ تو آپ نے فرمایا۔ بلکہ میں اور میرا سر یعنی میرے سر میں درد زیادہ ہے۔ لہٰذا میری طرح صبر کر و شکوہ نہ کر۔ اس کے ایک دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں جو میرے ذہن میں آتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عائشہ حضور پاک کی محبوبہ تھیں۔ بلکہ آپ کو علی الاطلاق تمام عورتوں سے زیادہ محبوب تھیں جب انہوں نے اپنے سر کی تکلیف کی شکایت کی آپ نے انہیں بتایا کہ تمہاری محبت کی وجہ سے میرے سر میں ویسا ہی درد ہے جیسا تمہارے سر میں ہے۔ یہ محب و محبوب میں انتہا درجے کی موافقت کا مظہر ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کی تکلیف سے دردمند بھی ہوتے ہیں۔ اور خوشی سے خوش بھی ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر محبوب کے کسی بھی عضو میں کوئی تکلیف ہو جائے تو محب کے بھی اسی عضو میں بعینہٖ وہی تکلیف ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت سچی محبت اور سچی دوستی کی بنا پر ہوتی ہے۔ تو پہلے معنی یہ ہوئے کہ تو صبر کر اور شکوہ نہ کر۔ کیونکہ مجھے بھی ویسا ہی درد ہے۔ جیسا تجھے ہے۔ تو بھی میرے ساتھ صبر کر شکوہ نہ کر۔ اور دوسرے معنی ہیں کہ میری قوت محبت کو دیکھ کہ میں تیرے غم و الم میں تجھے صبر دلاتا ہوں۔ تجھے بھی درد سے گھبرانا نہیں چاہیئے جبکہ میں اس الم سے مامون ہوں۔ حالانکہ تیرا درد مجھے بھی دردمند کرتا ہے جیسا کہ اس سے پہلے جو چیز تجھے خوش کرتی تھی وہ مجھے بھی خوش کیا کرتی تھی۔ اور شکوہ یہ ہے کہ اظہار درد کسی صحیح غرض کی بنا پر نہ ہو بلکہ ناراضی اور صرف شکایت پر مبنی ہو۔ یعنی جب انسان کسی الم میں مبتلا ہو تو دوسرے سے شکایت کرے ہاں اگر وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب شکوہ کرے تو وہ شکوہ نہیں ہوگا۔ بلکہ بارگاہِ ایزدی میں رحمت و مہربانی کی

درخواست ہوگی، جیسے حضرت ایوب علیہ السلام کا قول

رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔ | پروردگار مجھے ضرر لگ گیا ہے اور تو بڑا رحم کرنے والا ہے۔

اور حضرت یعقوبؑ کا یہ قول

انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ | میں اپنے غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں۔

اور حضرت موسیٰؑ کا قول اللھم لک الحمد والیک المشتکیٰ وانت المستعان وبک المستغاث وعلیک التکلان ولاحول ولا قوۃ الا بک

اور حضورؐ کا یہ قول اللھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی او الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک غضب علی فلا ابالی غیر ان عافیتک اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والآخرۃ ان یحل علی غضبک او ینزل بی سخطک لک العتبیٰ حتیٰ ترضیٰ ولاحول ولا قوۃ الا بک

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے شکوہ کرنا کسی لحاظ سے بھی صبر کے منافی نہیں ہے۔ خداوند عالم نے حضرت ایوبؑ کے متعلق فرمایا ہے

انا وجدناہ صابراً نعم العبد انہ اواب | ہم نے اسے صابر پایا۔ وہ اچھا بندہ ہے۔ اور (ہم کو) رجوع لانے والا ہے)

باوجود اس بات کے بہانے کے کہ انہوں نے اپنے قول مسنی الضر میں اللہ سے شکایت کی تھی۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے نفس سے صبر جمیل کا وعدہ کیا۔ نبی جب کسی بات کا وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے، باوجود اس کے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ قول بھی بیان فرمایا۔

انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ | میں اپنے غم و رنج کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں

اور اسے صبر کے لئے کوئی نقص نہیں ٹھہرایا اور نہ ہی کسی اور وہم کی طرف غمازی کی جیسا کہ

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

انا وجدناہ صابراً ہم نے اُسے صابر پایا۔

فرمایا ہے، صبور گا، نہیں فرمایا۔ بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے ارحم نہیں کہا بلکہ انت ارحم الراحمین کہا، یعنی اپنی بات اور رب کی صفت بیان کی اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہا، بعض نے کہا ہے۔ کہ انہوں نے تکلیف کے لگنے کی اس وقت شکایت کی جبکہ اُن کی زبان ذکر کرنے سے کمزور پڑ گئی تھی، تو پھر انہوں نے تکلیف کے لگنے کی شکایت کی۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ بات نکالی ہے کہ حضرت ایوب کا یہ قول اس لئے لایا گیا ہے تاکہ یہ اس امت کے کمزوروں کے لئے سہارا اور دلیل ہو۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ سے شکوہ کرنا صبر کے منافی ہے۔ یہ ان کی بڑی ناش نلطی ہے، صبر کے منافی اللہ کا شکوہ کرنا ہے۔ نہ کہ اس سے شکوہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو آزماتا ہے۔ تاکہ اس کی عاجزی وزاری کو سنے اور وہ جو شکوہ کرتا ہے اسے سُنے۔ وہ اس پر صبر کو پسند نہیں فرماتا۔ بلکہ بندے کی عاجزی کمزوری اور قلت صبر و زاری کو جس کا اظہار بندہ اس سے کرتا ہے، پسند کرتا ہے۔ ایسی حالت میں صبر نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کی طرف عاجزی، انکساری، ذلت، کمزوری اور اپنی بے بضاعتی کا اظہار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی رحمت ایسے دل کے بہت قریب ہے، جو عاجزی پسند ہو۔

فصل ۱۵

فرق کا باب بہت بڑا ہے اگر قدرت کو منظور ہوا تو ہم اس پر ایک ضخیم کتاب لکھینگے

لیکن ہم نے ان فرقوں کے اصولوں پر متنبہ کر دیا ہے، عاقل کے لئے یہی تھوڑا سا بیان کافی ہے۔ اللہ کا دین تمام کا تمام فرق ہے، اللہ کی کتاب فرقان ہے۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں فرق و امتیاز کر دیا، جو اللہ سے ڈرتا ہے اسے فرقان عطا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

یا ایھا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا۔	اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں فرقان عطا فرمائے گا۔

یوم بدر کو یوم فرقان بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس دن اللہ کے دوست اس کے دشمنوں سے ممتاز ہو گئے تھے۔ ہدایت تمام کی تمام فرقان ہے۔ اور ضلال کے معنی جمع کرنے کے ہیں چنانچہ مشرکین نے اللہ کی عبادت اور بتوں کی عبادت کو جمع کر دیا۔ اللہ کی محبت اور بتوں کی محبت کو اکٹھا کر دیا۔ اس کی محبت و رضا اور قدر و قضا کو ملا دیا، اور وہ اس سے اللہ کی رضا، خوشنودی، اور محبت کی دلیل پکڑنے لگے۔ انہوں نے سود، اور تجارت کو جمع کر دیا کہنے لگے

انما البیع مثل الربا	بیع سود کی مانند ہے۔

حلال اور حرام کو اکٹھا کر دیا کہنے لگے ہم اسے کس طرح کھائیں جسے ہم نے ذبح کیا اور اُسے کیسے چھوڑ دیں جسے اللہ نے مار ڈالا وہ شرعی احکام حلال و حرام کو جمع کرنے لگے کہنے لگے اس عورت کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس عورت کو بھی، اس جانور کو بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اور اس جانور کو بھی پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام ہو انہوں نے اولیاء اللہ اور اولیائے شیطان کو ایک کر دیا۔ ان کے علاوہ ایک اتحادی گروہ پیدا ہوا تو انہوں نے بیابان و آبادی کو بھی ایک کر دیا، سب کا سب ایک بنا ڈالا کہنے لگے یہی اللہ ہے جو بندگی کے لائق ہے۔ ان کے صاحب فصوص اور واضع نصوص نے کہا ہے۔

ما الا لسنق واحد	ما فیہ من مدح ولا ذم
بات تو ایک ہی ہے	نہ اس میں مدح ہے نہ ذم ہے
وانما العادۃ قد خصصت	والطبع والشارع بالحکم
ہاں اس میں تخصیص کر دی ہے	عادت طبیعت اور شارع نے

مقصود یہ ہے کہ صاحب بصیرت وہی لوگ ہیں جو اصحاب فرقان ہیں۔ وہ متشابہات میں فرق کرنے والے اور تمام لوگوں سے زیادہ بصیرت والے ہوتے ہیں۔ تشابہ، اقوال

اعمال، احوال، اموال اور آجال میں پیدا ہوتا ہے۔ اکثر اہل علم نے ان تمام متشابہات میں فرق کیا ہے۔ یہ مرتبہ اسے حاصل ہوتا ہے جس بندے کے دل کو اللہ تعالیٰ نور سے بھر دے۔ پھر وہ اس نور کی روشنی سے معاملات کے حقائق کو دیکھتا ہے۔ اس سے حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے۔ صحیح کو غلط قول سے جدا کرتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اس نور سے نوازے اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے

اس فصل کے طویل ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب کے اہم اور زیادہ فائدہ مند فصول سے ہے اور اس کے بیان کی شدید ضرورت ہے۔ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ اس میں بصیرت سے نوازے تو تم خود اس سے فرقان اعظم نکال لو گے۔ یہی توحید مرسلین اور توحید مطلقین میں فرق ہے۔ اور تم تنزیہ، تشبیہ، تنزیہ مطلقین، اثبات صفات، علو، تکلم، تعلیم حقیقی، تشبیہ، تمثیل، اور عملی ارادی توحید کے تجرد، ارباب مراتب کے مراتب جو اللہ نے انہیں دیئے ہیں۔ سب کو جان لو گے اور صرف معصوم محض کی اتباع کرنے اور علماء کے اقوال کو قرار دینے میں بھی فرق کو دیکھ لو گے، عالم کی تقلید اور اس کی فہم و علمی روشنی سے فائدہ اٹھانے میں بھی فرق کو سمجھ جاؤ گے۔ اولیائے رحمٰن اور اولیائے شیطان میں فرق ایمانی حالت اور شیطانی و کفری حالت اور نفسانی حالت میں فرق، اور حکم ربانی جس کی پیروی ہر ایک پر واجب ہے اور تاویلی حکم جس کی انتہا یہی ہے کہ وہ جائز ضرورت کے وقت ہو۔ ان میں فرق کو نکال لو گے۔

فصل ۱۵۶

توحید مرسلین و توحید مطلقین

ہم ان امور کے فرقوں کی طرف ایک لطیف اشارہ کرتے ہوئے کتاب کو ختم کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک امر چاہتا ہے۔ کہ اس پر ایک پوری کتاب لکھی جائے۔

توحید مرسلین اور توحید مطلقین میں فرق۔

مرسلین کی توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کمالی ثابت کرے، اس کی عبادت کرے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور نہ ارادے، محبت، خوف، امید

الفاظ قسم اور نذر میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائے بلکہ اپنے دل، ارادے، زبان اور اللہ کی عبادت سے شریکوں کو اس طرح اٹھا دے گویا وہ نفس الامر میں نہیں ہیں۔ اور ان کا قطعاً کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ اپنے دل میں اور اپنی زبان پر بھی ان کے وجود کی نہ لائے۔ توحید معطلین یہ ہے کہ حقائق اسماء و صفات کی نفی کرنا، اپنی زبان سے بھی ان کا اقرار نہ کرنا، نہ ہی کسی ایسی آیت کا ذکر کرنا جس میں صفات الٰہی ہوں۔ اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث ماننا جس سے ان کی تھوڑی سی بھی تصریح ہوتی ہو یہ لوگ جن صفات کا انکار نہیں کر سکتے ان میں تحریف کرنی شروع کر دیتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان کی حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں یا انہیں ایسا لغو اسم بنا دیتے ہیں۔ جس کا کوئی معنی نہیں ہوتا اور اگر کوئی معنی ہوتا بھی ہے تو وہ لغو اور بیکار ہوتا ہے

فصل ۱۵۷

تنزیہ رسل اور تنزیہ معطلین میں فرق

انبیائے کرام اور رسولوں نے اللہ سبحانہ کو ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک تصور کیا ہے اللہ نے خود بھی ان عیوب و نقائص سے اپنی ذات کی پاکیزگی بیان فرمائی ہے کیونکہ عیوب و نقائص اللہ کی ربوبیت، عظمت کے کمال کے منافی ہیں جیسے، اونگھ، نیند، غفلت، تھکاوٹ، موت اور ظلم وغیرہ، انہوں نے اللہ سبحانہ کو بیوی، اولاد، ساتھی ساجھی، پشت پناہی کرنے والے وغیرہ عیوب سے بھی پاک تصور کیا ہے۔ وہ اس سے بھی اللہ کو پاک سمجھتے ہیں کہ اس نے اپنے بندوں کو بیکار چھوڑ دیا ہو۔ انہیں بے کار و عبث پیدا فرمایا ہو۔ آسمانی و ارضی مخلوق باطل وہ کسی قسم کے عذاب باثواب کے لئے نہ ہو اور ان کے لئے کوئی امر و نہی نہ ہو، اللہ کے ہاں اس کے دوست اور دشمن برابر ہوں، یا نیک و بدکار، کافر اور مومن برابر ہوں یا اللہ کی ملکیت میں کوئی ایسی چیز ہو۔ جسے اللہ تعالیٰ نہ چاہتے ہوں۔ یا اللہ تعالیٰ کسی وجہ سے دوسرے کا محتاج ہو۔ کسی معاملے میں اس کے ساتھ کوئی شریک ہو۔ یا اللہ تعالیٰ کو غفلت، سہو

اور نسیان وغیرہ بھی لگتے ہوں وہ وعدہ خلافی کرے، اپنے کلمات کو بدل دے یا اللہ کی جانب کوئی برا نام یا بری صفت منسوب ہو

اللہ سبحانہ کے تمام نام خوبصورت ہیں۔ اس کی تمام صفات کمالی ہیں اور اس کے تمام افعال خیر، حکمت اور مصلحت سے بھرپور ہیں اور رسولوں اور انبیاء کی تنزیہ یہی ہے۔

تنزیہ معطلین یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ نے جو اپنے ذاتی کمال بیان فرمائے وہ اس سب سے پاک ہے۔ انہوں نے اللہ کو کلام کرنے یا کسی کو اللہ سے ہمکلامی کرنے سے پاک سمجھا ہے۔ انہوں نے اللہ کو استواء علی العرش کسی کے اس کی طرف ہاتھ اٹھانے، پاکیزہ کلمات اللہ کی بارگاہ میں جانے اور فرشتوں اور روح کے اللہ کی طرف صعود کرنے یا اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے اوپر ہونے یا اپنی تمام مخلوق کے اوپر کسی بلند مقام پر ہونے وغیرہ سے پاک سمجھا ہے۔ اور وہ اس بات سے بھی اللہ تعالیٰ کو پاک سمجھتے ہیں، کہ اللہ نے ایک ہاتھ سے آسمان کو پکڑ رکھا ہے۔ اور دوسرے سے زمین کو، یا آسمان کو ایک انگلی پر روکے ہوئے ہے۔ اور زمین کو دوسری انگلی پر اور پہاڑوں اور درختوں کو کسی اور انگلی پر اور وہ اللہ سبحانہ کو اس بات سے بھی منزہ سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی چہرہ ہو جسے مومنین جنت میں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اس سے بات کرینگے۔ اسے سلام کرینگے۔ اور وہ ہنستے ہوئے ان پر تجلی فرمائیگا اور وہ اللہ کو اس سے بھی منزہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر رات آسمان دنیا پر آتا ہے اور فرماتا ہے کوئی ہے بخشش کا طالب کہ میں اسے بخش دوں، کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اسے دوں وہ نزول کو نہیں مانتے اور نہ ہی اس قول

من یستغفرنی فاغفر لہ الی آخرہ — جو مجھ سے استغفار کرتا ہے میں اسے بخشتا ہوں

کو مانتے ہیں۔

وہ اس سے بھی اللہ کو پاک سمجھتے ہیں کہ وہ کسی چیز کو کسی سبب سے کرے۔ بلکہ اس کے افعال بغیر کسی حکمت و غرض کے صادر ہوتے ہیں۔ وہ اس سے بھی اللہ کو پاک سمجھتے ہیں کہ اس کی مشیت تام ہو اور نافذ الارادہ ہو۔ بلکہ وہ ایک چیز کو چاہتا ہے اور بندے اس کے خلاف چاہتے ہیں۔ پھر ہوتا وہ ہے جو بندے چاہتے ہیں۔ وہ نہیں ہوتا جسے اللہ

چاہتا ہے۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے نہیں ہوتا اور جو نہیں ہوتا وہ چاہتا ہے۔ اس کو وہ عدل کہتے ہیں۔ اور ایسی تنزیہہ کو توحید کا نام دیتے ہیں۔ وہ اللہ کو اس سے بھی پاک سمجھتے ہیں کہ اس سے محبت کی جائے یا وہ محبت کرے، اور وہ اللہ تعالیٰ کو رأفت، رحمت، غضب، رضا سے بھی منزہ سمجھتے ہیں۔ اور بعض لوگ سننے اور دیکھنے سے بھی اسے پاک سمجھتے ہیں۔ بعض نے علم سے بھی اسے منزہ سمجھا ہے اور بعض نے وجود سے بھی اسے پاک سمجھا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وجود سے تشبیہ و تمثیل وغیرہ کا لزوم ہوگا۔ اس لئے واجب ہے کہ اللہ کو وجود سے پاک سمجھا جائے۔ یہ تنزیہہ ملحدین کی ہے، اور پہلی تنزیہہ رسولوں کی۔

فصل ۱۵۸

"حقائق اسماء و صفات اور تشبیہ و تمثیل میں فرق"

امام احمد اور دوسرے ائمہ کرام نے بیان کیا ہے۔ تشبیہ و تمثیل یہ ہے کہ تم کہو اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح، کان میرے کان کی طرح یا آنکھ میری آنکھ کی طرح ہے علیٰ ہذا القیاس لیکن جب تم کہو کان، آنکھ، ہاتھ، منہ اور استوار، مخلوق کی کسی بھی صفت کے مماثل نہیں مخلوق کی صفت اور اللہ کی صفت میں فرق ہے۔ جیسا کہ ان کے موصوفوں میں فرق ہے تو بتاؤ یہاں کونسی تمثیل یا تشبیہ رہ جاتی ہے۔ سوائے ملحدین کی لبیس کے کچھ بھی نہیں ہے حق کا مدار جس پہ تمام انبیاء و رسل کا اتفاق ہے یہ ہے کہ اللہ کی صفت اس طرح کرنی چاہیئے جس طرح اس نے خود اپنی صفت بیان کی ہے اور جیسے اس کے رسول نے بغیر کسی تحریف، تعطیل، تشبیہ و تمثیل کے بیان کیا ہے۔ اس کی صفات کو مخلوقات کی صفات سے تشبیہ نہیں دینی چاہیئے۔ جس نے اللہ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دی، اس نے کفر کیا۔ اور جس نے اللہ کی صفات کے حقائق کا انکار کیا جو صفات کہ اللہ نے خود بیان فرمائی ہیں اس نے بھی کفر کیا اور جس نے اسماء و صفات کے حقائق کو مانا ثابت کیا اور انہیں مخلوقات سے تشبیہ دینے سے انکار کیا اس نے صراطِ مستقیم کو پالیا۔

فصل ۱۵۹

تجرید توحید اور عدم فرق مراتب کے درمیان فرق

تجرید توحید یہ ہے کہ مخلوقات کو خالق اور اس کے خصائص سے کچھ بھی نہ دیا جائے۔ لہٰذا نہ مخلوق کی عبادت کی جائے۔ نہ اس کے لئے نماز پڑھی جائے نہ سجدہ کیا جائے۔ نہ ہی اس کے نام سے قسم کھائی جائے نہ ان کی نذر مانی جائے نہ ان پر توکل کیا جائے اور نہ ہی ان کے ناموں کو اللہ کے نام کے ساتھ ملا کر قسم کھائی جائے اور نہ ہی ان کی عبادت اللہ تعالیٰ کے تقرب حاصل کرنے کے لئے کی جائے اور نہ ہی مندرجہ ذیل اقوال کہے جن سے مخلوق و خالق میں برابری متصور ہوتی ہے جیسے جو اللہ نے چاہا اور تو نے، یہ اللہ تعالیٰ کی اور تیری طرف سے ایسا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے اور تیرے ساتھ ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ پر اور تجھ پر توکل کرنے والا ہوں۔ آسمانوں میں میرا خدا اللہ ہے اور زمین میں میرا خدا تو ہے، یہ تیرے کرم اور اللہ کے کرم سے ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اور تجھ سے توبہ کرتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی اور تیری حفاظت میں ہوں، یا مخلوق کے لئے سجدہ کرے جیسا کہ مشرکین اپنے فتیوخ کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے لئے اپنے سر کو منڈا لیتے۔ ان کے ناموں سے قسم کھائے ان کے لئے نذریں دے ان کی قبر کو سجدہ کرے یا ان مشکلات میں ان سے فریاد رسی کرے، اللہ کو ناراض کر کے اسے راضی کرے حالانکہ اللہ اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے لہٰذا اسی سے محبت کرے اسی سے ڈرے اور اسی سے امیدوار رہے۔ ایسا نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کو نظر انداز کر دے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو مساوی کرے جب مخلوق خصائص الٰہی کو توڑ کر اللہ کو عاجز جانے کہ وہ مقام کر دے۔ جو اپنے نفع، نقصان، موت، زندگی، اور نشور کا بھی مالک نہیں ہے۔ تو یہ جہل اللہ کے خصائص میں نقص ڈالنے والی ہے۔ مگر اس شخص کو اس کے مرتبہ سے گرانے والی نہیں ہوگی۔ مشرکین چاہے ایسے نہ مانیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس طرح نہ بڑھا دینا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھا دیا۔ میں تو بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا

بندہ اور اس کا رسول کہنا، فرمایا اے لوگو! میں پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے مقام سے اونچا مقام دو۔ فرمایا میری قبر کو عبادت گاہ نہ بنا دینا۔ فرمایا اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا دینا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ فرمایا یہ کہنا کہ جو اللہ اور محمدؐ نے چاہا، یہ آپ نے اس وقت فرمایا جبکہ ایک آدمی نے آپ سے کہا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اور آپ نے چاہا، آپ نے فرمایا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا۔ ایک شخص نے آپ سے کہا، میں گناہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری طرف ان سے توبہ کرتا ہوں محمدؐ کی طرف نہیں۔ آپ نے فرمایا حق نے اپنے اہل کو پہچان لیا۔

اللہ کریم نے حضورؐ سے فرمایا ہے

لیس لک من الامر شیئ	آپ کو کوئی اختیار نہیں ہے

اور فرمایا

قل ان الامر کلہ للہ	آپ کہہ دیجئے تمام حالات اللہ کے لئے ہیں

اور فرمایا

قل لا املک لنفسی ضرا ولا رشدا	کہہ دیجئے میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا مالک نہیں

اور فرمایا

قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا	آپ کہہ دیجئے مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور اور نہ میں اس کے سوا کسی کو پناہ گاہ پاتا ہوں۔

یعنی میں کسی کو نہیں پاتا کہ میں اس کا سہارا لوں اور اس پر اعتماد کروں۔ آپ نے اپنی لختِ جگر فاطمہؓ اور اپنے چچا حضرت عباسؓ اور اپنی پھوپھی صفیہؓ رضی اللہ عنہم سے فرمایا میں تمہارے لئے کسی چیز کا بھی اللہ کی طرف سے مالک نہیں ہوں۔ صحیح بخاری میں ہے میں تمہیں اللہ کی طرف سے کسی چیز سے بھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔

چونکہ مشرکین کو اپنے شیوخ اور خداؤں کے بارے میں یہ بڑی توہین کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے ان تمام کا انکار کر دیا، اور انہیں اپنے پیروؤں اور خداؤں کے لئے ثابت کرنے لگے۔ اور یہ خیال کرنے لگے۔ کہ جس نے ان صفات کی ہمارے خداؤں

سے نقص کی ہے۔ اس نے ان کے مرتبے کو کم کر دیا ہے۔ اس لئے وہ صفات الٰہی کو توڑنے مروڑنے لگے۔ یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں ہے۔

واذ ذکر اللہ وحدہٗ اشمأزت قلوب الذین لا یؤمنون بالآخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون۔	یعنی جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو ان کے دل پارہ پارہ ہونے لگتے ہیں۔ جو ایمان نہیں لائے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔

فصل ۱۶

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے اور اقوال علماء کو لغو ٹھہرانے میں فرق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع یہ ہے کہ جو کچھ آپ لائے ہیں اس پر کسی کے قول اور رائے کو مقدم نہ سمجھا جائے۔ چاہے کچھ بھی ہو ایسے مرتبہ پر حدیث کی صحت کے بارے میں غور کرنا چاہیئے۔ جب تم یہ جان لو کہ یہ صحیح حدیث ہے۔ تو پھر اس کے معنی میں تفکر کرنی چاہیئے۔ جب معانی بھی سمجھ میں آجائیں۔ تو پھر اس سے روگردانی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس بارے میں مشرق سے لے کر مغرب تک ساری دنیا ہی چاہے تمہاری مخالف کیوں نہ ہو جائے۔ معاذ اللہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جو کچھ حضور لائے ہیں تمام امت اس کی مخالف ہو جائے۔ امت میں کوئی نہ کوئی فرد ایسا بھی ہوگا۔ جو اس کا قائل ہوگا۔ اگرچہ آپ اس سے ناآشنا ہوں۔ تو تمہیں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اللہ اور اللہ کے رسول سے حجت بازی نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ نفس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اس معاملہ میں ہرگز ضعف کا اظہار نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس بات پر یقین رکھنا چاہیئے کہ یقیناً کوئی نہ کوئی اس کا بھی قائل ہوگا۔ گو ہم تک اس کی بات نہیں پہنچ سکی۔ اس کے باوجود علماء کے مراتب کو نگاہ میں رکھنا چاہیئے ان کے اعتقادات و دیانت کو ماننا چاہیئے اور دین کی حفاظت کے ان کے اجتہاد کو تسلیم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بہرصورت ایک اجر یا دو اجر کے مستحق ہیں۔ اور بخشش الٰہی کو پانے والے ہیں۔ مگر اس سے نص کو لغو قرار دینا ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محض شبہ کی بنا پر کسی

کے قول کو دوسرے کے قول پر مقدم کر دیا گیا۔ صرف اس لحاظ سے کہ وہ اس سے زیادہ جانتا ہے جس شخص نے علماء کے اقوال کا نص سے موازنہ کیا اور ان کی مخالفت کی جو نص کے مخالف تھے۔ اس نے بھی علماء کے اقوال کو لغو قرار نہیں دیا اور نہ ہی انہیں توڑا پھوڑا بلکہ اُن کی اقتداء کی ہے کیونکہ ان تمام نے اقتدائے رسول کی تاکید کی ہے۔ اس لئے کہ ان کے اس قول کا مخالف ہونا جو نص کے مخالف ہے زیادہ سہل ہے بہ نسبت کلی طور پر ان کے مخالف ہونے کے کیونکہ انہوں نے اس بات کی دعوت دی ہے کہ ان کے اقوال کو نص پر ترجیح نہ دی جائے۔ بلکہ پہلے نص کا اتباع کرنا چاہیئے۔ اور پھر ان کے اقوال کا۔ یہیں سے عالم کی تقلید اس کی سمجھ اور علمی روشنی سے مدد لینے کا فرق بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ عالم کا مقلد بغیر کسی سوچ بچار کے اس کے قول کو لے لیتا ہے۔ کتاب و سنت سے اس پر کوئی دلیل طلب نہیں کرتا۔ بلکہ یوں سمجھ لیجئے کہ وہ اس کو ایک رسّی سمجھ کر اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے۔ اس لئے اسے تقلید کہا جاتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جو عالم کی سمجھ بوجھ اور اس کی علمی روشنی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول تک پہنچنے کے لئے مدد لیتا ہے وہ اسے بمنزلہ ایک نشانی کے سمجھتا ہے جو اس کی منزلِ مقصود کی طرف اشارہ کرنے والی ہے۔ جب وہ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے اس نشانی کی ضرورت نہیں رہتی وہ اس سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

جو شخص ستارے سے قبلہ کو پہچانتا ہے اور اس کی طرف رخ کرتا ہے جب وہ قبلہ کا مشاہدہ کر رہا ہو تو پھر اسے ستارے کی دلالت کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ وہ اس سے بالکل مستغنی ہو جاتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے۔ کہ جس شخص پر سنتِ رسول ظاہر ہو جائے۔ یعنی اس کے سنتِ رسول ہونے میں کوئی شک نہ رہے تو اسے یہ حق نہیں ہے کہ وہ کسی کے قول کی بنا پر اسے چھوڑ دے۔ بلکہ سنت کو اختیار کرے اور قول کو چھوڑ دے

فصل ۱۶۱

اولیائے رحمٰن اور اولیائے شیطان میں فرق

اولیائے رحمٰن وہ ہیں جنہیں نہ کوئی غم ہے نہ خوف! یہ وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور متقی رہے۔ جن کا ذکر سورۂ البقرہ کے شروع میں اولئک ھم المفلحون تک آیا ہے۔ اور سورۂ بقرہ کے وسط میں بھی آیا ہے، ولکن البر من آمن باللہ سے لے کر اولئک الذین صدقوا و اولئک ھم المتقون تک۔ اور شروع سورۃ انفال میں

لھم درجات عند ربھم و مغفرۃ و رزق کریم۔	ان کے درجات میں پروردگار کے ہاں اور مغفرت ہے اور اچھا رزق ہے۔

تک بھی انہی لوگوں کا ذکر ہے۔ سورہ فرقان میں ان المسلمین والمسلمات آیت کے آخر تک اور

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا و کانوا یتقون۔	سنو اولیاء اللہ پر نہ کوئی غم ہے نہ خوف یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور متقی تھے

بھی انہی لوگوں کی شان میں ہے اور

التائبون العابدون الحامدون	توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے اور حمد کرنے والے

(آیت کے آخر تک) یہ بھی انہی لوگوں کا ذکر ہے

اولیائے رحمان اللہ کے وہ مخلص بندے ہیں۔ جو حلال و حرام میں اس کے رسول کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں، وہ سنت رسول کی مخالفت کرنے والے کے مخالف ہیں اور کسی کی خاطر سنت رسول کی مخالفت نہیں کرتے۔ نہ وہ بدعتی بنتے ہیں اور نہ ہی بدعت کی طرف دعوت دیتے ہیں، نہ وہ اللہ، رسولؐ، اور صحابہ کے طریقے کو چھوڑتے ہیں اور نہ وہ اپنے دین کو لہو و لعب بناتے ہیں نہ وہ شیطانی سماع کو قرآن کے سننے پر ترجیح دیتے ہیں۔ نہ ہی فتنہ پرداز لوگوں کی صحبت سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور نہ گانے بجانے وغیرہ کو سورۂ فاتحہ پر ترجیح دیتے ہیں۔

اولیائے رحمٰن اور اولیائے شیطان بے بصیرت اور ایمان سے بے بہرہ شخص کے لئے مشتبہ ہو سکتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول سے اعراض کیا۔ ان کی مخالفت کو اپنا طریقہ بنایا۔ ان کی مخالفت کے لئے محاذ قائم کئے۔ اللہ اور اللہ کے پیارے رسولؐ کے طریقے کو چھوڑا

ان اولیاءہ الا المتقون و لکن اکثرھم لا یعلمون، — "اللہ کے دوست تو وہی ہیں جو متقی ہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"

اولیائے رحمٰن جس ذات (اللہ) کو پسند کرتے ہیں اور جس سے محبت کرتے ہیں اس سے اوروں کو بھی ملاتے ہیں اور اسی کی طرف دعوت ہیں۔ جو شخص ان کی اطاعت نہیں کرتا وہ اس سے لڑتے ہیں۔ اور اولیائے شیطان اس ذات سے ملاتے ہیں۔ جو ان کا والی (شیطان) چاہتا ہے۔ اور شیطانی باتوں اور کاموں کی دعوت دیتے ہیں۔ جو شخص ان کی مخالفت کرتا ہے۔ وہ اس سے لڑتے ہیں۔ جب تم دیکھو کہ ایک شخص سماع شیطانی کو پسند کرتا ہے۔ شیطان کی آواز اور شیطان کے بھائیوں سے محبت کرتا ہے اور اس چیز کی دعوت دیتا ہے۔ جو شیطان کو پسند ہے۔ مثلاً شرک، بدعت، فسق و فجور وغیرہ تو تمہیں یقین کر لینا چاہیئے کہ یہ شخص بھی شیطان کا دوست ہے۔ اگر پھر بھی اس کی حالت تم پر مشتبہ رہے تو اسے تین مقامات میں آزماؤ۔ (۱) نماز، سنت رسول اور اہل سنت کی محبت (۲) اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف دعوت (۳) توحید، اس کی پیروی اور سنت کے فیصلے میں اس کی رائے ان باتوں میں اس کا اچھی طرح موازنہ کر لو۔ اور اس کا موازنہ حالت، کشف، خارق عادت وغیرہ دیکھنے سے نہیں کرنا چاہیئے۔ اگرچہ وہ پانی پر چلے اور ہوا میں اڑ کر دکھائے۔

فصل ۱۶۲

حالت ایمانی اور حالت شیطانی میں فرق

حالت ایمانی۔ اتباع رسول، اخلاص فی العمل، توحید اور مسلمانوں کو دینی و دنیاوی

نفع پہنچانے کا ثمرہ ہے یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ جب انسان سنت پر استقامت اور امر و نہی پہ کاربند رہے اور حالتِ شیطانی وہ ہے۔ جس کی نسبت شرک یا گناہوں کی طرف ہو۔ یہ حالت شیطان کے قرب اور اس کی مشابہت سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ حالت تورا، آگ، صلیبوں اور شیطانوں کے پجاریوں کی ہوتی ہے۔ وہ ضعیف الایمان اور کمزور عقل والے لوگوں کو بہلاتے پھسلاتے رہتے ہیں دیکھو لا الہ الا اللہ کہنے کی بنا پر کتنی مخلوق ہلاک کی گئی۔ انتہا کی کوشش کی گئی کہ انہیں مرتد کیا جائے۔ اور ان کے دین کو ان پہ مشکوک کر دیا جائے۔ اگر اللہ چاہتا تو شیطان کے پجاری ایسا نہ کرتے۔ ہر وہ حالت جو انسان کو کتاب کے حکم اور رسول کی اتباع سے خارج کر دے۔ وہ شیطانی حالت ہے چاہے کبھی بھی ہو۔

ہم نے جادوگروں آتش پرستوں، صلیبوں کے پجاریوں اور بہت سے ایسے شخصوں کے متعلق سنا ہے۔ کہ وہ ظاہراً اپنے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن ان کے باطن کو اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ یہ شیطان کی دوستی کی راہیں ہیں اس لئے یہ تمام شیطانی حالتیں ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسا شخص سچا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا معاملہ اس کی جہالت کی وجہ سے گڈمڈ ہو جاتا ہے۔ اس کی حالت باوجود زہد، عبادت اور اخلاص کے شیطانی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے معاملے کو قلتِ علم کی بنا پر امورِ شیاطین و امورِ ملائکہ کے ساتھ ملا ڈالا اور حقائقِ ایمانیہ سے اندھا رہ گیا۔ کبھی ان میں سے شمار ہونے لگا کبھی ان میں سے اس لئے ایسے اشخاص کو پہچاننے کے لئے لوگوں کو بڑی دقت ہوئی، وہ ہر کالی چیز کو کھجور سمجھنے لگے اور ہر سفید چیز کو چربی گمان کرنے لگے۔ اور فرقان کو ایک عام چیز سمجھنے لگے، حالانکہ وہ تو ایک نور ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نیک دل میں ڈالتے ہیں۔ جس سے حق و باطل میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔ اور معاملات کی برائی بھلائی کو پرکھا جاتا ہے اور اچھے اور برے کی تمیز کی جاتی ہے پس جو شخص فرقان سے محروم رہا، وہ شیطانی پھندے میں گرا۔ فاللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

فصل ۱۶۲

حکم منزل، اور حکم مأول میں فرق

حکم منزل وہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمایا۔ اور اپنے بندوں کو اس کی پیروی کا حکم دیا، یہی وہ حکم ہے جس کے سوا کوئی دوسرا مخالف حکم نہیں۔ لیکن حکم ماوّل مختلف مجتہدین کے اقوال ہوتے ہیں۔ جن کی اتباع واجب نہیں۔ نہ ان کے مخالف کو کافر کہا جا سکتا ہے، نہ فاسق، کیونکہ ان اقوال کے قائلوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ اللہ کا حکم ہے یا رسول اللہ کا فرمان ہے، بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ ہمارا اجتہاد ہے۔ ہماری رائے ہے جو چاہے اسے قبول کرے اور جس کا دل نہ چاہے وہ قبول نہ کرے۔ نہ ہی انہوں نے امت پر ان کا ماننا لازمی ٹھہرایا ہے۔ بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ ہمارا اجتہاد ہے۔ ہماری رائے ہے جو چاہے اسے قبول کرے اور جس کا دل نہ چاہے وہ قبول نہ کرے۔ نہ ہی انہوں نے امت پر ان کا ماننا لازمی ٹھہرایا ہے۔ بلکہ حضرت امام حنیفہؒ نے فرمایا ہے۔ کہ یہ میری رائے ہے جو اس سے بہتر لے آئے ہم اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر اُن کا کہنا عین حکم الٰہی ہوتا تو ابو یوسف اور محمد وغیرہ ان سے اختلاف نہ کرتے۔

اسی طرح امام مالکؒ سے ہارون الرشید نے مشورہ لیا کہ جو کچھ موطا میں ہے کیا اس کا لوگوں کو مطیع بنانا چاہیئے تو امام مالکؒ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا رسول اللہ کے اصحاب شہروں میں متفرق ہو گئے ہیں۔ ہر قوم کے پاس ایک علم ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے ادھر امام شافعی کہ لیجئے جو اپنی تقلید کرنے سے اپنے ساتھیوں کو منع کر رہے ہیں اور انہیں وصیت کر رہے ہیں کہ ان کا قول حدیث کے مخالف آ جائے تو اسے چھوڑ دیا جائے۔ حضرت امام احمد ہیں کہ جو اُن کا فتویٰ لکھتا ہے اسے بُرا سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ میری اقتدا مت کرو اور نہ فلاں فلاں کی اقتدا کرو۔ بلکہ وہاں سے لو۔ جہاں سے انہوں نے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

اگر ان کا یہ اعتقاد ہوتا کہ ان کے اقوال کی اتباع واجب ہے تو وہ اپنے ساتھیوں کے لئے اپنی مخالفت حرام کر دیتے۔ اور نہ ہی ان کے اصحاب ان کے اقوال کے خلاف فتوے دیتے جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جو اُن سے جو روایت کر رہے ہیں انہیں کے خلاف فتوے دے رہے ہیں۔ پھر طرفہ تماشا یہ کہ خود اُن سے ایک ہی مسئلہ میں دو قول مروی ہوتے ہیں۔ بلکہ تین قول بھی اور بعض اوقات تین سے بھی زیادہ لہٰذا اگر اجتہاد اور رائے میں ان کی اتباع کی جائے تو بہتر ہے۔ لیکن حکم منزل کے لئے کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس کے خلاف کرے اور اس سے نکلے۔

حکم مبدل:۔ یہ وہ حکم ہے جسے اللہ نے نازل نہیں فرمایا۔ ایسے حکم کا نافذ کرنا حلال نہیں ہے اور نہ اس پر عمل کرنا درست ہے ایسے حکم کا قائل کفر و فسق کے درمیان ہے۔

اس تمام بیان سے مقصود تینوں نفسوں یعنی مطمئنہ، لوامہ اور امارہ کے بعض حالات سے متنبہ کرنا ہے۔ جن میں وہ مشترک ہو جاتے ہیں یا جن میں وہ ایک دوسرے سے متمیز ہو جاتے ہیں نیز ہر ایک کے افعال، اختلاف، مقاصد اور ان کی نیات کے بارے میں متنبہ کرنا مقصود ہے یہ واضح رہے کہ ان سب کے پیچھے ایک ہی نفس ہے کبھی وہ امارہ بن جاتا ہے کبھی لوامہ اور کبھی مطمئنہ اکثر لوگوں پر نفس امارہ ہی غالب ہے۔ رہا مطمئنہ یہ بہت ہی تھوڑے انسانوں میں ہوتا ہے۔ اور اللہ کے ہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے اسی کے بارے میں آیا ہے کہ اس سے کہا جائیگا

ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی:۔ لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی، داخل ہو جا میرے بندوں میں اور میری جنت میں۔

ہم اللہ سے سوال کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ ہمارے نفوس کو بھی مطمئنہ بنا دے۔

اور ہمارے نفوس کو شر سے محفوظ رکھے، برے اعمال سے بچائے اور ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جن کے دل اللہ کی یاد سے غافل ہو گئے ہیں اور جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ نہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اعمال کے لحاظ سے خسارے میں ہیں اور نہ اُن سے جن کی سعی حیاتِ دنیا ہی میں گم ہو گئی ہے اور وہ اس گمان میں ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔

انہ سمیع الدعاء واھل الرجاء وھو حسبنا ونعم الوکیل۔

تمام شد

فہرست

فصل (۱) مردوں کو زندوں کی قبر پر آنے اور سلام کرنے کی خبر ہوتی ہے
فصل (۲) مردے زندوں کے حالات دریافت کرتے ہیں
فصل (۳) مردہ تلقین کو سنتا ہے
فصل (۴) روحیں آپس میں ملاقات کرتی ہیں۔
فصل (۵) مردوں کی روحیں زندوں کی روحوں سے ملتی ہیں
فصل (۶) روح مرتی ہے یا نہیں۔
فصل (۷) روحوں میں کیسے امتیاز ہوتا ہے؟
فصل (۸) میت کی روح سوال کے لئے قبر میں لائی جاتی ہے یا نہیں۔
فصل (۹) عذاب قبر روح پر ہے یا بدن پر یا دونوں پر
فصل (۱۰) صحیح مسلک
فصل (۱۱) دلائل، عذاب قبر اور نکیرین
فصل (۱۲) عذاب قبر حق ہے
فصل (۱۳) عذاب قبر عذاب برزخ ہے خواہ مردہ دفن کیا جائے یا نہ کیا جائے۔
فصل (۱۴) ملحدین کے اعتراضات اور ان کے جوابات
فصل (۱۵) حدیث رسول اللہ کو کس طرح سمجھنا چاہیئے۔
فصل (۱۶) دار دنیا، دار برزخ، اور دار القرار
فصل (۱۷) عالم آخرت امر غیبی ہے۔
فصل (۱۸) قبر کی آگ یا شادابی دنیا کی سی نہیں ہے
فصل (۱۹) دنیا میں عالم برزخ سے بھی زیادہ عجیب باتیں ہیں

فصل (۲۰) مصلوب، غریق، اور سوختہ کی روح واپس آسکتی ہے۔
فصل (۲۱) عذاب وثواب قبر، برزخ کے عذاب وثواب کا نام ہے۔
فصل (۲۲) موت پہلی معاد اور بعث اول ہے۔
فصل (۲۳) کیا عذاب قبر کا ذکر قرآن میں ہے؟
فصل (۲۴) عذاب قبر کیوں ہوتا ہے؟
فصل (۲۵) عذاب قبر سے کیسے نجات ہو؟
فصل (۲۶) عذاب قبر کن لوگوں کے لئے ہے؟
فصل (۲۷) کیا نکیرین کا سوال اسی امت کے ساتھ خاص ہے؟
فصل (۲۸) کیا بچوں سے قبر میں سوال ہوتا ہے؟
فصل (۲۹) عذاب قبر دائمی ہے یا وقتی؟
فصل (۳۰) روحیں قیامت تک کہاں رہتی ہیں؟ بدن میں ہوتی ہیں یا بدن سے مجرد
فصل (۳۱) روحیں جنت میں رہتی ہیں۔
فصل (۳۲) مجاہد کہتے ہیں روحیں جنت میں نہیں ہیں۔
فصل (۳۳) بعض کہتے ہیں روحیں قبروں پر رہتی ہیں
فصل (۳۴) بڑی اور چھوٹی روحیں
فصل (۳۵) مومنوں کی روحیں خدا کے پاس رہتی ہیں
فصل (۳۶) بعض کہتے ہیں مومنوں کی روحیں جابیہ میں اور کافروں کی برہوت میں ہیں
فصل (۳۷) روحیں زمین میں جمع ہوتی ہیں۔
فصل (۳۸) مومنوں کی روحیں علیین میں اور کافروں کی سجین میں ہیں۔
فصل (۳۹) بعض کہتے ہیں مسلمانوں کی روحیں چاہ زمزم میں ہیں
فصل (۴۰) روحیں زمین کے برزخ میں ہیں۔
فصل (۴۱) مومنوں کی روحیں آدم کے دائیں اور کافروں کی بائیں ہیں۔
فصل (۴۲) روحوں کا مستقر مرنے کے بعد وہی ہے جہاں پیدائش سے پہلے تھیں

فصل (۴۳) بعض کہتے ہیں روحوں کا مستقر عدم محض ہے

فصل (۴۴) بعض کہتے ہیں روحوں کا مستقر موت کے بعد اور اجسام ہیں۔

فصل (۴۵) کیا مردوں کی روحوں کو زندوں کے عمل سے فائدہ پہنچتا ہے؟

فصل (۴۶) ان چیزوں سے نفع حاصل کرنے کے دلائل جن کا باعث میت نہیں ہوا۔

فصل (۴۷) صدقہ کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

فصل (۴۸) روزے کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

فصل (۴۹) حج کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

فصل (۵۰) لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت وغیرہ کا مفہوم

فصل (۵۱) مرنے سے انقطاع اعمال

فصل (۵۲) ثواب کا بخشنا حوالہ ہے

فصل (۵۳) سبب ثواب کا بخشنا

فصل (۵۴) زندہ کو ثواب بخشنا

فصل (۵۵) تہائی، چوتھائی ثواب بخشنا

فصل (۵۶) خصوصی عمل کا ثواب

فصل (۵۷) واجبات کا ثواب بخشنا

فصل (۵۸) تکالیف شرعیہ امتحان ہیں

فصل (۵۹) کیا کسی کی طرف سے توبہ کی جا سکتی ہے؟

فصل (۶۰) عبادت نیابت وغیر نیابت

فصل (۶۱) مردے کی طرف سے ولی کے روزہ رکھنے کی بحث

فصل (۶۲) ابن عباس کہتے ہیں کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے

فصل (۶۳) ابن عباس کی حدیث کے متعلق بحث

فصل (۶۴) ابن عباس کی حدیث اور امام شافعی

فصل (۶۵) اہل علم کا اختلاف مردے کی طرف سے روزہ رکھنے کے بارے میں

فصل (۶۶) حج میں روپیہ خرچ کرنے کا ثواب ہوتا ہے یا ارکان کا۔
فصل (۶۷) ثواب پہنچانے کا طریقہ
فصل (۶۸) روح قدیم ہے یا محدث و مخلوق ہے
فصل (۶۹) روح مرتی ہے یا نہیں
فصل (۷۰) روحوں کی پیدائش کے متعلق دلائل۔
فصل (۷۱) سلف و خلف میں روح کے بارے میں اختلاف
فصل (۷۲) و نفخت فیہ من روحی سے استدلال
فصل (۷۳) روحوں کا جسموں سے پہلے پیدا ہونا یا بعد میں
فصل (۷۴) عمرو بن عبیہ کی روایت سے استدلال
فصل (۷۵) واذ اخذ ربک والی آیت سے استدلال
فصل (۷۶) جسموں کو روحوں سے پہلے پیدا نہیں کیا گیا۔
فصل (۷۷) کیا روحوں کو جسموں کے بعد پیدا کیا گیا ہے۔
فصل (۷۸) نفس کی کیا حقیقت ہے؟
فصل (۷۹) ابو موسیٰ کی حدیث
فصل (۸۰) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث
فصل (۸۱) حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث
فصل (۸۲) ارواح لشکروں کی صورت میں ہیں
فصل (۸۳) مردوں کی ارواح اہل ارض سے ملاقات کرتی ہیں
فصل (۸۴) جسمیت روح کے بارے میں مخالفین کے دلائل
فصل (۸۵) پہلا شبہ
فصل (۸۶) دوسرا شبہ
فصل (۸۷) تیسرا شبہ
فصل (۸۸) چوتھا شبہ